نے اس کو اپنے پاس بٹھایا اور فرمایا وہ شخص مجھے سب سے زیادہ دوست اور محبوب ہوگا جو شخص اس کے گھر اپنا کھانا لے جائے تاکہ اس کے گھر والوں کو روزی نصیب ہو سکے تاکہ اس طرح تکبر جاتا ہے۔ اسی طرح مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) سے فرمایا کہ کیا وجہ ہے کہ میں تمہارے اندر عبادت کی حلاوت نہیں پاتا، صحابہ کرام رضی نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) عبادت کی حلاوت کیا چیز ہے ؟ آپ نے فرمایا **تواضع!**

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ جب تم کسی صاحب تواضع کو دیکھو تو اس کے ساتھ تواضع سے پیش آؤ اور اگر متکبر کو دیکھو تو اس سے تم بھی تکبر کرو تاکہ وہ ذلیل وخوار ہو۔

اس سلسلہ میں صحابہ کرام اور بزرگانِ دین کے ارشادات

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے کہ اے لوگو! تم اُس عبادت سے جو سب سے بہتر ہے غافل ہو، وہ عبادت تواضع ہے۔ شیخ فضیل بن عیاض فرماتے ہیں کہ تواضع کے معنی یہ ہیں کہ تم حق بات کو قبول کرو خواہ اس کا کہنے والا کوئی ہو لڑکا ہو یا کوئی بہت ہی نادان شخص ہو!

ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تواضع کے معنی یہ ہیں کہ دنیاوی حیثیت میں جو تم سے کم ہو اس سے تم تواضع سے پیش آؤ تاکہ یہ ظاہر ہو جائے کہ دنیاوی حیثیت کی برتری کی وجہ سے وہ خود کو برتر و بزرگ نہیں سمجھتا اور اگر کوئی شخص دنیاوی حیثیت میں تم سے بڑھ کر ہے اس کے مقابل میں خود کو برتر ثابت کرے (تواضع اختیار نہ کرے) تاکہ اس کو معلوم ہو جائے کہ تم اس کی دولت سے مرعوب نہیں ہو (تمہاری نظر میں اس کی دولت کی کچھ قدر و منزلت نہیں ہے)

اللہ جل شانہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ اے عیسیٰ جب میں تم کو ایک نعمت دوں تو اگر تم تواضع کے ساتھ اس کا استقبال کرو گے تو میں مزید نعمت سے تم کو سرفراز کروں گا۔

شیخ ابن سماک رحمۃ اللہ علیہ نے ہارون الرشید سے کہا کہ اے امیر المومنین آپ کا حالتِ بزرگی میں تواضع کرنا آپ کی اس بزرگی سے کہیں بڑھ کر ہے۔ ہارون الرشید نے کہا کہ آپ سچ کہتے ہیں، انہوں نے پھر کہا اے امیر المومنین! خداوند تعالےٰ نے جس کو جاہ جمال و مال عطا فرمایا اور اس نے اس مال سے دوسروں کی غم خواری کی اور جاہ و حشمت کی حالت میں تواضع اختیار کی اور اپنے جمال میں پارسائی اور عفت کو برقرار رکھا اس کا نام اللہ تعالےٰ کے دفتر میں مخلص بندوں میں لکھا جائے گا یہ سُن کر ہارون الرشید نے دوات اور قلم طلب کیا اور اس نصیحت کو لکھ لیا۔

نقل ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنی بادشاہت کے ایام میں صبح کے وقت تونگروں کی احوال پرسی فرماتے اس کے بعد فقیروں اور بے نواؤں کے ساتھ بیٹھتے اور فرماتے کہ ایک مسکین دوسرے مسکینوں کے ساتھ بیٹھتا ہے۔

بہت سے بزرگانِ دین اور علماء ملت نے تواضع کی خوبیاں بیان فرمائی ہیں۔ چنانچہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تواضع یہ ہے کہ جب تم باہر جاؤ تو جس کسی کو دیکھو اس کو اپنے سے بہتر سمجھو۔ شیخ مالک دینار رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ اگر کوئی میرے دروازے پر آواز دے اور کہے کہ اے گھر والو تم میں جو سب سے بد ہو وہ باہر نکل کر آئے تو کوئی شخص اس بات میں مجھ سے آگے نہیں بڑھے گا (میں سب سے پہلے نکل کر جاؤں گا) البتہ جبر سے دوسری بات ہے (کہ کوئی مجھ پر جبر کرے اور خود پہلے باہر نکل جائے) شیخ ابن المبارک نے جب یہ بات سُنی تو کہا کہ مالک دینار کی بزرگی کا یہی راز تھا (کہ وہ حد درجہ متواضع تھے۔)

کسی شخص نے شیخ شبلی قدس سرہ کی خدمت میں حاضری دی تو شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے کہا مَا اَنْتَ تو کیا چیز ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں وہ نقطہ ہوں جو حرفِ یا کے نیچے لگا ہو (یعنی مجھ سے کمتر اور نیچے کوئی چیز نہیں ہے) حضرت شبلیؒ نے فرمایا ابادا اللہ شاهدك حق تعالےٰ تجھے تیرے آگے سے اٹھائے (بلند مرتبہ دے) کہ تو نے خود کو نیچے اور احقر میں رکھا ہے۔

نقل ہے کہ کسی بزرگ نے حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھا اور ان سے کہا کہ مجھے کچھ نصیحت فرمایئے تو فرمایا کہ توانگروں کا ثواب آخرت کے لیے درویشوں کے سامنے تواضع سے پیش آنا پسندیدہ ہے اور درویشوں کا توانگروں کے سامنے تکبر کرنا فضلِ الٰہی پر اعتماد کرتے ہوئے اس سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔

یحییٰ بن خالد کا قول ہے کہ کریم جب پارسا ہوتا ہے تو تواضع اختیار کرتا ہے اور کمینہ نادان جب پارسائی اختیار کرتا ہے تو اس میں تکبر پیدا ہوتا ہے۔ شیخ بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں "جب تک ایک آدمی کسی شخص کو بھی خود سے بدتر سمجھتا ہے وہ متکبر ہے۔" سید الطائفہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ ایک بار جمعہ کو مجلس میں فرمانے لگے کہ اگر حدیث شریف میں یہ وارد نہ ہوا ہوتا کہ "قوم کا سردار ان کا خادم ہوتا ہے"۔ تو میں کبھی تم کو وعظ سنانا روا نہ رکھتا، آپ نے یہ بھی فرمایا۔ اہلِ توحید کے نزدیک تواضع تکبر ہے۔ تواضع یہ ہے کہ انسان خود کو اتنا نیچا کر دے کہ اس سے آگے گنجائش نہ ہو اور جب اس کو مزید نیچا کرنے کی حاجت پیش آئے تو سمجھ لینا چاہیے کہ اس نے خود کو پہلے اونچے درجہ میں رکھا تھا۔

شیخ عطاء سلمیؒ کی یہ عادت تھی کہ جب آندھی آتی تھی یا رعد کی آواز آتی تھی تو اٹھ کر حاملہ عورتوں کی طرح اپنا ہاتھ پیٹ پر مارتے اور فرماتے کہ سب میری نحوست ہے جو مخلوق کو تکلیف پہنچ رہی ہے۔

لوگ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک دوسرے پر فخر کرنے لگے تو انہوں نے فرمایا کہ لوگو! میری ابتدا اور آغاز ایک نطفہ ہے اور میرا انجام ایک مردار ہے۔ جب قیامت میں اعمال کو تولیں گے تو اس دن اگر میری نیکی کا پلہ بھاری ہے تو میں بزرگی والا ہوں نہیں تو ذلیل و خوار ہوں۔

☆

تکبّر کی حقیقت اور اُس کی آفت

اے عزیز معلوم ہونا چاہیئے کہ تکبّر ایک بہت بُری روش ہے۔ اگرچہ اخلاق دل کی صفات ہیں لیکن ان کا اثر ظہور میں آتا ہے۔ تکبّر کے معنی یہ ہیں کہ انسان خود کو دوسروں سے بہتر اور فائق سمجھے اور اس خیال سے اس کے دل میں غرور پیدا ہو، اسی غرور کا نام تکبّر ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالےٰ سے دُعا فرماتے تھے اَعُوذُبِکَ مِن نَفخَۃِ الکِبرِ الٰہی میں تکبّر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ جب یہ غرور آدمی میں پیدا ہوتا ہے تو دوسروں کو اپنے سے کمتر سمجھتا ہے اور ان کو چشمِ حقارت سے دیکھتا ہے بلکہ ان کو اپنی خدمت کے لائق بھی نہیں سمجھتا اور کہتا ہے کہ تو کیا چیز ہے جو میری خدمت کے لائق ہو سکے۔ جس طرح کہ خلفاء (امراء المسلمین) اور سلاطین ہر ایک شخص کو اجازت نہیں دیتے کہ ان کی آستان بوسی کرے اور نہ ان کو اس کی اجازت ہوتی ہے کہ وہ خود کو بندہ سلطان یا بندہ امیر لکھیں، ہاں یہ بادشاہوں کو اجازت دیتے ہیں (کہ وہ آستاں بوسی کریں) ان کا یہ تکبّر تو حق تعالےٰ کی بزرگی اور شان سے بھی بڑھ گیا کیونکہ حق تعالےٰ باایں ہمہ شان و عظمت ہر ایک کی بندگی اور ہر ایک کا سجدہ قبول فرماتا ہے (اجازت ہے کہ اس کی بندگی کرے اور سجدہ ریز ہو) اور اگر بالفرض متکبّر کو یہ درجہ اور یہ منزلت حاصل نہیں ہے تو اور کچھ نہیں تو اُٹھنے بیٹھنے، چلنے، پھرنے ہی میں اپنی برتری کا پہلو نکالے اور دوسروں سے تعظیم کی امید رکھے اور کسی کی نصیحت کو قبول نہ کرے اور اگر خود دوسروں کو نصیحت کرے تو سختی سے کہے اور اگر اس کو کچھ بتائیں تو غضب ناک ہو اور لوگوں کو اس طرح دیکھے جس طرح جانوروں کو دیکھتے ہیں۔

سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں نے دریافت کیا کہ متکبّر کس کو کہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا متکبر وہ ہے جو خدا کے واسطے گردن نہ جھکائے۔

اور دوسرے لوگوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھے۔ یہ دونوں خصلتیں انسان کی، بندے میں اور حق تعالےٰ میں بڑے حجاب کا سبب ہوتی ہیں اور اس سے بُرے اخلاق پیدا ہوتے ہیں اور انسان نیک اخلاق سے محروم رہتا ہے۔ کیونکہ جس آدمی پر خود پسندی اور نخوت غالب ہو اور وہ مسلمانوں کو اپنے برابر اور اپنے لائق نہ سمجھے تو یہ کام مومنوں کو سزاوار نہیں، اور کسی کے ساتھ تواضع سے پیش نہ آئے یہ بھی متقیوں کا شیوہ نہیں ہے، بغض اور عداوت، حسد سے دستبردار نہ ہو غصّے کو نہ روک سکے، زبان کو غیبت سے محفوظ نہ رکھے، دل کو رنج و ملال سے پاک نہ کرے۔ جب کوئی شخص اس کی تعظیم و تکریم نہ کرے تو اس سے رنجیدہ اور ملول ہو، ایسے شخص کا ادنیٰ ہُنر یہ ہے کہ وہ تمام دن اپنی بڑائی، خود پسندی

اور اپنے کام کو بلندی دینے میں مصروف رہے۔ فریب، دروغ اور نفاق کو اختیار کرے۔
حقیقت یہ ہے کہ جب تک انسان خود کو فراموش نہ کرے اور دنیاوی آرام سے بے تعلق نہ ہو وہ مسلمانی سے بے خبر ہے۔ کسی بزرگ کا ارشاد ہے: کہ اگر آدمی بہشت کی خوشبو سونگھنا چاہتا ہے تو اس کو چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو ہر ایک انسان سے کم تر سمجھے، اگر آدمی کو یہ قدرت ہو کہ وہ دو تکبر کرنے والوں کے، جو ایک دوسرے سے تکبر کے ساتھ ملتے ہیں دیکھ سکے، تو وہ دیکھے کہ کسی فضلہ اور براز میں بھی وہ عفونت، بدبو اور گندا پن نہیں ہو گا کیونکہ ان دونوں کا باطن کتوں جیسا ہے اگرچہ یہ اپنے ظاہر کو اس طرح سنوارتے ہیں جیسے عورتیں سنوارتی ہیں۔
وہ الفت و محبت جو مسلمان بھائیوں کو ایک دوسرے کی ملاقات سے ہوا کرتی ہے، ان تکبر کرنے والوں میں کبھی نہیں پائی جائے گی۔ کسی کو دیکھ کر راحت تو اسی وقت ہو سکتی ہے جب تم خود کو اس پر نثار کر دو اور اس کی عزت و تکریم میں محو ہو جاؤ یا اس کے برعکس ہو یعنی وہ خود کو فدا کر دے اور تو باقی رہے یا دونوں ہی فنا فی اللہ ہوں اور اپنے وجود کی طرف ہرگز متوجہ نہ ہوں، کمال حقیقت اسی میں ہے اور ایسے اتحاد میں کمال راحت ہے۔
الغرض جب تک دوئی موجود ہے راحت حاصل نہیں ہو گی کیونکہ راحت یگانگی میں پنہاں ہے۔

تکبّر کے مختلف درجے

خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تکبّر: اے عزیز معلوم ہونا چاہیئے کہ بعض تکبّر بہت ہی قبیح اور برے ہیں یہ فرق اس کے لحاظ سے ہے جس سے تکبّر کیا جاتا ہے۔ تکبّر یا تو خدا کی جناب میں ہو گا یا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یا خدا کے بندوں کے ساتھ، اس اعتبار سے اس کے تین درجے ہیں۔ اوّل درجہ میں وہ تکبّر ہے جو حق تعالیٰ کی جناب میں ہو، جیسے نمرود، فرعون اور ابلیس کا تکبّر یا ایسے لوگوں کا تکبّر جو دعویٰ خدائی کرتے ہیں اور اس کی بندگی بجالانے سے عار کرتے ہیں۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ
مسیح اللہ کا بندہ بننے سے کچھ نفرت نہیں کرتا اور نہ مقرب فرشتے۔

دوسرے درجہ میں وہ تکبّر ہے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کریں جس طرح کفار قریش نے کیا اور کہا کہ ہم اپنے جیسے ایک بشر کی اطاعت نہیں کریں گے۔ ہمارے پاس اللہ تعالیٰ نے کسی فرشتے کو کیوں نہیں بھیجا یا کسی مغرور سردار کو کیوں نہیں بھیجا، بھیجا تو ایک نادار یتیم کو بھیجا!

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْیَتَیْنِ عَظِیْمٍ ۝ — اور بولے کیوں نہ اتارا گیا یہ قرآن ان دو شہروں کے کسی بڑے آدمی پر۔

اور ان سے دو گروہ تھے، ان میں سے ایک جماعت کے لیے یہ تکبر سدِ راہ بن گیا اور انہوں نے کچھ فکر نہیں کی اور نبوت کو نہیں پہچانا۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰیٰتِیَ الَّذِیْنَ یَتَكَبَّرُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ ؕ — میں تکبر کرنے والوں کو حق کی نشانیوں کے دیکھنے سے باز رکھوں گا۔

اور دوسری جماعت کے لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جانتے تھے پر انکار کرتے تھے اور تکبر کے باعث انکا دل قبولِ نبوت پر آمادہ نہیں ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَیْقَنَتْهَاۤ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ۝ — اور ان کے دلوں میں تو یقین تھا مگر ظلم اور تکبّر سے ان کا انکار کیا۔

تیسرا درجہ وہ تکبّر ہے جو آدمی خدا کے عام بندوں کے ساتھ کرے اور ان کو چشمِ حقارت سے دیکھے، حق بات کو نہ مانے اور خود کو ان سے بہتر اور بزرگ سمجھے یہ درجہ اگرچہ پہلے دو درجوں سے کم تر ہے لیکن دو سبب سے یہی سب سے بُرا درجہ ہے۔ ایک سبب تو یہ ہے کہ بزرگی حق تعالیٰ کی صفت ہے پس ضعیف اور عاجز بندے کو جس کا کوئی کام بھی اس کے اختیار میں نہیں خود کو بزرگ خیال کرنا اور اپنے آپ کو کچھ سمجھنا کب مناسب اور روا ہے اور جب ایک شخص خود کو بزرگ سمجھ رہا ہے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ وہ خداوند تعالیٰ کی خاص صفت کا اپنے اندر ہونے کا مدعی ہے۔ ایسے شخص کی مثال تو اس غلام کی ہے جو شاہی تاج اپنے سر پر رکھ کر تخت پر بیٹھ جائے، غور کا مقام ہے کہ ایسا شخص بارگاہِ الٰہی میں کس قدر معتوب ہوگا، یہی سبب ہے کہ حدیث قدسی میں فرمایا ہے:

اَلْعَظَمَةُ اِزَارِیْ وَالْكِبْرِیَاءُ رِدَائِیْ فَمَنْ نَازَعَنِیْ فِیْهِمَا قَصَمْتُهٗ — یعنی شان اور بزرگی میرا ملبوس (ردا اور ازار) ہے جو ان دونوں صفتوں میں مجھ سے جھگڑے گا اس کو میں ہلاک کر دوں گا۔

پس بندوں سے تکبّر کرنا سوائے خداوند بزرگ و برتر کے کسی اور کو شایاں نہیں لہٰذا جس نے خدا کے بندوں سے تکبر کیا گویا اس نے خدا سے مقابلہ کیا، بالکل اسی طرح جیسے ایک شخص کوئی بات کہتا ہے تو دوسرا تکبر کے باعث اس سے انکار کرتا ہے۔ یہ روش تو منافقوں اور کافروں کی ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِیْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ۝ — اور کافر بولے یہ قرآن نہ سنو اور اس میں بیہودہ غل کرو شاید (اس طرح) تم ہی غالب رہو۔

اور فرمایا:

وَاِذَا قِیْلَ لَہُ اتَّقِ اللّٰہَ اَخَذَتْہُ الْعِزَّۃُ بِالْاِثْمِ۔ جب اس سے کہا جائے کہ خدا سے ڈر تو تکبر اور شیخی اس کو اس بات پر ابھارتی ہے کہ معصیت پر اصرار کرے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انسان کا یہ بڑا گناہ ہے کہ جب اس سے کہا جائے کہ خدا سے ڈرو تو وہ جواب میں کہے عَلَیْکَ بِنَفْسِکَ تم اپنی خبر لو۔

ایک دن سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے جو بائیں ہاتھ سے کھانا کھا رہا تھا) فرمایا کہ داہنے ہاتھ سے کھانا کھا۔ اس نے کہا میں نہیں کھا سکتا، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو نہیں کھا سکتا، تب اس کا دایاں ہاتھ ایسا ہو گیا کہ پھر جنبش نہ کر سکا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلمہ اس لیے ارشاد فرمایا تھا کہ آپ کو معلوم ہو گیا تھا کہ اس نے یہ بات از راہِ تکبر کہی ہے۔

اے عزیز! معلوم ہونا چاہیے کہ ابلیس کے تکبر کا جو قصہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے اس سے کوئی افسانہ یا حکایت سُنانا مقصود نہیں ہے بلکہ اس لیے بیان کیا گیا کہ معلوم ہو کہ تکبر نے کیا آفت ڈھائی جو شیطان نے کہا اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَہٗ مِنْ طِیْنٍ[1]، اس تکبر نے ابلیس کو ایسا تباہ و برباد کیا کہ اس نے خداوند تعالیٰ کی نافرمانی کی اور آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کر کے ہمیشہ کے لیے ملعون ہو گیا۔

تکبر کے اسباب اور اس کا علاج

پہلا سبب

اے عزیز معلوم کر کہ جو کوئی کسی سے تکبر کرتا ہے تو اس وجہ سے کرتا ہے کہ وہ خود کو دوسرے سے بہتر اور کمال کی صفت سے موصوف سمجھتا ہے اور اس کے سات اسباب ہیں: تکبر کا پہلا سبب علم ہے کہ جب کوئی عالم خود کو زیورِ علم سے آراستہ پاتا ہے تو دوسروں کو اپنے سامنے جانوروں کی طرح خیال کرتا ہے، پس تکبر اس پر غالب ہو جاتا ہے اور اس کی علامت یہ ہوتی ہے کہ وہ لوگوں سے خدمت، تعظیم اور مروت کا امیدوار بن جاتا ہے۔ اگر کوئی ذی فہم اس کی عزت و تکریم بجا نہ لائے تو وہ حیران رہ جاتا ہے۔ اسی طرح اگر وہ کسی سے ملاقات کر لے یا کسی کی دعوت قبول کر لے تو اس پر احسان کرتا ہے (اپنا احسان سمجھتا ہے) صرف یہی نہیں بلکہ اپنے علم کے سبب سے ساری مخلوق پر احسان رکھتا ہے اور آخرت کے معاملہ میں بھی خود کو حق تعالیٰ کے نزدیک سب سے

---

[1] میں آدم علیہ السلام سے بہتر و برتر ہوں کہ تو نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا اور آدمؑ کو مٹی سے۔

بہتر خیال کرتا ہے اور کہتا ہے کہ بس میری تو نجات ہو گئی، خدا کے دوسرے بندے خطرے میں ہیں اور یہ سب میری دُعا اور نصیحت کے محتاج ہیں، یہ میرے ہی وسیلے سے دوزخ سے نجات پائیں گے، اسی بنا پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا آفَۃُ العِلمِ الخُیَلَاءُ۔ تکبر علم کی آفت ہے۔

حقیقت میں ایسے شخص کو عالم کی بجائے جاہل کہنا زیادہ درست اور سزاوار ہے اس لیے کہ سچا عالم وُہ ہے کہ آخرت کی دشواریوں کو سمجھے اور صراطِ مستقیم کی باریکیوں کو پہچانے اور جو کوئی ان کو پہچان لے گا وہ ہمیشہ خود کو اس سے دُور رکھے گا اور خود کو قصوروار جانے گا۔ عاقبت کے خطرے اور اس بات کے ڈر سے آخرت میں عالم بے عمل پر زیادہ عذاب ہوگا، وہ تکبر سے بچے۔ چنانچہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہر ایک علم کی افزونی کے ساتھ ساتھ ایک مصیبت بھی بڑھتی ہے اسی طرح علم کے حصول سے بھی تکبر بڑھتا ہے اور تکبر کی اس افزائش کے دو اسباب ہیں ایک تو یہ کہ وہ علم حقیقی جو علم دین ہے، حاصل نہیں کرے کیونکہ یہ ایسا علم ہے جس کے ذریعہ انسان خود کو پہچان سکتا ہے اور دین کے راستے کی صعوبتیں، آخرت کے خطرات اور بارگاہِ خداوندی سے محرومی کے اسباب کا پتہ چلتا ہے۔ اس علم کے حصول سے درد و غم (آخرت) میں اضافہ ہوتا ہے تکبر میں نہیں ہوتا، لیکن جب انسان علمِ طب، علمِ حساب، علم نجوم و لغت اور علم مناظرہ سیکھتا ہے تو اس سے تکبر میں اضافہ ہوگا، ان سب میں قریب تر، بن علم، علم فتاویٰ ہے جس کے ذریعہ دنیوی کاموں کو سدھارا جا سکتا ہے، تو یہ علم بھی، علم دنیاوی ہوگا۔ اگرچہ دینی امور میں بھی اس کی حاجت ہوتی ہے لیکن اس سے خوف دُور نہیں ہوتا، انسان اگر اسی علم پر بس کرے اور دوسرے علوم علوم کو ترک کر دے تو دل کی تاریکی میں اور اضافہ ہوگا اور تکبر غلبہ پائے گا، اور جو بات ظاہر ہے اس کے کہنے کی کیا حاجت! تم ان علمائے ظاہری کا حال دیکھ لو (ان کے کبر و نخوت کا کیا عالم ہے) اسی طرح علم واعظین (علم تقریر و عبارات) ہے مسجع اور مقفیٰ باتیں اور اسی قسم کا دوسرا کلام اور ایسی پُرشور اور پُرزور باتیں جن کو سن کر لوگ شور و شین کریں اور ایسے نکات جن سے مذہبی تعصب کا اظہار ہو اور عوام یہ محسوس کریں کہ ان تمام باتوں کا تعلق دین سے ہے لیکن یہ سب دل میں حسد، تکبر اور عداوت کی تخم ریزی کرتے ہیں تو ان علوم (باتوں) سے دُرد اور تواضع میں تو اضافہ ہوتا نہیں بلکہ تکبر اور نخوت پروان چڑھتے ہیں۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ کوئی شخص علمِ تفسیر، علمِ حدیث، سلفِ صالحین کے حالات جو اس کتاب "کیمیائے سعادت" اور "احیاء العلوم" میں ہم نے بیان کیے ہیں ان کو پڑھتا ہے اور پھر بھی اس میں تکبر پیدا ہوتا ہے تو اس کا سبب یہ ہے کہ اس کا باطن بُرا ہے (وہ بد باطن ہے) اور اس کے اخلاق بھی بُرے ہیں۔ اور تحصیل علوم سے اس کا مقصود یہ ہے کہ وہ اپنی بڑائی کا اظہار زبان سے کر سکے۔ تحصیل علم سے اس کا مقصود عمل نہیں ہے۔ پس ایسے شخص کے باطن میں جب علم پہنچے گا تو وہ بھی اس کے باطن کی صفت اختیار کرے گا جیسے ایک دوا جب تنقیہ (صفائی معدہ) کے لیے معدے میں پہنچتی

ہے تو وہ معدے میں پہنچتے ہی معدے کی خلط کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔

ایک مثال:- جس طرح آسمان سے جب پانی برستا ہے تو اس کی خاصیت ایک ہی ہوتی ہے۔ لیکن جس قسم کی نباتات میں وہ پانی پہنچتا ہے اس کی صفت میں اضافہ کر دیتا ہے اور خود وہی صفت اختیار کر لیتا ہے اگر کسی تلخ درخت میں پہنچے گا تو خود بھی تلخ بن جائے گا، اور شیریں درخت میں پہنچے گا تو خود بھی شیریں بن جائے گا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کچھ لوگ ایسے ہیں کہ قرآن پاک پڑھتے ہیں لیکن وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترتا اور وہ کہتے ہیں کہ ہم جیسا کوئی قاری دوسرا نہیں ہے اور جو کچھ ہم جانتے ہیں کوئی دوسرا نہیں جانتا! پھر حضور علیہ التحیۃ والثنا اصحاب کرام کو دیکھ کر فرمانے لگے کہ اے میری امت کے لوگو! یہ لوگ تم ہی میں سے ہوں گے اور یہ سب دوزخی ہونگے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد:- حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے لوگو! تم تکبر کرنے والے عالموں میں داخل نہ ہونا اگر تم ایسا کرو گے تو تمہارا علم تمہاری جہالت سے مقابلہ نہ کر سکے گا۔ حق تعالٰے نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تواضع کا حکم فرمایا اور ارشاد کیا:

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ○ — ایمان لانے والوں سے اے رسول آپ تواضع سے پیش آیئے۔

اسی بنا پر صحابہ کرامؓ ہمیشہ اس بات سے ڈرتے تھے کہ کہیں ان سے تکبر سرزد نہ ہو جائے چنانچہ منقول ہے، کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ایک بار امامت کی، دوسری مرتبہ انہوں نے فرمایا کہ اب کسی اور کو امام بنا لو کیونکہ میرے دل میں یہ خیال پیدا ہو گیا ہے کہ میں تم سے بہتر ہوں، پس جب صحابہ کرام کو تکبر کا اس قدر خطرہ رہتا تھا تو دوسرے لوگوں کا کیا حال ہو گا! (وہ اس سے کس طرح محفوظ رہیں گے) ایسا عالم اس زمانے میں نایاب ہے بلکہ ایسا عالم بھی کمیاب ہوگا جو یہ سمجھتا ہو کہ تکبر ایک برا خلق ہے اور بری صفت ہے اس سے بچنا چاہیئے کیونکہ بہت سے عالم اس بات سے غافل ہیں اور تکبر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں تو فلاں کو بالکل ہیچ سمجھتا ہوں اور میری نظر میں تو اس کی کچھ بھی وقعت نہیں ہے اور میں تو اس کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا اور اسی قسم کی شیخی بگھارتے ہیں۔ پس اگر کوئی شخص اس بات کا جاننے والا ہے تو اس کو غنیمت سمجھنا چاہیئے، ایسے عالم کا دیکھنا بھی عبادت میں داخل ہے، اس سے برکت حاصل کرنا چاہیئے، اگر حدیث شریف میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہ ہوتا کہ "ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ اس میں جو کوئی شخص تمہارے عمل کا دسواں حصہ بھی کرے گا تو اس کی نجات ہو گی۔" تو بڑی مایوسی ہوتی، لہٰذا اس زمانے میں اگر تھوڑا بھی ہو تو بہت ہے کیونکہ اب دین کے مددگار باقی نہیں ہیں، دین کی باتیں رخصت ہو چکی ہیں اور جو کوئی اس راہ پر چلنے کا ارادہ کرے تو خود کو اکثر بے یار و مددگار پائے گا اور دو چند محنت اس کو اٹھانا پڑے گی۔

پس وہ تھوڑے ہی پر اکتفا کر لیتا ہے۔

دُوسرا سبب:- دوسرا سبب وہ تکبّر ہے جو زہد و عبادت میں پایا جاتا ہے، کیونکہ عابدوں اور زاہدوں میں بھی تکبّر پایا جاتا ہے اور وہ از روئے تکبر چاہتے ہیں کہ خدا کے بندے ان کی خدمت کریں ان سے شرف ملاقات حاصل کریں اور وہ جو کچھ خدا کی بندگی کرتے ہیں اس کا احسان دوسرے لوگوں پر رکھیں اور ان کا نظریہ یہ ہے کہ دوسرے تمام بندگانِ خدا تو معرض ہلاکت میں ہیں، نجات صرف ان کو ہی ہوگی، اگر اچانک کوئی شخص ان سے لڑے جھگڑے یا ان کو ستائے اور وہ بحکم الٰہی کسی مصیبت میں گرفتار ہو جائے تو کہتے ہیں کہ ہماری کرامت دیکھی اس نے ہمارے حضور میں جو بے ادبی کی تھی اس کا نتیجہ اس کو مل گیا (یہ مصیبت اسی کا نتیجہ ہے)

اس سلسلہ میں ارشادات نبویؐ:- حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "جو شخص کہے گا کہ دوسرے ہلاک ہوئے تو وہ خود ہی ہلاک ہوگا" یعنی جو کوئی دوسروں کو حقارت کی نظر سے دیکھے گا وہ تباہ ہوگا۔ خرابی اس کے سبب ہے،

ایک اور حدیث میں ہے کہ "اگر کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے گا تو بہت گناہ گار ہوگا، اس شخص میں اور ایسے شخص میں جو اپنے مسلمان بھائیوں کو عزیز جانے اور ان کو خود سے بہتر سمجھے اور خدا کے واسطے ان سے محبت کرے، بہت فرق ہے اور اس بات کا اندیشہ ہے اس (پہلے) شخص کا درجہ اس کو عطا فرمادے اور اس کو عبادت کی برکت سے محروم کردے۔

روایت:- ایک روایت ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص بڑا عابد و زاہد تھا اور ایک فاسق و بدکار! وہ عابد بیٹھا ہوا تھا اور ایک ٹکڑا ابر کا اس کے سر پر سایہ افگن تھا، اس فاسق کو خیال آیا کہ جاؤں اور جا کر اس عابد کے پاس جا بیٹھوں، شاید حق تعالیٰ اس کی برکت سے مجھ پر رحم فرمائے! جب یہ فاسق اس عابد کے پاس جاکر بیٹھا تو عابد نے اپنے دل میں خیال کیا کہ یہ نالائق میرے پاس آکر کیوں بیٹھا ہے اس جیسا نکما بھی کوئی اور ہوگا یہ خیال کر کے اس نے فاسق سے کہا کہ اُٹھو اور یہاں سے جاؤ (تمہارا میرے پاس کیا کام) وُہ بیچارا اٹھ کر چلا گیا اور ابر کا وہ ٹکڑا بھی اس کے ساتھ روانہ ہوگیا، تب اس عہد کے رسول پر وحی نازل ہوئی کہ ان دونوں سے کہہ دو کہ اب دونوں از سرِ نو عمل کریں کہ جو گناہ فاسق نے کیے تھے وہ میں نے اس کے ایمان نیک کے باعث بخشدیئے اور عابد نے جو عبادت کی تھی اس کے تکبر کے سبب سے برباد کردی گئی۔

نقل ہے کہ ایک شخص نے ایک عابد کی گردن پہ پاؤں رکھ دیا، عابد نے اس سے کہا کہ اپنا پاؤں اٹھالے ورنہ خدا کی قسم تو رحمت الٰہی سے محروم ہو جائے گا۔ اللہ تعالےٰ نے اس وقت کے رسول پر وحی نازل فرمائی کہ اس عابد سے کہہ دو کہ تو نے قسم کھا کر مجھ پر حکم چلایا ہے کہ میں اس کو نہ بخشوں گا، بجائے اس کے میں تجھے نہیں بخشوں گا۔ اکثر یہ دیکھا جاتا

ہے کہ اگر کوئی شخص کسی عابد کو ستاتا ہے تو عابد یہ سمجھتا ہے کہ میرے ستانے سے یہ خدا کے غضب میں مبتلا ہوگا اور عنقریب اس کو کیے کی سزا مل جائے گی اور جب ستانے والے کو کچھ نقصان پہنچ جاتا ہے تو پوچھنے والے سے کہتا ہے کہ دیکھو ہماری کرامت سے ایسا ہوا کہ یہ نقصان اس کو پہنچا۔ اس احمق کو اتنی بات نہیں معلوم کہ بہت سے کفار نے سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کو ستایا اور حق تعالیٰ نے ان سے انتقام نہیں لیا بلکہ ان میں سے بعض کو مشرف باسلام کیا تو وہ عابد نادان کیا خود کو حضرت سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مقدس سمجھتا ہے کہ حق تعالیٰ اس کی خاطر انتقام لے۔ جو جاہل و نادان عابد ہیں وہی ایسا خیال کرتے ہیں، ہوشمند و ذی فہم وہی ہیں کہ جو کچھ رنج و بلا ان کو پہنچتی ہے وہ اس کو اپنی شامتِ اعمال سمجھتے ہیں اور شومی نفاق کو اس کا سبب قرار دیتے ہیں۔ حضرت امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باوجود صداقت و اخلاص (جو آپ کی ذاتِ گرامی میں موجود تھا) حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا کہ آیا مجھ میں نفاق کی کچھ علامت تم پاتے ہو؟ پس جو سچا مومن ہے وہ خدا سے ڈرتا رہتا ہے اور نادان عابد اپنی عبادت کو ظاہر کرتا ہے اور اپنے دل کو پندار اور تکبر کی نجاست سے آلودہ رکھتا ہے اور اس بلا سے نہیں ڈرتا، حقیقت یہی ہے کہ جس نے یہ سمجھ لیا کہ میں فلاں شخص سے بہتر ہوں تو یقیناً اس جہل کے باعث اس کے تمام اعمال حبط ہو جائیں گے اس لیے کہ جہل سے بڑھ کر اور کوئی گناہ نہیں ہے۔

نقل ہے کہ ایک دن صحابہ کرام (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) اتفاق سے ایک شخص کی بہت تعریف کر رہے تھے اتفاقاً وہ شخص سامنے آگیا۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ شخص جس کی ابھی ہم تعریف کر رہے تھے یہی ہے، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے فرمایا تجھ کو خدا کی قسم! سچ بتا کہ تیرے دل میں اس بات کا خیال آتا ہے کہ ان لوگوں میں تجھ سے بہتر کوئی نہیں ہے؟ اس شخص نے عرض کیا جی ہاں یہ خیال آتا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے خبثِ باطن کو نورِ نبوّت سے معلوم فرما لیا تھا اور اس کا نام نفاق رکھا۔ نفاق عالموں اور عابدوں کے حق میں بہت بُری بلا ہے۔ اس خصوص میں ان کے تین طبقے ہیں (ایسے عالم اور زاہد تین طرح کے ہیں) پہلے طبقہ میں وہ لوگ ہیں جو اپنے دل کو اس نفاق سے خالی نہیں کر سکتے لیکن کوشش کر کے تواضع کا راستہ اختیار کرتے ہیں اور ایسے شخص کا کردار ادا کرتے ہیں جو دوسروں کو اپنے سے بہتر سمجھتا ہو تاکہ اس کے قول و فعل سے کسی قسم کا تکبّر ظاہر نہ ہو یہ وہ لوگ ہیں جو تکبّر کے درخت کی اپنے دل سے بیخ کنی تو نہیں کر سکے لیکن اس کی شاخوں کی کانٹ چھانٹ کرتے رہتے ہیں۔ دوسرا طبقہ ان لوگوں کا ہے جو تکبّر کے اظہار سے اپنی زبان کو بچاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تو اپنے آپ کو سب سے کمتر سمجھتے ہیں لیکن ان کے معاملات اور ان کے افعال سے ایسی چیزیں کھل کر سامنے آتی ہیں جس سے ان کے باطن کا تکبّر ظاہر ہوتا ہے۔ مثلاً جب کسی محفل میں جاتے ہیں تو صدر مقام کو تلاش کرتے ہیں۔ سب سے آگے آگے چلتے ہیں، لوگوں سے کنارہ گیر رہتے ہیں گویا مخلوق سے

ربط وضبط اس کے لیے باعث ننگ وعار ہے، عابد لوگوں سے تیوری چڑھاتا ہے گویا ان سے ناراض ہے۔ افسوس کہ یہ دونوں احمق یہ نہیں جانتے کہ علم وعمل کا کمال نہ تکبر میں ہے نہ ترشروئی میں بلکہ اس کا تعلق دل سے ہے۔ اور ظاہر میں اس کا نور تواضع، شفقت اور کشادہ روئی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بڑے عالم اور زاہد ومتقی تھے اور کوئی شخص آپ سے زیادہ متواضع اور کشادہ رو نہیں تھا، ہر شخص کو آپ تبسم اور خندہ روئی کے ساتھ دیکھا کرتے تھے جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے آپ سے ارشاد فرمایا تھا:

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ" اور فرمایا — آپ مومنوں کے ساتھ تواضع سے پیش آیئے۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ۔ — اللہ تعالیٰ کی آپ پر یہ رحمت ایسی ہوئی کہ آپ تمام خلائق کے ساتھ کشادہ رو، نرم دل اور مہربان ہیں۔

تیسرے طبقہ میں وہ لوگ ہیں جو فخر اور خود ستائی کا زبان سے اظہار کرتے ہیں اور خود کو صاحب کشف سمجھتے ہیں اور ان میں جو عابد ہوتا ہے وہ کہتا ہے کہ فلاں شخص کی کیا حقیقت ہے اس کی عبادت تو کچھ بھی نہیں ہے میں صائم الدہر اور قائم اللیل ہوں۔ ہر روز ایک ختم قرآن پاک کا [illegible] ہوں جو کوئی مجھ سے شیخی کرے گا ہلاک ہو جائے گا۔ دیکھو فلاں شخص نے مجھے ستایا تھا اس نے اپنے کیے کی [illegible]زا پائی اس کے بال بچے، گھر بار سب برباد ہو گئے، کبھی یہ مقابلہ پر بھی اتر آتا ہے، اگر بعض لوگ تہجد کی نماز پڑھیں تو وہ ان پر رشک کرتا ہوا اور زیادہ پڑھتا ہے تاکہ دوسرے اس قدر نہ پڑھ سکیں اور عاجز آجائیں اور اگر [illegible] لوگ روزے رکھیں تو یہ مقابلہ میں روزے رکھ کر چند روز فاقے کرتا ہے، اور اگر عالم ہے تو اس طرح کہتا ہے کہ "میں تو اتنے علوم کا جاننے والا ہوں اور فلاں شخص کو تو کچھ بھی معلوم نہیں، نامعلوم اس کا استاد کون ہے اور اگر مناظرے کی نوبت آجائے تو اس کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ کسی طرح مد مقابل کو مغلوب کر دے خواہ اس کی تقریر بےجا اور باطل ہی کیوں نہ ہو، ہر وقت (شب وروز) اسی خیال میں رہتا ہے۔ ایک عبارت یا ایک سجع اور چند باتیں حفظ کر کے محفلوں میں بیان کرے تاکہ اس جملہ سے وہ پیشوائے اعظم کہلایا جانے لگے۔ کبھی وہ لغات غریبہ اور الفاظ حدیث کو رٹ لیتا ہے تاکہ اس کے ذریعہ اپنا کمال اور دوسروں کی بے مائگی کا اظہار کر سکے۔ شاید ہی کوئی ایسا عالم یا عابد ہو گا جس میں یہ باتیں تھوڑی یا بہت موجود نہ ہوں، لیکن جب وہ اس حدیث شریف کو سُنے گا کہ "جس کے دل میں حبہ برابر بھی تکبر ہے اس پر بہشت حرام ہے۔" تو اس کے دل میں خوف اور درد پیدا ہو گا اور تکبر سے حذر کرے گا، اس کو اللہ تعالےٰ کے اس ارشاد کا علم ضرور ہو گا "اے میرے بندے اگر تو اپنے پاس بے قدر ہے تو میرے نزدیک تو قدر ومنزلت پائے گا اور اگر تو خود کو صاحبِ قدر سمجھتا ہے تو پھر ہمارے پاس تیری قدر ومنزلت نہیں ہے۔ اور جو کوئی دین کے حقائق سے اتنی واقفیت بھی حاصل نہ کرے وہ عالم کب ہے بڑا جاہل ہے۔

تیسرا سبب: نسب اور خاندان کا تکبر ہے جو لوگ علوی (سید) یا خواجہ زادے ہوتے ہیں وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ دوسرے تمام لوگ ان کے غلام اور محکوم ہیں خواہ وہ پارسا عالم ہی کیوں نہ ہوں، ان کے باطن میں (یہ ترفع اور بڑائی کا گمان) رہتا ہے خواہ وہ زبان سے اس کا اظہار نہ کریں لیکن جب ان کو غصہ آجاتا ہے تو پھر وہ ضبط و تحمل سے بے بہرہ ہو جاتے ہیں اور وہ تکبر ان کے قول و فعل میں ظاہر ہونے لگتا ہے اور کہنے لگتے ہیں کہ تمہاری یہ بساط کہ مجھ سے گفتگو کرو کیا تم اپنے آپ کو بھول گئے ہو جو ایسی بڑائی کی باتیں بناتے ہو۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ میرا کسی شخص سے جھگڑا ہو گیا میں نے اس کو "ابن السوداء" اے حبشن کے بیٹے کہہ کر خطاب کیا، حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سُن کر مجھ سے فرمایا اے شخص مت بھول رہے بہرہ مت ہو کیونکہ کسی گوری کے بیٹے کو کالی کے بیٹے پر فضیلت نہیں ہے۔" یہ ارشاد سُن کر میں ڈرا اور فوراً اس شخص کے پاس جا کر میں نے کہا کہ اے شخص اُٹھ اور اپنا پاؤں میرے رخسار پر رکھ (تاکہ میرے قول کا بدلہ ہو جائے) اس جگہ یہ بات سوچنا چاہیئے کہ جب حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ میرے اس قول میں تکبر ہے تو انہوں نے اس کے بعد کس قدر عاجزی اور خاکساری کا اظہار کیا تاکہ ان کا وہ تکبر ختم ہو جائے۔

نقل: ہے کہ دو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں تفاخر کا اظہار کر رہے تھے (ایک دوسرے پر فخر کر رہے تھے) ایک نے کہا کہ میرا باپ فلاں اور دادا فلاں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ دو شخص حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں تفاخر کر رہے تھے، ایک نے کہا کہ میرا باپ فلاں ہے اور دادا فلاں ہے اور نو پشتوں تک اپنے بزرگوں کے نام لے اس وقت موسیٰ علیہ السلام پر وحی کا نزول ہوا کہ اے موسیٰ (علیہ السلام) اس سے کہو کہ وہ نو افراد (تیرے اسلاف لو دوزخی ہیں کیا تو بھی دوزخ میں جائے گا، پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو لوگ دوزخ میں جل کر کوئلہ ہو چکے ؛ ان کے نام و نشان سے بڑائی کا اظہار مت کرو، ورنہ تم اللہ تعالیٰ کے نزدیک گوبر کے کیڑے سے بھی زیادہ ذلیل ئے کہ گوبریلا نجاست کو سونگھتا اور چکھتا ہے۔

چوتھا سبب: تکبر کا چوتھا سبب حسن و جمال کا ہے اور یہ تکبر عورتوں میں اکثر ہوتا ہے۔ چنانچہ منقول ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک عورت کو پست قد کہا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا "کہ تم نے بدگوئی کی ہے"۔ ان کا اس طرح فرمانا اپنے قد کے ناز کے باعث تھا۔ اگر ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا پست قد ہوتیں تو ایسا نہ فرماتیں۔

پانچواں سبب: پانچواں سبب توانگری اور تموّل کا ہے، کوئی مالدار کہتا ہے کہ میرے پاس تو اتنی دولت اور اس قدر مال ہے اور تو مفلس قلاش ہے، اگر میں چاہوں تو تجھ جیسے کتنے ہی غلام خرید لوں اور اسی قبیل کی دوسری باتیں کرتا ، اور اسی طرح کا ان دو بھائیوں کا قصہ ہے جو سورۃ الکہف میں بیان کیا گیا ہے۔

کہ ان میں سے ایک نے از راہِ تکبر کہا " اَنَا اَکْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّ اَعَزُّ نَفَرًا (میں تجھ سے مال میں زیادہ ہوں اور تجھ سے زیادہ معزز فرد ہوں)۔

چھٹا سبب چھٹا سبب زور و قوت کا تکبر ہے، جو متکبر ضعیفوں پر کرتے ہیں، **ساتواں سبب** وہ تکبر ہے جو کنیزوں یہ غلاموں اور مریدوں کے سبب سے ہو، الغرض ہر ایک چیز جس کو انسان اپنے لیے ایک نعمت سمجھتا ہے وہ اس کے لیے فخر کا ذریعہ ہے اگرچہ حقیقت میں نعمت نہ ہو جب بھی، مخنثوں ہی کو دیکھ لو کہ مخنث بھی اپنے مخنث ہونے پر دوسرے مخنثوں پر فخر کرتا ہے اور تکبر کا اظہار کرتا ہے۔ بہر حال تکبر کے یہی اسباب ہیں جن کو ہم نے بیان کیا ہے، تکبر کے ظہور کا سبب عداوت و حسد ہوتا ہے، کیونکہ جب ایک شخص دوسرے شخص سے عداوت رکھتا ہے تو چاہتا ہے کہ اس کے سامنے تکبر اور فخر کا ہی اظہار کرے۔ کبھی ریا بھی اس کا سبب ہوتا ہے کہ لوگوں کے سامنے اس لیے تکبر کا اظہار کرتا ہے کہ لوگ اس کی تعظیم و توقیر کریں۔ یہاں تک کہ انسان ایسے دوسرے انسان سے جو اس سے افضل ہے اس سلسلہ میں جھگڑتا تک ہے، ایسا شخص باطن میں خواہ صاحب تواضع ہی کیوں نہ ہو ظاہر میں تکبر کا اظہار کرتا ہے تاکہ لوگ یہ اندازہ نہ کر سکیں کہ دوسرا شخص اس سے افضل و برتر ہے۔

اے عزیز! تم نے تکبر کے اسباب تو جان لیے اب اس کے علاج کا طریقہ بھی پہچانو، کہ ہر مرض کا علاج یہ ہے کہ اس کے اصل سبب کو دُور کریں۔

تکبّر کا علاج

معلوم ہونا چاہیئے کہ ایسا مرض جس سے جو برابر بھی سعادت کا راستہ بند ہو جائے اور بہشت سے انسان کو محروم کر دے، اس کا علاج فرضِ عین ہے۔ اور دنیا میں شاید ہی کوئی ایسا شخص جو تکبر کے مرض میں مبتلا نہ ہو (جسے یہ بیماری نہ ہو) اس کا علاج دو طرح پر ہے ایک مجمل اور دوسرا مفصل طور پر!

جو علاج مجمل طور پر ہے وہ علم و عمل سے مرکب ہے۔ علاج علمی تو یہ ہے کہ ایسا شخص حق تعالیٰ کو پہچانے تاکہ اس کو معلوم ہو کہ بزرگی اور عظمت صرف اسی کو سزاوار ہے اور اس کے بعد خود کو پہچانے تاکہ اس پر ظاہر ہو جائے کہ اس سے زیادہ خوار و ذلیل اور کمینہ کوئی دوسرا نہیں ہے گویا یہ مسہل ہے جو بیماری کی جڑ کو باطن سے نکال باہر کرے گا۔ اور اگر کوئی شخص اس تمام حقیقت سے آگاہ ہونا چاہتا ہے تو قرآن پاک کی صرف اس آیت کا جان لینا ہی کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَا اَكْفَرَهٗ مِنْ اَىِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ مِنْ نُطْفَةٍ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ

(پ ۳۰ - سورۂ عبس)

آدمی مارا جائیو! کیا ناشکرا ہے، اسے کاہے سے بنایا، پانی کی بوند سے اسے پیدا فرمایا پھر اسے طرح طرح کے اندازوں پر رکھا پھر اسے راستہ آسان کیا، پھر اُسے موت دی، پھر قبر میں رکھوایا:

اس آیت پاک میں اللہ تعالےٰ نے بندے کو اپنی قدرت بتائی ہے اور اس کی تخلیق کے اوّل و آخر اور اس کے اوسط کو ظاہر فرمایا ہے، بتایا ہے کہ اس کا آغاز یہ ہے فرمایا مِنْ اَىِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ۔ پس اس کو معلوم ہونا چاہیئے کہ کوئی چیز نیست سے کم تر نہیں ہے اور انسان پہلے نابود و بے نام ونشاں اور عدم کے پردے میں ازل سے اپنی آفرینش کے وقت تک تھا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا (سورہ دہر پ ۲۹)

بیشک آدمی پر ایک وقت وہ گزرا کہ کہیں اس کا نام بھی نہیں تھا:

پس حق تعالیٰ نے خاک کو پیدا کیا کہ اس سے زیادہ ذلیل شئی اور کوئی نہیں اور نطفے اور علقے کو جو ذرا سا پانی اور لہو ہے پیدا کیا کوئی چیز اس جیسی نجس نہیں ہوسکتی۔ انسان کو اس نیست سے ہست کیا اور اسکی اصل کو ذلیل خاک اور گندے پانی اور نجس ناپاک لہو سے بنایا جس کے بعد وہ گوشت کا ایک لوتھڑا ہوا، اس میں نہ سماعت تھی نہ بصارت نہ نطق تھا اور نہ قوت وقدرت۔ پھر ہاتھ پاؤں آنکھ اور دوسرے اعضا پیدا کیئے چنانچہ ظاہر ہے کہ ان باتوں میں سے کوئی شئی نہ خاک میں تھی نہ نطفے میں اور نہ خون میں، اور اس میں کتنے عجائب وغرائب اس نے پیدا کیئے تاکہ انسان اپنے خالق کی بزرگی اور اس کی عظمت کو پہچانے، نہ اس لیے کہ تکبّر کرے، کیونکہ انسان نے ان چیزوں کو اگر اپنی کوشش ہی سے حاصل کیا ہوتا تو تکبّر کی کچھ گنجائش بھی تھی، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ (پ ۲۱ سورہ الروم)

اور اس کی نشانیوں میں سے ہے یہ کہ تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر جبھی تم دنیا میں پھیلے ہوئے انسان ہو۔

یہ جو ارشاد فرمایا یہ اس کا آغاز کار تھا، اب سوچنا چاہیئے یہاں تکبّر کا مقام ہے یا اس بات کا محل ہے کہ انسان اپنے سے خود شرمائے۔ اب انسان کا وسطِ کار یعنی وسطِ تخلیق یہ ہے کہ حق تعالےٰ نے اس کو اس جہان میں لایا اور ایک مدت تک اس کو یہاں رکھا، اس کو یہ اعضا اور اتنی قوتیں عطا فرمائیں اب اگر اللہ تعالےٰ اس کو صاحب اختیار بنا دیتا اس کو بے نیاز کر دیتا تو انسان غلطی میں مبتلا ہو جاتا۔ اگر ایسی صورت ہوتی تو اپنے آپ کو کچھ سمجھنا ممکن بھی ہوتا۔ حالانکہ ایسی صورت نہیں ہے بلکہ بھوک، پیاس اور بیماری، گرمی، سردی، درد ورنج اور لاکھوں طرح کی آفتیں اس کے واسطے مقرر فرمادیں۔ تاکہ کسی وقت خود سے بے فکر نہ رہے، ہر وقت فکر رہتی ہے کہ کہیں مر نہ جائے اندھا یا بہرہ نہ

ہو جائے، دیوانہ یا لاچار نہ ہو جائے، بھوک یا پیاس کی شدت سے ہلاک نہ ہو جائے، اللہ تعالیٰ نے انسان کی منفعت کڑوی دواؤں میں رکھی۔ اگر وہ نفع اٹھانا چاہتا ہے تو سر دست بدمزگی کا رنج اٹھانا ضروری ہے اور اچھی چیزوں میں اس کے لیے مضرت رکھی تاکہ اگر وہ کسی چیز سے فی الفور حظ اٹھائے تو اس کی تکلیف بھی برداشت کرے اور کوئی کام بھی اس کے اختیار میں نہیں دیا تاکہ وہ جس چیز کو جاننا چاہتا ہے اس کو نہ جان سکے اور جس چیز کو فراموش کرنے کا خواہاں ہے اس کو فراموش نہ کر سکے، جس بات کو سوچنا نہ چاہے وہ بات اس کے دل میں بار بار آئے اور جس بات کو سوچنا چاہے، دل اس سے گریز کرے۔ باوجود ان تمام عجائب اور جمال و کمال کے جو اس کے دل میں ودیعت فرمائے ہیں، انسان کو ایسا عاجز بنایا ہے کہ کوئی دوسرا اس سے زیادہ درماندہ، بدبخت اور ناقص نہ ہوگا اور اس کے کام کا انجام یہ ہے کہ آخر کار مر جائے گا نہ سماعت رہے گی اور نہ بصارت! نہ تخت نہ حسن و جمال، نہ یہ جسم رہے گا نہ یہ اعضا، بلکہ مرنے کے بعد ایسا بدبودار مردار ہو جائے گا کہ سب اس کو دیکھ کر اپنی ناک بند کریں گے اور کیڑے مکوڑوں کی خوراک بنے گا اور پھر رفتہ رفتہ خاک ہو جائے گا جو بالکل ذلیل و خوار چیز ہے۔ اور اگر وہ خاک ہی رہتا تو غنیمت تھا کہ جانوروں کے ساتھ برابر ہو جاتا۔ افسوس کہ یہ دولت بھی میسر نہ ہوگی بلکہ قیامت میں اس کو قبر سے اٹھایا جائے گا، ہیبت کے مقام پر رکھا جائے گا، اس وقت وہ آسمانوں کو دیکھے گا کہ پھٹے ہوتے ہیں، ستارے گر پڑے ہیں، چاند و سورج بے نور ہوں گے اور پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح پراگندہ ہوں گے، زمین بدلی ہوئی ہوگی، دوزخ کے فرشتے کمندیں پھینکتے ہوں گے، دوزخ گرج رہا ہوگا، فرشتے ہر ایک کے ہاتھ میں اعمال نامہ دیں گے، تمام عمر میں جو برے کام کیے ہوں گے ان کو دیکھتا ہوگا، ہر ایک اپنی اپنی تقصیر کو پڑھ کر پریشان ہوگا۔ اس سے کہا جائے گا کہ آ اور جواب دے کہ تو نے ایسا کیوں کیا! ایسا کیوں کہا، کیوں یہ کیا اور کیوں بیٹھا اور کیوں اٹھا، کیوں دیکھا اور کیوں سوچا! اگر معاذ اللہ جواب نہ دے سکے گا تو اس کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا! اس وقت وہ کہے گا کہ کاش کہیں خوک (سور) یا سگ ہوتا تو خاک ہو جاتا کیونکہ وہ اس عذاب سے محفوظ اور آزاد ہیں پس جو شخص خوک و سگ سے بدتر ہو اس کو تکبر اور فخر کرنا کس طرح زیبا ہے، بلکہ آسمان و زمین میں اس کی بدبختی کا ماتم کریں اور اس کا فضیحت نامہ پڑھیں تب بھی حق ادا نہ ہو

ایک مثال:- اے عزیز کبھی تو نے دیکھا کہ ایک بادشاہ کسی مجرم کو پکڑ کر قید خانے میں ڈالے یا سولی پر چڑھائے یا قید میں اس کو اور زیادہ عذاب پانے کا ڈر ہو تو کیا قید خانے میں وہ فخر و تکبر کرے گا اسی طرح تمام بندے بھی اس بادشاہ کائنات کے قیدی ہیں اور انہوں نے بہت سے گناہ کیے ہیں اور اپنے انجام و عاقبت سے بے خبر ہیں تو ایسی جگہ فخر و تکبر کی کیا گنجائش اور کونسا موقع ہے؟

پس جس شخص نے اپنے آپ کو اس نظر سے دیکھا اور پرکھا تو گویا اس نے مسہل لیا، تکبر کی جڑ اس کے باطن سے

اس طرح اکھڑ جائے گی کہ پھر وہ کسی کو اپنے سے زیادہ حقیر نہیں پائے گا بلکہ وہ چاہے گا کہ میں مٹی ہوتا یا پتھر تاکہ اس سختی سے رہائی پاتا۔ (یہ جو کچھ بیان کیا علمی علاج تھا)

علاجِ عملی:- تکبر کا عملی علاج یہ ہے کہ اپنے تمام احوال و افعال میں تواضع کا طریقہ اختیار کرے۔ چنانچہ حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم زمین پر تشریف فرما ہو کر کھانا تناول فرماتے تھے اور تکیہ استعمال نہیں فرماتے تھے اور فرمایا کرتے کہ میں بندہ ہوں میں اسی طرح کھاؤں گا جس طرح بندے کھاتے ہیں، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے لوگوں نے کہا کہ نیا لباس پہن لیجیئے، انہوں نے جواب دیا کہ میں تو بندہ ہوں، اگر ایک دن کو آزادی مل جائے تو پہن لوں گا۔ یہاں آزادی سے ان کی مراد نجاتِ اخروی تھی۔ نماز کے منجملہ اسرار میں سے ایک راز تواضع بھی ہے جس کا مشاہدہ رکوع و سجود میں ہوتا ہے اور اس میں منہ کو جو سب سے عزیز و شریف عضو ہے خاک پر رکھا جاتا ہے اور خاک سے زیادہ ذلیل چیز اور کوئی نہیں ہے۔ اہلِ عرب غرور و تکبر کے سبب سے اپنی پیٹھ نہیں جھکاتے تھے۔ پس ان کا یہ غرور توڑنے کے لیے رکوع اور سجدہ مقرر کیا گیا! پس آدمی کو چاہیئے کہ جس بات کو تکبر سمجھتا ہو اس کے خلاف اور برعکس کرے :تکبر چہرے سے، زبان، آنکھ، نشست و برخاست، لباس اور تمام حرکات و سکنات سے ظاہر ہوتا ہے چاہیے کہ ان تمام باتوں میں کوشش کر کے تکبر کو رفع کرے تاکہ تواضع اس کی سرشت بن جائے۔

تکبر کی علامتیں:- تکبر کی بہت سی علامتیں ہیں، منجملہ ان کے ایک یہ ہے، کہ جب تک کوئی ہمراہی نہ ہو کہیں جانا نہ چاہے، اس بات سے بھی بچنا ضروری ہے۔ خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عادت تھی کہ وہ اپنے ساتھ کسی کو چلنے نہیں دیتے تھے اور فرماتے کہ دل کو اس بات سے پریشانی لاحق ہوتی ہے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے" اے عزیز! جتنے زیادہ لوگ تیرے ساتھ چلیں گے اتنا ہی تو خدا کی درگاہ سے دور ہو گا! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ عادت مبارکہ تھی کہ لوگوں کے درمیان چلتے تھے اور کبھی دوسرے لوگوں کو آگے چلنے کے لیے ارشاد فرماتے تھے۔

تکبر کی علامتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ لوگ تمہارے سامنے دست بستہ کھڑے رہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات بہت ناپسند تھی کہ کوئی شخص آپ کے واسطے سرو قد کھڑا ہو حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص دوزخی کو دیکھنا چاہتا ہے اس سے کہو کہ وہ ایسے شخص کو دیکھ لے جو آپ بیٹھا ہو اور دوسروں کو اپنے سامنے کھڑا کر رکھا ہو۔

تکبر کی علامات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ تکبر کے باعث کسی سے ملنے کے لیے نہیں جاتا۔ منقول ہے کہ جب حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ مکہ معظمہ میں آتے تو شیخ ابراہیم ادہم رحؒ نے ان کو بلا بھیجا تاکہ حدیث شریف روایت کریں۔ جب حضرت سفیان ثوری رحؒ شیخ ابراہیم ادہم رحؒ کے پاس پہنچے تو انہوں نے کہا کہ آپ کی تواضع کی آزمائش مقصود تھی۔

تکبر کی علامات سے ایک علامت یہ بھی ہے کہ متکبر شخص نہیں چاہتا کہ کوئی درویش اس کے قریب بیٹھے رسول کریم

صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ یہ تھی کہ جب اپنا دست مبارک کسی درویش کے ہاتھ میں دیتے تو جب تک وہ خود ہی دست مبارک کو نہ چھوڑتا آپ خود نہ چھڑاتے اور اسی طرح اس کے ہاتھ میں رکھتے اور اس طرح جو شخص عاجز، بیمار ہوتا اور لوگ اس سے بچتے لیکن آپ اس کو ساتھ بٹھا کر کھانا نوش فرماتے۔

تکبر کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ گھر کا کام کاج اپنے ہاتھ سے نہ کرے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر کے تمام کام بہ نفس نفیس انجام دیا کرتے تھے۔ منقول ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے یہاں ایک شب کوئی مہمان مقیم تھا۔ رات میں چراغ گل ہونے لگا (اس میں تیل ختم ہو گیا تھا) مہمان نے کہا کہ میں چراغ کے لیے تیل لے کر آتا ہوں، انہوں نے فرمایا تم ایسا مت کرو، مہمان سے خدمت لینا مروت سے بعید ہے۔ مہمان نے کہا اگر آپ فرمائیں تو غلام کو جگادوں! آپ نے فرمایا اسے بھی بیدار مت کرو کہ ابھی سویا ہے پھر آپ خود اٹھے اور تیل کا برتن اٹھا کر لاتے اور خود ہی چراغ میں تیل ڈالا مہمان نے کہا اے امیرالمومنین! آپ نے اس قدر زحمت اٹھائی، انہوں نے فرمایا ہاں اس آنے جانے سے میری عزت اور بزرگی میں کوئی خلل نہیں پڑا (میں جب بھی امیرالمومنین تھا اور اب بھی ہوں)

تکبر کی علامات میں سے یہ بھی ہے کہ بندہ گھر کا سودا سلف (سامانِ ضروریات) خود اٹھا کر نہیں لے جاتا حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کچھ سامان لے کر جا رہے تھے کسی شخص نے چاہا کہ وہ اس کو اٹھالے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند نہیں فرمایا کہ صاحب مال ہی اپنے مال کو لے کر چلے یہ زیادہ بہتر ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب کسی علاقے کے حاکم تھے تو لکڑیاں پیٹھ پر لاد کر لے جاتے تھے اور فرماتے تھے اے لوگو! خود کو راستہ دو (ہٹ جاؤ) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ معمول تھا کہ آپ کے سیدھے ہاتھ میں دُرّہ ہوتا تھا اور بائیں ہاتھ میں (گھر کے لیے) گوشت اس طرح بازار سے گذرتے تھے۔

تکبر کی علامتوں میں سے یہ بھی ایک علامت ہے کہ جب تک لباس فاخرہ نہ پہنے باہر نہ نکلے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لوگ دیکھتے تھے کہ بازار سے دُرّہ ہاتھ میں لیے ہوتے گذر رہے ہیں اور آپ کے تہبند (ازار) میں چودہ پیوند لگے ہیں، ان میں سے بعض پیوند (کپڑے کے بجائے) چمڑے کے ہوتے تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جسم پر بہت ہی مختصر لباس ہوتا تھا، لوگوں نے شکایت کی (اس پر اظہار افسوس کیا) تو آپ نے جواب دیا کہ ایسے لباس سے دل میں تواضع پیدا ہوتی ہے اور دوسرے لوگ بھی اس کی پیروی کرتے ہیں (ایسا ہی لباس استعمال کرتے ہیں) اور درویش ایسے لباس کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں (کہ ہمارا جیسا موٹا اور معمولی لباس ایسی معزز شخصیت بھی استعمال کرتی ہے)

لباس جیر کیں:- شیخ طاؤس رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ جب میں دُھلے ہوئے کپڑے پہنتا ہوں تو کئی روز تک دل کھویا کھویا سا رہتا ہے۔ پھر جب کپڑے میلے ہو جاتے ہیں تو دل حاضر ہو جاتا ہے۔ دل گم

ہونے اور کھو یا کھو یا ہوتے سے مراد یہ ہے کہ دل میں تکبّر اور غرور پیدا ہوتا ہے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز کے لیے خلیفہ ہونے سے قبل ہزار دینار کی پوشاک خریدی جاتی تھی (آپ بہت ہی خوش پوشاک تھے)، وہ اس ہزار دینار کی اس پوشاک کو بھی دیکھ کر یہ فرماتے تھے کہ میں اس سے بھی زیادہ نرم لباس چاہتا ہوں اور جب خلافت کے منصب پر فائز ہوتے تو ان کے واسطے پانچ درہم کے کپڑے خریدے جاتے اور آپ ان کو دیکھ کر فرماتے یہ کپڑے خوب ہیں لیکن اگر اس سے بھی موٹے ہوتے تو زیادہ اچھا تھا، لوگوں نے آپ سے اس (تغیر پسندی) کا سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا حق تعالےٰ نے مجھے ایک نفس دیا ہے لذت طلب جب ایک چیز کی حلاوت پاتا ہے تو پھر اس سے بہتر طلب کرتا ہے۔ اب میں نے خلافت کا مزہ چکھا ہے اس سے برتر کوئی مزہ نہیں ہے تو اب میرا دل صرف آخرت کی شاہی طلب کرتا ہے۔

اے عزیز ایسا خیال مت کر کہ اچھا لباس پہننا ہمیشہ تکبّر کی علامت ہوتا ہے (بعض استثنائی صورتیں بھی ہیں) کیونکہ بعض افراد ہر ایک چیز کی خوبی کو دوست رکھتے ہیں اس کی علامت یہ ہے کہ خلوت میں بھی وہ لباس فاخرہ پہننے کو پسند کرتے ہیں۔ بعض ایسے لوگ بھی ہیں جو پرانا لباس پہن کر بھی تکبّر کرتے ہیں۔ چنانچہ ایسے لوگوں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے تھے اے لوگو تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ زاہدوں کا لباس پہنتے ہو اور اپنے دلوں کو بھیڑیوں کی مانند بنائے ہوئے ہو بادشاہوں جیسا لباس پہنو اور دلوں کو خداوند تعالےٰ کے خوف سے نرم کرو۔

منقول ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ ملکِ شام پہنچے تو پرانا لباس آپ کے زیب بدن تھا، رفقاء نے عرض کیا کہ یہاں غیروں (یعنی دشمنوں) سے سابقہ ہے اگر آپ یہاں فاخرہ لباس زیب تن فرماتے تو اچھی بات تھی آپ نے فرمایا کہ حق تعالےٰ نے مجھے اسلام کی عزت بخشی ہے اب مجھے کسی دوسری چیز کی عزت درکار نہیں ہے۔

مختصر یہ کہ جو شخص چاہتا ہے کہ تواضع سیکھے اس کو چاہیے کہ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ کا مطالعہ کرے اس کی پیروی اختیار کرے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس جانوروں کو چارا ڈالتے تھے، اونٹ کو باندھتے، گھر میں صفائی کرتے، بکری کا دودھ نکالتے، نعلین خود سیتے اور کپڑوں کو پیوند لگاتے، خادم کے ساتھ کھانا کھاتے، چکی پیسنے میں جب خادم تھک جاتا تو اس کی مدد فرماتے (اس کے ساتھ چکی پیستے)، بازار سے سودا سلف لنگی (تہبند) میں باندھ کر لاتے۔ فقیر ہوتا یا تونگر، چھوٹا ہوتا یا بڑا اسلام کرنے میں آپ سبقت فرماتے، مصافحہ فرماتے، دین کے معاملات میں غلام و آزاد اور چھوٹے بڑے میں فرق نہ فرماتے، آپ کا رات اور دن کا لباس ایک ہی تھا۔ اگر کوئی پریشان حال، خاکسار آپ کی دعوت کرتا تو آپ دعوت قبول فرما لیتے اور جو کچھ کھانا آپ کے سامنے پیش کیا جاتا خواہ وہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہوتا آپ اس پر حقارت کی نظر نہ ڈالتے، رات کا کھانا (بچا کر) صبح کے لیے نہیں رکھتے تھے۔ آپ ہمیشہ نیک خو، کریم الطبع، شگفتہ رُو اور متبسم رہا کرتے تھے۔ غم کی حالت میں

کبھی چیں بہ جبیں نہ ہوتے، تواضع کو ذلت نہ فرماتے، روئے مبارک سے فرحت بہت نمایاں رہتی تھی، آپ نے سخاوت میں کبھی درشتی (سختی) کا اظہار نہیں فرمایا، اور اس طرح آپ نے اسراف کبھی نہیں فرمایا! سب کو شفقت کی نظر سے دیکھتے تھے، قلب مبارک بہت ہی نرم تھا (آپ بہت رقیق القلب تھے) آپ ہمیشہ سر اقدس کو جھکائے رکھتے تھے کسی سے کبھی آپ نے طمع نہیں رکھی۔

پس جس کو سعادت مندی درکار ہے وہ آپ کی اقتدا کرے، انہی اوصاف کے باعث حق تعالیٰ نے آپ کی ثنا اس طرح فرمائی ہے۔

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝ — بیشک آپ خلق عظیم کے مالک ہیں۔

لیکن تکبر کا مفصل علاج اس طرح ہو گا کہ اولاً غور کرے کہ تکبر کا باعث کیا ہے اگر دیکھے کہ وہ نسب کے باعث تکبر کر رہا ہے (اس کے تکبر کا سبب نسب ہے) تو وہ اپنے اصلی نسب کو دیکھے جو حق تعالیٰ نے بتایا ہے:

وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ۚ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۚ — اور پیدائش انسان کی ابتدا مٹی سے فرمائی، پھر اس کی نسل اسی ایک بے قدر پانی کے خلاصہ سے:

یعنی اے بندے! تیری اصل خاک سے ہے اور تیری فرع نطفہ سے ہے، پس نطفہ تیرا باپ ہے اور خاک کو تیرے جد ہونے کا مرتبہ حاصل ہے اور ان دونوں سے ذلیل ترین چیز اور کیا ہو سکتی ہے۔ اگر اس موقع پر تم کہو کہ اس خاک اور نطفہ کے درمیان باپ موجود ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ تم میں اور تمہارے باپ کے درمیان میں نطفہ، علقہ، اور مضغہ اور اس قسم کی بہت سی رسوائیاں موجود ہیں لیکن وہ تم کو نظر نہیں آتیں (یا تم ان کی طرف غور نہیں کرتے)، اور عجیب بات یہ ہے کہ اگر (مثال کے طور پر) تمہارا باپ خاکروبی یا حجامی کا کام کرے تو تمہارے لیے موجب ننگ ہو گا[1] اور تم کہو گے کہ بدنصیب نے اپنے ہاتھ خاک و خون سے آلودہ کیے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ تم خاک و خون سے بنے ہو! پھر فخر کس بات پر کرتے ہو، اور جب یہ بات تم کو معلوم ہو گئی اور اس پر بھی تم فخر کرو تو تمہاری مثال اس شخص کی مانند ہو گی جو خود کو علوی سید سمجھتا ہو لیکن دو عادل شخص اس بات پر گواہی دیں کہ یہ شخص (جو علوی سید ہونے کا مدعی ہے) غلام ہے یا فلاں حجام[2] کا بیٹا ہے، جب یہ بات کھل جائے گی تو پھر تم کس طرح تکبر کر سکو گے!
دوسری بات یہ کہ وہ شخص جو نسب پر ناز کرتا ہے وہ دوسرے کے طفیل میں یہ فخر کر رہا ہے، حالانکہ بزرگی اپنی ذات میں ہونا چاہیئے، کیونکہ جو کیڑا آدمی کے پیشاب سے پیدا ہو اس کیڑے کے برابر ہے جو گھوڑے کے پیشاب سے پیدا ہوا ہے، اس پر فضیلت نہیں رکھتا۔

تکبر کا دوسرا سبب حسن و جمال ہے تو جو شخص اپنے حسن و جمال پر فخر کرتا ہے اس کو چاہیئے کہ وہ اپنے باطن پر نظر کرے تاکہ اس کی برائیاں اس پر ظاہر ہوں اور وہ غور کرے کہ اس کے پیٹ، مثانے، رگوں، ناک اور کان وغیرہ (عف

---

[1] وعجب آنکہ پدرت خاک بیختے یا حجامی کردے تو از وے ننگ داشتے (یعنی نسخہ نولکشوری ص ۳۸۰) [2] حجام سینگی لگانے والا۔

ہیں کیا کچھ قباحتیں موجود ہیں، وہ خود ہر روز دن میں دو بار اپنے ہاتھ سے ایسی چیز کو دھوتا ہے جس کے دیکھنے اور سونگھنے سے خود بیزار ہے اور ہمیشہ اس گندگی کو اُٹھائے ہوتے پھرتا رہتا ہے، اس کے بعد سوچے کہ اس کی پیدائش خونِ حیض اور نطفے سے ہے اور وہ پیشاب کے دو راستوں سے گذر کر دنیا میں آیا ہے۔

شیخ طاؤس رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ بڑے تبختر سے محوِ خرام ہے، آپ نے فرمایا یہ ناز و ادا کی چال اس کی نہیں ہو سکتی جو یہ جانتا ہو کہ اس کے پیٹ میں کتنی نجاست بھری ہے۔ اگر انسان ایک دن کو ہی اس غلاظت سے خود کو پاک نہ کرے (براز سے فارغ نہ ہو) تو تمام پائخانے یقیناً اس سے زیادہ پاکیزہ اور صاف رہیں گے کیونکہ پائخانے میں کوئی اور چیز اس چیز سے زیادہ پلید نہیں ہے جو انسان کے بدن سے (بصورت فضلہ و براز نکلتی ہے) اور پھر حسن و جمال [illegible] قدرت کا نتیجہ ہی نہیں ہے جو فخر کی گنجائش ہو اور نہ دوسروں کی بدصورتی ان بدصورتوں کی اختیاری چیز ہے جس کے باعث اُن پر خردہ گیری کر سکیں۔

اگر انسان اپنی قوت اور طاقت کے باعث تکبّر کرتا ہے تو غور کرے کہ اگر اس کی کسی رگ میں درد ہوتا ہے تو وہ مضطرب ہو جاتا ہے اور اگر کوئی مکھی اس کو ستائے تب بھی عاجز ہو جاتا ہے، اگر ناک میں مچھر یا کان میں چیونٹی گھس جائے تو بے چین ہو جاتا ہے، پاؤں میں اگر کانٹا چبھ جائے تو ہل نہیں سکتا، علاوہ ازیں اگر اس کو اپنی طاقت پر گھمنڈ ہے تو دیکھے کہ بیل، ہاتھی، اونٹ یہ تمام جانور قوت میں اس سے زیادہ ہیں۔ پس ایسی چیز پر جس میں بیل اور گدھا اس پر فائق ہو کس لیے تکبّر کرتا ہے (یہ فخر کرنا کس طرح درست ہو سکتا ہے) اور اگر تکبّر اپنے مال اور لونڈی، غلام، نوکر چاکر یا حکومت یا سرداری کے سبب سے ہے تو یہ تمام چیزیں اس کے اختیار سے باہر ہیں، مال کو اگر چور چرا کر لے جائے یا بادشاہ اس کو اس کے منصب سے معزول کر دے تو مجبور ہو کر رہ جائے گا اور اگر فرض کر لیا جائے کہ مال باقی رہ بھی گیا تب بھی اس صورت میں بہت سے یہودی اور نصاریٰ مال میں اس سے کہیں زیادہ ہیں اور اس سے زیادہ متمول ہیں اور اگر حکومت بھی باقی رہی تو کونسا موجب فخر ہے کہ بہت سے، نادان جیسے ترک بچے اور کمینے [illegible] اس سے زیادہ مرتبے والے موجود ہیں (حکومت میں ان کے مناصب اونچے اور برتر ہیں) الغرض جو چیز ذاتی نہیں وہ اپنی ملک نہیں ہو سکتی اور جو چیز اپنی ملک نہیں اس پر تکبّر اور فخر کرنا بالکل بیجا ہے، یہ سب چیزیں عارضی ہیں اور کوئی چیز تمہاری ذاتی نہیں ہے۔ ان تمام چیزوں میں وہ چیز جو لائق تفاخر و تکبّر ہو سکتی ہے ظاہراً وہ علم و عبادت ہے۔

علم کا مقام بلند:

حق تعالیٰ کے نزدیک علم کا درجہ بہت بلند ہے اور یہ خداوند تعالیٰ کی صفات میں داخل ہے تو اس صورت میں عالم کا اپنی طرف التفات نہ کرنا بہت دشوار اور مشکل ہو گا۔ بہرحال ان دو طریقوں سے یہ امر مشکل آسان ہو سکتا ہے ایک طریقہ تو یہ ہے کہ عالم غور کرے کہ علم کے باعث ہی اس کا مواخذہ ہو گا اور سخت مواخذہ ہو گا۔ کہ جاہل کی بہت سی تقصیرات اس کی نادانی اور جہالت کے باعث (معاف

کر دی جائیں گی اور عالم سے در گذر نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ عالم کی تقصیر بہت بڑی تقصیر ہوتی ہے۔ اس سلسلہ میں وہ ان احادیث شریفہ پر غور کرے جو عالم کی خرابی اور مواخذے کے سلسلہ میں وارد ہوتی ہیں، قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے اس عالم کو جو اپنے علم پر عمل نہ کرے گدھے سے تشبیہہ دی ہے کہ وہ گدھے کے بوجھ برابر کتابیں اٹھائے پھرتا ہے کَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا اور پھر اس کو کتے سے تشبیہہ دی ہے ارشاد فرمایا ہے کَمَثَلِ الْکَلْبِ اِنْ تَحْمِلْ عَلَیْہِ یَلْھَثْ اَوْ تَتْرُکْہُ یَلْھَثْ۔ پس کتے اور گدھے سے کمتر اور کیا چیز ہو سکتی ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اگر نجات اخروی میسر نہ ہو تو تمام بہتر رہے جان) اس سے بہتر ہیں حیوانات کا تو ذکر ہی کیا ہے (جمادات اس سے افضل ہوں گی) یہی وجہ تھی کہ اصحاب کرامؓ میں سے کسی نے فرمایا کاش میں پرندہ ہوتا اور کوئی نہ ہوتا کاش میں گوسفند ہوتا کہ مجھے ذبح کر کے لوگ کھا لیتے (کسی کا بیٹا مجھ سے پھرتا) کوئی کہتا کاش میں پرکاہ ہوتا تو اچھا تھا، پس جس کو انجام وعاقبت کا اندیشہ ہو گا وہ کبھی تکبر نہیں کرے گا۔ اگر کسی کو خود سے زیادہ جاہل پائے گا تو یوں کہے گا وہ انجان ہے نادانی سے اس نے گناہ کیا مجھ سے وہ بہتر ہے اور اگر خود سے زیادہ کسی کو عالم دیکھے گا تو کہے گا کہ بعض باتیں جو میں نہیں جانتا وہ جانتا ہے اور مجھ سے بہتر ہے۔ اور اگر کسی پیر مرد (بزرگ) کو دیکھے گا تو اس طرح کہے گا کہ اس نے خداوند تعالیٰ کی بندگی بہت کی ہو گی اور وہ مجھ سے بہتر ہے۔ اگر کسی بچے یا کم عمر کو معصیت میں مبتلا دیکھے گا تو اس طرح کہے گا میں بڑا گناہ گار ہوں اور یہ ابھی کم سن اور خردسال ہے جوان ہو کر مجھ سے بہتر ہو گا بلکہ اگر کسی کافر کو دیکھے گا تب بھی تکبر نہیں کرے گا اور کہے گا کہ شاید اللہ تعالیٰ اس کو قبول اسلام کی توفیق عنایت فرما دے اور اس کی عاقبت نیک ہو اور میرا انجام بد ہو۔ چنانچہ بہت سے لوگوں نے اسلام سے قبل حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھ کر تکبر سے ان کی طرف حقارت سے دیکھا تھا[۱] لیکن اللہ تعالےٰ کے حضور میں وہ تکبر ناپسندیدہ تھا، اور آخر کار ان کو وہ مرتبہ ملا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سوا تمام مسلمانوں سے بہتر ہو گئے!

آخرت کی نجات اصل بزرگی ہے: پس جب انسان کی بزرگی نجات آخرت میں ہے اور اس کے بارے میں کسی کو علم نہیں تو لازم ہے کہ انسان اس کا خیال رکھے اور تکبر سے خود کو سوختہ رکھے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ انسان اس بات کو سمجھ لے کہ بزرگی اور بڑائی صرف ذات خداوندی کو سزاوار ہے اور جو کوئی اس معاملہ میں اس سے جھگڑے گا (اپنی بڑائی کا اظہار کرے گا، خداوند تعالےٰ اس سے ناخوش ہو گا اس لیے کہ اللہ تعالےٰ نے ہر ایک بندے کو آگاہ فرما دیا ہے کہ اے بندے تیری قدر میرے یہاں اسی وقت ہو گی جبکہ تو خود کو بے مقدار اور حقیر سمجھے گا۔

---

[۱] متن کیمیائے سعادت میں اس طرح ہے " چہ بسیار کس حضرت عمر رضی اللہ عنہ را دیدند پیش از اسلام و بروے تکبر کردند" ص ۳۸۲

بالفرض اگر کسی نے یہ سمجھ بھی لیا کہ اس کا انجام بخیر ہے تب بھی وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان مندرجہ بالا کو پیش نظر رکھتے ہوئے تکبر سے گریز کرے گا۔ چنانچہ تمام انبیاء (علیہم السلام) متواضع تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ تکبر سے خوش نہیں ہوتا۔

عابد کو چاہیئے کہ عالم بے عمل سے بھی تکبر نہ کرے اور یہ خیال کرے کہ یہ ممکن ہے کہ اس کا علم اس کا شفیع بن جاوے اور اس کے گناہوں کو محو کردے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ”عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے میری فضیلت کسی صحابی پر“ اگر عابد کسی ایسے جاہل کو دیکھے جس کا حال ظاہر نہیں ہے تو اس وقت خیال کرے کہ ممکن ہے کہ یہ شخص مجھ سے زیادہ عابد ہو، اور اس نے خود کو مشہور نہیں کیا ہے، اور اگر فاسق کو دیکھے تو اس وقت یہ خیال کرے کہ بہت سے ایسے گناہ ہیں جن کا تعلق دل سے ہے۔ جیسے وساوس و خطرات جو ظاہری فسق سے بھی بدتر ہیں اور شائد میرے باطن میں انہی عیبوں میں سے کوئی عیب ہو جس کی مجھے خبر نہیں ہے اور میری ظاہری عبادت اس گناہ کے باعث ملیامیٹ ہو سکتی ہے اور اس کے مقابل اس فاسق کے دل میں اور اس کے باطن میں کوئی ایک ایسا خلق حسن موجود ہو جو اس کے تمام گناہوں کا کفارہ بن جائے۔ اور بہت ممکن ہے کہ توبہ کے باعث اس کا خاتمہ بخیر ہو اور مجھ سے ایسی تقصیر سرزد ہو جائے کہ جس کے باعث دمِ مرگ ایمان بھی سلامت نہ رہے! پس جب یہ بات ممکن الوقوع ہے کہ اس عابد کا نام اللہ تعالیٰ کے حضور میں بدبختوں میں لکھا جائے تو پھر تکبر کرنا سراسر نادانی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علمائے عظام اور مشائخ کبار نے ہمیشہ فروتنی، عاجزی اور خاکساری کو اپنایا ہے (عاجزی اور فروتنی کا اظہار کیا ہے)۔

خود پسندی اور اس کی آفت

اے عزیز معلوم ہونا چاہیئے کہ خود پسندی بُرے اخلاق میں داخل ہے (اخلاق ذمیمہ میں اس کا شمار ہوتا ہے) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ تین چیزیں ہلاک کرنے والی ہیں، ایک بخل، دوم حرص، سوم خود پسندی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ اگر تم گناہ نہ کرو تب بھی مجھے تم سے ایک چیز کا خوف ہے جو معصیت سے بدتر ہے یعنی عُجب و خود پسندی

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا گیا کہ آدمی کب گنہ گار ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا جب وہ اپنے کو نیکوکار سمجھے اور ایسا سمجھنا خود پسندی کی علامت ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ: د

چیزیں انسان کی ہلاکت کا سبب ہوتی ہیں ایک خود پسندی اور دوسری ناامیدی، اسی باعث بزرگوں نے کہا ہے کہ ناامید انسان ایک چیز کی طلب میں سستی کرتا ہے اور خود پسند خود کو طلب سے بے نیاز اور مستغنی سمجھتا ہے شیخ مطرف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اگر میں ساری رات سوتا رہوں اور صبح کو ہراساں و پریشان اُٹھوں تو یہ بات مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ میں ساری رات نماز پڑھوں اور صبح کو اس عبادت پر غرور کروں" شیخ بشیر ابن منصور نے ایک طویل نماز پڑھی، انہوں نے دیکھا کہ ایک شخص ان کی اس طویل نماز سے بہت تعجب میں ہے (تعجب کے ساتھ ان کو نماز پڑھتے دیکھتا رہا) جب یہ نماز سے فارغ ہوتے (اُس شخص سے انہوں نے کہا کہ اے جوان مرد! میری اس لمبی نماز پر تعجب نہ کر کہ ابلیس نے برسوں عبادت کی اور تجھے معلوم ہے کہ اس کا کیا انجام ہوا؟

خودپسندی آفتوں کی بنیاد ہے

معلوم ہونا چاہیے کہ خود پسندی سے بہت سی آفتیں پیدا ہوتی ہیں۔ ان ہی میں سے ایک تکبّر ہے یعنی خود کو دوسروں سے بہتر سمجھنا اور یہ کہ گناہوں کو یاد نہ کرے اور اگر یاد کرے تو اس کے علاج اور تدارک کی جانب توجہ نہ کرے اور سمجھ لے کہ مغفرت ہو چکی ہے۔ عبادتوں میں ادائے شکر نہ کرے اور اپنی جگہ سمجھ لے کہ وہ اس سے بے نیاز ہے اور عبادتوں میں اس سے جو قصور سرزد ہوتے ہیں ان کی طرف توجہ نہ کرے اور ان آفتوں کو جاننا بھی نہ چاہے بلکہ یہ سمجھ لے کہ وہ آفت سے محفوظ ہے، اس طرح اس کے دل میں خوف آفت نہ رہے اور غضبِ الٰہی سے بے فکر ہو جائے اور جو عبادت اس نے کی ہے اس کو حق تعالیٰ پر اپنا ایک واجب حق سمجھے! حالانکہ عبادت حق نہیں ہے بلکہ وہ بھی خدا کی ایک نعمت ہے۔ انسان آپ اپنی تعریف کرے اور خود کو پاک وصاف سمجھے۔ اپنے علم وفضل پر نازاں ہو اور پھر کسی سے کچھ معلوم نہ کرے۔ اگر کوئی بات اس سے ایسی کہی جائے جو اس کی رائے کے خلاف ہو تو اس کو کبھی نہ مانے اور اس طرح نقص اس کا دور نہ ہو اور نہ وہ کسی کی نصیحت کو سُنے (اس طرح کی بہت سی بُرائیاں خود پسندی سے انسان میں پیدا ہو جاتی ہیں۔

خودپسندی اور فخر وناز کی حقیقت

معلوم ہونا چاہیے کہ جس کو حق تعالیٰ علم کی دولت سے سرفراز فرماتے عبادت وخیرات کی توفیق عطا کرے اور اس پر بھی اس کو یہ خوف رہے کہ کہیں اس سے یہ نعمتیں چھین نہ لی جائیں تو یہ خود پسندی نہیں ہے اور اگر ہراساں نہیں ہے اور نعمت ہائے خداوندی سمجھ کر شاداں وفرحاں ہے تو یہ بھی خود پسندی نہیں ہے ہاں اگر وہ اس کو اپنی صفت سمجھ کر شاداں ہے اور حق تعالیٰ کی نعمت نہیں سمجھتا اور نہ اس کے دل میں زوال کا ڈر ہے تو یہ خود پسندی ہے اگر اس کے باوجود حق تعالیٰ کے حضور میں (اپنی عبادت کا) حق واجب سمجھے اور اپنی عبادت کو ایک اچھی خدمت خیال کرے تو یہ اِدلال (اترانا وناز کرنا) ہے، جب کوئی شخص کسی کو کچھ دے اور دل میں خیال کرے کہ میں نے ایک بڑا کام کیا ہے تو ایسے شخص کو خود پسند کہتے ہیں، اور اگر اس بذل وبخشش کے بعد وہ اس

سے خدمت لے اور بدلہ کی امید رکھے تو اس کو ادلال وناز کہتے ہیں رواگر یاں ہم از وی خدمت و مکافات بجو یند ادلال این بود) اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ ایسے شخص کی نماز جو اس پر ناز کرتا ہے اس کے سر سے تجاوز نہیں کرے گی۔" اور ارشاد فرمایا ہے کہ اگر تم ہنسو گے اور اپنی تقصیر کا اقرار کرو گے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ تم گریہ وزاری کرو اور اس کو بڑا کام سمجھو۔

عجب وخود پسندی کا علاج:- معلوم ہونا چاہیئے کہ عُجب وخود پسندی کی بیماری کا سبب جہل محض ہے اور اس کا علاج معرفت محض۔ پس جو شخص شب و روز علم وعبادت میں مشغول رہے تو ہم اس سے دریافت کریں گے کہ آیا یہ خود پسندی اس وجہ سے ہے کہ یہ عمل تجھ سے سرزد ہوا یا تیری خود پسندی اور عُجب اس کا موجب یہ ہے کہ تو اس کا موجد ہے اور تیری قوت سے یہ بات (عبادت) ظہور میں آئی، تو پہلی صورت میں کہ اس سے ظہور ہوا یا وہ اس کا مظہر ہے، خود پسندی اور عجب مناسب وسزاوار نہیں ہے کیونکہ وہ دوسرے کے بس میں ہے (دوسرے نے چاہا تو اس نے عبادت کی) اور اس کام میں اس کا کچھ اختیار نہیں ہے اور اگر تم کہو گے کہ میں اس کا فاعل (موجد) ہوں، میری قدرت اور قوت سے یہ ہوتا ہے تو اس وقت ہم جواب دیں گے کہ یہ قوت وقدرت اور اعضاء اور ارادہ جو اس عمل کا سبب بنے ہیں، تم کہاں سے لائے ہو؟ اور اگر تم کہو گے، یہ عمل میری خواہش سے ہوتا ہے تو ہم کہیں گے، اس خواہش ورغبت کو کس نے پیدا کیا اور کس نے تمہارے اندر اس کو رکھا اور تم پر اس کو مسلط کیا۔ جس نے تم کو مجبور کر کے اس کام میں لگایا۔ کیونکہ رغبت ایک موکل کی طرح ہے جو اس پر مسلط اور نازل کر دیا گیا ہے، اس کے خلاف وہ کچھ کر ہی نہیں سکتا۔ پس رغبت کوئی اختیاری امر نہیں ہے بلکہ اس کو زور اور زبردستی سے ایک کام میں لگا دیا گیا ہے۔

پس ہر ایک چیز خدا کی نعمت ہے اور تمہاری خود پسندی اور عجب کا باعث جہالت ہے۔ کیونکہ کوئی شئی تمہارے اختیار میں نہیں ہے بلکہ تم کو خداوند تعالیٰ کے فضل وکرم پر تعجب کرنا چاہیئے کہ اس نے بہت سے بندوں کو عبادت سے غافل کر کے ناپسندیدہ کاموں میں مصروف کر دیا ہے اور اس نے محض اپنی عنایت اور لطف وکرم سے نیک کام کی رغبت عطا فرمائی اور متوکل کو تمہارے اوپر مسلط کر دیا جو تم کو کشاں کشاں بارگاہ الٰہی کی طرف لیجاتا ہے مثلاً اگر کوئی بادشاہ اپنے غلاموں پر نظر کرے اور ان میں ایک غلام کو بغیر کسی سبب کے یا کسی ایسی خدمت کے عوض جو اس نے بہت پہلے انجام دی تھی تو اس غلام کو تو شاہی عنایت پر متعجب ہونا چاہیئے کہ بغیر استحقاق کے خلعت عطا فرمادی، اس موقع پر اگر تم کہو کہ بادشاہ تو بڑا حکیم و دانشمند ہے جب تک اس نے استحقاق کی صفت میرے اندر نہیں دیکھی خلعت خاص عطا نہیں فرمائی تو ہم اسکا جواب یہ دینگے کہ اس استحقاق کی صفت کو تم کہاں سے لائے ہو یہ بھی اسی بادشاہ حکیم و دانشمند کا عطیہ ہے پس غرور کا محل کسی طرح بھی نہیں ہے اسکی مثال ایسی ہے کہ

تم کو ایک گھوڑا عنایت فرمائے تو تم اس پر تعجب نہ کرو، پھر وہ ایک غلام بھی عنایت فرمادے تو تم تعجب سے یہ کہو کہ غلام اس نے مجھ کو اس واسطے دیا ہے کہ میرے پاس گھوڑا تھا اور دوسروں کے پاس نہ تھا، جب گھوڑا بھی اسی کی عنایت سے ملا ہے تو تعجب کا مقام نہیں بلکہ یوں سمجھنا چاہیے کہ گھوڑا اور غلام ایک ساتھ ہی تجھ کو عنایت فرمایا ہے۔ اسی طرح اگر تم کہو کہ خدا نے مجھے عبادت کی توفیق اس لیے دی ہے کہ میں بھی اس سے محبت رکھتا تھا، تو اس کا جواب ہم یہ دیں گے کہ اپنی یہ محبت اور دوستی تمہارے دل میں کس نے ڈالی۔ اس کے جواب میں اگر تم یہ کہو کہ میں نے اس وجہ سے اس سے محبت کی کہ اس کو پہچانا اور اس کے حسن وجمال کو معلوم کیا! تو ہم پھر یہ سوال کریں گے کہ یہ معرفت اور عشق تم کو کس نے دیا۔ بس جب سب چیزیں اس کی عطا کردہ ہیں تو چاہیے کہ اس کے فضل وکرم کا شکر ادا کرو کہ وہ تمہارا خالق ہے اس نے ایسی عجیب صفتیں قدرت اور ارادہ تمہارے اندر پیدا کیں اور تمہارا اس میں کوئی واسطہ اور تعلق نہیں اور ان تمام کاموں میں سے کوئی کام بھی تمہارے زور اور قوت سے نہیں ہوا۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ تم قدرتِ الٰہی کے مظہر ہو۔

سوال! جب عمل میں بندے کا اختیار نہیں ہے اور سب کچھ حق تعالیٰ کرتا ہے تو ثواب کی امید کس طرح رکھی جائے۔ اور شک نہیں کہ ہم کو اپنے اس عمل سے جو اختیاری ہو ثواب حاصل ہوتا ہے، تمہارا یہ کہنا درست ہے، جواب اس کا یہ ہے کہ تو خداوند تعالیٰ کا مظہر بنا فی الواقع کچھ بھی نہیں وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى۔ (اور نہیں پھینکا جو کچھ آپ نے پھینکا مگر اللہ تعالیٰ نے پھینکا) یعنی جو کچھ کیا وہ تو نے نہیں کیا حق تعالیٰ نے کیا۔ تمہارے اندر حق تعالیٰ کے قدرت وارادے کے بعد حرکت پیدا ہوئی اور تم یہ سمجھے کہ یہ تمہارا فعل ہے۔ یہ ایک نازک راز ہے تم اس کو نہ سمجھ سکو گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ فصل میں اس کا بیان آئے گا، یہاں جو کچھ کہا گیا ہے تمہاری عقل ودانش کے موافق بات کہی گئی ہے۔ تم فرض کرو کہ عمل تمہاری قدرت سے ہے۔ لیکن تمہارا عمل اللہ تعالیٰ کے علم اور قدرت کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ تمہارے عمل کی کنجی یہی تین چیزیں ہیں۔ اور بے شک وشبہ یہ اللہ تعالیٰ کی بخششیں ہیں۔ اگر ایک خزانے کا دروازہ بند ہو اور اس میں بہت سی نعمتیں موجود ہوں اور تم وہاں نہ پہنچ سکو کیونکہ خزانے کی کنجی تمہارے پاس نہیں ہے۔ خزانچی نے اس خزانے کی کلید تم کو دی اور تم نے ہاتھ بڑھا کر وہ نعمتیں لے لیں تو تم اس بخشش کو خزانچی کی طرف منسوب کرو گے یا اپنے ہاتھ کی طرف؟ تم واقف ہو کہ یہ نعمتیں حاصل کرنے کی تمہارے اندر طاقت نہیں تھی، خزانچی نے تم کو قدرت بھی دی اور کنجی بھی تو دولت حاصل شدہ اسی کی طرف سے ہوئی۔ پس تمہاری قوت اور قدرت جو تمام اعمال کی کلید ہے تو یہ سب حق تعالیٰ کی عنایت ہے۔ بس تم کو تعجب تو اس بات سے ہونا چاہیے کہ حق تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے خزانۂ عبادت کی کنجی تم کو مرحمت کی اور تمام فاسقوں کو اس سے محروم رکھا اور معصیت کی کلید دوسروں کے حوالے کردی اور عبادت کے خزانے کا دروازہ ان کے اوپر بند کردیا

حالانکہ ان کی کچھ تقصیر نہیں تھی اس نے یہ کام اپنے عدل سے کیا اور ابھی تک تم سے کسی خدمت کا صدور نہیں ہوا تھا کہ جس کے عوض تم پر یہ فضل کیا جاتا۔ پس جس نے توحید کی حقیقت کو پہچان لیا ہے وہ ہرگز تعجب نہیں کرے گا اور عجیب بات یہ بھی کہ ایک مفلس دانشمند اس بات پر تعجب کرتا ہے کہ حق تعالیٰ نے جاہل کو مال و متاع دیا ہے اور مجھ جیسے خردمند کو اس سے محروم رکھا ہے! وہ ہوشمند اور دانا اتنی بات نہیں سمجھتا، کہ عقل جو سب نعمتوں سے بہتر اور افضل ہے یہ بھی تو عطیۂ الٰہی ہے اگر وہ دونوں نعمتیں خردمند کو دے دیتا اور جاہل کو دونوں سے محروم کر دیتا تو عدل سے بعید ہوتا۔ اگر اس عاقل سے جو مفلسی کا شکوہ کرتا ہے کہیں کہ اپنی عقل ۔۔ کر جاہل کا مال متاع لے لے تو وہ کبھی اس پر راضی نہیں ہوگا، اسی طرح کبھی ایک مفلس خوبصورت عورت ایک بدصورت عورت کو زیورات اور شان و شوکت میں دیکھ کر کہتی ہے کہ یا الٰہی! اس میں کیا حکمت ہے کہ زیور بدصورت کو دے دیا جو اس کو زیب نہیں دیتا لیکن وہ اتنی بات نہیں جانتی کہ یہ جمال جو اس کو بخشا ہے، بہتر ہے۔ اگر دونوں چیزیں اس کو دے دیتا تو یہ عدل و انصاف سے بعید ہوتا۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ بادشاہ نے ایک مصاحب کو گھوڑا دیا اور ایک کو غلام دیا۔ گھوڑے کا پانے والا تعجب سے کہتا ہے کہ گھوڑا تو میرے پاس موجود تھا، پھر دوسرے ندیم کو غلام کیوں دیا؟ مجھے بھی غلام ہی دینا چاہیئے تھا)

منقول ہے کہ جب حضرت داؤد علیہ السلام نے حق تعالیٰ سے کہا کہ بارالٰہا! میری اولاد میں سے ہر ایک فرد تمام رات نماز پڑھتا ہے اور دن میں ہر ایک روزہ رکھتا ہے۔ تب وحی نازل ہوئی کہ اس کی توفیق میں نے ان کو دی ہے تب وہ ایسا کرتے ہیں۔ اب میں ایک لحظہ کے لیے تجھ کو تیری راہ پر چھوڑ دیتا ہوں۔ چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام کو ان کی راہ پر چھوڑ دیا گیا اور ان سے ایسی تقصیر ہو گئی کہ انہوں نے تمام عمر حسرت و پشیمانی میں بسر کی۔

حضرت ایوب علیہ السلام نے کہا الٰہی! تو نے بہت سی آفتیں مجھ پر نازل کیں۔ ہمیشہ میں تیری رضا پر راضی رہا اور کبھی بیقراری کا اظہار نہیں کیا اور تیری مراد کے مقابل اپنی خواہش ذرہ برابر میں نے اختیار نہیں کی۔ تب ابر کا ایک ٹکڑا آیا اور اس کے اندر سے ندا آئی کہ اس ایک آواز میں ہزار آوازیں ہیں کہ اے ایوبؑ تم یہ صبر کہاں سے لائے تھے؟ ایوبؑ علیہ السلام سمجھ گئے اور سر پر خاک ڈالنے لگے کہ بارالٰہا! میرا صبر تیرے ہی فضل سے تھا۔ میں نے جو کچھ کہا اس سے توبہ کرتا ہوں، خداوند کریم کا ارشاد ہے وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَتُہٗ مَا زَکٰی مِنْکُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا وَّلٰکِنَّ اللّٰہَ یُزَکِّیْ مَنْ یَّشَآءُ (اگر ہمارا فضل تم پر نہ ہوتا تو کوئی شخص خود کو پاک بھی نہ کر سکتا کبھی بھی بیشک اللہ ہی اس کو پاک کر دیتا ہے جس کو چاہتا ہے) اس بنا پر سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "کوئی شخص اپنے عمل کے زور سے نجات آخرت حاصل نہیں کر سکتا۔ دریافت کیا گیا کہ کیا آپؐ کی ذات گرامی بھی اس میں شامل ہے آپ نے فرمایا ہاں، مگر حق تعالیٰ کا فضل درکار ہے۔" اسی وجہ سے صحابہ کرامؓ فرمایا کرتے تھے کہ کاش ہم مٹی ہوتے یا خود پیدا ہی نہ ہوتے۔

پس جو شخص اس بات کو سمجھ لے گا وہ غرور اور خود پسندی نہیں کرے گا۔

فصل:۔ اے عزیز معلوم ہونا چاہیئے کہ بعض لوگ ایسے نادان ہیں کہ ایک ایسی چیز پر جو اپنی ملک نہیں خود پسندی اور غرور کرتے ہیں جیسے طاقت و قوت حسن و جمال اور نسب، ایسا غرور جہالت کی علامت ہے کیونکہ اگر ایک عالم یا عابد یہ کہے کہ علم میں نے حاصل کیا اور عبادت میں نے کی تو ایسا خیال کرنے کی ایک گنجائش ہو سکتی ہے، لیکن ایسا خیال خود حماقت محض ہے اور ایسا کون ہے جو ظالموں اور بادشاہوں کے نسب پر ناز کرتا ہو جبکہ وہ اس بات پر غور کرے کہ دوزخ میں ان لوگوں کا کیا حال ہو گا اور قیامت میں ان کے دشمن ان کی اہانت اور تذلیل کریں گے تو بجائے ناز کرنے کے وہ ان سے ننگ رکھتا بلکہ کوئی نسب حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب سے شریف تر نہیں ہے اور اس پر فخر کرنا بھی بیجا ہے کہ اس نسب سے تعلق رکھنے والے بعض لوگ تو اس حد تک پہنچ جاتے ہیں کہ وہ سمجھنے لگتے ہیں کہ معصیت اور خداوند تعالےٰ کی نافرمانی سے ان کا کچھ نقصان نہیں ہوتا جو چاہیں سو کریں۔ یہ لوگ اتنی بات نہیں سمجھتے کہ جب باپ دادا کے عمل اور ان کے احکام کے خلاف کریں گے تو ان کا یہ سلسلہ نسب کٹ جاتا ہے باقی نہیں رہتا اور یہ لوگ اچھی طرح جانتے ہیں کہ انسان کو بزرگی تقوٰی سے حاصل ہوتی ہے نہ کہ نسب سے۔ پھر ان کے اجداد میں ایسے لوگ بھی ہیں جن کا ٹھکانا دوزخ ہے (وہم از نسب ایشاں نے کسانے اند کہ سکان دوزخ اند۔ کیمیائے سعادت نولکشوری اڈیشن ۱۸۷۹ء صـ ۲۸۵)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نسب پر فخر کرنے سے منع کرتے ہوئے فرمایا کہ "سب آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور آدم علیہ السلام خاک سے پیدا کیے گئے ہیں"

جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان کہی تو قریش کے سردار اور شرفاء کہنے لگے "کہ اس حبشی غلام کا یہ درجہ ہوا کہ اس کو اذان کہنے کا حکم دیا گیا (موذن مقرر کیا گیا)" تب یہ آیت نازل ہوئی۔

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰکُمْ ۝	تم میں جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے وہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ بزرگ ہے

اور جب یہ آیت نازل ہوئی۔

وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ ۝	اور اپنے نزدیک کے قرابت والوں کو (عذاب سے) ڈرا یئے!

تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے فرمایا کہ "اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹی! تم اپنی تدبیر آپ کر دکہ میں کل تمہارے کام نہ آؤں گا" اور حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب) سے فرمایا کہ "اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پھوپھی آپ اپنے کام میں سرگرم رہیں کہ میں تمہاری دستگیری نہیں کر سکتا (یا عمہ بکار خود مشغول شو کہ من ترا دست نگیرم) اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت آپ کے قریبی عزیزوں کے کام آنے والی ہوتی تو آپ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کو عبادت کی مشقت سے رہائی دیتے تاکہ بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا آرام سے زندگی بسر کریں۔

اور دونوں جہان میں ان کا بیڑا پار ہوتا۔ اگرچہ قرابت والے کو آپ کی شفاعت کی بڑی امید ہے لیکن ہو سکتا ہے کہ اس نے کوئی ایسا بڑا گناہ کیا ہو جو شفاعت کا اہل اس کو نہ بنا سکے جیسا کہ حق تعالے نے فرمایا ہے:۔

وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَىٰ ۔ (الایہ) اور نہیں شفاعت فرمائیں گے مگر اس کی جس سے خداوند تعالے خوش ہو۔

اور شفاعت کی امید میں خلاف شریعت من مانے کام کرنا ایسا ہے گویا بیمار ہے اور پرہیز نہیں کرتا بلکہ ہر چیز کھاتا ہے۔ اس امید پر کہ اس کا باپ طبیب کامل ہے۔ ایسے شخص کو بتانا چاہیئے کہ کوئی مرض ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ وہ علاج قبول نہ کرے اور طبیب کی حذاقت رکھی رہ جائے بلکہ مزاج کو ایسا رکھنا چاہیئے کہ طبیب اس کی مدد کر سکے اور جو شخص بادشاہ کا مقرب ہو وہ تمام حالتوں میں کسی کی سفارش نہیں کرے گا۔ بلکہ جب بادشاہ کسی سے خفا ہو تو شفاعت کسی کی کام نہیں آئے گی۔ اور کوئی گناہ ایسا نہیں ہے جو خدا کی ناخوشی کا سبب نہ ہو۔ کیونکہ حق تعالیٰ کی نارضامندی معصیت کے اندر ہے جس گناہ کو بندہ کم بھی سمجھے وہ اس کی ناخوشی کا سبب ہوگا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:۔

وَتَحْسَبُونَهُ هَيِّنًا وَهُوَ عِندَ اللَّهِ عَظِيمٌ ۝ تم اس گناہ کو چھوٹا سمجھتے ہو لیکن خدا کے نزدیک وہ بڑا ہے۔

اسی طرح تمام مسلمانوں کو شفاعت کی اُمید ہے لیکن اس امید سے عقلمند لوگ نڈر اور بے خوف نہیں ہوں گے اور جب دل میں خوف ہو تو غرور اور عجب کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ

اصلِ دہم

غفلت، گمراہی اور غرور کا علاج

اے عزیز معلوم ہونا چاہیئے کہ جو کوئی سعادتِ آخرت سے محروم رہا اس کا سبب یہ تھا کہ وہ راہ الہی پر نہیں چلا۔ اور نہ چلنے کا سبب یہ تھا کہ یا تو اس نے اس راستے کو جانا ہی نہیں یا جان نہ سکا (اس کو قدرت نہ تھی کہ اس راہ کو جان سکے) اور اس نادانی کا موجب یہ تھا کہ وہ خواہشات کے ہاتھوں میں اسیر رہا اور شہوت و خواہش پر غالب نہ آسکا اور نہ جاننے کی وجہ یہ تھی کہ وہ غفلت میں مبتلا رہا اور راہ کو گم کر دیا یا راستہ پر قدم رکھنے کے بعد کسی پندار اور گھمنڈ میں مبتلا ہو کر راستہ سے بھٹک گیا اور وہ شقاوت اور بدبختی جو عدمِ قدرت کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے اس کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ اور ایسی شقاوت اور بدبختی جو نادانی و جہل کی بدولت پیدا ہوتی ہے اس کی بابت ہم بیان کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی مثال جو قدرت نہ ہونے کے باعث اس راستہ سے رہ گئے ہیں اس شخص کی طرح ہے جس کو

راستہ طے کرنا ضروری ہے لیکن راستہ میں بہت سے نشیب و فراز ہیں اور راہرو ضعیف ہے اور وہ بلندی کو عبور نہیں کر سکتا، راہ کے یہ نشیب و فراز، جاہ و مال اور نفسانی خواہش ہے! جن عقبات کا ہم نے ذکر کیا ہے تو کوئی شخص تو ایسا ہو گا کہ ایک گھاٹی کو عبور کر سکتا ہے لیکن دوسری گھاٹی کو عبور کرنے سے عاجز اور درماندہ ہے اور کوئی ایسا ہو گا کہ وہ دو گھاٹیوں کو عبور کرے اور تیسری کو عبور نہ کر سکے اور ظاہر ہے کہ جب تک تمام گھاٹیوں سے پار نہ ہو جائے منزلِ مقصود کو نہیں پہنچ سکتا!

شقاوت کے اقسام

وہ شقاوت جس کا باعث اور موجب نادانی ہو، تین قسم کی ہے۔ اوّل غفلت اور بے خبری ہے اور اس کی مثال اس شخص کی ہے کہ قافلہ چلا جائے اور وہ سوتا ہوا رہ جائے، اب اگر اس کو کوئی بیدار نہیں کرے گا تو وہ مارا جائے گا۔ دوسری قسم ضلالت و گمراہی ہے اور اس میں مبتلا شخص کی مثال اس آدمی کی ہے کہ اس کا ارادہ مشرق کی طرف جانے کا ہو اور جائے مغرب کی طرف۔ اب یہ جتنا زیادہ سفر کرتا جائے گا اتنا ہی منزلِ مقصود سے دُور ہوتا جائے گا اس کو ضلالِ بعید کہتے ہیں۔ یعنی عظیم گمراہی! اگر کوئی سیدھا راستہ چھوڑ کر دائیں یا بائیں طرف مُڑ جائے تو یہ بھی ضلالت ہے لیکن "ضلالتِ بعید" نہیں ہے۔ شقاوت کی تیسری قسم غرور و پندار ہے، اس میں مبتلا شخص کی مثال اس حاجی کی ہے کہ حج کے واسطے جانا چاہتا ہے اور اس کو جنگل (اثنائے راہ) میں خرچ کے لیے خالص سکّوں کی ضرورت پڑے گی وہ اس ضرورت کے لیے اپنا سامان (جو کچھ اس کے پاس ہے) فروخت کر کے اس کے عوض روپے لے لیتا ہے لیکن وہ روپے کھوٹے یا عیب دار ہیں اور اس کو اس کی خبر نہیں ہے اور اس کو اطمینان ہے کہ اس کے پاس زادِ راہ موجود ہے اور اس کو خرچ کر کے وہ منزلِ مقصود کو پہنچ جائے گا لیکن جب وہ دیہات اور قریوں میں پہنچتا ہے اور (خرچ کے وقت) اپنے روپے لوگوں کو دیتے تو کسی نے ان کو قبول نہیں کیا آخرکار یہ بیچارا حسرت و تأسف کے ساتھ منزلِ مقصود پر پہنچنے سے رہ جاتا ہے۔ ایسے لوگوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ۝ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ۝

(کہہ دیجیے کہ قیامت کے دن بڑے نقصان والے وہ لوگ ہیں کہ دنیا میں ان کی محنت ضائع ہو گئی اور وہ سمجھے کہ انہوں نے اچھے کام کیے ہیں (جب دیکھا گیا تو سب کام بیجا کیے ہیں)

اس شخص کی خطا یہ ہے کہ اس کے لیے ضروری تھا کہ پہلے پرکھنے کا فن سیکھتا اس کے بعد سکے لیتا تاکہ کھوٹا کھرا اس کو معلوم ہو جاتا۔ اگر خود اس کو یہ تمیز نہیں تھی تو لازم تھا کہ کسی صرّاف کو دکھاتا اور اگر یہ بھی ممکن نہ تھا تو کسوٹی کو حاصل کرتا اور اس سے کس کر کھوٹا کھرا معلوم کرتا) اور صرّاف پیرو مرشد کی مانند ہے، استاد کو چاہیے کہ پیروں کے درجہ تک پہنچے یا کسی پیر و بزرگ کے پاس رہ کر اپنا عمل اس کو بتاتے (تاکہ وہ اس کی اچھائی یا بُرائی بتا دے) اگر یہ دونوں باتیں ممکن نہ ہوں تو محک یا کسوٹی حاصل کرے، یہ محک یا کسوٹی اس کی خواہش نفسانی ہے۔ پس جس کام کی طرف

طرف اس کی طبیعت مائل ہو اس کو باطل سمجھے۔ ہر چند کہ اس میں بھی اکثر غلطی ہو جاتی ہے، لیکن اکثر صواب اور درست ہوتی ہے۔ پس یاد رکھنا چاہیئے کہ شقاوت کے معاملہ میں نادانی کا بڑا دخل ہے۔ نادانی کی تین قسمیں ہیں ان تینوں کی تفصیل اور ان کا علاج جاننا فرض ہے۔ یعنی دین کے کام میں پہلی بات یہ ہے کہ راہ پہچانے (راستہ سے واقف ہو) اس کے بعد اس پر چلنے کے طریقے معلوم کرے۔ جب ان دونوں باتوں سے آگاہی حاصل ہو جائے تو سمجھ لے کہ اس کا مقصد پورا ہو گیا۔ اسی وجہ سے امیر المومنین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ یہی مناجات کیا کرتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اِتِّبَاعَهٗ۔ الٰہی جو ٹھیک بات ہو وہ ہمیں بتلا دے اور اسکی پیروی ہم کو نصیب فرما۔

اس سے قبل ہم عدم طاقت کا علاج بتا چکے ہیں۔ اب غفلت و نادانی کی تدبیر اور اس کا علاج لکھا جاتا ہے۔

غفلت و نادانی کا علاج

اے عزیز! معلوم ہونا چاہیئے کہ اکثر بندگانِ خدا، بارگاہِ الٰہی سے دور پڑے ہیں اس دوری کا سبب غفلت ہے۔ سو میں ننانوے افراد کا یہی حال ہے۔ غفلت کے معنی یہ ہیں کہ لوگ آخرت کے کام کی دشواری سے بیخبر ہیں (ان کو نہیں معلوم کہ آخرت میں ان کو کن دشواریوں کا سامنا کرنا پڑے گا) اگر ان کو ان دشواریوں سے آگاہی ہوتی تو وہ اس معاملہ میں ہرگز ایسی تقصیر اور کوتاہی نہ کرتے اس لیے کہ انسانی فطرت کا یہ خاصّہ ہے کہ جب وہ کسی بلا کو دیکھتا ہے تو اس سے حذر کرتا ہے۔ خواہ اس کے لیے مشقت ہی کیوں نہ درکار ہو۔

خطرِ آخرت سے آگاہی کا ذریعہ:۔ خطرِ آخرت کو فیضانِ نبوت یا ان احکامِ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے جو دوسروں تک پہنچے یا علماء کے بیان سے جو انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں معلوم کر سکتے ہیں (خطراتِ آخرت سے آگاہی کا ذریعہ ہیں) کیونکہ جب کوئی شخص خطرناک راستہ میں سوجاتا ہے تو اس کا علاج اور تدارک یہی ہے کہ اس کا وہ غم خوار اور ہمدرد دوست جو بیدار ہو اس کے پاس جائے اور اُس کو جگا دے۔ یہاں ایسے بیدار، مشفق و غم خوار سے مراد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے نائبین یعنی دین کے علماء ہیں۔ حق تعالےٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام کو اسی واسطے مبعوث فرمایا ہے۔ جیسا کہ قرآنِ حکیم میں ارشاد ہے۔

لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ۝ تاکہ تم اس قوم کو ڈرسناؤ جس کے باپ دادا نہ ڈرائے گئے تو وہ بے خبر ہیں۔

اور فرمایا ہے:۔

لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ۝ کہ تم ایسی قوم کو ڈرسناؤ جس کے پاس تم سے پہلے کوئی ڈرسنانے والا نہ آیا، کیا عجب ہے کہ نصیحت قبول کریں۔

اور تمام بندوں سے آپ فرما دیں۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (الآیہ) بیشک انسان گھاٹے اور نقصان میں ہے سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک کام کیے۔

یعنی سب کو دوزخ کے واسطے پیدا کیا ہے مگر وہ جو ایمان والے اور پرہیزگار ہیں اس سے چھوٹیں گے (رہمہ را بر کنارِ دوزخ آفریدہ اند) فَاَمَّا مَنْ طَغٰیۙ وَاٰثَرَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَاۙ فَاِنَّ الْجَحِیْمَ هِیَ الْمَاْوٰیؕ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَی النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰیۙ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِیَ الْمَاْوٰیؕ یعنی جو شخص دنیا کی طرف متوجہ ہوا اور خواہش نفس کی پیروی میں لگا وہ دوزخ میں گرے گا۔ (وہی اس کا ٹھکانہ ہے) اور جو کوئی اپنے رب کے حضور کھڑے ہونے سے ڈرا اور نفس کو خواہش سے روکا تو بے شک جنت ہی ٹھکانا ہے)

گویا جو شخص دنیا کی طرف متوجہ ہوا اور نفسانی خواہش کی پیروی میں لگا رہا وہ دوزخ میں گرے گا۔ کیونکہ حرص و ہوا کی مثال اس حصیر یا چٹائی کی ہے جو دوزخ کے دھانے پر بچھی ہے۔ پس جو کوئی بھی اس چٹائی پر بیٹھے گا یقیناً اور لازماً غار میں گرے گا اور جو کوئی اپنی نفسانی خواہش کو مارے گا جنت میں جائے گا۔ شہوتِ نفسانی اس پشتہ کی طرح ہے جو بہشت کی راہ میں ہو گا جو اس پر سے گذر جائے گا وہ ضرور بہشت میں داخل ہو جائے گا۔ چنانچہ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

حُفَّتِ الْجَنَّةُ بِالْمَکَارِهِ وَحُفَّتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ بہشت کو مصائب و مشکلات سے وابستہ کر دیا ہے اور جہنم کو خواہشات سے۔

پس اللہ تعالیٰ کے وہ بندے جو صحرا نشین اور بادیہ میں مقیم ہیں یا کوہستانوں میں آباد ہیں، جیسے بدو، جہاں علماء وغیرہ نہیں رہتے وہ خواب غفلت میں رہیں گے۔ ان مقامات پر ان کو خواب غفلت سے بیدار کرنے والا کوئی نہیں ہے اور وہ خود آخرت کے خطرے سے بے خوف ہیں اسی وجہ سے وہ راہِ الٰہی پہ گامزن نہیں ہوتے۔ ایسا ہی کچھ حال دیہات کا ہے کہ وہاں بھی عالم شاذ ہی رہتا ہے۔ چنانچہ قریہ (گاؤں) بھی گور کا حکم رکھتا ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔

اهل الکور اهل القبور کور دیہہ کے رہنے والے قبر کے رہنے والے ہیں۔

اسی طرح جو لوگ ایسے شہر میں آباد ہیں جہاں کوئی عالم یا واعظ موجود نہیں ہے یا اگر موجود ہے تو وہ دنیا کے کاروبار میں مصروف ہے اور اس کو دین کا کچھ غم نہیں تو اس کے باعث یہاں کے لوگ بھی غفلت میں مبتلا رہیں گے کیونکہ یہ عالم بھی غافل ہے اور سو رہا ہے اور جو خود سو رہا ہے وہ دوسروں کو کس طرح بیدار کرے گا۔

اگر شہر کا عالم منبر پر چڑھ کر وعظ و تذکیر کرتا ہے اور بیکار ادھر ادھر کی باتیں ... تا ہے اور رحمتِ الٰہی کے وعدے

لوگوں کو سنا کر ان کو فریب دیتا ہے کہ اس کے معتقد یہ سمجھنے لگے ہیں کہ ہم طاعت کریں یا نافرمانی خداوند تعالیٰ کی رحمت سے بے نصیب نہیں رہیں گے تو ایسے لوگوں کا حال تو غافلوں سے بھی گیا گذرا ہے اور ان لوگوں کی مثال اس شخص کی ہے جو راستہ میں سو گیا تھا کسی نے اس کو سوتے سے جگا کر اتنی شراب پلادی کہ وہ مست و بے خود ہو کر گر پڑا، پہلے تو یہ ایک معمولی آواز سے بیدار ہو سکتا تھا لیکن اب تو ایسا مدہوش ہوا ہے کہ اگر کوئی پچاس ٹھوکریں بھی اس کے سر پر مارے تو بیدار نہ ہو۔ جاننا چاہیے کہ جو نادان ان پڑھ ایسی صحبتوں میں بیٹھے کا بگڑ جائے گا۔ عاقبت و آخرت کا خوف اس کے دل سے نکل جاتے گا۔ اگر تم ایسے شخص کو نصیحت کرو گے (اور عمل کی طرف رغبت دلاؤ گے) تو وہ کہے گا جناب خاموش رہیے۔ حق تعالیٰ رحیم و کریم ہے اس کو میرے گناہ کی کیا پرواہ بہشت ہم گنہ گاروں کو ضرور ملے گی، غرض ایسے ہی خام خیالات اس کے دماغ میں پیدا ہوتے رہیں گے۔ پس یاد رکھو کہ جو واعظ لوگوں سے اس قسم کی باتیں کہے وہ واعظ نہیں دجال ہے۔ لوگوں کے دین کا بوجھ اس کی گردن پر رہے گا، اس کی مثال اسی احمق طبیب کی سی ہے جو حرارت سے ہلاک ہونے والے بیمار کو شہد دے اور کہے اس میں شفا ہے اگرچہ شہد میں شفا ہونا صحیح اور درست ہے لیکن ایسے بیمار کے لیے جس کا مرض سردی سے ہو۔

آیاتِ رحمت اور احادیثِ مغفرت کن لوگوں کیلیے شفا کا حکم رکھتی ہیں؟

خداوند تعالیٰ کی رحمت پر مبنی آیات اور مغفرت سے متعلق احادیث شریفہ صرف دو قسم کے بیماروں کے واسطے شفا کا حکم رکھتی ہیں۔ ایک تو ایسا بیمار جو کثرتِ معصیت کے باعث ناامید ہو کر توبہ نہیں کرتا اور کہتا ہے کہ مجھ جیسے بندۂ رو سیاہ کی توبہ بارگاہِ الٰہی میں ہرگز قبول نہیں ہوگی تو ایسے شخص کے حق میں آیاتِ رحمت اور احادیثِ مغفرت شفا ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۝

اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ہمارے بندوں سے فرما دیجیے جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی کہ اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہوں۔

ان لوگوں کے سامنے جب یہ آیت پڑھے تو اس کے ساتھ یہ آیت بھی پڑھے۔

وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۝

اور اپنے رب کی طرف رجوع کرو اور اس کے حضور گردن رکھو (جھکاؤ) قبل اس کے کہ تم پر عذاب آئے پھر تمہاری مدد نہ ہو سکے۔

دوسرا بیمار کون ہے؟

دوسرا بیمار وہ شخص ہے جو خدا کے خوف سے رات دن عبادت میں مشغول رہے اور اس بات کا اندیشہ ہے کہ یہ زبردست اور شاقہ ریاضت اس کو ہلاک کر ڈالے گی۔ نہ راتوں کو سوتا ہے نہ کھانا کھاتا ہے تو ایسے شخص کے لیے رحمت کی آیتیں اس کے زخموں کا مرہم ہیں، لیکن جب

جب ان آیات واحادیث کو تو غافلوں سے کہے گا تو ان کی بیماری بڑھ جائے گی۔ اس طبیب کی طرح جس نے حرارت کا علاج شہد سے کر کے بیمار کا خون اپنی گردن پر لیا۔ اسی طرح یہ عالم بھی جو لوگوں کو بگاڑتا ہے حقیقت میں دجّال کا رفیق اور ابلیس کا دوست ہے جس شہر میں ایسا عالمِ سُوء موجود ہے تو ابلیس کو وہاں جانے کی حاجت ہی نہیں ہے کیونکہ وہ عالم خود بطور اس کے نائب کے وہاں موجود ہے۔

اگر کسی واعظ کی بات شرع کے موافق ہے اور وہ اللہ کی نافرمانی سے ڈراتا اور نصائح کرتا ہے لیکن وہ خود ان باتوں پر عمل نہیں کرتا اور اس کا قول اس کے عمل کے خلاف ہے تب بھی لوگوں کی غفلت اس کے وعظ و تذکیر سے دور نہیں ہوگی۔ کیونکہ اس عالم کی مثال اس شخص کی ہے کہ جس کے سامنے ایک طباق شیرینی کا رکھا ہے اور وہ بڑے شوق سے خود مٹھائی کھا رہا ہے۔ لیکن لوگوں سے کہتا ہے خبردار اس مٹھائی کو نہ کھانا اس میں زہر کی آمیزش ہے اس کی یہ بات سُن کر لوگوں میں مٹھائی کھانے کی خواہش اور زیادہ ہوگی اور وہ کہیں گے کہ یہ بات اس لیے کہی گئی ہے کہ سب کی سب مٹھائی خود ہی کھا جائے اور کوئی دوسرا اُس میں شریک نہ ہو۔

عالم کا قول اور عمل دونوں شرع کے موافق ہیں اور اس کا رتبہ بزرگانِ سلف جیسا ہے تو غافل لوگ اس کا وعظ سُن کر ضرور خوابِ غفلت سے بیدار ہوں گے لیکن شرط یہ ہے کہ مخلوق میں وہ قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہو یا اگر ایسی قدر و منزلت نہیں ہے بلکہ کچھ تھوڑے لوگ اس کے کہنے پر عمل کرتے ہیں اور کچھ لوگ اس سے گریز کرتے ہیں اور غفلت میں گرفتار ہیں تو ایسے عالم کو لازم ہے کہ حتی المقدور ایسے لوگوں کی غفلت دور کرنے میں کوشش کرے۔ ان کے گھر جائے اور اللہ تعالیٰ کی طرف ان کو بلائے۔ اس وقت اس کو معلوم ہوگا کہ ہزار افراد میں نوسو ننانوے افراد پر پردۂ غفلت پڑا ہے اور وہ کارِ آخرت سے بے خبر ہیں اور یہ غفلت بھی بیماری ہے کہ اس کا علاج بیمار کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ جب غافل کو یہ خبر ہی نہیں کہ وہ غفلت میں پڑا ہے تو پھر وہ اپنے علاج کے درپے کس طرح ہوگا، اس کا علاج تو بس علماء کے ہاتھ میں ہے۔

جس طرح بچے ماں باپ اور استادوں کی باتوں سے ہشیار ہوتے ہیں (برائیوں سے بچتے اور نیکیوں کو اختیار کرتے ہیں) اسی طرح غافل لوگ ان واعظین کی نصیحت اور ان کے اقوال سے بیدار ہوں گے اور جب ایسا عالم اور واعظ مفقود ہے تو یقیناً غفلت کی بیماری غالب رہے گی۔ اور لوگ اس سے بے خبر ہیں، عالمِ آخرت کی بات صرف اوپری دل سے سُنتا ہے اور خود اس کے باطن میں آخرت کا بالکل ڈر نہیں ہے تو ظاہر ہے کہ اس کی بات کس طرح اثر کرے گی۔

ضلالت و گمراہی اور اُس کا علاج

اے عزیز معلوم ہونا چاہیے کہ آخرت سے غافل رہنے والے لوگوں کی تعداد تھوڑی نہیں ہے یہ وہ لوگ ہیں جو غلط اعتقاد رکھنے کے باعث راہِ حق سے دُور ہو گئے ہیں اور یہ گمراہی ان کی محرومی کا سبب بن گئی ہے۔ ہم اس سلسلہ

میں پانچ مثالوں کے ذریعہ اس کی وضاحت کریں گے تاکہ حقیقت ظاہر ہو جائے۔

مثالِ اوّل: پہلی مثال یہ ہے کہ کچھ لوگ ایسے ہیں کہ آخرت کا انکار کرتے ہیں اور ان کا یہ اعتقاد ہے کہ جب آدمی مرجاتا ہے تو وہ نیست و نابود ہو جاتا ہے۔ جس طرح گھاس جب سوکھ جاتی ہے تو نیست و نابود ہو جاتی ہے، یا ایک چراغ تھا جو گل ہو گیا! اس بنا پر خدا کا خوف نہ کرتے ہوئے وہ عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ دنیا میں انبیاء علیہم السلام کی نصیحتیں محض خلق اللہ کی درستی کے لیے ہیں، یا ان کا یہ مطلب تھا کہ ان کو لوگوں میں مرتبت حاصل ہو اور بہت سے لوگ ان کے طالب اور پیرو بن جائیں۔ کبھی کبھی تو یہ منکر بن صاف طور پر کہہ دیتے ہیں کہ دوزخ کا ڈراوا اور اس کا خوف تو بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک طفل نوآموز سے کہا جائے کہ اگر تم مکتب نہیں گئے تو اس کو چوہے کے بل میں ڈال دیا جائے گا، کاش! یہ بدبخت اپنی دی ہوتی اسی مثال پر غور کریں تو سمجھ لیں گے کہ طفلِ مکتب، مکتب نہ جانے کے باعث جس بدبختی میں پڑے گا وہ تو چوہے کے بل سے بھی بدتر ہے۔ چنانچہ صاحبانِ دل اچھی طرح جانتے ہیں کہ حق تعالیٰ کی بارگاہ سے محرومی دوزخ سے بھی بدتر ہے۔ اور وہ یوں جو کچھ کہتا ہے وہ نفس کی خواہش کی پیروی کے سبب سے ہے اور اس کا انکار طبیعت کے مطابق ہے۔ بہت سے بندوں کے دلوں پر یہ انکار آخری زمانے میں غالب آجائے گا خواہ وہ زبان سے اس کا انکار نہ کریں یا اپنی ذات ہی اس کو پوشیدہ رکھیں۔ لیکن ان کا عمل اس بات پر گواہی دے گا۔ کیونکہ ان کی عقل ہی ایسی ہے کہ دنیاوی راحت جو ان کو کل میسر آنے والی ہے اس کے لیے آج محنت کرتے اور مشقت اُٹھاتے ہیں۔

اس بیماری کا علاج: ضلالت و گمراہی کی بیماری کا علاج یہ ہے کہ آخرت کی حقیقت کا ان کو علم ہو اور یہ علم تین طرح پر ہے، ایک کہ بہشت اور دوزخ اور طاعت گذار اور عصیان شعار بندوں کا احوال اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ یہ صرف اولیاء کرام اور پیغمبرانِ عظام کے ساتھ مخصوص ہے کہ یہ حضرات اگرچہ اس عالم میں ہیں لیکن فنا اور بیخودی کی جو حالت ان پر طاری ہوتی ہے وہ اس حال میں اس جہان کے احوال کا مشاہدہ کرتے ہیں، (انسانی حواس اور نفسانی خواہشات میں مشغولیت کے باعث انسان اس کا مشاہدہ نہیں کر سکتا) آغاز کتاب (کیمیائے سعادت) میں اس کا بیان کیا جا چکا ہے۔ ایسا شخص اس زمانے میں بہت ہی کمیاب ہے۔ اور جو شخص سرے سے آخرت کا منکر ہے وہ اس بات کو تسلیم نہیں کرے گا اور نہ اس کی خواہش کرے گا۔ اور اگر اس کی طلب بھی کرے گا تب بھی اس منزل تک نہیں پہنچ سکے گا۔

دوسرا طریقہ: اس بیماری کے علاج کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ دلیل کے ذریعہ اس بات کو پہچانے کہ انسان اور اس کی روح کی کیا حقیقت ہے تاکہ اس کو معلوم ہو کہ وہ ایک جوہر ہے جو قائم بالذات ہے اور اس قالب کی اس کو احتیاج نہیں ہے بلکہ یہ قالب تو اس کے لیے ایک مرکب یا سواری ہے جو اس کے قیام کا

باعث نہیں بن سکتی (قالب روح کے لیے قیامِ انقاء کا سبب نہیں ہے) رُوح اس قالب کے فنا ہونے سے فنا نہیں ہوتی۔ مگر یہ طریقہ بھی دشوار ہے، یہ طریقہ اور یہ طور صرف ایسے علماء کو حاصل ہو سکتا ہے جو علم الیقین میں ثابت قدم ہوں، عنوان کتاب میں اس پر ہم بحث کر چکے ہیں۔

تیسرا طریقہ:- تیسرا طریقہ ایسا ہے کہ تمام لوگ اس سے بہرہ در ہوں، یہ طریقہ ایسا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اولیائے کرام اور علمائے دین کی صحبت سے اس معرفت کا نور دوسروں میں سرایت کرتا ہے (دوسروں تک پہنچتا ہے) اسی نورِ معرفت کو ایمان کہتے ہیں۔ اب جس کو پیر کامل اور عالم متقی کی صحبت میسّر نہ آسکی اور اس صحبت سے اس نورِ معرفت کو حاصل نہ کر سکا تو وہ شقاوت و بدبختی میں گرفتار رہے گا اور انسان جس قدر عالم کامل کا پیرو ہوگا اُسی قدر انسان کا ایمان زیادہ کامل ہوگا۔

سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وصحبہٖ وسلم کی صحبت کی برکت سے اصحاب کرامؓ کا ایمان تمام خلائق میں سب سے بہتر تھا، اس کے بعد تابعین حضراتؒ کا درجہ ہے، کیونکہ ان حضرات نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو دیکھا ہے۔ حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:-

خَیْرُ النَّاسِ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ۔ میرے زمانے کے لوگ بہتر ین لوگ ہیں پھر وہ لوگ جو اُن کے بعد ہوں گے۔

ان حضرات کی مثال ایسی ہے کہ ایک لڑکے نے اپنے باپ کو دیکھا کہ سانپ کو دیکھتے ہی وہ بھاگ کھڑا ہوتا ہے اور اگر سانپ گھر میں گھس آئے تو وہ گھر چھوڑ دیتا ہے۔ جب لڑکے نے کئی بار اس کا مشاہدہ کیا اور بار بار یہ تماشہ دیکھا تو اس کو بالیقین یہ معلوم ہو گیا کہ سانپ ایک موذی جانور ہے اس سے بچنا چاہیئے۔ اس طرح جب کبھی یہ لڑکا سانپ کو دیکھے گا ہیبت اور ڈر کے مارے بھاگ جائے گا۔ حالانکہ وہ اس کی ایذا رسانی سے بذاتِ خود آگاہ نہیں ہے ممکن ہے کہ اس نے کسی سے یہ بھی سُن لیا ہو کہ یہ ایک زہریلا جانور ہے اگرچہ خود وہ اس کی کیفیت سے آگاہ نہیں (کہ سانپ نے اس کو ڈسا نہیں ہے) لیکن اس سے بہت ڈرتا ہے۔

انبیاء علیہم السّلام کا مُشاہدہ:- انبیاء علیہم السّلام کے مشاہدہ کی مثال ایسی ہے کہ ان کے سامنے کسی شخص کو سانپ نے ڈسا اور وہ ہلاک ہو گیا، پھر ایک دوسرے شخص کو سانپ نے کاٹا اور وُہ بھی ہلاک ہو گیا تو ان کو اس کی مضرّت کا علم اس مشاہدہ سے ہوا اور یہ یقین کامل کا درجہ ہے، اسی طرح علمائے راسخ کے علم کی دلیل کے لیے ہم یہ مثال پیش کر سکتے ہیں کہ اگرچہ آنکھ سے نہیں دیکھا، لیکن انہوں نے قیاس سے انسان کا مزاج اور سانپ کی طبیعت کا احوال معلوم کیا کہ ان دونوں میں ضد ہے اگرچہ اس سے بھی ایک قسم کا یقین حاصل ہوتا ہے لیکن وُہ اس مشاہدے کی طرح قوی نہیں ہے۔ علمائے راسخ کے علاوہ دوسرے تمام لوگوں کا ایمان، بزرگانِ دین کی صحبت کی تاثیر کا نتیجہ ہے اور یہ قریبی علاج ہے۔

دوسری مثال

دوسری مثال یہ ہے کہ بعض لوگ ایسے ہیں کہ وہ آخرت کا انکار تو نہیں کرتے لیکن اس باب میں متحیر ضرور ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ہم کو آخرت کی حقیقت معلوم نہیں ہوتی۔ پس اس وقت شیطان ان پر قابو پالیتا ہے اور ان کو ایک دلیل بتاتا ہے اس وقت وہ کہنے لگتے ہیں کہ دنیا یقینی ہے اور آخرت غیر یقینی (مشکوک) پس ایک یقینی چیز کو مشکوک چیز کے لیے ضائع کر دینا درست نہیں ہے۔ لیکن یہ خیال باطل ہے۔ کیونکہ اہل یقین کی نظر میں آخرت یقینی ہے۔ یہ لوگ جو حیرت میں گرفتار ہیں، ہم اس حیرت کا علاج بتاتے ہیں۔ دیکھو! دوا کا بدمزہ ہونا یقینی ہے اور اس سے شفا کا حصول مشکوک ہے۔ اسی طرح دریا کے سفر میں خطرات یقینی ہیں اور تجارت میں فائدہ بھی مشکوک ہے، یا تم پیاسے ہو اور کوئی شخص تم سے کہے کہ اس پانی کو مت پیو اس میں سانپ نے منہ ڈالا ہے تو پانی (پینے کی) کی لذت یقینی ہے اور زہر کا ہونا اس میں مشکوک ہے لیکن مشکوک ہونے کی بنا پر تم پانی کو استعمال نہیں کرتے اور کہتے ہو کہ پانی کی لذت کا اگر یقین ختم بھی ہو جائے تو چنداں نقصان نہیں ہے، لیکن اگر اس میں زہر ہونے کی بات سچ ہے، تو جان نہیں بچے گی اس طرح دل پانی پینے پر راضی نہ ہوگا (پس اس طرح تم نے ایک مشکوک کی خاطر ایک یقینی چیز کو ترک کر دیا) تو اسی طرح دنیا کی لذت تمہارے لیے سو برس سے زیادہ نہیں اور جب یہ گذر جائے تو پھر ایک خواب کی طرح ہے اور اس کے برعکس آخرت دائمی اور جاوداں ہے اور مصیبت کو کھیل نہیں سمجھنا چاہیئے (د آخرت جاویداست و بارنج بازی نتواں کرد) اور اگر یہ بات بھی تم جھوٹ سمجھتے ہو تو یوں سمجھ لو کہ تم یہ چند روز دنیا میں نہیں تھے، جس طرح تم ازل میں نہیں تھے اور ابد میں بھی نہیں رہو گے۔

پس آخرت کا معاملہ اگر سچا ہے تو (اس پر یقین کرنے سے) دائمی عذاب سے تجھ کو نجات مل جائے گی۔ اسی بناء پر حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ایک ملحد سے فرمایا تھا "کہ اگر حقیقت مرے اعتقاد کے مطابق ہے تو پھر ہم سب آخرت کے عذاب سے چھوٹے اور آزاد ہوتے اور اگر ایسا نہیں ہے بلکہ اس کی حقیقت ہے تو اس صورت میں صرف ہم عذاب آخرت سے بچے اور تو دوزخ میں جائے گا۔

تیسری مثال

تیسری مثال یہ ہے کہ بعض لوگ جو آخرت پر ایمان رکھتے ہیں یہ کہتے ہیں کہ دنیا نقد ہے اور آخرت نسیہ ہے اور نقد نسیہ سے ہمیشہ بہتر رہا ہے، وہ اتنا نہیں جانتے کہ نقد ادھار سے اسی وقت بہتر ہو سکتا ہے کہ دونوں ہم مقدار ہوں۔ لیکن ادھار اگر ہزار ہو اور نقد اس کے مقابل ایک ہو تو پھر ادھار ہی بہتر ہوا۔ چنانچہ مخلوق کے اکثر کام اسی بنیاد پر ہیں۔ اگر کوئی اتنی بات بھی نہیں پہچانتا تو وہ گمراہی میں مبتلا رہے گا۔

چوتھی مثال

اس سلسلہ میں چوتھی مثال ان لوگوں کی ہے کہ جو آخرت کے قائل ہیں۔ لیکن جب وہ اس دنیا میں آرام و آسائش سے کھاتے پیتے ہیں، اور اپنے لیے دنیا کی نعمتوں کو وافر دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ جیسا آرام اور چین سے ہم اس دنیا میں ہیں۔ آخرت میں بھی اسی طرح فراغت اور آسائش سے رہیں گے۔ اس لیے کہ دنیا میں حق تعالیٰ

نے یہ نعمتیں ہم کو اس لیے مرحمت فرمائی ہیں کہ وُہ ہم کو دوست رکھتا ہے اور وُہ کل قیامت میں بھی اسی طرح ہمارے ساتھ لُطف فرمائے گا۔ جیساکہ سورۃ الکہف میں دو بھائیوں کے قصہ میں مذکور ہے کہ ان میں سے ایک بھائی نے دوسرے سے کہا:۔

وَلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰی رَبِّیْ لَاَجِدَنَّ خَیْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا۔ — جب میں اپنے پروردگار کے پاس لوٹ کر جاؤں گا تو اس سے زیادہ نیکی اور خیر مجھے حاصل ہو گی۔

یہ سن کر دوسرے بھائی نے کہا:۔

اِنَّ لِیْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰی۔ — میرے لیے پروردگار کی طرف سے نیکیاں ہوں گی۔

اس خیال کا علاج یہ ہے کہ وہ یوں سمجھے کہ کسی کا ایک فرزند عزیز ہے اور ایک خوار و ذلیل غلام ہے، بیٹے کو وہ تمام دن مکتب کی قید اور استاد کی زجر و توبیخ میں گرفتار رکھتا ہے اور غلام کو آزاد مختار رکھتا ہے کہ وہ اپنا تمام دن لہو و لعب میں گذارے (جس طرح چاہے اپنا دن گذارے) کیونکہ غلام کی بدبختی اور بے راہ روی کی اس کو پرواہ نہیں ہے۔ پس اگر غلام یہ خیال کرتا ہے کہ میرے آقا نے مجھے دوستی اور محبت کی بنا پر یہ آزادی دے رکھی ہے اور اپنے بیٹے سے زیادہ وُہ مجھے پیار کرتا ہے تو یہ محض حماقت ہے، سنت الٰہی یہ ہے کہ وہ اپنے دوستوں کو دنیا کی نعمتوں سے محروم رکھتا ہے اور دشمنوں کو عطا کر دیتا ہے، تو اس شخص کا عیش و آرام اس شخص کے عیش و آرام کے مانند ہو گا کہ اس نے سستی اور کاہلی کے باعث بیج نہیں بویا۔ ظاہر ہے کہ وہ پھل بھی حاصل نہ کر سکے گا (کھیتی نہیں کاٹ سکے گا)

پانچویں مثال:۔ اس سلسلہ میں پانچویں مثال اس شخص کی ہے جو یہ کہتا ہے کہ حق تعالیٰ کریم و رحیم ہے وہ ہر ایک کو بہشت عطا کرے گا، ایسا خیال کرنے والا بیوقوف ہے وہ یہ نہیں سمجھتا کہ اس سے زیادہ رحمت اور کیا ہو گی کہ اس کو ایسے اسباب فراہم کر دیتے ہیں کہ وہ دانہ زمین میں بوتے اور ایک دانے کے عوض ستر دانے حاصل کرے۔ یعنی تھوڑے دن عبادت میں مشغول رہ کر ابدالآباد کی عظیم بادشاہی حاصل کرے۔

اگر تمہارے ذہن میں رحمت و کرم کے یہ معنی ہیں کہ بغیر بوئے تم کھیتی کاٹ لو، تو اس صورت میں دنیا کے اندر زراعت و تجارت اور روزی کی طلب تم کیوں کرتے ہو بس آرام سے بیٹھے رہو کہ حق تعالےٰ رحیم و کریم ہے اور اس کو اس بات پر قدرت حاصل ہے کہ بغیر بیج بوئے اور محنت کے بغیر وہ سبزی (کھیتی) اُگا سکتا ہے اور ظاہر ہے کہ تم ایسے کرم کے قائل نہیں ہو (بلکہ تجارت کرتے ہو، زراعت کرتے ہو تاکہ روزی حاصل کر سکو) باوجودیکہ اس نے ارشاد فرمایا ہے:۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ رِزْقُهَا۔ — زمین میں کوئی جنبش کرنے والا ایسا نہیں ہے جس کا رزق اللہ تعالےٰ اس کو نہ پہنچاتا ہو۔

تو پھر آخرت کے بارے میں تم ایسا کیوں خیال کرتے ہو، حالانکہ اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا ہے:۔

وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ۝ انسان کے لیے وہی کچھ ہے جو اس نے کوشش اور تدبیر کی ہے۔

پس تیرا ایسا اعتقاد (جس کی تفصیل اوپر گزری) حد درجہ گمراہی ہے۔ چنانچہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے الاحمق مَنِ اتبع نَفْسَہٗ ھَوَاھَا وَتَمَنّٰی عَلَی اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ (یعنی احمق وہ شخص ہے جو خواہشاتِ نفس کی پیروی کرے اور خداوند بزرگ و برتر سے (لطف و کرم کی) امید رکھے۔) اس کی مثال اس شخص کی ہے جو بغیر نکاح کے یا مباشرت کیے بغیر یا مباشرت کے بعد عزل کرے (فرج سے باہر انزال کرے) اور پھر فرزند کی امید رکھے تو ایسے شخص کو احمق ہی کہا جائے گا تو ایسے شخص کو احمق ہی کہا جائے گا، اگرچہ اللہ تعالیٰ بغیر نطفہ کے فرزند پیدا کرنے پر قادر ہے، اس کے برعکس جو شخص مباشرت کرتا ہے اور نطفہ فرج میں پہنچا دیتا ہے اور پھر وہ اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہے کہ وہ حمل کی آفات سے محفوظ رکھ کر اس کو فرزند عطا فرمائے گا تو ایسا شخص یقیناً دانا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص ایمان نہ لائے اور عمل صالح نہ کرے اور پھر نجات کی امید رکھے تو وہ بڑا نادان ہے ہاں جو شخص ایمان لایا اور اعمال صالح بھی کیے اور پھر خداوند تعالیٰ کے فضل و کرم کا امیدوار ہو کہ موت کے وقت اس کو آفات سے سلامت رکھے اور وہ باایمان قبر میں جائے تو ایسا شخص عاقل ہے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے ہم کو دنیا میں فراغت و آسائش سے رکھا ہے لہٰذا آخرت میں بھی آسائش و فراغت عطا فرمائے گا کہ خداوند تعالیٰ رحیم و کریم ہے تو ایسے لوگ حق پر مغرور ہیں۔ اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ دنیا نقد ہے اور یقین ہے اور آخرت نسیہ اور شک ہے (مشکوک ہے) تو یہ لوگ دنیا پر پھولے ہوئے ہیں (دنیا پر مغرور ہیں ... تعالیٰ نے دونوں باتوں سے بچنے کا حکم دیا ہے۔ اور ارشاد فرمایا ہے۔

یا ایھا الناس ان وعد اللہ حق فلا تغرنکم الحیوٰۃ الدنیا و لا یغرنکم باللہ الغرور۔ اے لوگو! جو کچھ اللہ نے تم سے وعدہ کیا ہے وہ حق ہے اگر جو نیکی کریگا اسکو آخرت میں نیک بدلہ ملیگا اور جو بد کریگا اس کو برا بدلہ ملیگا) یاد رکھو دنیا پر مغرور مت ہونا اور خدا کو بھول نہ جانا۔

پندار اور اُس کا علاج

معلوم ہونا چاہیئے کہ ارباب گمان اور صاحبانِ پندار دھوکے میں پڑے ہیں اور ان لوگوں کا وصف یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے عمل کے بارے میں نیک گمان رکھتے ہیں (ان کو گمان ہے کہ ان کا عمل بارگاہ ایزدی میں مقبول ہے) اور اس کے نقصان سے غافل ہیں، ان کو کھوٹے اور کھرے کی تمیز نہیں ہے، کیونکہ ان لوگوں نے پرکھ (صیرفی) کا ہنر نہیں سیکھا۔ ان لوگوں نے صرف ظاہری صورت اور رنگ پر دھوکہ کھایا ہے، حالانکہ جو لوگ علم کے مطابق عمل کرتے ہیں اور غفلت و گمراہی سے باہر نکل آئے ہیں، ان میں بھی سو میں ننانوے نے فریب کھایا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ۔

"قیامت کے دن حضرت آدم علیہ السلام سے کہا جائے گا کہ تم اپنی اولاد میں سے جو دوزخی ہیں ان کو الگ

کرو۔ آدم علیہ السلام دریافت کریں گے کہ کس قدر لوگوں میں سے کتنے لوگوں میں نکالوں اس وقت حکم ہوگا کہ ہزار میں سے نو سو ننانوے کو الگ کر دو یہ تمام اگرچہ ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہیں گے لیکن کچھ عرصہ اس کی آگ میں ضرور رہیں گے۔"

ان لوگوں میں کچھ اہلِ غفلت ہیں۔ کچھ اربابِ ضلالت ہیں اور چند سے فریب خوردہ لوگ اور بعض ہوا و ہوس میں گرفتار لوگ ہیں اور وہ خود اس بات کو جانتے ہیں کہ وُہ تقصیروار ہیں۔

اربابِ پندار کے فرقے:۔ اہلِ پندار بے شمار ہیں اور ان کے طبقوں کا شمار کرنا دشوار ہے لیکن یہ سب طبقے ان چار طبقوں سے خارج نہیں ہوں گے۔ پہلا طبقہ علماء کا ہے، دوسرا عابدوں کا، تیسرا صوفیوں کا اور چوتھا توانگروں کا۔

پہلا طبقہ:۔ اہلِ پندار میں علماء کا ہے، ان میں سے بہت سے لوگ ایسے ہیں جنہوں نے تمام عمر علم میں صرف کر دی ہے تاکہ بہت سے علوم وفنون حاصل کریں لیکن یہ لوگ عمل میں کوتاہی کرتے ہیں، اپنے ہاتھ، آنکھ، زبان اور شرمگاہ کو معصیت سے نہیں بچاتے اور یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ علم میں ایسے درجہ پر پہنچ گئے ہیں جہاں پہنچنے والوں کو عذاب نہیں دیا جاتا اور ان کے عمل کی پرسش نہیں ہوگی۔ بلکہ دوسرے ہزاروں لوگ ان کی شفاعت سے دوزخ سے نجات پائیں گے! ایسے عالموں کی مثال اس بیمار کی ہے کہ اس کو جو بیماری لاحق ہے اس کا حال اس نے کتاب میں پڑھا اور تمام رات بار بار اس کا مطالعہ کرتا رہا اور نسخہ پر نسخہ لکھتا رہا۔ دوا اور پرہیز دونوں سے خوب واقف ہے لیکن دوا کسی طرح نہیں کھاتا اور دوا کے کڑوے ہونے پر صبر نہیں کرتا (دوا کڑوی ہے اس لیے نہیں پیتا) اس صورت میں دوا کی تعریف بار بار پڑھنے سے اس کو نفع کب ہو سکتا ہے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۝ اس نے فلاح پائی جو پاک ہوا۔

اور مزید ارشاد فرمایا:۔

وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۝ اور جس نے نفس کو خواہشات سے باز رکھا (وہ بہشت میں داخل ہوگا۔

ارشاد تو یہ فرمایا گیا ہے کہ فلاح اس شخص کے لیے ہے اس سے یہ مقصد تو نہیں کہ جس نے پاکی کا علم سیکھ لیا اس کے لیے فلاح ہے یا بہشت میں وہ شخص، داخل ہوگا جو اپنی خواہش کے خلاف کرے نہ ایسا شخص جس نے یہ معلوم کر لیا کہ خواہشات کے خلاف ضرور کرنا چاہیئے۔

اگر کسی سادہ لوح کے دل میں ان احادیثِ شریفہ کے باعث جو علم کی فضیلت میں وارد ہوئی ہیں یہ خیال خام پیدا ہو تو ایسا شخص ان احادیث کو کیوں نہیں پڑھتا جو عُلمائے سُوء (بُرے عالموں) کے بارے میں آئی ہیں۔ قرآن حکیم میں ایسے شخص کی مثال ایسے گدھے سے دی گئی ہے جس کی پیٹھ پر کتابیں رکھی ہوئی ہیں، اور کُتّے کے مشابہ بھی فرمایا گیا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:۔

احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

:- "عالم بد (سوء) کو دوزخ میں اس طرح پھینکیں گے کہ اُس کی بیٹھ اور گردن ٹوٹ جائے گی اور آتش دوزخ اس کو اس طرح پھراتے گی جس طرح گدھا چکی کو پھراتا ہے۔

سب دوزخی اس کے پاس آکر دریافت کریں گے کہ تو کون ہے؟ اور تجھ پر یہ کیسا عذاب ہے؟ وہ کہے گا کہ میں نے کام کرنے کا حکم دیا اور خود اُس پر عمل نہیں کیا۔

حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے:۔

"قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب اس عالم کو ہوگا جس نے علم کے مطابق عمل نہیں کیا"۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ:۔

"جاہل پر ایک بار افسوس ہے اور عالم پر سات بار افسوس ہے"۔

یعنی وہ اپنے علم کے سبب سے بڑے عذاب میں (بمقابلہ جاہل کے) گرفتار ہوگا۔ بعض علماء ایسے ہیں کہ انہوں نے علم و عمل میں کچھ کوتاہی نہیں کی لیکن وہ تمام ظاہری اعمال تو بجالاتے لیکن اپنے دل کو پاک کرنے سے غافل رہے اور بُرے اخلاق جیسے تکبر، حسد، ریا، طلب جاہ اور لوگوں کی بدخواہی، ان کی مصیبت پر شاد اور ان کی راحت پر ناخوش ہونا ترک نہیں کیا اور ان احادیث سے غافل رہے (غفلت برتی) جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی ہیں کہ تھوڑا سا ریا بھی شرک ہے اور "وہ شخص بہشت میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں ذرہ بھر بھی تکبر ہوگا"، اور "حسد ایمان کو اس طرح جلا دیتا ہے جس طرح آگ لکڑیوں کو جلا دیتی ہے"۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ:۔

"اللہ تعالےٰ تمہاری صورتیں نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے"۔

ایسے علماء کی مثال ایسے شخص کی طرح ہے جس نے ایسی زمین میں بیج بویا ہو جس میں گھاس اور کانٹے اُگے ہوئے ہوں، اس کو لازم ہے کہ پہلے گھاس اور کانٹوں کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکے تاکہ اس کی کھیتی قوت پکڑے لیکن وہ گھاس کو اوپر سے کاٹ ڈالتا ہے اور اس کی جڑیں زمین میں یونہی چھوڑ دیتا ہے۔ اس طرح وہ جس قدر گھاس کو کاٹے گا وہ اتنی ہی اور بڑھے گی۔ یہی حال بُرے اعمال کی جڑ بُرے اخلاق کا ہے۔ چاہیئے کہ پہلے ان کو اُکھاڑیں! وہ شخص جس کا دل ناپاک ہے اور اپنا ظاہر آراستہ و پیراستہ رکھتا ہے، اس کی مثال اس پاخانے کی ہوگی جس پر باہر سے چونا کیا گیا ہے اور اندر نجاست بھری ہے یا ایسی آراستہ قبر کی طرح کہ بظاہر اس کو سنوارا گیا ہو اور اندر مُردہ لاش پڑی ہو، یا وہ اس اندھیرے گھر کی طرح ہے جس کے پیچھے چراغ جلتا ہو۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ارشاد

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے علماءِ سُوء کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے!

:- "کہ علماء سوء چھلنی کی مانند ہیں کہ اس سے آٹا باہر گرتا ہے اور بھوسی اس

اندر رہ جاتی ہے۔ یہی حال علمائے سُوء کا ہے کہ یہ لوگ بھی حکمت کی باتیں کرتے ہیں اور جو کچھ بُرے اخلاق اور بُری عادتیں ہیں وُہ ان کے دل میں رہ جاتی ہیں"۔

ایک گروہ ایسے لوگوں کا ہے جنہوں نے یہ جان لیا ہے کہ یہ بُرے اخلاق ہیں اور ان سے بچنا چاہیئے اور دل کو ان بُرے اخلاق سے پاک وصاف رکھنا چاہیئے۔ لیکن ان کا گمان یہ ہے کہ انہوں نے اپنے دِل کو ان بُرے اخلاق سے پاک رکھا ہے اور ان کا مرتبہ اس سے بالاتر ہے کہ ایسے بُرے اخلاق ان سے سرزد ہوں، کیونکہ وہ سب لوگوں سے زیادہ ان اخلاقی رذائل کی بُرائی سے واقف ہیں لیکن جب ان کے اندر تکبر پیدا ہوتا ہے تو شیطان ان سے کہتا ہے کہ یہ تکبر نہیں ہے، جو عالم دیندار ہے یہ بزرگی اس کو سزاوار ہے کہ عزت کی طلب دین ہے اگر تم عزت سے نہ رہو گے تو اسلام کی عزت نہیں ہوگی۔ اسی طرح جب لوگ لباسِ فاخرہ پہنتے ہیں، گھوڑا اور شان وشوکت کا دوسرا ساز وسامان کرتے ہیں تو یہ خیال کرتے ہیں (شیطان ان کے دِل میں یہ بات ڈالتا ہے) کہ یہ بات رعونت نہیں ہے بلکہ اہلِ دین کے دشمنوں کی شکست ہے (ان کی برتری کا سامان ہے) کیونکہ جب اہلِ بدعت علماء کو شان وشوکت میں دیکھتے ہیں تو وہ مغلوب ہوتے ہیں۔ یہ لوگ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات ابوبکر وعمر وعثمان وعلی رضی اللہ عنہم کے پارینہ اور دریدہ لباس کو بھول جاتے ہیں، اور سمجھتے ہیں کہ جو کچھ اب ہم کر رہے ہیں ہمارے تجمّل اور شان وشوکت سے اسلام عزیز ہوگا (اسلام کی عزت ہوگی) اور ان بزرگوں کے طریقے سے اسلام کی خواری تھی"۔ اور اگر ان لوگوں کے دِلوں میں حسد پیدا ہوتا ہے تو خیال کرتے ہیں اس میں دین کی استواری اور پختگی ہے۔ اور اگر ریا پیدا ہوتا ہے تو خیال کرتے ہیں کہ اس میں مخلوق کی بھلائی پوشیدہ ہے دوسرے لوگ یہ حال دیکھ کر طاعت، بندگی کا راز سمجھیں گے اور ہماری پیروی کریں گے۔ جب یہ لوگ بادشاہوں کی خدمت میں پہنچتے ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ بادشاہ ظالم کے ساتھ تواضع سے پیش آنا نہیں ہے کہ وہ تو حرام ہے بلکہ ان کے پاس ہمارا جانا مسلمانوں کی سفارش اور کار برآری کے لیے ہے اور اس میں ان لوگوں کے لیے مصلحت پوشیدہ ہے (مخلوق کی بھلائی ہے)

جب یہی لوگ ان بادشاہوں کا حرام مال قبول کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ حرام نہیں ہے کہ ہم اصل میں اس مال کے مالک نہیں ہیں ہم اس کو لوگوں کی ضروریات میں صرف کریں گے اور دین کے مصالح ہم سے وابستہ ہیں اور حال یہ ہے اگر ایسا عالم انصاف سے کام لے اور غور کرے تو اس کو معلوم ہوگا کہ دین کی خوبی اس میں نہیں ہے۔ بلکہ دین کی خوبی اس میں ہے کہ لوگ دنیا طلبی سے بیزار رہیں اور جو لوگ اس عالِم کی بدولت دنیا کی طرف متوجہ ہوتے ہیں ان کی تعداد ان لوگوں سے کہیں زیادہ ہوگی جنہوں نے دنیا سے بے رغبتی کی۔ پس حقیقت میں اسلام کی عزت اس عالِم کے نہ ہونے سے وابستہ ہوئی، نہ کہ ہونے سے، اور اسلام کی مصلحت اور بھلائی اسی میں ہے کہ یہ اور اس جیسے لوگ موجود نہ ہوں۔

کام کا علم: اس قسم کے گمان اور خیالات بالکل باطل اور لغو ہیں۔ ہم ان کا بیان اور ان کا علاج تفصیل کے ساتھ پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اب ان کا پھر بیان کرنا طوالت کا موجب ہوگا۔ بعض لوگوں نے نفس علم کے سمجھنے میں غلطی کی ہے۔ یہ لوگ اس علم کو جو اصل میں کام کا علم ہے حاصل نہیں کرتے جیسے علم تفسیر، علم حدیث، علم تصوف، علم اخلاق ریاضت کے طریقے اور وہ دوسرے علوم جو ہم نے اس کتاب میں بیان کیے ہیں یعنی علم راہِ آخرت، دین کی راہ کی توفیق، دل کی نگہداشت اور مراقبہ کا طریقہ، یہ علوم ہر ایک شخص کے لیے فرض عین ہیں، یہ لوگ ان کارآمد علوم کو کارآمد علوم ہی تصور نہیں کرتے! بلکہ جنگ و جدل (باہمی عداوت) مذہبی تعصب، دنیاداروں کے جھگڑوں کے فیصلے کے علوم کو حاصل کرتے ہیں اور ان علوم میں جو ان کو دنیا سے آخرت کی طرف بلانے والے، حرص سے قناعت کی طرف لے جانے والے ریا سے اخلاص کی طرف مائل کرنے والے، غفلت و بے فکری سے ڈرانے والے اور تقویٰ پیدا کرنے والے نہیں ہیں تمام عمر (بڑے ذوق شوق سے) مشغول رہتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ علم تو یہی ہے جو ہم نے حاصل کیا ہے۔ اور جو شخص علم دین اور علمِ اخلاق کی طرف راغب اور متوجہ ہوتا ہے اس کو یہ لوگ بےخبر اور جاہل کہتے ہیں، غرضیکہ ایسے تصورات غلط انداز کی تفصیل بہت طویل ہے۔ ہم نے اس کو احیاء العلوم میں کتاب الغرور کے تحت بیان کیا ہے، اس کتاب میں تفصیل کی گنجائش نہیں ہے۔

واعظِ نادان: کچھ تھوڑے لوگ ایسے ہیں جنہوں نے علمِ واعظ سیکھا ہے ان کی تقریر بڑی مقفیٰ اور مسجع ہوتی ہے انہوں نے جہاں کہیں سے بھی موقع ملا لطائف اور نکات انتخاب کرتے ہیں ان کو حفظ کرتے ہیں اور اس سے ان کا مطلب صرف یہ ہے کہ لوگ ان کی تقریریں سُن کر خوب داد دیں اور واہ واہ کریں۔ افسوس کہ وہ اتنی بات نہیں جانتے کہ وعظ کی غرض و غایت یہ ہے کہ دین کا درد (سننے والے کے) دل میں پیدا ہو۔ اور جو شخص آخرت کی سختی معلوم کر کے غم سے روئے تو اس وقت قرآن پاک پڑھنا (احکامِ الٰہی لوگوں کو سُنانا) اور وعظ کہنا اس مصیبت کا ماتم ہے لیکن ایسا ماتم کرنے والا جس کے دل میں آخرت کا غم نہ ہو جو بات بھی کہے گا وہ عاریتاً ہوگی۔ دل پر اثر نہیں کرے گی، اس فرقہ واعظان میں بھی بکثرت لوگ مغرور و متکبر ہیں اس کی شرح و تفصیل بہت دراز و طویل ہے۔

کچھ لوگ ایسے ہیں کہ فقہ کے ظاہری مسائل کے حصول میں اپنی عمر صرف کر دیتے ہیں، ان کو یہ خبر نہیں کہ فقہ اس قانون سے عبارت ہے جس کے ذریعہ بادشاہ رعیت کا بندوبست کرتا ہے۔ لیکن وہ علم جو آخرت سے تعلق رکھتا ہے۔ کچھ اور ہی ہے اور یہ فقیہہ یہ سمجھتا ہے کہ جو بات فقہ ظاہر میں درست ہے وہ آخرت میں فائدہ مند ہے۔ مثلاً کوئی شخص زکوٰۃ کا مال سال کے آخر میں اپنی بیوی کو دیدے اور پھر اسی مال کو اس سے مول لے لے تو اس صورت میں ظاہری فتویٰ یہی ہے کہ زکوٰۃ اس مال سے ساقط ہو جاتی ہے گی۔ یعنی بادشاہ کے خراج طلب کرنے والے کو اس سے زکوٰۃ مانگنے اور طلب کرنے کا حق نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس کی نظر تو ملک ظاہری پر ہے اور یہاں سال تمام ہونے سے پہلے ہی ملک باقی

رہی۔ اور فقیہ اسی ظاہری صورت پر فتویٰ دے گا لیکن ایسا کرنے والا اتنا نہیں جانتا کہ وہ اس شخص کی مانند ہے جو بالکل زکوٰۃ نہیں دیتا ہے۔ پس وُہ خداوند تعالیٰ کی ناراضامندی میں مبتلا ہوگا۔ وجہ یہ ہے کہ بخل مہلک ہے اور زکوٰۃ سے بخل کی بنجالت جاتی رہتی ہے۔ مال زکوٰۃ کے بعد طاہر ہوتا ہے اور بخل اس آدمی کو ہلاک کرتا ہے جو اس کی اطاعت کرتا ہے۔ اور اس شخص کا اخیر سال میں (بیوی کو مال دینا) بخل کی اطاعت کرتا ہے۔ جب بخل ایسے نیک کام میں انسان پر غالب ہو تو ضرور ہلاکت میں ڈالے گا، اس کو نجات کیونکر حاصل ہوگی۔

اسی طرح وہ شوہر جو بدخوئی سے اپنی بیوی کو ستاتا ہے محض اس لیے کہ وہ خلع مانگے اور مہر دیدے تو ظاہری فتویٰ میں یہ بات درست ہے کیونکہ دنیاوی قاضی تو ظاہری حالت پر حکم دے گا اور اس کا کام ظاہر ہی ہے۔ دلوں کے حال وہ نہیں جانتا۔ لیکن آخرت میں وُہ شخص اس معاملہ میں پکڑا جائے گا۔ کیونکہ اس صورت میں جبر پایا جاتا ہے، اسی طرح کوئی شخص کسی شخص سے کھلم کھلا کچھ چیز مانگتا ہے اور وہ شخص شرم سے اس کو وہ چیز دے دیتا ہے تو ظاہری فتویٰ میں یہ چیز اس کے لیے مباح ہوگی اور حقیقت میں یہ مصادرہ ہے (کسی کا مال جبر و ستم سے لے لینا) اس لیے کہ ایک شخص کے دل پر شرم کا تازیانہ مار کر رنجیدہ کر کے اس سے کچھ مال لے لیا جائے یا بظاہر مار پیٹ کر کے زبردستی اس سے مال چھین لیا جائے، دونوں صورتوں میں کچھ فرق نہیں ہے، اسی طرح کی بہت سی مثالیں موجود ہیں، اور وہ شخص جو فقہ ظاہری کے علاوہ اور کچھ نہیں جانتا وہ اسی گمان میں مبتلا ہے جس کا ہم نے ذکر کیا وہ دین کے پہلو سے ان حقائق پر نظر نہیں کرتا!

طبقہ دوم :- یہ دوسرا طبقہ زاہدوں اور عابدوں کا ہے، اس طبقہ میں بھی اہلِ پندار بہت ہیں، ان میں ایک گروہ وُہ ہے جو اپنے فضائل کے باعث بہت سے فرائض کی بجاآوری سے محروم رہتا ہے۔ مثلاً ایک شخص طہارت کے وسوسہ میں اس طرح مبتلا رہا کہ نماز اس کے وقت پر ادا نہیں کی۔ یا ماں باپ اور احباب سے درشت کلامی کرتا ہے یا پانی کے نجس ہونے کا گمان بعید، اس کے لیے گمان قریب میں بدل گیا ہے۔ وُہ جب کھانا کھانے کے لیے بیٹھتا ہے، تو سمجھتا ہے کہ تمام چیزیں اس میں حلال موجود ہیں ہوسکتا ہے کہ اس گمان کے تحت وہ کبھی حرام محض کو بھی استعمال کرلے بغیر جوتے کے پاؤں کبھی زمین پر نہیں رکھتا۔ لیکن مالِ حرام خوب کھاتا ہے۔

اس شخص نے صحابہؓ کرام کی سیرت کو بالکل فراموش کر دیا ہے۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ ہم نے حرام کے خوف سے ستر (۷۰) حلال چیزوں کو ترک کر دیا ہے۔ اس احتیاط کے باوجود آپ نے ایک موقع پر ایک نصرانیہ کے برتن سے وضو فرمایا۔ ان نادان لوگوں نے احتیاط لقمہ (طعام) پر احتیاط طہارت کو مقدم کر دیا ہے۔ اگر کوئی شخص دھوبی کے دھوئے ہوئے کپڑے کو پہنتا ہے تو سمجھتے ہیں کہ اس شخص نے بڑی تقصیر کی ہے۔ حالانکہ حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ کپڑا پہنا ہے جو کفار نے ہدیتہً آپ کو بھیجا۔ اسی طرح صحابہؓ کرام

رضی اللہ عنہم کافروں کے وہ کپڑے استعمال کرتے تھے جو مال غنیمت میں ان کو ملتے تھے اور کہیں ایسی کوئی روایت موجود نہیں کہ ان حضرات نے ان کپڑوں کو دھو کر پہنا ہے۔ بلکہ یہ حضرات مال غنیمت میں حاصل شدہ کافروں کے ہتھیار باندھ کر نماز پڑھا کرتے تھے اور کوئی بھی یہ نہیں کہتا تھا کہ ان ہتھیاروں کو جو پانی دیا گیا ہے (جس پانی میں بجھایا گیا ہے) یا جو لک (لاگ) اس میں ڈالی گئی ہے ناپاک ہو، یا جو چمڑا اس پر چڑھایا گیا ہے وہ مدبوغ (دباغت کیا ہوا) نہ ہو لہٰذا ناپاک ہے۔

پس جو شخص پیٹ، زبان اور دوسرے اعضاء کے باب میں تو احتیاط نہ کرے اور صرف طہارت کے سلسلہ میں اس قدر مبالغہ کرے تو شیطان ہی اس پر ہنسے گا۔ بلکہ اگر کوئی شخص یہ شرائط بجالا کر پانی کے استعمال میں اسراف کرے یا نماز کا اوّل وقت (وسوسوں میں) گذار کر نماز ادا کرے تو ایسا شخص بھی مغرور ہے، ہم نے باب الطہارت میں ان تمام شرطوں کو بیان کر دیا ہے لہٰذا یہاں ان کا اعادہ نہیں کریں گے۔ بعض لوگ ایسے ہیں کہ نماز کی نیت کے وسوسہ کے باعث بلند آواز سے نیت کرتے ہیں اور ہاتھ جھٹکتے ہیں اور احتمال ہے کہ ان وسوسوں میں کبھی پہلی رکعت ہی فوت ہو جاتی ہے، افسوس کہ ان کو یہ نہیں معلوم کہ نماز کی نیت بھی قرض ادا کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کی نیت کی طرح ہے اور کوئی شخص بھی محض وسوسہ کی بنا پر قرض یا زکوٰۃ دوبارہ ادا نہیں کرتا۔

معنیٔ قرآن پر غور نہ کرنا: بعض لوگ ایسے ہیں کہ سورۂ فاتحہ کے حروف کی ادائیگی کے سلسلہ میں ان کو وسوسہ رہتا ہے، چاہتے ہیں کہ اچھے اور صحیح مخرج سے ادا کریں اور نماز میں ان کا خیال بس اسی طرف رہتا ہے۔ حالانکہ قرآن کریم کے معانی کا خیال رکھنا ضروری تھا کہ الحمد کے وقت سراپا شکر بن جاتے۔ ایاك نعبد کے وقت توحید الٰہی اور عجز بندگی میں مستغرق ہو جاتے اور جب اِھدِنَا کہتے تو تفرع وزاری میں مصروف ہو جاتے لیکن اس کے برعکس یہ عابد چاہتا ہے کہ اِیَّاكَ اچھے مخرج سے ادا ہو، اس شخص کی مثال اس شخص کی مانند ہو گی کہ بادشاہ سے کچھ طلب کرتا ہے اس کو پکارتا ہے اَیُّھَا الْاَمِیْر کہتا ہے اور بار بار اس کی تکرار کرتا ہے تاکہ یہ لفظ بخوبی ادا ہو جاتے اور امیر کا میم پورے طور پر ادا ہو، اس میں کچھ شک نہیں کہ بادشاہ ایسے شخص سے ناخوش ہو گا۔

قرآن پاک کا ترتیل سے نہ پڑھنا: کچھ لوگ ایسے ہیں کہ ہر روز ایک[1] قرآن پاک ختم کرتے ہیں اور قرآن پاک کو جلد سے جلد پڑھ کر ختم کرنا چاہتے ہیں، صرف زبان سے پڑھ رہے ہیں اور دل اس سے بالکل غافل ہے۔ ان کی تمام تر کوشش یہی ہوتی ہے کہ جلد سے جلد ایک ختم ہو جاتے پھر کہتے ہیں کہ ہم نے اتنے بار ختم کیا اور آج اتنی منزلیں ختم کریں، افسوس! کہ یہ نہیں جانتے کہ قرآن پاک کی ہر آیت مقدس نامہ ہے جو

---

[1] حضرت حجۃ الاسلام کے الفاظ یہ ہیں کہ قرآن بہذرقہ ہمی خوانند۔ قرآن پاک کو بھاگم بھاگ یا بہت ہی تیزی سے پڑھتے ہیں جیسا کہ آجکل شبینہ وغیرہ میں رائج ہے

حق تعالیٰ نے اپنے بندوں کے پاس بھیجا ہے، اس میں اوامر و نواہی، وعدہ وعید، امثال ونصائح اور تخویف و انذار[1]
موجود ہیں تو پڑھتے وقت چاہیئے کہ جہاں وعید[2] ہو تو خوف میں غرق ہو جائے اور جہاں وعدہ (خوشخبری) ہو وہاں مسرور
ہو۔ امثال و قصص سے عبرت حاصل کرے اور اس کے نصائح گوشِ دل سے سُننے اور ڈرانے والی آیات سے سراپا ہراس
بن جائے۔ یہ تمام باتیں دل سے تعلق رکھتی ہیں، اس شخص کو جو صرف زبان ہلانے سے تعلق رکھتا ہے اس سے کیا فائدہ ہوگا
اس کی مثال تو اس شخص کی سی ہے جیسے بادشاہ نے ایک مکتوب لکھا جس میں کئی احکام مذکور ہیں یہ شخص الگ تھلگ بیٹھا ہوا اس
مکتوب کو بار بار پڑھ رہا ہے اور حفظ کر رہا ہے اور اس کے معنی و مفہوم سے بیخبر ہے۔ کچھ حضرات حج پر جاتے ہیں، مکہ میں قیام
کرتے ہیں اور وہاں (رمضان کے) روزے رکھتے ہیں لیکن اپنے دل اور زبان کو خطرات سے اور بیہودہ باتوں سے بچا کے
روزے کا حق ادا نہیں کرتے نہ پوری تعظیم و تکریم کے ساتھ مکہ مکرمہ کا حق ادا کرتے ہیں نہ زاد حلال تلاش کر کے راستہ
(سفر) کا حق ہی ادا کرتے ہیں اور ہر وقت دل مخلوق کے ساتھ لگا رہتا ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ لوگ اس کو مجاور بن مکہ میں شمار
کریں۔ وُہ خود بھی بیان کرتے ہیں کہ ہم کو اتنی بار وقوفِ عرفات کا شرف حاصل ہوا اور اتنے برس ہم نے حرم پاک میں
مجاوری کی، پھر وہ یہ نہیں سمجھتے کہ انسان کا اپنے گھر میں اس طرح رہنا کہ دل میں کعبہ کا شوق ہو اس سے کہیں بہتر ہے کہ انسان
کعبہ میں ہو اور دل گھر میں لگا ہوا ہو اور اس بات کا بھی آرزومند ہو کہ اس کو مجاورِ کعبہ سمجھیں اور اور اس پر مستزاد یہ کہ خواہشگار ہو کہ لوگ
اس کو کچھ دیں (اس کی خدمت میں نذر پیش کریں) اور جب کچھ مل جائے تو بخل اور کنجوسی کے باعث کسی دوسرے کی شرکت
اس کو گوارا نہ ہو یا کوئی دُوسرا شخص اس میں سے کچھ طلب کرے۔

زہد ظاہری:- کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو زہد اختیار کرتے ہیں موٹے کپڑے پہنتے ہیں اور کم کھاتے ہیں اور مال کے اعتبار سے
وہ زاہد نظر آتے ہیں لیکن طلب جاہ کو ترک نہیں کرتے جب لوگ ان سے ملاقات کو آتے ہیں تو
بہت خوش ہوتے ہیں اور ان لوگوں کی آنکھوں میں جچنے کے لیے خود کو بنا سنوار کر رکھتے ہیں انہیں سمجھنا چاہیئے کہ طلبِ
جاہ، طلبِ مال سے بدتر ہے اور اس کا ترک کرنا بہت مشکل ہے۔ کیونکہ انسان محض جاہ و شوکت کی طلب میں ہر قسم کی محنت
اور تکلیف برداشت کر لیتا ہے لیکن حقیقت میں زاہد وہی ہے جو طلبِ جاہ سے واسطہ نہ رکھے، کبھی یہی لوگ دوسروں کے
عطیہ اور نذرانہ کو قبول نہیں کرتے محض اس ڈر سے کہ کہیں لوگ ان کو زاہد نہ سمجھیں، اگر ان میں سے کسی سے یہ کہا جائے کہ
بظاہر اس نذرانے کو قبول کر لیجیے اور در پردہ کسی مستحق کو دے دیجیئے تو اس کے لیے یہ بات تو قتل کرنے سے بھی زیادہ دشوار ہوتی
ہے خواہ وہ مال حلال ہی کیوں نہ ہو اس لیے کہ اس کو یہ یقین ہے کہ اگر وہ یہ مال قبول کر لے گا تو لوگ اس کے زہد کے منکر ہو
جائیں گے۔ بایں ہمہ یہ شخص مالداروں کی بڑی آؤ بھگت کرتا ہے اور غریبوں، درویشوں کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ یہ تمام

[1] انذار۔ ڈرانے والی باتیں۔ اس کا واحد نذر ہے [2] عذاب کا وعدہ۔

باتیں غرور و نادانی کی علامتیں ہیں۔

دل کو بُرے اخلاق سے پاک کرنا:

کچھ لوگ ایسے ہیں جو عبادت میں قصور و کوتاہی نہیں کرتے، دن میں کئی ہزار رکعت نماز اور کئی ہزار تسبیح پڑھتے ہیں۔ دن کو روزہ دار اور رات کو بیدار ہوتے ہیں (قائم اللیل اور صائم الدھر ہوتے ہیں) لیکن دل کو بُرے اخلاق سے پاک وصاف نہیں کرتے ان کا باطن حسد، ریا اور تکبّر سے پُر ہوتا ہے، ایسے لوگ اکثر بدخو اور ترش رو (چڑچڑے) ہوتے ہیں جب بات کرتے ہیں تو غصّہ کے ساتھ (بگڑ کر) ہر ایک سے لڑنا ان کا کام ہوتا ہے کاش انہیں معلوم ہوتا کہ بدخوئی انسان کی ساری عبادتوں کو نیست اور اکارت کر دیتی ہے۔ خلق تمام نیک عبادتوں کا سردار ہے اور یہ بدبخت شخص اپنی عبادت سے اللہ کے بندوں پر احسان رکھتا ہے اور سب کو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے اور مخلوق سے کنارہ کشی اختیار کرتا ہے تاکہ اس کو گزند نہ پہنچائے اور اس سے کوئی تعلق نہ رکھے اور وہ نادان اتنا نہیں سمجھتا کہ تمام زاہدوں اور عابدوں کے سردار حضرت سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور آپ سب سے زیادہ ملنسار اور خوش خو تھے اور آپ ایسے شخص سے جو سب سے زیادہ بیباک اور بداخلاق ہوتا اور لوگ اس کی بُری خصلتوں کے باعث اس سے پہلو بچاتے، ملتے، اس کو اپنے پاس بٹھاتے اور اس سے مصافحہ کرتے اب غور کرو کہ ایسا بڑا کون احمق ہوگا جو اپنے پیر اور مرشد پر فوقیت ڈھونڈے گا اور ان سے بھی اونچی دکان سجائے گا، یہ سادہ لوح (عقل سے کورے) حضرت سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا دین اختیار کر کے آپ ہی کی سیرت کے خلاف عمل کرتے ہیں تو اس سے بڑی حماقت اور کونسی ہوگی؟

طبقہ سوم: تیسرا گروہ صوفیہ کا ہے، جتنا غرور و تکبّر اس گروہ میں ہے کسی گروہ میں نہیں ہوگا [۱] یہ لوگ جس قدر مغرور ہیں کوئی اتنا مغرور نہیں ہوگا) "طبقہ سوم صوفیا اند و اندر میان ہیچ قوم چنداں مغرور نباشد کہ اندر میان ایشاں"

کیونکہ راستہ جس قدر نازک اور مقصود اعلیٰ ہوتا ہے اسی قدر غرور زیادہ ہوتا ہے (چونکہ تصوف کا راستہ بہت باریک و نازک اور مقصد بہت اعلیٰ ہے اسی قدر ان میں غرور زیادہ ہے) حالانکہ تصوّف کا پہلا قدم یہ ہے کہ انسان میں تین صفتیں پیدا ہوں، اوّل یہ کہ اس کا نفس اس کا مغلوب اور مطیع ہو جائے نہ اس میں حرص باقی رہے نہ غصّہ (ان کا نیست و نابود ہونا مقصود نہیں بلکہ مغلوب ہونا مقصود ہے) یہ اس قدر مغلوب ہو جائیں کہ وہ خود ان کو حرکت میں نہ لا سکے صرف شریعت کے حکم پر ان کا اظہار ہو سکے۔ مثلاً جب ایک قلعہ فتح کر لیا جاتا ہے تو وہاں کے باشندوں کو قتل نہیں کیا جاتا بلکہ وہ مطیع ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح اس کے سینے کا قلعہ سلطان شریعت کے ہاتھ میں مسخر ہو جائے (پھر اس کے سینے میں جو کچھ ہے وہ سلطان شریعت کا مطیع و فرمانبردار ہو جائے۔

دوسری صفت یہ ہے کہ دنیا اور آخرت اس کی نظر میں نہ رہے۔ یعنی وہ حس و خیال کے عالم سے گذر جائے کیونکہ دنیا کی جو چیزیں محسوس ہوتی ہیں اس احساس میں جانور بھی شریک ہیں (وہ بھی ان کو محسوس کرتے ہیں) آنکھ، پیٹ اور نفسانی خواہش

---

[۱] اصل عبارت اسلیے دیدی ہے کہ شاید کسی کی طبع نازک پر یہ جملہ گراں گذرے اور کسی کو یہ خیال پیدا ہو کہ حضرت حجۃ الاسلام رح نے ایسا تحریر نہیں فرمایا ہوگا۔ کیمیائے سعادت مطبوعہ ایران ص ۴۳۸

(توالد و تناسل) اس میں بھی موجود ہے اسی طرح بہشت بھی عالم حس و خیال سے باہر نہیں ہے۔ پس جو چیز جہت پذیر ہو اور خیال سے علاقہ رکھتی ہو وہ اس کی نظر میں اس طرح غیر معمولی اور حقیر ہونا چاہیئے۔ جیسے حلوا اور مرغِ بریاں کھانے والے کے سامنے گھاس حقیر ہے کیونکہ اس کو جب یہ معلوم ہو چکا ہے کہ خیال میں آنے والی چیز سبک اور حقیر ہے تو نادان لوگ ہی اس سے بہرہ ور ہونگے اسی لیے فرمایا گیا ہے اکثر اھل الجنة البلہ یعنی اکثر اہل جنت سادہ لوح[۱] ہیں۔

تیسری صفت یہ ہے کہ جلال و جمال الٰہی اس کو اس طرح محیط ہو جائیں کہ جہت و مکان اور حس و خیال سے اس کو سروکار نہ رہے بلکہ خیال اور حس اور علم کی جو ان دونوں (خیال اور حس) سے وجود میں آتا ہے بالکل خبر نہ رہے جس طرح آنکھ آواز سے اور کان رنگ سے بے خبر ہیں اس طرح بے خبر ہو جائے۔ جب انسان اس مقام پر پہنچ جاتا ہے تب اس کا قدم تصوّف کے کوچہ میں پہنچتا ہے، ایسے شخص کا معاملہ حق تعالےٰ کے ساتھ اس سے بھی ورا ہوتا ہے کہ جسے معرض بیان میں نہیں لایا جا سکتا۔ یہاں تک کہ بعض لوگ اس کو یگانگت اور اتحاد سے تعبیر کرنے لگتے ہیں، کچھ لوگ اس کا نام حصول رکھتے ہیں۔

جس کا قدم علم میں راسخ نہیں ہوتا تو ایسی حالت اس کو جب پیش آتی ہے تو وہ اس کو بخوبی (صحیح طور) بیان نہیں کر پاتا۔ اس وقت وہ جو کچھ کہتا ہے وہ کفر صریح نظر آتا ہے حالانکہ نفس الامر میں وہ حق ہے (کفر نہیں ہے) لیکن اس میں اُسے بیان کرنے کا حوصلہ (اور سلیقہ) نہیں تھا۔ تصوّف کے راستہ کا ایک نمونہ یہ تھا (ایست نموداری از کار تصوّف) تو تم اس پر غور کرو تاکہ دوسروں کے پندار اور گمان کا تم کو اندازہ ہو سکے۔

صوفیانِ خام کار: صوفیانِ خام کار میں بہت سے ایسے ہیں جنہوں نے صوفیہ حضرات کی گدڑی، سجادہ اور ظاہری گفتگو کے سوا کچھ نہیں دیکھا اور ان کی ظاہری صورت، ان کا صوفیانہ لباس اختیار کر لیا اور ان کی طرح سجادہ پر سر جھکائے بیٹھے ہیں اور وسوسۂ خیال کی بنیاد پر سر کو جنبش دے رہے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اصل تصوّف یہی ہے ان لوگوں کی مثال اس بوڑھی عورت کی سی ہے جو کلاہ سر پر رکھے ہے قبا پہنے اور ہتھیار لگائے ہے اور سپاہیوں کی بعض حرکات اس نے دیکھ کر سیکھ لی ہیں اس کو معلوم ہے کہ میدان جنگ میں سپاہی کیا کرتے ہیں، جوش پیدا کرنے والے شعر بھی پڑھتے ہیں الغرض ان کی تمام حرکات سے واقف ہے۔ جب اس ہیئت میں بادشاہ کے سامنے پہنچتی ہے تاکہ سپاہیوں کے دفتر میں اس کا نام بھی لکھا جائے، بادشاہ ظاہری صورت اور لباس سے ہٹ کر ہر ایک کے دعویٰ کی دلیل چاہتا ہے تو پاتا ہے کہ اس کے کپڑے اتروا تا ہے یا کسی سپاہی سے اس کو لڑواتا ہے تو اس وقت وہ دیکھتا ہے کہ یہ تو ایک عجوزہ ہے تو اسی وقت وہ حکم دیتا ہے کہ اس فیلسوف بڑھیا کو ہاتھی کے پاؤں کے نیچے[۱] ڈال کر مار ڈالے تاکہ آئندہ پھر کسی کو ایسی جرأت نہ ہو کہ بادشاہ کے سامنے اس قسم کی گستاخی کی جائے۔

---

[۱] اس مقام پر مترجم مناسب خیال کرتا ہے کہ امام حجۃ الاسلام قدس سرہ کے اصل الفاظ پیش کر دیئے جائیں تاکہ ترجمہ شبہ سے بالاتر رہے امام غزالی فرماتے ہیں اگر ہر چہ جہت پذیر بود خیال را بادے کار باشد نزدیک وی ہمچناں شدہ بود کہ گیاہ نزدیک کسے کہ لوزینہ و مرغ بریاں یافتہ بود چہ بدانستہ بود کہ ہر چہ اندر حس و خیال آید خسیس است و نصیب ابلہاں باشد و اکثر اھل الجنۃ البلہ۔ (کیمیائے سعادت چاپ تہران ص ۶۳۸ و ص ۶۳۹) مترجم

ایک اور گروہ: اور بعض لوگ ایسے ہیں کہ ان سے یہ نقل بھی نہیں ہوتی کہ وہ صوفیوں کا ظاہری لباس پہن لیں۔ اور پُرانے پیوند دار کپڑے ان کے جسم پر ہوں بلکہ وہ باریک لنگیاں باندھتے ہیں اور خوش نُما گدڑیاں، سرمئی رنگ کی پہنتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ جب کپڑے کو رنگ کر پہن لیا تو بس صوفی بن گئے، انہیں یہ نہیں معلوم کہ صوفیہ حضرات کپڑے کو سرمئی رنگ میں اس لیے رنگتے تھے کہ اُسے بار بار دھونے کی ضرورت ہیش نہ آتے اور کپڑوں کو سیاہ رنگ میں اس لیے رنگتے تھے کہ دین کے غم اور اس کے ماتم میں رہتے تھے اور یہ نکمّے بدبخت لوگ تو اس قدر کاموں میں معروف ہی نہیں کہ کپڑے دھونے کی ان کو فرصت ہی نہ ہو۔ اور نہ ایسی افتاد ان پر پڑی ہے جو ماتمی لباس پہنا ہے، نہ ایسے غریب ولاچار ہیں کہ پھٹے کپڑوں کو پیوند لگا لگا کر گدڑی بنا لیں۔ بلکہ یہ تو نئے نئے تھان اپنی گدڑیوں کے لیے پھاڑتے ہیں اور ان سے گدڑیاں بناتے ہیں، تو اس طرح یہ لوگ ظاہری لباس میں بھی ان کی پیروی اور تقلید نہ کر سکے۔ کیونکہ پہلے مرقع پوش (گدڑی پہننے والے) حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے۔ کہ روایت میں ہے کہ آپ کے کپڑوں پر چودہ پیوند لگے تھے اور ان میں کتی پیوند چمڑے کے تھے۔

ایک گروہ اپنی تقصیرات کا قائل نہیں: کچھ لوگ ایسے ہیں کہ نہ تو وہ پھٹا پرانا کپڑا پہننے پر راضی ہیں نہ وہ فرائض ادا کرتے ہیں اور نہ معصیت کو ترک کرتے ہیں، علاوہ ازیں اپنی تقصیرات کا بھی اقرار نہیں کرتے۔ کیونکہ وہ شیطان اور اپنے نفس کے قیدی ہیں، ان کا مقولہ یہ ہے کہ کام دل سے ہے صورت سے نہیں، ہمارا دِل ہمیشہ نماز میں لگا رہتا ہے اور ہم مشغول حق رہتے ہیں۔ ہم کو ظاہری عمل کی حاجت نہیں ہے، یہ محنت (عبادت) وریاضت تو ایسے لوگوں کے لیے مقرر کی گئی ہے جو اپنے نفس کے مطیع و فرمانبردار ہوں اور ہمارا نفس تو مُردہ ہے۔ اور ہمارا دین تو دو قلہ[۱] پانی ہے جو ان چیزوں سے ناپاک نہیں ہوتا اور بگڑتا نہیں ہے۔ یہ لوگ جو عابدوں کو دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں ان مزدوروں کو مزدوری نہیں ملے گی۔ اور جب عالموں پر نظر پڑتی ہے تو کہتے ہیں یہ تو قیل وقال میں بند ہیں، ان کو حقیقت کا علم کہاں ہے۔ ایسے لوگ اور ایسا گروہ واجب القتل ہیں اور کافر ہیں۔ ان کا خون باجماع امت مبَاح ہے (ان کا مار ڈالنا اجماع امت سے مبَاح ہے)

کچھ ایسے لوگ ہیں جو مومنوں کے خدمتگار ہیں (ان کی خدمت میں لگے رہتے ہیں) اور اس خدمت کا حق یہ ہوتا ہے (خدمت اس وقت حقیقی خدمت سمجھی جاتی ہے) کہ آدمی ان پر اپنا جان و مال فدا کر دے اور ان مخدوموں کی خدمت میں خود کو بھی بھول جائے (ان کے عشق میں اس کو اپنا بھی ہوش نہ رہے) پھر جب کوئی ان ہی میں سے ان صوفیوں کے

---

[۱] فقہی اصطلاح ہے دو قلہ آب طاہر بھی ہے اور مطہر بھی جیسے مساجد کے حوض جو شرعی حکم کے بموجب طول و عرض میں بناتے جاتے ہیں اور ان کی مساحت شدہ دہ رکھی جاتی ہے۔

کے وسیلہ سے مال پیدا کرے اور مخلوق کو اپنا تابع بنائے، تو اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس کا نام بطور خدمت گار دور و نزدیک مشہور ہو جائے (کہ یہ فلاں صوفی صاحب کا خدمتگار ہے) اور اس طرح لوگ اس کی بھی تعظیم کریں، جہاں کہیں سے بھی مال ہاتھ آئے حلال و حرام کا خیال کیے بغیر اپنے مخدوم کی خدمت میں پیش کرے تاکہ اس کا بازار گرم رہے سرد نہ پڑنے پائے اور اس کی نادانی کا بھانڈا نہ پھوٹے، تو یہ گروہ بھی ریاکار ہے۔

نفس کو زیر کرنا بہت بڑی کرامت ہے

کچھ لوگ ایسے ہیں کہ انہوں نے ریاضت کی ہے، نفس کی خواہشوں کو پامال کیا ہے اور خود کو خداوند تعالیٰ کے حوالے کر کے ایک گوشہ میں بیٹھ کر ذکرِ الٰہی میں مشغول ہیں، کچھ عرصہ میں ان کو کشف ہونے لگا، ہر ایک بات کی ان کو خبر ہونے لگی، اگر کبھی کسی امر میں کوتاہی ہو جاتی ہے تو غیب سے اس کوتاہی پر متنبہ ہو جاتے ہیں، یہ پیغمبروں اور فرشتوں کو اچھی اچھی صورتوں میں دیکھتے ہیں اور کبھی خود کو آسمان پر دیکھتے ہیں۔ ممکن ہے کہ کیفیت و حالت درست ہو اور سچے خواب کی طرح ہو، لیکن خواب تو سوتے ہوئے لوگ دیکھتے ہیں اور یہاں بیدار شخص یہ خواب دیکھ رہا ہے اور اس پر مغرور ہو گیا ہے اور کہتا ہے کہ جو چیزیں ہفت آسمان اور زمین میں ہیں کئی بار مجھے دکھائی گئی ہیں۔ اس مرحلہ پر وہ سمجھنے لگتا ہے کہ ولایت کا مرتبۂ کامل یہی ہے حالانکہ ابھی تو اس کو صنائع الٰہی سے یکسر سو بھی آگاہی حاصل نہیں ہوتی ہے اور یہ بزعم خود یہ خیال کرتا ہے کہ جو کچھ اس نے دیکھ لیا ہے اس کے سوا اور کچھ موجود نہیں (کارخانۂ قدرت بس یہی کچھ ہے) جب یہ حالت پیدا ہو جاتی ہے تو سمجھتا ہے کہ درجۂ کمال کو پہنچ گیا اور اس طرح مسرور و شادماں ہو کر طلب کمال (عروج) سے باز رہتا ہے اور صورتِ حال یہ ہو سکتی ہے کہ وہ نفس جو مغلوب ہو گیا تھا قدرے زور آور ہو گیا ہو اور یہاں اس کا قصور یہ ہے کہ جب ایسی چیزیں اس پر آشکارا ہوئیں تو وہ اپنے نفس کے مکر سے بالکل بے خوف ہو گیا اور خیال کر لیا کہ کمال کو پہنچ گیا۔ یہ ایک عظیم فریب اور غرور ہے اس پر اعتماد نہیں کرنا چاہیے۔ ہاں اعتماد اس وقت کیا جا سکتا ہے کہ جب اس کی طبیعت بالکل بدل جائے۔ اور سراپا شرع کا مطیع بن جائے اور اس قدر کہ کسی طرح کسی جہت سے بھی اس میں قصور نہ کرے۔

شیخ ابوالقاسم گرگانی قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ:

"پانی پر چلنا، ہوا میں اڑنا اور غیب کی خبریں دینا کرامت نہیں ہیں، بلکہ کرامات یہ ہیں کہ وہ شخص سراپا امر بن جائے یعنی وہ شریعت کا مطیع و فرماں پذیر ہو جائے اس طرح کہ اس سے حرام کا صدور نہ ہو۔"

یہ حالت اعتماد کے قابل ہے (اس صورت میں اپنی حالت پر اعتماد کرنا روا اور درست ہے)، لیکن ان امور کا ایک دوسرا پہلو بھی ہے یعنی ممکن ہے کہ یہ تمام باتیں (اظہارِ کمالات) شیطان کی طرف سے ہوں کہ شیطان کو ہی غیب کی خبر ہے۔ اسی طرح وہ لوگ جو کاہن کہلاتے ہیں وہ بہت سی آئندہ کی باتوں کی خبر دیدیتے ہیں اور ان سے عجیب عجیب باتیں ظہور میں آتی ہیں۔ پس قابلِ اعتماد حالت یہ ہے کہ احکامِ شریعت کی اطاعت میں خود کو محو کر دو

اس صورت میں اگر تم شیر پر سوار نہیں ہو سکتے تو پروا نہیں کہ تم نے غضب کے کتے کو جو تمہارے سینے میں چھپا بیٹھا ہے اس کو اپنے قابو میں کر لیا اور عاجز کر دیا تو گویا تم نے شیر پر سواری کر لی، اگر تم غیب کی خبریں نہیں دے سکتے تو کوئی باک نہیں، اس لیے جب تم اپنے عیوب اور غرورِ نفس سے آگاہ ہو گئے اور اس کے مکر و فریب کا تم کو علم ہو گیا تو چونکہ نفس کا عیب غیب ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تم غیب سے آگاہ ہو گئے! اگر تم پانی پر نہیں چل سکتے تو کچھ مضائقہ نہیں، ہوا میں نہیں اُڑ سکتے تو کیا مضائقہ! کہ جب تم دنیا پرستی کی وادیوں سے نکل آئے اور دنیا کے مشغلہ کو ترک کر دیا اور اس کے دھندوں سے کوئی تعلق نہ رکھا تو گویا تم نے ایک وادی کو طے کر لیا۔ اگر تم یکبارگی پہاڑ پر نہیں چڑھ سکتے تو کوئی باک نہیں اس لیے کہ اگر تم نے شبہ کے ایک درم کو ٹھکرا دیا تو گویا تم نے ایک گھاٹی (عقبہ) ٹیکری کو پار کر لیا کہ حق تعالٰے نے اس کو قرآن پاک میں ٹیلے اور عقبہ سے تعبیر فرمایا ہے ارشاد ہے۔ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ[1] یہ تھے اس پندار و غرور کے چند انواع جو مذکور ہوئے۔ ان کا پورا بیان طوالت کلام کا موجب ہے۔

طبقۂ چہارم ۔ طبقہ چہارم توانگروں اور دولت مند حضرات کا ہے، ان میں بھی پندار والے بہت سے موجود ہیں، اکثر دولت مند مسجدیں، سرائیں اور پل بناتے ہیں اور مال خرچ کرتے ہیں، ہو سکتا ہے کہ انہوں نے ان تعمیرات میں حرام مال خرچ کیا ہو للازم تو یہ تھا کہ وہ یہ پیسہ اصل مال والے کے حوالے کرتے لیکن وہ اس کے بجائے تعمیر میں صرف کرتے ہیں اس صورت میں معصیت اور زیادہ ہو جاتی ہے۔ حالانکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے کارنامہ انجام[2] دیا ہے۔ بعض لوگ اگرچہ اس راہ میں حلال مال خرچ کرتے ہیں لیکن اس سے ان کی غرض ریا ہے یعنی اگر ایک دینار بھی اس راہ میں خرچ کرتے ہیں تو چاہتے ہیں کہ ان کا نام عمارت پر کندہ کیا جائے (خشت پختہ پر تحریر کیا جائے) اگر کوئی شخص کہے کہ نام مت لکھو یا کسی اور شخص کا نام لکھ دو، اللہ تعالٰے تو جانتا ہے کہ اصل تعمیر کرانے والا کون ہے، تو یہ لوگ اس پر راضی نہیں ہوتے اس ریا کی ایک علامت یہ ہے کہ اس کے اقربا اور پڑوس میں بہت سے ایسے لوگ موجود ہیں جو روٹی کے محتاج ہیں، اگر یہ شخص یہ رقم ان کو دے دیتا تو افضل تھا۔ لیکن وہ اس بات کو قبول نہیں کرتا کیونکہ کسی نادار شخص کی پیشانی پر یہ کس طرح لکھا جا سکتا کہ یہ پختہ عمارت فلاں شخص نے (اللہ اس کی عمر دراز کرے)، تعمیر کرائی ہے۔ نادار کی مدد میں شہرت کا پہلو نمایاں نہیں ہوتا جبکہ مسجد، سرائے یا پل کی پیشانی پر کتبہ ذریعہ شہرت بنتا ہے)

نقش و نگار اور تزئین مسجد پر صرف کرنا: کچھ لوگ ایسے ہیں کہ وہ حلال مال کو اخلاص کے ساتھ بغیر ریا کے، مسجد کے نقش و نگار پر صرف کر کے یہ خیال کرتے ہیں کہ

---

[1] پوری آیت یہ ہے فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْعَقَبَةُ (پھر بے تامل گھاٹی میں نہ کودا اور تونے کیا جانا کہ وہ گھاٹی کیا ہے)

[2] آج کل تو ایسی صورت حال روزانہ ہی دیکھنے میں آئی ہے۔ ریس۔ جوئے اور دھوکے اور فریب سے کمایا ہوا روپیہ محض نام و نمود کے لیے مسجدوں کی تعمیر میں صرف کیا جاتا ہے۔

کارِ خیر انجام دیا ہے۔ لیکن اس کام میں دو بُرائیاں ہیں، ایک تو یہ کہ نقش و نگار اور تزئین کے باعث نماز میں لوگوں کا دِل ادھر مشغول ہوگا اور پھر وہ خشوع کے ساتھ نماز ادا نہیں کر سکیں گے۔ دوسری قباحت یہ ہے کہ پھر ان کے دل میں یہ آرزو پیدا ہوگی کہ مسجد ہی کی طرح وہ اپنے گھر کو بھی سنواریں اس طرح دنیا ان کی نظر میں آراستہ ہوگی اور سمجھیں گے کہ انہوں نے کارِ خیر انجام دیا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"جب مسجد کو نقش و نگار سے اور قرآن پاک کو سونے چاندی سے سنوارو گے تو تم پر حیف ہے۔"

مسجد کی رونق اور آبادی تو ایسے دلوں سے ہوتی ہے جن میں خضوع و خشوع ہو اور وہ دُنیا سے متنفر ہوں پس ایسا کام جو حضور دل میں خلل انداز ہو۔ پس جو بھی ایسا کام کرے کہ خشوع ختم ہو جائے اور دنیا کی نظروں میں آراستہ ہو تو اصل میں مسجد کی ویرانی کا سبب ہوگا اور یہ نادان اس طرح مسجد کو ویران کر کے سمجھتا ہے کہ اس نے کارِ خیر کیا ہے، بعض مالدار یہ کرتے ہیں اور گداگروں کو اپنے دروازے پر جمع کرتے ہیں تاکہ ان کی سخاوت کا شہرہ ہو۔ اور یہ لوگ کبھی خیرات ایسے لوگوں کو دیتے ہیں جو زبان آور اور نام آور ہوتے ہیں یا کبھی مال ایسے لوگوں کو دیتے ہیں جو حج کو جا رہے ہیں یا خانقاہ میں مقیم ہیں تاکہ سب کے علم میں آجاوے اور وہ لوگ شکر گذار ہوں۔

اگر تم ان سے کہو کہ یہ مال یتیموں پر خرچ کرو تو زیادہ بہتر ہے بمقابلہ اس کے کہ حج پر جانے والوں پر خرچ کرو تو وہ ایسا نہیں کریں گے کیونکہ ان کو تو لوگوں کی ثناخوانی اور شکر گذاری کا شوق ہے۔ (مال خرچ کرنے کی ایسی راہ تلاش کرتا ہے کہ لوگ اس کے شکر گذار ہوں اور اس کی تعریف کریں) اس طرح مال خرچ کرنے کے بعد یہ سمجھتا ہے کہ اس نے کارِ خیر انجام دیا۔

حضرت بشر حافیؒ کا ارشاد:

کسی نے حضرت بشر حافی قدس سرہ سے مشورہ کیا کہ میرے پاس حلال کی کمائی کے دو ہزار درم ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ حج کو جاؤں، آپ کی کیا رائے ہے انہوں نے دریافت کیا کہ تم تماشہ (دکھاوے) کی خاطر جا رہے ہو یا اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے۔ اس نے کہا کہ میں تو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے جا رہا ہوں! انہوں نے فرمایا جاؤ کسی (قرضدار) کو قرض دیدو اور اُس کو بخش دو (دوام دہ کسے را و بدو مگذار) یعنی پھر طلب نہ کرنا، یا کسی یتیم یا کسی تنگ دست عیالدار کو دے دو۔ کیونکہ کسی مسلمان کا دِل خوش کرنا سو (نفلی) حج کرنے سے بہتر اور افضل ہے، اس شخص نے کہا کہ میرا دل تو حج کرنے کا بہت شائق ہے! شیخ بشر حافیؒ نے جواب دیا کہ تو نے اس مال کو حلال کی روزی سے نہیں کمایا ہے پس جب تک تو نامناسب کام میں اس کو خرچ نہیں کرے گا تب تک دل کو تسلی نہیں ہوگی۔

کچھ لوگ ایسے بخیل ہیں کہ زکوٰۃ کی مقدار سے زیادہ مال خرچ نہیں کرتے اور یہ زکوٰۃ بھی ایسے لوگوں کو دیتے ہیں جو ان کے خدمت گار ہوں جیسے معلم یا شاگرد وغیرہ تاکہ ان لوگوں کے خدمت میں لگے رہنے سے ان کی شان و شوکت

برقرار رہے جس طرح وہ مدرس جو اپنے طالب علموں کو زکوٰۃ کا مال دیتا ہے، اگر وہ اس کے پاس نہ پڑھیں تو زکوٰۃ ان کو نہ دے۔ اس طرح زکوٰۃ دینا ایک قسم کا اجر ہے (جاگیرداری ہے) کہ وہ خود جانتا ہے کہ وہ زکوٰۃ شاگردی کے عوض دے رہا ہے (جب تک شاگرد ہے اس کو زکوٰۃ دے رہا ہے) باوجود اس کے وہ سمجھتا ہے کہ اس نے زکوٰۃ ادا کر دی ہے۔ یہی شخص کبھی ایسے لوگوں کو زکوٰۃ دیتا ہے جو ہمیشہ امراء کی خدمت میں لگے رہتے ہیں، اور ان لوگوں کی سفارش سے دوسروں کو دیتا ہے تاکہ ان لوگوں پر احسان رہے (کہ ان کی سفارش سے فلاں فلاں کو زکوٰۃ دی) اس تھوڑی سی زکوٰۃ سے چاہتا ہے کہ ان امراء سے اس تدبیر سے اپنے کچھ کام نکال لے اور کبھی محض شکریہ کی امید ہوتی ہے۔ اور اس کے باوجود سمجھتا ہے کہ زکوٰۃ ادا ہو گئی۔

کچھ توانگر ایسے بخیل ہوتے ہیں کہ زکوٰۃ بھی نہیں دیتے اور مال جمع رکھتے ہیں اور اس کے ساتھ پارسائی کا دعویٰ بھی کرتے ہیں۔ رات دن نماز میں مصروف رہتے ہیں، روزے رکھتے ہیں ان کی مثال ایسے شخص کی ہے کہ اس کے سر میں درد ہو اور دردِ سر دور کرنے کے لیے اپنی ایڑی پر ضماد لگائے (لیپ لگاتے) اس بدنصیب کو یہ خبر نہیں کہ اس کی بیماری بخل سے ہے (یہ بخل کی بیماری میں مبتلا ہے) زیادہ کھانے سے نہیں ہے اور اس کا علاج صرف خرچ کرنا ہے۔ بھوکا رہنا نہیں ہے۔

الغرض توانگروں کے غرور اسی طرح کے ہیں۔ اور کوئی گروہ اس سے نہ بچ سکا ہوگا مگر وہ شخص جو علم حاصل کرے جیسا کہ اس کتاب (کیمیائے سعادت) میں بیان کیا گیا ہے تاکہ وہ عبادت میں ریا، فریبِ نفس اور شیطان کے مکر سے آگاہ ہو جائے، اس آگاہی کے بعد حق تعالیٰ کی دوستی ان لوگوں کے دلوں پر غالب آئے گی اور دنیا ان کے سامنے سے ہٹ جائے گی (دنیا نگاہوں میں بے قدر ہو جائے گی) وہ دنیا سے صرف بقدرِ ضرورت ہی کام رکھیں گے۔ ہر دم موت ان کے پیشِ نظر رہے گی اور زادِ آخرت کی تیاری میں مشغول رہیں گے اور یہ سب کچھ اس شخص کے لیے آسان ہوگا، جس کو خداوند جل جلالہ اس کی توفیق دے (جس پر ان امور کو آسان بنا دے) وفقنا اللہ لما تحب وترضیٰ

کیمیائے سعادت کا رکن مُہلکات ختم ہُوا

وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَصَحْبِہِ الْاَخْیَارِ ہ

رُکنِ چہارم

مُنجیات

کیمیائے سعادت کا چوتھا رُکن

یہ دس اصل پر مشتمل ہے

اصلِ اوّل :۔ توبہ کے بیان میں

اصلِ دوم :۔ صبر و شکر کے بیان میں

اصلِ سوم :۔ خوف و رجاء کے بیان میں

اصلِ چہارم :۔ فقر و زہد کے بیان میں۔

اصلِ پنجم :۔ نیت، صدق اور اخلاص کے بیان میں

اصلِ ششم :۔ محاسبہ اور مراقبہ کے بیان میں

اصلِ ہفتم :۔ تفکّر کے بیان میں

اصلِ ہشتم :۔ توحید و توکل کے بیان میں

اصلِ نہم :۔ شوق و محبّت کے بیان میں

اصلِ دہم :۔ موت اور احوالِ آخرت کے بیان میں۔

اصلِ اوّل

توبہ

اے عزیز! معلوم ہو کہ گناہوں سے باز آنا اور خداوند تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا مُریدوں کا پہلا قدم ہے اور سالکانِ راہِ طریقت کی ہدایت اسی میں ہے۔ ہر ایک انسان کے لیے یہ بات ضروری ہے۔ اس لیے کہ آغاز پیدائش سے آخر عمر تک گناہوں سے پاک رہنا فرشتوں ہی سے ہو سکتا ہے۔ انسان سے (علاوہ پیغمبروں کے)[1] ناممکن ہے اور تمام عمر معصیت میں گرفتار رہنا اور خداوند تعالیٰ کی اطاعت نہ کرنا شیطان کا کام ہے۔

توبہ سے معصیت کا راستہ ترک کرنا اور اطاعتِ الٰہی اختیار کرنے کا کام آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کا ہے جو کوئی توبہ کر کے گذشتہ تقصیرات کا علاج کر لیتا ہے گویا اس نے آدم علیہ السلام سے اپنی نسبت درست کر لی ہے مگر تمام عمر طاعت میں بسر کرنا آدمی سے ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ ابتدائے آفرینش ہی سے اس کو ناقص اور بے عقل بنایا گیا ہے اور سب سے پہلے شہوتِ نفسانی کو اس پر مسلط کر دیا گیا ہے اور یہ شہوتِ نفسانی شیطانی ہتھیار ہے اور عقل کو جو شہوت کی دشمن ہے اور فرشتوں کے جوہر کا نور ہے، اس کے بعد پیدا کیا گیا ہے، کیونکہ شہوت غالب ہو گئی تھی اور اس نے دِل کے قلعہ کو زبردستی قبضہ میں کر لیا تھا، پس عقل ضرورت پیدا کی گئی اور توبہ و مجاہدہ کی ضرورت پیش آئی تاکہ فتح حاصل کی جائے اور اس قلعہ کو شیطان کے ہاتھوں سے چھین لیا جائے۔

توبہ انسانی ضرورت ہے:- اس سے ثابت ہوا کہ توبہ انسانی ضرورت ہے اور یہ سالکوں کا پہلا قدم ہے۔ جب شریعت کے نور اور عقل کے نور سے بیداری حاصل ہو گی اور وہ ہدایت (راہ) اور ضلالت (بے راہی) میں تمیز کر سکے گا۔ بس یہ تو ایک فریضہ ہے جس کے معنی ضلالت و گمراہی سے لوٹنا (واپس ہونا) اور ہدایت کے راستہ پر قدم اُٹھانا ہیں۔

توبہ کی فضیلت اور اُس کا ثواب

تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ اللہ تعالےٰ نے تمام مخلوق کو توبہ کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا ہے:-

---

[1] متن کی عبارت اس طرح ہے "چہ پاک بودن از گناہ از اوّل آفرینش تا باآخر، کار فرشتگاں است" میں نے عصمتِ انبیا علیہم السلام کے عقیدہ کے اعتبار سے متن میں "علاوہ پیغمبروں کے" اضافہ کیا ہے۔ مترجم۔

وَتُوْبُوْا اِلَى اللّٰہِ جَمِیْعًا اَیُّھَا الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ — اے ایمان والو! تم سب اللہ سے توبہ کرو تاکہ تم فلاح یاب ہو جاؤ۔

گویا جو کوئی فلاح کا امیدوار ہے اُسے چاہیے کہ توبہ کرے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس شخص نے مغرب کی جانب سے آفتاب نکلنے (قیامت) سے پہلے توبہ کی اس کی توبہ قبول ہو گی۔ حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ "گناہ سے پشیمان ہونا توبہ ہے"۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد کیا ہے کہ :- "مخلوق کے راستے میں جو [illegible] جگہ ہے مت کھڑے ہو جو کوئی وہاں کھڑا ہوتا ہے تو جو کوئی گذرتا ہے اس پر ہنستا ہے اور اگر کوئی عورت وہاں پہنچ جاتی ہے تو اس سے بُری باتیں کرتا ہے اور وہ شخص وہاں سے اس وقت تک نہیں ہٹتا جب تک دوزخ اس پر واجب نہیں ہو جاتی مگر یہ کہ وہ توبہ کرے"۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے کہ "میں ہر روز ستر بار استغفار کرتا ہوں"۔

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ "جو کوئی گناہ سے توبہ کرتا ہے حق تعالےٰ اس کے گناہ کاتبِ اعمال فرشتوں کو بھلا دیتا ہے۔ ہاتھ پاؤں اور اس محل کو جہاں سے معصیت اور گناہ سرزد ہوا ہے، فراموش کر دیتے ہیں اور جب وہ بندہ حق تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہوتا ہے تو اس کی معصیت پر کوئی گواہ نہیں ہوتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "حق تعالیٰ بندے کی توبہ سکراتِ موت (موت کے غرغرہ) سے پہلے تک قبول فرما لیتا ہے"۔

ایک اور حدیث میں آیا ہے "اللہ تعالےٰ نے ایسے شخص کے لیے دستِ کرم فراخ فرمایا ہے جو دن میں گناہ کرے اور رات تک توبہ کرے یا اور اس کے لیے جو رات میں گناہ کرے اور دن تک توبہ کرے۔ وہ اس وقت تک توبہ قبول فرماتے گا جب تک آفتاب مغرب سے نکلے"۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اے لوگو! توبہ کرو، میں ہر روز سو بار توبہ کرتا ہوں"۔ آپ نے فرمایا کہ کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو گنہ گار نہ ہو لیکن اچھے گناہ گار وہ ہیں جو توبہ کیا کرتے ہیں"۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "جو کوئی گناہ سے توبہ کرتا ہے وہ اس شخص کی طرح ہے جس نے کوئی گناہ نہ کیا ہو"۔

مزید فرمایا سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ "گناہ سے توبہ یہ ہے کہ پھر کبھی اس کا قصد نہ کرے"۔

حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے فرمایا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے :-

اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَھُمْ وَکَانُوْا شِیَعًا — وہ جنہوں نے دین میں جدا جدا راہیں نکالیں اور کئی گروہ ہو گئے،

لَسْتَ مِنْھُمْ فِیْ شَیْءٍ ط — اے محبوب تمہیں ان سے کچھ علاقہ نہیں۔

یہ لوگ (دین کو پراگندہ کرنے والے) اہلِ بدعت ہیں، ہر گنہ گار کی توبہ قبول ہوتی ہے مگر اہلِ بدعت کی توبہ قبول

نہیں ہوتی۔ میں ان سے بیزار ہوں اور وُہ مجھ سے بیزار ہیں"۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آسمان پر لے گئے تو انہوں نے زمین پر ایک مرد کو دیکھا جو ایک عورت سے زنا کر رہا تھا آپ نے اسی وقت اس شخص کے لیے بددعا کی اور وہ دونوں اُسی وقت ہلاک ہو گئے، ایک دوسرے شخص کو مبتلائے معصیت دیکھا آپ نے اس کے حق میں بھی بددعا فرمائی اس وقت وحی آئی، اے ابراہیم ان بندوں سے درگزر کرو اکہ یہ تین کاموں میں سے ایک کام کریں گے یا تو توبہ کریں گے اور میں اس کو قبول کروں گا۔ یا وہ مغفرت پائیں گے، میں ان کو بخش دوں گا، یا ان کے ایسا فرزند پیدا ہو گا جو میری بندگی کرے گا، کیا تم نہیں جانتے کہ میرے ناموں میں سے ایک نام صَبُور ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ایک حدیث:

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"کہ جس بندے نے اپنے گناہوں سے ندامت کا اظہار کیا، ایسا نہیں ہوا کہ اللہ تعالےٰ نے اس کو طلبِ مغفرت سے پہلے نہ بخش دیا ہو" (گناہ پہ پشیمان ہونے والے کو اللہ تعالےٰ اس کی طلبِ مغفرت سے پہلے ہی بخش دیتا ہے)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا:۔

"کہ جانب مغرب میں ایک دروازہ ہے جس کی وسعت ستّر سالہ یا چالیس سالہ راہ ہے، اس دروازہ کو اللہ تعالیٰ نے توبہ کے واسطے کھول دیا ہے۔ یہ دروازہ جب سے زمین و آسمان پیدا کیے گئے ہیں کھلا ہے اور جب تک آفتاب مغرب سے طلوع نہ کرے یہ کھلا رہے گا (یہ دروازہ بند نہیں ہو گا)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے:۔

"دوشنبہ اور جمعرات کے دن بندوں کے اعمال اللہ تعالےٰ کے حضور میں پیش کیے جاتے ہیں جو شخص توبہ کرتا ہے اس کے اعمال قبول کر لیے جاتے ہیں اور جو مغفرت چاہتا ہے اس کو بخش دیا جاتا ہے اور جو اولاد کا خواہاں ہوتا ہے اللہ تعالےٰ اس کو اولاد عطا فرماتا ہے اور جن دلوں میں کینہ بھرا ہے ان کو اسی طرح چھوڑ دیتا ہے"۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے:

"توبہ کرنے والا اللہ کا دوست ہے"۔

"حق تعالیٰ کو اپنے بندے کی توبہ سے اس اعرابی سے زیادہ خوشی ہوتی ہے جو لق و دق صحرا میں سو گیا ہو اور اس کا اونٹ جس پہ مال و متاع لدا ہو۔ جب سو کر اُٹھے تو اس اُونٹ کو نہ پائے، اس کی تلاش میں لگ جائے۔ پھر اس کو یہ خوف پیدا ہو کہ وہ بھوک اور پیاس سے مر جائے گا اور وہ اپنی جان سے بیزار ہو کر کہے

کہ اس سے بہتر ہے کہ مجھے موت آجائے اور وہ تلاش سے باز رہ کر پھر اپنی جگہ لوٹ آئے اور ہاتھ پر سر رکھ کر لیٹ کر سو جاتے تاکہ اس حال میں موت آجائے، اس کو نیند آجاتے اور پھر جب وہ سو کر اُٹھے تو دیکھے کہ اس کے سرہانے وہ اونٹ تمام سامان کے ساتھ موجود ہے اس وقت وہ شکر الٰہی بجالاتے اور کہے بار الہا! تو میرا آقا ہے میں تیرا بندہ ہوں، خوشی کی شدت میں اس کی زبان لڑکھڑاتے اور غلطی سے کہے کہ الٰہی تو میرا بندہ ہے، میں تیرا خُدا ہوں، خوشی کے مارے صحیح الفاظ زبان سے ادا نہ ہو سکیں، تو اس بندے کی خوشی سے زیادہ، اللہ تعالیٰ کو اس بندے کی توبہ سے خوشی ہوتی ہے۔"

توبہ کی حقیقت

اے عزیز! توبہ کی حقیقت، وُہ نور معرفت اور وہ نور ایمان ہے جو آدمی کے دل میں پیدا ہو اور اس کے ذریعہ سے وہ یہ جان لے کہ گناہ زہرِ قاتل ہے۔ جب وہ یہ دیکھے گا کہ اس نے یہ زہر بہت سا کھا لیا ہے اور ہلاک ہونے کے قریب ہے تو ضرور ندامت اور خوف اس کے دل میں پیدا ہو گا۔ مثل اس شخص کے جو زہر کھا کے پشیمان ہوا اور موت سے ڈر گیا۔ اب اس پشیمانی اور ڈر کے باعث وہ حلق میں انگلی ڈال کر قے کرنے لگتا ہے اور پھر دوا کی تلاش کرتا ہے۔ تاکہ باقی اثر بھی زائل ہو جائے۔ اسی طرح جب یہ شخص دیکھتا ہے کہ اس نے جو کچھ معصیت کی اور فسق کو اختیار کیا وُہ زہر آمیز شہد کی طرح ہے جو بالفعل میٹھا تھا لیکن آخر کار میں اذیت دے گا تو اس طرح وہ اعمال گذشتہ پر نادم ہوا اور دہشت کی آگ اس کے دل میں سلگنے لگی کہ اب وہ تباہ ہو گیا اور اس خوف اور دہشت کی آگ سے گناہ اور معصیت کی رغبت بالکل نہ پاتے اور حسرت دل میں پیدا ہو اور یہ ارادہ کرے کہ اب ایّام گذشتہ کا تدارک کر دوں گا اور آئندہ کبھی گناہ کا نام نہیں لوں گا اور ظلم و جفا سے باز رہ کر مہر و وفا کا راستہ اختیار کر دوں گا۔ الغرض جس طرح پہلے وہ ناز، تنعم، خوشی اور غفلت میں غرق تھا، اب وہ سراپا نالہ وزاری بن جاتے اور حسرت و بے قراری اس سے ظاہر ہونے لگے۔ اسی طرح پہلے وہ غفلت شعاروں کی صحبت میں بیٹھتا تھا۔ اب ان کے بجائے عالموں اور عارفوں کی ہم نشینی اختیار کرے۔

پس جاننا چاہیئے کہ توبہ اسی پشیمانی کو کہتے ہیں، نور ایمان و نور معرفت اس کی اصل (جڑ) ہے اور اس کی شاخیں یہ ہیں کہ حالِ اوّل کو ترک کر دے، اپنے ہر ایک عضو کو معصیت اور مخالفتِ شرع سے بچاتے اور اس کو اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اطاعت میں لگا دے۔

توبہ ہر شخص پر بہمہ اوقات واجب ہے

اس سلسلہ میں کہ توبہ ہر شخص پر بہمہ اوقات واجب ہے، تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ جب کوئی فرد بلوغ کی عمر پر پہنچے

پر حالتِ کفر میں ہو تو اس پر توبہ واجب ہے، اس کو لازم ہے کہ کفر سے توبہ کرے۔ اگر ماں باپ کی تقلید میں مسلمان ہے زبان سے مکرر (شہادت) ادا کرتا ہے اور اپنے دل سے غافل ہے تو واجب ہے کہ اس غفلت سے توبہ کرے اور ایسی تدبیر کرے کہ اس کا دل حقیقتِ ایمان سے خبردار ہو، ہماری اس سے یہ مراد نہیں کہ وہ دلیل جو علم کلام میں مذکور ہے اس کو سیکھے۔ کیونکہ اس کا سیکھنا ہر ایک پر واجب نہیں ہے بلکہ ہمارا مقصود یہ ہے کہ سلطانِ ایمان انسان کے دل پر اس طرح غلبہ حاصل کرے کہ یہ اس کا سراپا محکوم بن جائے، اس سلطانِ ایمان کے غلبہ اور حکمرانی کی علامت یہ ہے کہ جن اعمال کا تعلق جسم سے ہے وہ تمام کے تمام سلطانِ ایمان کے حکم کے مطابق ہوں۔ شیطان کی اطاعت اس میں نہ پائی جائے۔ اور جو آدمی گناہ کرتا ہے تو اس کا ایمان کامل نہیں ہوتا۔

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

"کوئی ایسا نہیں ہے کہ وہ زنا کرے اور زنا کے وقت وہ مومن رہے اور کوئی چوری کرے اور چوری کے وقت مومن رہے۔"[1]

اس ارشاد سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مقصود نہیں کہ وہ حالتِ زنا یا حالتِ دزدی میں کافر ہے۔ لیکن ایمان کی چونکہ بہت سی فروع ہیں اور ان میں سے ایک فرع یہ ہے کہ زنا کو زہر قاتل سمجھے اور ظاہر ہے کہ کوئی بھی زہر کو جان بوجھ کر نہیں کھاتا۔ پھر اگر زنا کا مرتکب ہو تو سمجھ لے کہ شہوت کے سلطان نے اس کے شاہِ ایمان کو شکست دے دی ہے اور اس کی غفلت سے ایمان غائب ہوا یا اس کا نور شہوت کی ظلمت میں چھپ گیا۔ اس سے ظاہر ہوا کہ اوّل تو کفر سے توبہ واجب ہے۔ اگر کافر نہیں ہے بلکہ ایمان تقلیدی اور عادتی رکھتا ہے تو توبہ کرے اور اگر ایسا بھی نہیں ہے تو اغلب یہ ہے کہ کوئی شخص بھی گناہ سے پاک اور خالی نہیں ہوگا تو اس صورت میں بھی توبہ واجب ہے، اگر اس کا تمام ظاہر معصیت سے خالی اور پاک ہے تو پھر اپنے باطن پر نظر ڈالے کہ وہ حسد، کبر، غرور، ریا اور اسی قسم کے دوسرے گناہوں اور مہلکات سے خالی نہیں ہوگا۔ جو دل کی ناپاکیاں ہیں اور گناہوں کی جڑیں ہیں ان سب سے توبہ واجب ہے تاکہ ہر ایک کو حدِ اعتدال پر لے آئے اور ان تمام شہوتوں کو عقل و شرع کا مطیع بنا دے۔ اور یہ بات بڑی ریاضت چاہتی ہے اور اگر انسان ان برائیوں سے بھی پاک ہے تب بھی وہ وسوسوں، بُرے خیالات اور نفس کے خطروں سے پاک نہیں ہوگا اور ان تمام چیزوں سے توبہ کرنا واجب ہے۔

اگر ایسا ہے کہ ان تمام مذکورہ باتوں سے بھی خالی ہے، تب بھی وہ بعض احوال میں ذکرِ حق سے غفلت کرتا ہوگا۔ اور خداوند تعالےٰ کو بھول جاتا ہے۔ خواہ وہ ایک لحظہ ہی کے لیے کیوں نہ ہو، یہ بھی تمام نقصانات کی اصل ہے کہ انسان لحظہ بھر

---

[1] کیمیائے سعادت کا متن یہ ہے، "کس زنا بکند و مومن بود از وقت زنا و دزدی بکند و مومن بود اندر وقت دزدی

کے لیے بھی خدا کو فراموش کر دے) اس سے بھی توبہ کرنا واجب ہے۔

اگر بالفرض ہمیشہ ذکر و فکر میں مصروف رہتا ہے اور ذکرِ الٰہی سے کبھی غافل نہیں ہوتا تو اس صورتِ حال کے بھی مختلف درجے ہیں۔ اور جب وہ ایک درجہ ہے تو بہ نسبت درجۂ فوق کے وُہ حالتِ نقصان میں ہے۔ تو درجۂ نقصان پر قناعت کرنا جبکہ درجۂ فوق کو پا سکتا ہے، خسارت کا سبب ہے اور اس پر توبہ واجب ہے اور یہ جو حضرت سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں ہر روز ستر بار توبہ کرتا ہوں" اس سے مراد یہی ہے۔ کیونکہ آپؐ کی سیر ہمیشہ ترقی میں تھی ایک درجہ سے دوسرے درجۂ فوق کی جانب اور آپؐ کے ہر دوسرے قدم میں ایسا کمال نظر آتا تھا کہ پہلا قدم اس دوسرے قدم کی بہ نسبت کم درجہ نظر آتا تھا۔ تو آپ کا استغفار کرنا اس پہلے قدم کے سلسلہ میں تھا جو دوسرے قدم فوق سے کم پایہ تھا۔ اسکو بلاتشبیہ ایک مثال سے واضح کیا جا سکتا ہے کہ:-

کسی نے اگر کوئی ایک کام کیا جس کے عوض اس کو ایک درہم ملا اور وہ ایک درہم پا کر خوش ہوا اور اگر اس کو یہ خیال پیدا ہو کہ وہ تو ایک درم کے بجائے ایک دینار کما سکتا تھا اور اس نے ایک درہم پر قناعت کی تو یقیناً غمگین ہوگا اور جب وہ ایک دینار کمانے لگے گا تو شاد ہوگا اور سمجھے گا کہ بس ایک دینار سے زیادہ کمانا ممکن نہ تھا لیکن جب اسکو یہ گمان ہوا کہ وہ گوہر پیدا کر سکتا تھا جس کی قیمت ہزار دینار ہوتی تو اس وقت وہ اپنی تقصیر سے پشیمان ہوگا کہ کیوں نہ گوہر کمایا اور دینار پر قناعت کی، پس وہ پشیمانی کے ساتھ توبہ بھی کرے گا، اسی مقام پر بزرگوں نے کہا ہے حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِیْنَ:- مراد یہ ہے کہ پارساؤں کا کمال مقربین کے حق میں نقصان کی علامت ہے! اور اس سے وُہ استغفار کرتے ہیں۔ یہاں اگر کوئی یہ سوال کرے کہ اس غفلت اور درجاتِ کمال میں تقصیر سے توبہ کرنا تو فضائل میں داخل ہے فرض نہیں ہے۔ تو پھر یہ کیوں کہا گیا کہ اس سے توبہ واجب ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ واجبؔ کی دو قسمیں ہیں ایک تو واجب فتوئ ظاہری کے اعتبار سے ہے جو عوام کے درجہ کے موافق ہے کہ اگر اس میں مشغول ہوں تو دنیا میں ویرانی اور خلل پیدا نہ ہو اور وہ دُنیا کی زندگانی میں مشغول رہیں، یہ واجب وُہ ہے جو اُن کو عذابِ دوزخ سے بچاتا ہے اور دُوسرا واجب وہ ہے کہ اگر عوام اس کو بجا نہ لائیں تو دوزخ کا عذاب تو ان پر نہیں ہوگا لیکن درجۂ کمال پر پہنچنے کی آگ دل میں مشتعل رہے گی۔ اس وقت جب وُہ آخرت میں کچھ لوگوں کو خود سے بالاتر دیکھیں گے تو یہ حسرت اور پشیمانی بھی ایک عذاب ہی کی طرح ہے، تو اس سے چھوٹنے کے لیے توبہ واجب ہے۔ چنانچہ دنیا ہی میں ہمارا مشاہدہ ہے کہ اگر کسی کو اپنے ہمسروں سے زیادہ شان و شوکت حاصل ہوتی ہے تو اس کے دوسرے ہمسر غمگین ہوتے ہیں اور حسرت کی آگ ان کے دلوں میں بھڑکنے لگتی ہے۔ حالانکہ مار پیٹ ہاتھ کاٹنے اور تاوان لینے کے غم سے محفوظ رہا چنانچہ اسی حسرت کے باعث روزِ قیامت کو یوم تغابن کہتے ہیں یعنی نقصان اور حسرت کا دن، کیونکہ اس روز کوئی شخص نقصان سے خالی نہیں ہوگا، جس نے عبادت نہیں کی ہوگی اس کو حسرت ہوگی کہ ہائے میں نے عبادت کیوں نہیں کی اور جس نے

عبادت کی ہے اس کو حسرت ہو گی کہ اس سے زیادہ عبادت کیوں نہیں کی، اس وجہ سے حضرات انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام (رحمہم اللہ تعالیٰ) کی یہ عادت تھی کہ حتی المقدور عبادتِ الٰہی میں قصور نہیں کرتے تھے تا کہ کل قیامت میں ان کو حسرت و پشیمانی کا سامنا نہ ہو۔ چنانچہ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم قصداً بھوکے رہا کرتے تھے، اور آپ کو معلوم تھا کہ کھانا کھانا منع نہیں ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے جب سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے شکمِ اطہر پر ہاتھ رکھا تو مجھے رحم آیا اور میں بے اختیار رونے لگی اور میں نے کہا کہ میری جان آپ پر قربان جائے، اگر آپ پیٹ بھر کر کھانا تناول فرمائیں تو اس میں کیا نقصان ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عائشہ! (رضی اللہ تعالےٰ عنہا) میرے گرامی برادران یعنی پیغمبران اولوالعزم جو مجھ سے پہلے گذرے ہیں انہوں نے آخرت کی نعمتیں اور بزرگیاں حاصل کی ہیں، میں ڈرتا ہوں کہ اگر میں دنیا میں فراغت سے رہوں تو ان کے مرتبہ سے میرا مرتبہ کم نہ ہو جائے۔ پس اپنے بھائیوں سے چھوٹ جانے کی بہ نسبت چند روزہ کی یہ محنت اور سختی مجھے پسند ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایک واقعہ: نقل ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک پتھر سر کے نیچے رکھ کر سو گئے ابلیس آپ کے پاس آیا اور بولا کہ آپ نے تو دنیا ترک کر دی تھی اب آپ اس سے باز کیوں آ گئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے کیا کیا؟ اس نے کہا کہ آپ پتھر سر کے نیچے رکھ کر آرام جو کر رہے ہو، یہ سنتے ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس پتھر کو پھینک دیا اور فرمایا کہ لے مجھے اتنی دنیاداری سے بھی سروکار نہیں ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوۂ حسنہ: "ایک بار سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم نے نعلین مبارک میں نئے تسمے ڈالے تھے آپ کو وہ تسمے بہت خوشنما معلوم ہوئے آپ نے فرمایا کہ یہ نئے تسمے نکال کر پھر وہی پرانے تسمے ڈال دو۔"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے ایک روز دودھ پیا، دودھ پینے کے بعد ان کو خیال ہوا کہ وہ مشتبہ تھا، آپ نے حلق میں انگلیاں ڈال کر وہ دودھ اُلٹ دیا۔ حالانکہ اس قدر تکلیف سے وُہ دودھ الٹا گیا کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کاوش میں آپ کی جان نکل جائے گی، کیا ان کو معلوم نہیں تھا کہ عوام کا یہ فتویٰ نہیں ہے۔ (ظاہری فتویٰ کے لحاظ سے اس دودھ کا الٹنا واجب نہیں تھا) لیکن اے عزیز فتویٰ عام کچھ اور ہے اور صدیقوں کے کام کے خطرات اور ان کی سختیاں کچھ اور ہیں۔ اور خداوند تعالےٰ کی معرفت سب سے زیادہ انہی لوگوں کو حاصل ہے اور اس کی راہ کا اندیشہ بھی سب سے زیادہ انہی کو حاصل ہے۔ تم یہ خیال نہ کر بیٹھنا کہ ان حضرات نے بے وجہ ہی یہ تکالیف برداشت کی ہیں۔ پس اے عزیز ان بزرگوں اور صدیقوں کی پیروی کر اور فتویٰ عام کے جھگڑے میں مت پڑ کہ وہ معاملہ ہی کچھ اور ہے۔

اوپر جو کچھ ہم نے بیان کیا اس سے تم پر یہ بات واضح ہو چکی ہو گی کہ بندہ تمام حالتوں میں توبہ کا محتاج ہے ۔
چنانچہ حضرت ابو سلیمان دارانی (قدس سرہ) نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص اس بات پر پچھتاوے گا کہ اس نے اپنی عمر برباد اور ضائع کی تو یہی ایک غم مرتے دم تک کے لیے کافی ہے۔ پس جو گذشتہ زمانے کی طرح آئندہ زمانے میں بھی اپنے زمانے میں بھی اپنے وقت کو ضائع کرے (ایسے اسباب موجود ہوں جس سے اس کا آئندہ وقت برباد ہونا یقینی اور لازمی ہو) تو ایسا شخص غمگین کیوں نہ ہو مثلاً اگر کسی شخص کا قیمتی گوہر کھو گیا تو اس کا رونا بجا ہے اور اس کے ساتھ ہی ساتھ سزا اور آفت پہنچنے کا ڈر بھی لگا ہو تو وہ تو اور زیادہ روئے گا۔ پس عارفوں کی نظر میں زندگانی کا ہر ایک لمحہ ایک گوہر بے بہا ہے۔ جس کے ذریعہ سعادتِ ابدی حاصل ہو سکتی ہے۔ پس جب کسی شخص نے ! ایسے بے بہا گوہر کو معصیت کے کاموں میں مبتلا ہو کر جو اس گوہر کی تباہی اور بربادی کا سبب ہوتا ہے، ضائع کر دیا ! پس اس شخص کا کیا حال ہو گا، جب وہ اس معصیت پر واقف ہو اور ایسے وقت واقف ہو جب حسرت سے اس کو کوئی فائدہ نہ پہنچ سکے گا اللہ تعالیٰ نے جو یہ ارشاد فرمایا ہے :-

وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝[۱]

کہا گیا ہے کہ اس آیت کریمہ کے معنی یہ ہیں کہ بندہ موت کے وقت جب ملک الموت کو دیکھے گا اور جان لے گا کہ اب جانے کا وقت آگیا ہے تو اس کے دل میں حسرت کی ہوک پیدا ہوتی ہے ایسی کہ جس کی کوئی حد و نہایت نہیں۔ پھر وہ کہتا ہے کہ اے ملک الموت ! تم مجھے ایک دن کی مہلت دے دو تاکہ میں توبہ کر لوں، اور عذر خواہی کر لوں، اس وقت اس سے کہا جائے گا کہ بہت سے دن تیرے پاس موجود تھے اب جب عمر ختم کو پہنچی اور اب اس سے کچھ باقی نہیں رہا ! اب اجل آئی ! تب وہ کہے گا صرف ایک گھڑی کی مہلت دیدے۔ فرشتہ جواب دے گا گھڑیاں بہت گئیں اور کچھ وقت باقی نہیں ہے۔ غرض جب وہ مایوس ہو جاتا ہے اس کا ایمان ڈانواں ڈول ہونے لگتا ہے پس اگر روزِ اوّل میں اس کی سرنوشت میں شقاوت ہے تو اس وقت وہ انکار اور شک کر کے بدبخت ہو جائے گا اور اگر صاحب سعادت ہے تو اس کا ایمان سلامت رہے گا۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے :

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ۭ	اور وہ توبہ ان کی نہیں جو گناہوں میں لگے رہتے ہیں یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آئے تو کہے اب میں نے توبہ کی اور نہ ان کی جو کافر ہیں۔

بزرگانِ دین کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ کے ہر بندے کے ساتھ دو راز ہیں، ایک راز تو وہ جس وقت شکم پیدا کیا تو فرماتا ہے :-

[۱] اور ہمارے دیئے ہوئے میں سے کچھ ہماری راہ میں خرچ کرو قبل اسکے کہ تم میں سے کسی کو موت آئے پھر کہنے لگے اے میرے رب تو نے مجھے تھوڑی مدت کیلئے مہلت کیوں نہ دی کہ میں صدقہ دیتا اور نیکو کاروں میں ہوتا

”اے بندے! تجھے میں نے پاک و آراستہ کیا اور تیری عمر تجھے بطور امانت دی ہے خبردار رہنا کہ موت کے وقت تو اس کو کس صورت واپس دے گا۔“

اور دوسرا راز موت کے وقت ہے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا:۔

”اے میرے بندے! اس امانت کا تو نے کیا کیا؟ اگر تو نے اس کو سنوارا ہے تو اس کا تجھے ثواب حاصل ہوگا، اور اگر تو نے اس کو ضائع کر دیا ہے تو دوزخ کو تیرا انتظار ہے تیار ہو جا۔“

توبہ کی قبولیت

معلوم کرنا چاہیے کہ جب توبہ کی شرط ادا ہوگی تو توبہ ضرور درجۂ قبول کو پہنچے گی۔ جب تم نے توبہ کی ہے تو پھر اس کے مقبول ہونے میں شک نہ کرو بلکہ اندیشہ اور فکر اس بات کی ہونا چاہیئے کہ توبہ کی شرط ادا بھی ہوئی یا نہیں،

معصیت محرومی کا سبب ہے: وہ شخص کہ جس نے انسان کے دل کی حقیقت کو پہچان لیا کہ وہ کیا ہے! اور جسم سے اس کا کس طرح کا تعلق ہے اور بارگاہِ الٰہی سے اس کو کیسی نسبت ہے اور کون سی بات اس کی محرومی کا سبب ہے تو وہ اس بات میں شک نہیں کرے گا کہ معصیت محرومی کا سبب ہے اور توبہ اس محرومی کا علاج ہے، قبولیت توبہ اسی کو کہتے ہیں۔

انسان کا دل ایک پاک گوہر ہے اور ملائکہ کی جنس سے ہے وہ ایک ایسا آئینہ ہے جس میں حضرت الٰہیت کا جمال نظر آتا ہے بشرطیکہ وہ اس دنیا سے بغیر کسی میل اور زنگ کے گذرا ہو۔ انسان جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل کے آئینہ پر ہر گناہ کے صادر ہونے سے ظلمت طاری ہوتی ہے۔ اس کے برعکس طاعت و بندگی سے اس میں نور پیدا ہوتا ہے اور وہ معصیت کی ظلمت اور سیاہی کو دفع کرتا ہے، اس طرح طاعت کے انوار اور معصیت کی ظلمتیں دل کے آئینے پر پے بہ پے طاری ہوتی رہتی ہیں، جب سیاہی بڑھ جاتی ہے اور انسان توبہ کر لیتا ہے تو طاعت کا نور اس ظلمت کو دور کر دیتا ہے اور دل پہلی جیسی صفائی اور پاکیزگی کو حاصل کر لیتا ہے۔ اگر اس نے گناہوں پر اس قدر اصرار کیا ہے (گناہوں پر اس قدر مزاولت کی ہے کہ اس کے دل کے جوہر پر زنگ لگ گیا اور اندر تک اس میں سرایت کر گیا تو پھر اس کا تدارک اس آئینہ کے مانند ممکن نہیں جس کے اندر زنگ اثر کر گیا ہو، ایسا دل توبہ نہیں کر سکتا۔ ہاں زبان سے البتہ کہہ سکتا ہے کہ ”میں نے توبہ کی“ لیکن اس کی خبر دل کو نہیں ہوتی۔ اور نہ اس پر کچھ اثر ہوتا ہے۔ پس یاد رکھنا چاہیئے جس طرح میلا کپڑا صابن سے صاف ہو جاتا ہے اسی طرح دل کی ظلمت بھی طاعت و بندگی کے انوار سے پاک ہو جاتی ہے۔

ارشاداتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم: حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اس سلسلہ میں کئی ارشادات ہیں[1]، فرمایا ہے:

---

[1] متن میں کیمیائے سعادت میں امام غزالیؒ نے تمام احادیث کے ترجمے دیدیئے ہیں متون نہیں ہیں اس لیے ہم نے بھی متون تحریر نہیں کیے ہیں۔

فرمایا" اے شخص ہر ایک بدی کے بعد نیکی کیا کر، نیکی اس کو محو کر دے گی"۔

"اگر تم اتنے گناہ کرو کہ (ان کے ڈھیر) آسمان تک جا پہنچیں اور اس کے بعد توبہ کرو تو توبہ مقبول ہوگی"۔

حضور علیہ التحیتہ والثنا نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے:۔

"کہ کوئی بندہ ایسا بھی ہوگا کہ وہ اپنے گناہ کے سبب سے بہشت میں جائے گا۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ کس طرح! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بندہ گناہ کر کے پشیمان ہوتا ہے تو وہ ندامت بہشت میں داخل ہونے تک اس کے ساتھ رہتی ہے"۔

علمائے کرامؒ نے کہا ہے کہ ایسے تائب کے حق میں (جس کا اوپر مذکور ہوا) ابلیس کہتا ہے کہ کاش میں اس کو گناہ میں مبتلا نہ کرتا۔

سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:۔

"نیکیاں گناہوں کو اس طرح مٹا دیتی ہیں جس طرح پانی کپڑوں کے میل کو دور کر دیتا ہے"۔

حضور علیہ التحیتہ والثنا فرماتے ہیں:۔

"کہ جب ابلیس ملعون ہوا تو بارگاہِ الٰہی میں اس نے کہا کہ الٰہی! تیری عزت کی قسم جب تک انسان کے جسم میں جان ہے میں اس کے دل سے نہیں نکلوں گا۔ حق تعالےٰ نے ارشاد فرمایا مجھے اپنی عزت کی قسم! جبتک وہ جیتا رہے گا، میں توبہ کا دروازہ اس پر بند نہیں کروں گا"۔

نقل ہے کہ ایک حبشی حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور عرض کیا حضورؐ! میں نے بہت سے گناہ کیے ہیں کیا میری توبہ قبول ہوگی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ضرور قبول ہوگی! یہ سن کر وہ واپس چلا گیا اور پھر آکر دریافت کیا کہ جب میں گناہ میں مبتلا تھا تو کیا حق تعالےٰ مجھے دیکھتا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں وہ تجھے دیکھتا تھا۔ یہ بات سنتے ہی اس حبشی نے ایک نعرہ مارا اور زمین پر گر کر جان دیدی۔

شیخ فضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں کہ حق تعالےٰ نے کسی پیغمبر کو حکم کیا کہ گنہگاروں کو بشارت دے دو کہ اگر وہ توبہ کریں گے تو میں قبول کروں گا اور میرے دوستوں کو یہ وعید سُناؤ (اس بات سے ڈراؤ) کہ اگر میں ان کے ساتھ عدل سے پیش آؤں تو سب کو سزا دوں (سب مستحق سزا ہوں گے)

شیخ طلق بن حبیب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کے حقوق بندوں پر اس قدر ہیں کہ ان کا ادا کرنا ممکن نہیں ہے لہٰذا چاہیے کہ ہر ایک بندہ جب صبح اُٹھے تو توبہ کرے اور رات کو توبہ کر کے سوئے!

جناب حبیب ابن ابی ثابت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بندے کے سامنے (قیامت میں) اس کے گناہوں کو لایا جائے گا تو وہ ایک گناہ کو دیکھ کر کہے گا! افسوس کہ ہمیشہ میں تجھ سے ڈرتا تھا (بچتا تھا) تو محض اس گناہ سے ڈرنے

ہی کے باعث اس کی مغفرت کر دی جائے گی۔

رحمت حیلہ جو:۔ نقل ہے کہ بنی اسرائیل کا ایک شخص بہت ہی گنہ گار تھا اس نے توبہ کرنا چاہی لیکن وہ اس شک میں پڑ گیا کہ اس کی توبہ قبول ہو گی یا نہیں، لوگوں نے اس کو اس وقت کے عابد ترین شخص کا پتہ بتلایا، اس کے پاس جا کر اس شخص نے کہا کہ میں بڑا گنہگار ہوں، میں نے ننانوے قتل کیے ہیں کیا میری توبہ قبول کر لی جائے گی۔ عابد نے جواب دیا کہ نہیں! اس نے غصہ میں اس کو بھی مار ڈالا اور اس طرح سو قتل پورے کر لیے! اس کے بعد اس کو اس وقت کے عالم ترین شخص کا پتہ دیا گیا، وہ شخص ان عالم کے پاس پہنچا اور ان سے دریافت کیا کہ میں نے سو قتل کیے ہیں کیا میری توبہ قبول ہو جائے گی، میں توبہ کرنا چاہتا ہوں۔ انہوں نے کہا ہاں! لیکن تم اپنی جگہ چھوڑ کر دوسری جگہ چلے جاؤ، کہ یہ جگہ تمہارے لیے جائے فساد ہے، تم فلاں جگہ چلے جاؤ کہ وہ مقام صلاح ہے۔ چنانچہ وہ اپنی جگہ سے بتائے ہوئے مقام پر روانہ ہو گیا۔ لیکن اثنائے راہ میں اس کا وقت مقررہ آ پہنچا۔ عذاب اور رحمت کے فرشتوں میں اختلاف پیدا ہو گیا، ان میں سے ہر ایک کا دعویٰ یہ تھا کہ یہ ہماری سرزمین میں مرا ہے۔ بارگاہ الٰہی سے حکم ہوا کہ زمین کو ناپو کہ وہ زمین فساد سے قریب ہے یا زمین صلاح سے۔ فرشتوں نے جب زمین ناپی تو وہ اہل صلاح کی زمین سے ایک بالشت قریب تھا (اس کا فاصلہ زمین صلاح سے قریب تھا) بس رحمتوں کے فرشتوں نے اس کی روح قبض کی۔

اس سے یہ بات معلوم ہوتی کہ لازمی نہیں کہ عصیان کا پلہ گناہوں سے خالی ہو بلکہ حسنات اور نیکی کا پلہ اس کے مقابلہ میں بھاری ہونا چاہیے خواہ وہ مقدار تھوڑی ہی کیوں نہ ہو۔ یہی آدمی کی نجات کا ذریعہ ہے۔

گناہانِ صغیرہ وکبیرہ

اے عزیز! معلوم ہو کہ توبہ گناہ سے کی جاتی ہے اور گناہ جس قدر صغیرہ ہوں اسی قدر آسانی ہے، بشرطیکہ ان صغیرہ گناہوں پر آدمی اصرار نہ کرے (بار بار اعادہ نہ کرے) حدیث شریف میں آیا ہے کہ فرض نماز میں سب گناہوں کا کفارہ ہوتی ہیں، مگر کبیرہ گناہوں کا نہیں اور نماز جمعہ بھی کبیرہ گناہوں کے سوائے تمام گناہوں کا کفارہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

اِنْ تَجْتَنِبُوْا کَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُکَفِّرْ عَنْکُمْ سَیِّئَاتِکُمْ ۝ — اگر تم کبیرہ گناہوں سے باز رہو گے تو میں تمہارے صغیرہ گناہ معاف کر دوں گا۔

پس اس بات کا جاننا کہ کبائر کون سے گناہ ہیں فرض ہے۔ صحابہؓ کا تعداد کے سلسلہ میں اختلاف ہے۔ بعض حضرات نے ان کی تعداد سات بتائی ہے اور بعض نے کہا ہے کہ اس سے زیادہ ہیں۔ کچھ حضرات کا کہنا ہے کہ سات سے کم ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جب حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو یہ کہتے سنا کہ کبائر سات ہیں تو آپ نے

فرمایا سات نہیں ستر کے قریب ہیں۔

شیخ ابوطالب مکی قدس اللہ سرہٗ کہتے ہیں کہ میں نے اپنی تالیف "قوت القلوب" میں احادیث اور صحابہ کرامؓ کے اقوال سے سترہؔ کبیرہ جمع کیے ہیں۔ ان میں سے چار کا تعلق دل سے ہے۔ ایک کفر۔ دوسرا معصیت پر اصرار کا عزم کرنا اگرچہ وہ گناہ صغیرہ ہو۔ مثلاً کوئی شخص ایک برا کام کرے اور اس کے دل میں توبہ کا ہرگز خیال نہ آئے، تیسرا خدا کی رحمت سے ناامید ہونا، جس کو قنوط کہتے ہیں۔ چوتھا خداوند تعالیٰ کے غضب سے بے فکر ہونا، مثلاً یہ خیال کرنا کہ میں ہر طرح محفوظ ہوں۔ یہ تھے چار کبائر جن کا تعلق دل سے ہے۔ زبان کے چار کبائر یہ ہیں، اوّل جھوٹی گواہی جس سے کسی کو نقصان پہنچے۔ دوم کسی پر زنا کی ایسی تہمت لگانا جس سے حدِ واجب ہو۔ سوم ایسی جھوٹی قسم جس سے کسی کے مال کا نقصان ہو یا اس کا حق مارا جائے۔ چہارم کسی پر جادو کرنا (کہ اس کا تعلق بھی زبانی کلمات سے ہے) تین کبائر شکم سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایک یہ کہ ایسی چیز پینا جس سے نشہ پیدا ہو۔ دوسرے یتیم کا مال کھانا۔ تیسرے سود لینا اور دینا۔ دو کبائر ایسے ہیں جن کا تعلق شرمگاہ (فرج) سے ہے۔ یعنی زنا یا لواطت (لونڈے بازی) دو کبیرہ گناہ ہاتھ سے تعلق رکھتے ہیں، ایک کسی کو قتل کرنا دوسرے چوری کرنا (ایسی چوری جس پر حد لازم آتی ہو) ایک گناہ کبیرہ کا تعلق پاؤں سے ہے یعنی صف کفران کے مقابلہ سے بھاگ جانا اس طرح کہ ایک دوسرے کے مقابل سے، یا دس کا بیس کے مقابلہ سے بھاگ جانا (گناہ کبیرہ ہے) ہاں مقابلہ میں جب یہ تناسب زیادہ ہو تو بھاگ جانا روا ہے۔ ایک کبیرہ گناہ پورے جسم سے تعلق رکھتا ہے اور وہ ہے ماں باپ کی نافرمانی۔

ان کبائر کو اس طور پر معلوم کیا گیا ہے کہ بعض کے سبب حد واجب ہوتی ہے اور بعض ایسے ہیں کہ قرآن پاک میں ان کے بارے میں سخت تہدید موجود ہے، ہم نے اس کو تفصیل کے ساتھ "احیاء العلوم" میں بیان کیا ہے، کیمیائے سعادت میں اس کی تفصیل کی گنجائش نہیں ہے اور ان کو جاننے کا مقصد اور غرض وغایت یہ ہے کہ انسان کبیرہ گناہ پر جرأت کرے معلوم ہو کہ صغیرہ گناہ پر اصرار ہی کبیرہ بن جاتا ہے۔ اگرچہ علماء کا کہنا ہے کہ فرائض صغیرہ گناہوں کے کفارہ ہیں لیکن سب کا اس بات پر اتفاق ہے اگر کوئی شخص ایک دمڑی برابر بھی کسی کا حق اپنی گردن پر رکھتا ہے تو اس کا کفارہ نہ ہوگا جب تک ادا نہیں کرے گا اور اس حق سے عہدہ برآ نہ ہوگا۔ الغرض جو معصیت حق تعالیٰ کی بندے نے کی ہے اس میں بخشش اور مغفرت کی امید ہے لیکن حقوق العباد میں ایسا نہیں ہے۔

گناہوں کے تین دفتر: حدیث شریف میں وارد ہے کہ گناہوں کے تین دفتر ہیں، ایک وہ دفتر جس کی بخشش نہیں ہے (اس دفتر میں جن لوگوں کے نام ہیں ان میں کسی کی مغفرت اور بخشش نہیں ہوگی)، دوسرا دفتر وہ ہے جس کو بخش دیا جائے گا۔ یہ ایسے گناہ ہیں جو خداوند تعالیٰ اور بندے کے درمیان ہوں۔ تیسرا دفتر وہ ہے جس میں رہائی کی امید نہیں وہ حقوق العباد اور مظالم کا دفتر ہے جو چیز کسی مسلمان کے رنج اور تکلیف کا باعث بن رہی ہے

یا بن چکی ہے وہ اسی دفتر میں داخل ہے خواہ وہ جان کے بارے میں ہو (یعنی جسمانی) خواہ اس کا تعلق مال سے ہو، بزرگی سے متعلق ہو یا مروت سے، خواہ وہ دین کے باب میں ہو، مثلاً کسی شخص نے مخلوق کو ان باتوں کی طرف بلایا جو دین کو تباہ کرنے والی ہیں تاکہ ان لوگوں کا دین تباہ ہو جائے یا کسی نے محفل منعقد کر کے ایسی باتیں کیں جن کو سُن کر لوگ فسق و فجور پر دلیر ہو جائیں، یہ تمام باتیں اس تیسرے دفتر میں شامل ہیں۔

صغیرہ گناہ کس طرح کبیرہ بن جاتے ہیں

معلوم ہونا چاہیئے کہ گناہ صغیرہ میں عفوِ الٰہی اور مغفرت کی امید ہے لیکن بعض اسباب کی بنا پر یہ عظیم تر (کبیرہ) بن جاتے ہیں اور کام دشوار بن جاتا ہے (ولیکن بہ بعضے از اسباب عظیم تر وخطر آں نیز صعب بود) ایسے اسباب چھ ہیں، اوّل یہ کہ گناہ صغیرہ پر اصرار کرے۔ یعنی اس کو مسلسل کرتا رہے مثلاً ہمیشہ کسی شخص کی غیبت کرنا، یا ہمیشہ ریشمی لباس پہننا یا مزاولت و مداومت کے ساتھ راگ سننا، کیونکہ جب ایک معصیت پر انسان مزاولت کرے گا، لگاتار اس کو کرتا رہے گا تو اس کی تاثیر سے دل سیاہ ہو جائے گا۔ اسی بنا پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

"تمام کاموں میں بہتر کام وہ ہے جو ایک ہی ڈھنگ پر کیا جائے اگرچہ وہ تھوڑا اور معمولی ہو"

اس کی مثال پانی کے اس قطرے کی ہے جو مسلسل ایک پتھر پر گرتا رہے، یقیناً وہ پتھر میں سوراخ کردے گا اور اگر تمام پانی یکبارگی اس پتھر پر ڈالا جاتا تو اس کا کچھ بھی اثر نہ ہوتا، پس جو کوئی صغیرہ گناہ میں مبتلا ہو تو اس کو چاہیئے کہ استغفار کرے اور اس پر پشیمان ہو اور یہ ارادہ کرلے کہ آئندہ اس کو نہیں کرے گا، بزرگوں نے کہا ہے کہ کبیرہ گناہ استغفار سے صغیرہ اور صغیرہ اصرار سے کبیرہ بن جاتا ہے۔

دُوسرا سبب:۔ یہ ہے کہ گناہ کو چھوٹا اور معمولی سمجھے اور حقارت کی نظر سے اس کو دیکھے (معمولی سمجھتے ہوئے) چھوٹا گناہ اس طرح سے بڑا گناہ بن جاتا ہے۔ اور جب گناہ کو عظیم سمجھا جاتا ہے تو اس طرح وہ چھوٹا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ گناہ کو بڑا سمجھنا ایمان اور خوف کی نشانی ہے اور یہ بات دل کو گناہ کی ظلمت سے محفوظ رکھتی ہے اور اس کے بعد اس کا اثر نہیں ہوتا (دل ظلمتِ گناہ سے پاک وصاف ہو جاتا ہے)

گناہ کو حقیر اور چھوٹا سمجھنا غفلت اور عصیاں شعاری کی علامت ہے اور اسی بات کی دلیل ہے کہ دل گناہ سے مانوس ہو گیا ہے اور تمام احوال میں کام تو دل ہی سے پڑتا ہے۔ جو بات دل میں زیادہ اثر کرتی ہے وہ بات بڑی ہے اور حدیث شریف میں وارد ہے:۔

"مومن اپنے گناہوں کو ایسے کئی پہاڑوں کی طرح سمجھتا ہے جو اس پر چھائے ہوئے ہیں (اس کے سر پر تنے ہیں۔) ڈرتا ہے کہ کہیں یہ پہاڑ اس کے سر پر نہ گر جائیں، اور منافق اپنے گناہ کو ایک مکھی کی مانند سمجھتا ہے

جو ناک پر بیٹھ کر اُڑ جاتی ہے۔"

بزرگانِ دین کا ارشاد ہے کہ وہ گناہ جو بخشا نہیں جاتا یہ ہے کہ انسان اس کو چھوٹا سمجھے، آسان اور سہل جانے اور کہے کاش میرے سب گناہ ایسے ہی معمولی ہوتے۔

ایک پیغمبر (علیہ السلام) پر اللہ تعالیٰ نے یہ وحی نازل فرمائی کہ گناہ کے چھوٹے پن کو مت دیکھو بلکہ خداوند تعالیٰ کی عظمت اور بزرگی پر نظر کرو کہ اس نے یہ گناہ خداوند تعالےٰ کے خلاف (حکم) کیا ہے۔ بندے کی نظر میں اللہ تعالیٰ کی عظمت و بزرگی جس قدر زیادہ ہوگی، چھوٹے سے چھوٹا گناہ اس کو بڑا معلوم ہوگا۔

کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے فرمایا کہ اے لوگو! تم بڑے گناہوں کو بال کی طرح سُبک اور ہلکا سمجھتے ہو اور ہم اپنی ہر ایک خطا کو کتنی پہاڑوں کی طرح عظیم و گراں بار سمجھتے تھے۔

ان تمام مباحث کا ماحصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ناخوشی اور نارضامندی معصیت اور گناہ میں پوشیدہ ہے اور ممکن ہے کہ جس تقصیر اور گناہ کو تم معمولی سمجھ رہے ہو وہی قہر الٰہی کا سبب ہو، چنانچہ خداوند تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ تَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖ وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ○ اور وہ اس کو معمولی اور حقیر سمجھتے ہیں اور اللہ کے نزدیک وہ عظیم ہے۔

تیسرے یہ کہ گناہ پر خوش ہو اس کو غنیمت اور اپنی کامیابی سمجھے اور بڑے فخر سے کہے کہ میں نے اس شخص کو خوب فریب دیا، اس کی خوب مذمت کی، فلاں شخص کا مال میں نے چھین لیا اور فلاں شخص کو گالیاں دے کر شرمندہ کیا، میں نے فلاں شخص سے ایسی بحث کی کہ اس کو کچھ بن نہ پڑی غرضکہ اس قسم کی مہملات بکتا ہے۔ پس جو کوئی اپنی بُرائیوں پر خوش ہو اور ان پر فخر کرے اس کا دل سیاہ ہو گیا ہے اور اس کی بربادی کا یہی سبب تھا! چوتھا سبب یہ کہ اگر حق تعالیٰ اس کے گناہ کی پردہ پوشی فرمائے تو وہ یہ سمجھے کہ یہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کی عنایت ہے اور نادان یہ نہیں سمجھتا کہ حق تعالےٰ دیر میں گرفت کرنے والا ہے لیکن ہے بڑا سخت گیر اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ ○

پانچواں یہ کہ کھلم کھلا گناہ کرے اور حق تعالےٰ نے اس پر جو پردہ ڈال رکھا تھا اس کو اُٹھا دے اس طرح اکثر دوسرے لوگ بھی اس کے سبب سے معصیت میں مبتلا ہوتے ہیں اور ان سب کی معصیت کا بوجھ اسی کی گردن پر ہوتا ہے اگر صراحتہً اور دیدہ و دانستہ کسی کو گناہ کے لیے ورغلائے اور گناہ کے اسباب مہیا کرے تو یہ دوچند ہوگا۔ بزرگانِ سلف نے فرمایا: کہ اگر کوئی مسلمان ایک گناہ کو دوسروں کی نگاہ میں آسان اور سہل بتلائے تو ایسا شخص بڑا خائن، اور دغا باز ہے۔

چھٹا یہ کہ عالم اور پیشوا ہونے کے باوجود گناہ کرے اور اس کی اس روش کو دیکھ کر دوسرے لوگ گناہ پر دلیر ہوں اور اس کام کے کرنے پر سرزنش کی جائے، تو یوں کہیں کہ اگر یہ کام غلط ہوتا تو یہ عالم نہ کرتا۔ مثلاً ایک عالم ریشمی لباس پہن کر بادشاہوں کے پاس آئے جائے۔ ان کے عطیات قبول کرے، مناظرے میں اپنے حمق سے دوسرے علماء پر

لعن وطعن کرے اور اپنے مال اور اپنے جاہ پر اترائے تو اس کے شاگرد بھی ان تمام معاملوں میں اس کی پیروی کریں گے اور استاد کے مانند ہو جائیں گے۔ پھر ان کے شاگرد ان کی پیروی کریں گے اور پھر ایک غلط کار سے پورا محلہ کا محلہ بگڑ جائے گا۔ کیونکہ ہر ایک بستی کے لوگ، کسی نہ کسی ایک عالم کے معتقد ہوتے ہیں۔ پس ان کا گناہ (منظلمہ) اس پیشوا کے سر ہو گا اور اس کے نام لکھا جائے گا، اسی بنا پر بزرگوں نے فرمایا ہے کہ وہ شخص نیک بخت ہے جس کے مرنے کے بعد اس کا گناہ ہی ختم ہو جائے (گناہوں کا سلسلہ ختم ہو جائے) اور جو شخص لوگوں کو گمراہ کرنے والا ہو، ہزاروں سال تک اس کے گناہوں کا سلسلہ (ایک سے دوسرے کو منتقل ہوتا رہے گا)

منقول ہے کہ بنی اسرائیل میں سے ایک شخص اسی طرح کا عالم تھا، اس نے گناہوں سے توبہ کی تو اللہ تعالےٰ نے اُس زمانے کے پیغمبر پر وحی نازل فرمائی اور حکم دیا کہ فلاں عالم سے کہہ دو کہ اے شخص تیری خطائیں اگر میرے لیے ہوتیں، ان کا تعلق مجھ سے ہوتا تو میں تجھ کو ضرور بخش دیتا اب تو تو نے خود اپنے لیے توبہ کی ہے، تو نے بہت سے لوگوں کو بگاڑ دیا اور ان کے سدھارنے کی اب امید نہیں ہے تو اس کی کیا تدبیر کرے گا (بگڑے ہوئے لوگوں کو کس طرح سدھارے گا)

پس عالموں کے بارے میں یہ ایک مشکل مرحلہ ہے کہ ان کی ایک تقصیر میں ہزاروں تقصیریں ہوتی ہیں اور ایک عبادت میں ہزاروں عبادتیں ہیں۔ کیونکہ جو لوگ عبادت کرتے ہیں اس کا ثواب بھی ان کو حاصل ہوتا ہے اس لیے (خصوصاً) عالم پر واجب ہے کہ معصیت میں مبتلا نہ ہو اور اگر (خدانخواستہ) کرنا بھی ہے تو چھپا کر کرے۔ صرف یہی نہیں بلکہ اگر کوئی مباح کام ایسا ہے جس کے کرنے سے مخلوق دلیر ہو گی (وہ اس کی تقلید میں شدومد کے ساتھ اس امر مباح کو کریں گے) تو اس سے بھی حذر کرے۔ امام زہریؒ فرماتے ہیں کہ اب سے پہلے ہم ہنستے اور کھیلتے تھے۔ اب جب قوم کے بزرگ قرار پائے تو ہم کو مسکرانا بھی زیبا نہیں رہا۔ اگر کوئی شخص کسی عالم کی تقصیر (علی الاعلان) ظاہر کرے گا تو بڑا گنہگار ہو گا کہ اس کے سبب سے ہزاروں لوگ بے راہ ہو جائیں گے۔ پس لوگوں کے گناہ کا چھپانا واجب اور عالم کے گناہ کا چھپانا واجب تر ہے۔

اچھی توبہ کے شرائط اور اس کی علامات

اے عزیز معلوم ہو کہ توبہ حقیقت میں پشیمانی کو کہتے ہیں اور اس کا نتیجہ وہ ارادہ ہے جو ظاہر ہو۔ پس پشیمانی کی علامت یہ ہے کہ انسان ہمیشہ حسرت و رنج اور گریہ وزاری میں مبتلا رہے اس لیے کہ جب انسان اپنے آپ کو دیکھے گا۔ کہ وہ عنقریب ہلاک ہونے والا ہے، تو یقیناً وہ غمگین ہو گا۔ مثلاً کسی شخص کا بیٹا بیمار ہو اور ڈاکٹر کہے کہ یہ بیماری خطرناک اور مہلک ہے تو یقیناً غم کی آگ باپ کے دل میں سلگے گی اور ظاہر ہے کہ ہر شخص اپنی جان کو بیٹے کی جان سے زیادہ عزیز رکھتا ہے۔ اور خدا اور اس کا رسول اس نصرانی طبیب (ڈاکٹر) سے زیادہ سچے ہیں، آخرت کی بربادی اور خرابی کا ڈر موت

کے اندیشے سے بھی زیادہ ہوتا ہے اور بیماری سے کسی شخص کا مرجانا اس قدر یقینی نہیں ہے جس قدر کہ معصیت اور گناہوں سے حق تعالیٰ کا ناخوش ہونا یقینی ہے۔ اب اگر کسی کے دل میں معصیت کے سبب سے خوف اور غم نہ ہو تو سمجھ لینا چاہیے کہ وہ شخص معصیت کی خرابی اور گناہوں کی آفت پر ایمان نہیں لایا۔ جس قدر معصیت کا خوف دل میں زیادہ ہوگا اسی قدر گناہوں کے کفارے میں وہ موثر ہوگا کیونکہ زنگ اور سیاہی جو گناہوں کے سبب سے دل پر لگ گئی ہے، ندامت اور حسرت کی زیادہ سے زیادہ آگ اس کو دفع کرے گی اور اس سے انسان کے دل میں سوز و گداز پیدا ہوگا۔

حدیث شریف میں آیا ہے "توبہ کرنے والوں کے ساتھ بیٹھو کیونکہ ان کا دل گداز ہوتا ہے اور انسان کا دل جسقدر پاک ہوگا اسی قدر معصیت سے بیزار رہے گا اور گناہ کی لذت اس کو تلخ اور ناگوار معلوم ہوگی"۔

منقول ہے کہ بنی اسرائیل کے ایک شخص کی توبہ قبول کرنے کے لیے اس وقت کے پیغمبر نے بارگاہ رب العزت میں سفارش کی۔ حق تعالیٰ نے ان پیغمبر پر وحی نازل فرمائی اور ارشاد کیا کہ "مجھے اپنی عزت کی قسم! اگر تمام آسمانوں کے فرشتے اس کے باب میں سفارش کرنے لگے تو جب تک اس کے دل میں گناہ کی لذت باقی رہے گی میں اس کی توبہ قبول نہیں کروں گا۔ معلوم ہونا چاہیئے کہ معصیت ہر چند کہ معصیت طلب طبیعت سے ہو، لیکن تائب کے حق میں اس کی مثال اس شہد جیسی ہے جس میں زہر کی آمیزش ہو، جس نے ایک بار اس کو چکھ لیا اور اس سے اس کو تکلیف پہنچی تو وہ دوسری مرتبہ اس سے اس قدر ڈرے گا کہ اس شہد کو دیکھتے ہی ڈرنے کانپنے لگے گا۔ اور اس کی مٹھاس پر اس سے پہنچنے والی تکلیف اور نقصان کا خوف غالب رہے گا۔ پس انسان کو یہ بدمزگی ہر قسم کے گناہوں میں محسوس کرنا چاہیئے معصیت کی مٹھاس میں زہر کی آمیزش اس سبب سے ہے کہ اس میں خدا کی ناراضمندی ہے۔ ہر گناہ کی یہی حالت ہے۔ گناہوں کی پشیمانی کا ارادہ تینوں زمانوں ماضی، حال اور مستقبل سے تعلق رکھتا ہے۔ زمانہ حال کا ارادہ تو یہ ہے کہ تمام گناہوں کو ترک کر دے۔ فرائض و احکام اور ارشادات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بجا لاتے۔ اور زمان مستقبل کے لیے عزم کرے کہ تمام عمر ترک گناہ پر قائم رہے گا اور ظاہر و باطن میں خداوند تعالیٰ سے عہد کرے کہ ہرگز آئندہ گناہ کا قصد نہیں کرے گا اور فرائض کی بجا آوری میں تقصیر نہیں کرے گا۔ مثلاً ایک شخص کے لیے میوہ مضر ہے اور اس نے ارادہ کر لیا ہے کہ ہرگز اس کا نام نہیں لے گا اور وہ اس ارادے میں کبھی شک یا سستی کا اظہار نہیں کرتا خواہ کتنا ہی اس کے کھانے کا شوق غالب ہو۔

توبہ کو نباہنا اور اس پر قائم رہنا مشکل ہے بجز اس کے کہ خاموشی اور عزلت اختیار کرے اور حلال روزی کھائے خواہ پاس موجود ہو یا اس کے کھانے پر قادر ہو، آدمی جب تک شبہ کی چیزوں کو ترک نہیں کرے گا اس کی توبہ کامل نہیں ہوگی اور جب تک خواہشوں کو ترک نہیں کرے گا، شبہات کا چھوڑنا دشوار ہوگا۔ بزرگوں نے کہا کہ انسان پر جب کسی چیز کی خواہش غالب ہو تو تکلف سے رقصداً اس کو سات بار چھوڑ دے اس طرح اس کا ترک کر دینا آسان ہوگا۔

گذشتہ زمانے کا ارادہ یہ ہے۔ کہ گذرے ہوئے دنوں کا تدارک کرے اور اس بات میں غور کرے کہ حقوقِ الٰہی اور حقوق العباد کیا ہیں، جن کے بجا لانے میں اس سے تقصیر ہوئی ہے۔ حق تعالےٰ کے حقوق دو ہیں ایک فرائض کا بجالانا اور دوسرا گناہوں کا ترک کر دینا۔ پس فرائض کے بارے میں غور اس طرح کرنا ہے کہ جب سے بالغ (مکلف) ہوا ہے، ایک ایک دن کا حساب کرے اور یاد کرے کہ اگر کوئی نماز فوت ہوئی ہے یا غسل وطہارت ترک ہوا ہے یا سہواً ایسا ہوا یا اس کی نیت میں خلل تھا یا اس کے اعتقاد میں شک تھا، ان سب چیزوں کی قضا کرے اور جس تاریخ سے صاحبِ مال ہوا اگر نوجوان تھا تو حساب کرے اور جس چیز کی زکوٰۃ ادا نہیں کی ہے یا ادا تو کی لیکن مستحق کو نہیں دی، یا سونے چاندی کے برتن اس کے پاس تھے لیکن ان ظروف کی زکوٰۃ نہیں دی (کہ یہ ظروف سونے چاندی کے نصاب میں محسوب ہوں گے) پس ان سب کا حساب لگا کر زکوٰۃ ادا کرے۔ یا رمضان کا روزہ کوئی چھوڑا تھا یا کسی روزے کی نیت کرنا بھول گیا تھا یا اس کے شرائط ادا نہیں کیے تھے تو اس روزے کی قضا رکھے اور ان تمام باتوں میں جس بات پر اس کو یقین ہو اس کی قضا کرے (کہ باقی کو پورا کرے) اور اگر کسی بات میں شک ہو اس کو ظن غالب سے یقینی ٹھہراتے اور جس بات کا یقین ہو اس کو محسوب کر کے باقی قضا کرے اور یہ کافی ہے کیونکہ جو بات ظن غالب سے ثابت ہو اس کو محسوب کرنا روا اور مناسب ہے۔ اسی طرح ان گناہوں کا حساب لگائے جو بالغ ہونے کے بعد آنکھ، کان، ہاتھ، زبان اور پیٹ سے سرزد ہوئے، ان کا خیال کرے پھر اگر کبیرہ گناہ جیسے زنا، لواطت، چوری، شراب خوری وغیرہ جن پر شرعی حد واجب ہوگئی ہو، ان سے توبہ کرے۔ یہ روا نہیں ہے کہ وہ حاکم کے پاس جا کر ان گناہوں کا اقرار کرے تاکہ وہ اس پر حد جاری کرے بلکہ اپنے ان گناہوں کو پوشیدہ رکھے اور کثرت توبہ وعبادت سے اس کا علاج کرے۔ اور اگر اس سے گناہ صغیرہ سرزد ہوتے ہیں تب بھی ایسا ہی عمل کرے، مثلاً کسی نامحرم کو دیکھنا، بغیر طہارت کے قرآن پاک کو ہاتھ لگانا، جنابت کی حالت میں مسجد میں بیٹھنا یا مزامیر سننا، ایسی خطاؤں کو محو کرنے کے لیے ان کا ایسے اعمال سے کفارہ ادا کرے جو ان افعالِ ذمیمہ کی ضد ہوں کہ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔ اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ یعنی نیکیاں گناہوں کو دفع کر دیتی ہیں۔ اگر اس نے راگ سنا تھا تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ قرآن کریم اور احادیث سنے، حالتِ جنابت میں مسجد میں بیٹھنے کا کفارہ یہ ہے کہ اعتکاف میں بیٹھے اور نوافل ادا کرے۔ بغیر طہارت کے قرآن کریم چھونے کا کفارہ یہ ہے کہ مصحف کی تعظیم زیادہ سے زیادہ کرے اور کثرت سے اس کی تلاوت کرے، مے نوشی کا کفارہ اس طرح ہوگا کہ ایک ایسا شربت جو مرغوب ہو اور حلال ہو خود نہ پیئے بلکہ دوسرے کو پلا دے تاکہ مے نوشی سے جو سیاہی اور ظلمت پیدا ہوئی تھی اس کفارے کے نور سے دور ہو جائے۔

دنیاوی حسرت کا کفارہ:- دنیا میں جو خوشی اور مسرت حاصل کی تھی تو دنیا کا رنج والم اٹھائے کیونکہ دنیاوی راحت سے انسان کا دل دنیا سے خوب لگتا ہے اور دنیا کی محنت اور تکلیف

اس کے دل کو دنیا سے بیزار اور برداشتہ کر دیتی ہے۔ چنانچہ حدیث شریف ہے کہ:

"بندۂ مومن کو جو دکھ اور درد پہنچتا ہے خواہ وہ تکلیف پاؤں میں کانٹا چبھنے ہی کی کیوں نہ ہو گناہوں کا کفارہ ہوتی ہے۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

"کہ کوئی گناہ ایسا ہوتا ہے کہ دنیاوی رنج کے سوا اس کا کچھ کفارہ نہیں ہے۔"

ایک روایت میں اس طرح آیا ہے کہ "گذر بسر اور اہل وعیال کی تکلیف کے سوا اس کا اور کچھ کفارہ نہیں"۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جس بندے کے گناہ بہت ہوں اور اس کے پاس ایسی عبادت نہ ہو جو اُن گناہوں کا کفارہ بن سکے تو خداوند تعالیٰ اس کو ایسا غم دنیا ہے جو اُن گناہوں کا کفارہ ہو۔"

شاید اس موقع پر تم یہ کہو کہ غم تو انسان کے اختیار کی چیز نہیں ہے اور ممکن ہے کہ اس کو خود کسی دنیاوی کام کی وجہ سے غم پہنچے اور وہ غم گین ہو تو یہ تو ایک خطا ہے، خطا کس طرح ایک خطا کا کفارہ بن سکتی ہے، اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ یہ ایسی بات نہیں ہے بلکہ جس چیز سے تمہارے دل کو دنیا سے بیزاری حاصل ہو وہ تمہارے حق میں بہتر اور بھلی ہے اور اگر تمہارے اختیار سے وہ ظہور میں نہیں آتی ہے کیونکہ اگر وہ اختیار سے ہوتی تو اس غم کے عوض میں کامیابی سے تم کو خوشی حاصل ہوتی تو اس طرح تم دنیا کو اپنی بہشت سمجھ لیتے۔

منقول ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے دریافت کیا کہ تم نے ان ضعیف و کہن سال (حضرت یعقوب علیہ السلام) کو کس حال میں پایا۔ انہوں نے جواب دیا کہ اس ماں کی طرح غمگین جس کے بچے مارے گئے ہوں، میں نے ان کو چھوڑا ہے۔ انہوں نے پوچھا کہ ان کو اس غم کا کیا اجر ملے گا۔ انہوں نے کہا کہ سو شہیدوں کا۔ لیکن خلائق پر مظلمہ کے بارے میں یہ ضروری ہے کہ لوگوں کے ساتھ جو معاملہ کیا ہے اس کا حساب کرے بلکہ ان کے ساتھ ہنسی مذاق کی جو باتیں کی ہیں ان کو بھی یاد کرے تاکہ ہر ایک کے قرض سے چھٹکارا حاصل ہو اور جس کسی کو ستایا ہے یا کسی کی بدگوئی کی ہے تو اس کا تدارک کرے جو چیز واپس کرنے کی ہو اس کو واپس کر دے۔ اور جس سے معافی چاہنا ضروری ہو اس سے معافی چاہے۔ اگر کسی کا خون کیا ہے تو اپنے آپ کو اس کے وارث کے حوالے کر دے تاکہ وہ چاہے تو دنیا میں بدلہ لے چاہے بخش دے۔ اگر کسی کا قرض اس کے اوپر ہے تو قرض حق داروں کو تلاش کر کے وہ قرض ادا کرے اور اگر نہ ملیں تو ان کے ورثا کو وہ قرض ادا کرے۔ ہر چند کہ یہ بات عاملوں اور تاجروں کے لیے سخت دشوار اور مشکل ہے کہ دن میں ان کو ہزاروں لوگوں سے معاملہ کرنا پڑتا ہے۔ پس بدگوئی سے معافی ہر ایک سے چاہنا سخت دشوار اور ناممکن ہو گا پس جب ایسی صورت ہے تو اس تقصیر سے نجات کی خاص صورت یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہر دم طاعت کرے اور زیادہ سے زیادہ نوافل ادا کرے تاکہ جب قیامت میں حقوق الٰہی اس کی عبادت سے ادا کیے جائیں تو خود اس کی نجات کے لیے

کچھ عبادت تو باقی رہ جائے۔

فصل

توبہ پر مداومت

جس شخص سے ایک گناہ سرزد ہو تو اس کو چاہیئے کہ جلد ہی اس کا تدارک کرے اور کفارہ دے، بزرگانِ دین نے کہا ہے کہ احادیث شریفہ کی رو سے آٹھ چیزیں ایسی ہیں کہ گناہ کے بعد گناہ کرنے والے سے اگر یہ سرزد ہوں تو وہ اس کے گناہ کا کفارہ بن جاتی ہیں۔ ان میں سے چار چیزوں کا تعلق دل سے ہے۔ ایک توبہ یا توبہ کا ارادہ۔ دوسرے اس بات کا عزم بالجزم کہ آئندہ ایسا گناہ نہیں کرے گا۔ سوم اس بات سے ڈرنا کہ اس گناہ کے سرزد ہونے سے عذاب میں مبتلا ہوگا۔ چہارم عفو کی امید۔ باقی چار چیزوں کا تعلق جسم یعنی (اعضا) سے ہے۔ ایک یہ کہ دو رکعت نماز ادا کرنے کے بعد ستر مرتبہ استغفار کرے اور سو بار سبحان اللہ العظیم وبحمدہ پڑھے اور اپنے مقدور و استطاعت کے بموجب خیرات ادا کرے اور ایک دن کا روزہ رکھے، بعض احادیث میں یہ بھی آیا ہے کہ اچھی طرح طہارت کر کے مسجد میں دو رکعت نماز پڑھے اور حدیث شریف میں یہ بھی آیا ہے کہ "جب تو نے پوشیدہ ایک گناہ کیا تو مخفی طور پر عبادت کرنا اس کا کفارہ ہوگا اور اگر گناہ علانیہ اور آشکارا طور پر کیا ہے تو آشکارا طور پر بندگی کرے۔

اے عزیز! جب انسان زبان سے استغفار کرے اور دل میں توبہ کی نیت نہ ہو تو اس کا کوئی فائدہ نہ ہوگا، زبان سے استغفار میں دل کی شرکت اس طرح ہوگی کہ مغفرت چاہنے میں تضرع و زاری (خشوع و خضوع) موجود ہو اور وہ ہیبت و ندامت سے خالی نہ ہو، ایسی صورت میں اگر توبہ کا عزم مصمم بھی نہیں کیا ہے، جب بھی بخشش کی امید ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اگر دل غافل بھی ہو جب بھی زبان سے استغفار کرنا فائدے سے خالی نہیں ہے کیونکہ اس طرح زبان بیہودہ گوئی سے محفوظ رہی اور خاموش رہنے سے بہتر ہے کیونکہ زبان کو جب استغفار کی عادت پڑ جائے گی تو دشنام طرازی اور بے ہودہ گوئی کے بجائے استغفار سے زیادہ رغبت ہوگی۔

منقول ہے کہ ایک مرید نے ابو عثمان مغربی قدس سرہ سے دریافت کیا کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دل کی رغبت کے بغیر بھی میری زبان سے خدا کا ذکر جاری رہتا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ تم خدا کا شکر ادا کرو کہ تمہارے ایک عضو کو اللہ تعالٰی نے اپنے کام میں مصروف رکھا ہے۔ اب اس معاملہ میں بھی شیطان فریب کاری کرتا ہے وہ کہتا ہے کہ جب تیرا دل ذکرِ الٰہی میں مشغول نہیں ہے تو زبان کو ذکر سے خاموش رکھ کہ ایسا ذکر بے ادبی ہے۔ شیطان کے اس فریب کا جواب دینے میں تین قسم کے لوگ ہیں ایک وہ ہیں جو شیطان کے اس فریب پر کہتے ہیں کہ تو نے سچ کہا ہے اب میں تجھے زچ کرنے کے لیے

دل کو بھی حاضر کرتا ہوں۔ یہ شخص شیطان کے زخموں پر نمک پاشی کرتا ہے۔ دوسرا وہ ظالم شخص ہے جو شیطان سے کہتا ہے کہ تو نے ٹھیک کہا جب دل حاضر نہیں ہے تو زبان ہلانے سے کیا فائدہ اور پھر وہ ذکر سے خاموش ہو گیا، یہ نادان سمجھتا ہے کہ اس نے عقل کا کام کیا حالانکہ اس نے شیطان کو اپنا دوست سمجھ کر اس کا کہنا مانا (وہ شیطان کا دوست ہے) تیسرا شخص کہتا ہے کہ اگر دل کو میں حاضر نہ کر سکا تب بھی زبان کو ذکر میں مصروف رکھنا خاموش رہنے سے بہتر ہے۔ اگرچہ دل لگا کر ذکر کرنا اس طرح کے ذکر سے کہیں بہتر ہوتا۔ جس طرح بادشاہی، قزاقی سے اور قزاقی، جاروب کشی سے بدرجہا بہتر ہے اور یہ ضروری نہیں کہ جس سے بادشاہی کا کام سرانجام نہ ہو سکے وہ قزاقی ترک کر کے جاروب کشی اختیار کرے۔

توبہ کی تدبیر

اے عزیز معلوم ہوا کہ جو لوگ توبہ نہیں کرتے ان کا علاج اس بات کو معلوم کرنے پر موقوف ہے کہ یہ لوگ کس وجہ سے گناہوں میں مصروف ہیں (گناہوں سے ان کی دلچسپی کا کیا سبب ہے) اور ان کو توبہ کرنے کا خیال کیوں نہیں آتا! اس کے پانچ سبب ہیں اور ہر ایک کا علاج جدا جدا ہے۔

توبہ نہ کرنے کا پہلا سبب:- پہلا سبب یہ ہے کہ وہ شخص عذاب آخرت پر ایمان نہیں رکھتا ہوگا۔ اس کا علاج ہم غرور کے موضوع کے تحت مہلکات میں بیان کر چکے ہیں۔

دُوسرا سبب یہ ہے کہ اس پر خواہشات کا اسقدر غلبہ ہوگا کہ وہ ان خواہشات کو ترک نہ کر سکے اور دنیاوی لذتیں اس کو اس قدر بے خود کر دیں کہ وہ آخرت سے بالکل غافل ہو جائے، یہ بد خواہشات مخلوق کو اکثر خداوند بزرگ و برتر سے دور کر دیتی ہیں۔ چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ "حق تعالیٰ نے دوزخ کو پیدا فرما کر حضرت جبریلؑ سے فرمایا کہ اسے دیکھو انہوں نے دوزخ کو دیکھ کر کہا کہ اے ربّ! تیری عزت کی قسم کوئی شخص بھی ایسا نہیں ہوگا جو اس کا احوال سُن کر ادھر جائے۔ پس حق تعالیٰ نے خواہشات کو جہنم کے آس پاس پیدا فرما کر حضرت جبریل (علیہ السلام) سے فرمایا کہ اب دوزخ کو دیکھو، حضرت جبریلؑ نے دوبارہ دوزخ کو دیکھا اور کہا کہ اب ایسا کوئی نہیں ہوگا جو دوزخ میں نہ رہے۔ پھر حق تعالیٰ نے بہشت کو پیدا فرمایا اور جبریلؑ سے اُسے دیکھنے کا حکم دیا۔ جبریلؑ بہشت دیکھ کر کہنے لگے کہ اب جو کوئی اس کے اوصاف سُنے گا وہ بے اختیار ادھر دوڑے گا اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مشکل کاموں کو بہشت کے آس پاس پیدا کر کے فرمایا کہ اب بہشت کو پھر دیکھو، انہوں نے بہشت کو دیکھ کر کہا کہ الٰہی مجھے تیری عزت و جلال کی قسم! مجھے اس بات کا خوف ہے کہ بہشت کے راستے کی سختیوں کے سبب سے کوئی شخص اس میں نہیں جائے گا۔

تیسرا سبب توبہ نہ کرنے کا یہ ہے کہ آخرت اُدھار (نسیان) ہے اور دنیا نقد ہے۔ انسان کی طبیعت نقد کی طرف زیادہ مائل رہتی ہے اور جو چیز آنکھوں سے دُور ہو اس کے دل سے بھی دُور رہے گی۔

اور چوتھا سبب یہ ہے کہ جو کوئی مومن ہوتا ہے وہ تمام دن توبہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے لیکن پھر کل پر اُٹھا رکھتا ہے اور اس کے سامنے جو آرزو اور خواہش آتی ہے تو کہتا ہے کہ اب تو اسے کر لوں۔ دوسری بار نہیں کروں گا اور توبہ کرلونگا پانچواں سبب یہ ہے کہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ بات ضروری نہیں ہے کہ گناہ انسان کو دوزخ میں ڈال دے گا بلکہ ممکن ہے کہ اللہ تعالےٰ اس کو بخشدے۔ انسان اپنے حق میں ہمیشہ نیک گمان رکھتا ہے جب ایک شہوت اور خواہش کا اس پر غلبہ ہوتا ہے تو کہتا ہے کہ حق تعالیٰ معاف کردے گا اور وہ اس کی رحمت کی امید رکھتا ہے۔

ان اسباب کا علاج :-

پہلے سبب کا یعنی آخرت پر ایمان نہ لانے کا علاج ہم بیان کر چکے ہیں۔ لیکن جو شخص دنیا کو نقد اور آخرت کو ادھار خیال کرتا ہے اور وہ نقد کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتا اور آخرت کو جو آنکھ سے اوجھل ہے دل سے بھی دور رکھتا ہے۔ اس کا علاج یہ بات سمجھنے سے ہوگا کہ جو بات یقین میں آنے والی ہو سمجھ لے کہ وہ آگئی اور یہ تو بس اتنا سا کام ہے کہ آنکھ بند کی، اور مرگئے۔ پس آخرت ادھار نہیں بلکہ نقد ہوگئی اور ہوسکتا ہے کہ یہ گھڑی اس ادھار سمجھنے والے کے لیے آج ہی آجائے تو وہ ادھا نقد ہو جائے گا اور دنیا سے گذرنے کے بعد وہ محض ایک خواب و خیال ہو جائے گی لیکن جو شخص لذت کو ترک نہیں کر سکتا۔ اس کو یہ بات سمجھنا ضروری نہیں کہ جب ایک گھڑی کے لیے وہ خواہش یا شہوت پر صبر نہیں کر سکتا (اس سے لذت اُٹھانا چاہتا ہے) تو آتش جہنم پر وہ کس طرح صبر کرے گا اور بہشت کی نعمتوں سے محرومی کو کس طرح برداشت کر سکے گا۔ اس کو ایک مثال سے سمجھنا چاہیئے کہ اگر وہ بیمار پڑ جاتے اور اس بیماری میں ٹھنڈے پانی کی اس کو بہت خواہش ہو لیکن یہودی طبیب اس کو بتاتے کہ ٹھنڈا پانی نہ پینا یہ تم کو بہت نقصان دے گا تو یقیناً اس صورت میں محض شفا کی امید پر وہ ٹھنڈے پانی کے استعمال سے باز رہے گا۔ پس مناسب اور موزوں یہی ہے کہ خدا اور رسول کے ارشادات سُن کر آخرت کی بادشاہی پر زیادہ بھروسہ رکھے (سمجھ لے کہ آخرت کی بادشاہی اللہ تعالیٰ کے لیے ہے) تاکہ یہ اعتماد اور بھروسا ترک شہوت کا سبب بن جائے جو شخص توبہ میں ٹال مٹول کرتا ہے تو اس سے کہنا چاہیئے کہ کل تک توبہ کرنے میں کیوں دیر کرتا ہے۔ جبکہ کل تیرے اختیار میں نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ تیرے لیے کل نہ آتے اور تو آج ہی مر جاتے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے "دوزخی تاخیر کے سبب سے واویلا کرتے ہیں گے"۔ پھر اس شخص سے دریافت کرنا چاہیئے کہ تو توبہ کرنے میں کیوں دیر کر رہا ہے۔ اگر اس کی تاخیر کا سبب یہ ہے کہ آج اس کو شہوت و معصیت کا ترک دشوار ہے اور کل آسان ہوگا تو یہ نادانی ہے۔ آج کی طرح کل بھی اس کا ترک کرنا دشوار ہوگا کہ اللہ تعالےٰ نے ایسا کوئی دن پیدا نہیں فرمایا جس میں شہوت و معصیت کا ترک کرنا آسان کر دیا ہو (ہر دن یکساں ہے) ایسے شخص سے کہا جائے کہ تیری مثال تو اس شخص کی ہے کہ جس سے یہ کہا جائے کہ فلاں درخت کو جڑ سے اکھاڑ دے اور وہ کہے کہ یہ درخت مضبوط ہے۔ آئندہ سال اس کو اکھیڑ دوں گا اس کو بتانا چاہیئے کہ نادان! آئندہ سال تو یہ درخت اور بھی مضبوط ہو جائے گا اور تو آج کے مقابلہ میں زیادہ کمزور ہوگا، اس طرح خواہشات اور آرزوں کا درخت روز بروز مضبوط

ہوتا جائے گا اور تو ہر روز ان کی مخالفت سے عاجز سے عاجز تر ہوتا جائے گا۔ پس جس قدر جلد ممکن ہو سکے توبہ کرے اسی قدر وہ تجھ پر آسان ہو گی۔

اب رہا وہ شخص جو کہتا ہے کہ میں مومن ہوں اور حق تعالےٰ مومنوں کی تقصیر معاف فرما دیتا ہے، ایسے شخص سے ہم کہیں گے کہ یہ بھی تو ممکن ہے کہ اللہ تعالےٰ تیرے گناہوں کو معاف نہ فرمائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ جب تو خدا کی بندگی نہیں کرے گا تو ایمان کا درخت کمزور ہوتا جائے گا اور موت کے وقت سکراتِ موت کے تھپیڑوں اور ضربوں سے وہ اکھڑ جائے گا اس لیے کہ ایمان کے درخت کی شادابی اور مضبوطی کے لیے طاعتِ الٰہی کا پانی دیا جاتا ہے اور جب اس کو یہ پانی نہیں ملا اور اس نے قوت نہیں پکڑی تو اکھڑ جانے کا خطرہ موجود ہے بلکہ جو ایمان بغیر طاعت کے ہے اور پھر معصیت بھی اس میں ہو۔ انسان طاعت نہیں کرتا بلکہ معصیت میں مبتلا ہے اس مریض کی طرح ہے جس کا مرض شدید ہو اور ہر لمحہ اس بات کا اندیشہ ہو کہ وہ اس مرض میں مر جائے گا، اس صورت میں اگر ایمان سلامت رہے تو اس بات کا امکان ہے کہ اللہ تعالےٰ اس کو (سلامتیٔ ایمان کے) باعث بخش دے یا اس کو سزا دے۔ پس عفو کی امید میں بیٹھے رہنا حماقت کی دلیل ہے۔ ایسے شخص کی مثال اس شخص کے مانند ہے کہ اپنے مال کو تباہ و برباد کر کے زن و فرزند کو بھوکا چھوڑ کر یہ خیال کرے کہ شاید ویرانے میں اُسے خزانہ مل جائے گا۔ یہ شخص اس شخص کی طرح ہے جو ایک شہر میں رہتا ہے اور شہر کو لوٹا جا رہا ہے اس نے اپنے مال کو نہیں چھپایا بلکہ گھر میں یونہی رہنے دیا محض اس امید پر کہ جب لوٹنے والا میرے گھر میں آئے گا یا تو وہ داخل ہوتے ہی مر جائے گا یا میرے مال سے غافل رہے گا یا اندھا ہو گا اس کی نظر میرے گھر کے مال پر نہیں پڑے گی یہ سب باتیں ممکن ہیں، بخششِ الٰہی کا بھی یہی حال ہے لیکن صرف عفو پر امید رکھنا اور احتیاط کو چھوڑ دینا محض نادانی ہے۔

فصل | اے عزیز! معلوم ہونا چاہیئے کہ اگر کوئی شخص بعض گناہوں سے توبہ کرے اور بعض سے نہ کرے تو یہ درست ہے یا درست نہیں ہے اس سلسلہ میں علماء کے درمیان اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ بیجا ہے کہ کوئی شخص زنا سے توبہ کرے اور مے نوشی سے تائب نہ ہو اس لیے کہ اس نے اگر زنا کی معصیت جان کر توبہ کی ہے تو شراب پینا بھی معصیت ہے۔ پس یہ کس طرح درست ہے کہ ایک خُم کی شراب سے توبہ کی لیکن دوسرے خُم کی شراب سے توبہ نہیں کی حالانکہ معصیت میں دونوں برابر ہیں اور مذہب حق یہ ہے کہ اس نے ایسا نہیں سمجھا ہو گا بلکہ یہ سمجھا ہو گا کہ زنا مے نوشی سے بدتر معصیت ہے۔ پس اس نے ایک بڑی تقصیر سے توبہ کر لی یا اس نے یہ سمجھا کہ شراب زنا سے بھی بدتر ہے کیونکہ اس کے نشہ کی بدولت آدمی زنا اور زنا جیسی دوسری معصیتوں میں گرفتار ہو گا۔ یا کوئی شخص بدگوئی سے یہ خیال کر کے توبہ کرے کہ غیبت کا تعلق خلائق سے ہے پس اس نے شراب سے تو توبہ نہیں کی لیکن غیبت سے توبہ کر لی۔ اسی طرح ایک شخص بہت زیادہ شراب پینے سے توبہ کرتا ہے لیکن شراب سے توبہ نہیں کرتا اور کہتا ہے کہ جس قدر زیادہ شراب پیوں گا اس قدر بڑے عذاب میں گرفتار ہوں گا۔ اور میں خواہش نفس کے غلبہ کے باعث شراب کو نہیں چھوڑ سکتا۔ ہاں زیادہ پینے کی عادت کو چھوڑ سکتا ہوں اور

کہے کہ یہ لازم نہیں کہ جب شیطان ایک کام میں مجھ پر غالب آجاتے تو دوسرے کام میں بھی مجھے اپنا مغلوب بنالے اور میں اس کا کہنا مانوں، یہ سب باتیں ممکن ہیں۔ اور قرآن وحدیث میں توبہ کرنے والے کے باب میں آیا ہے التَّائِبُ حَبِيبُ اللهِ (الحدیث) قرآن میں فرمایا۔ ان الله یحب التوابین (اللہ توبہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے) لیکن محبت اور دوستی کا یہ درجہ اس شخص کو ملے گا جو سارے گناہوں سے توبہ کرے اور وہ علماء جو کہتے ہیں کہ بعض گناہوں سے توبہ کرنا درست نہیں ہے اس کا سبب بھی یہی درجۂ معصیت ہے۔ جو کوئی کسی صغیرہ گناہ سے توبہ کرے گا تو وہ صغیرہ گناہ بخش دیا جائے گا۔ ایک ہی بار میں سارے گناہوں سے توبہ کرنا دشوار ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک ایک گناہ سے توبہ آدمی کرتا ہے اور وہ جس قدر توبہ کرتا ہے اس کا ثواب اُسے حاصل ہوتا ہے۔

اصل دوم

صبر و شکر

صبر اور توبہ کا تعلق:- معلوم ہونا چاہیئے کہ توبہ بغیر صبر کے ممکن نہیں ہے۔ یعنی کسی فرض کا بجالانا اور کسی معصیت کا ترک کر دینا بغیر صبر کے ممکن نہیں ہے۔ چنانچہ جب اصحاب کرامؓ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ایمان کیا چیز ہے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایمان صبر کا نام ہے۔ ایک دوسری حدیث میں وارد ہے کہ صبر ایمان کا نصف حصہ ہے۔ صبر کی فضیلت کا سب سے بڑا مقام یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ستر مقامات سے زیادہ صبر کا ذکر فرمایا اور تقرب کا جو سب سے بڑا درجہ ہے اس کو صبر پر موقوف رکھا ہے یہاں تک کہ راہِ دین کی امامت اور سرداری کو بھی صبر ہی پر مبنی قرار دیا ہے اور اور ارشاد فرمایا:-

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا ط

اسی طرح اجر بے حساب اور ثواب بے شمار کو صابرین کا حصہ قرار دے کر فرمایا:-

إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ — بیشک صبر کرنے والوں سے اللہ نے بیحساب اجر کا وعدہ کر لیا ہے۔

اور صابرین سے وعدہ فرمایا کہ اللہ ان کے ساتھ رہے گا۔

ان اللهَ مَعَ الصَّابِرِينَ — اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

درود، رحمت اور ہدایت یہ تین چیزیں اکٹھی سوائے صابرین کے اور کسی کو یکجا مرحمت نہیں فرمائیں۔ ارشاد فرمایا:

أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ ۝ — یہ وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے صلوٰۃ و درود ہے اور رحمت ہے اور یہی لوگ ہدایت پانے والے ہیں۔

صبر کی فضیلت: صبر کی فضیلت یہ ہے کہ حق تعالیٰ صبر کرنے والوں کو نہایت دوست اور عزیز رکھتا ہے، اس نے صبر کی صفت ہر ایک کو عطا نہیں فرمائی۔ صرف اپنے دوستوں کو یہ صفت عطا فرمائی ہے اور اس سے بہرہ مند کیا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان اقل ما اوتیتم والیقین وعزیمۃ الصبر یقین اور صبر سے تم کو تھوڑا سا حصہ ملا ہے۔

جس کو اللہ تعالیٰ نے یہ دو صفتیں (یقین اور صبر) عطا فرمادی ہیں اگر وہ بہت زیادہ نماز اور روزہ بھی نہیں رکھتا تب بھی اس کے لیے ڈر نہیں ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا اے میرے اصحاب! جس بات پر تم صبر کرو گے اور اس سے نہیں پھر دگے تو میرے نزدیک یہ بات پسندیدہ تر ہے اس سے کہ تم میں سے ہر ایک فرد اتنی عبادت کرے جو تمام بندے مل کر کرتے لیکن میں ڈرتا ہوں کہ میرے بعد دنیا کی محبت تمہارے دل میں پیدا ہو جائے۔ یہاں تک کہ تم ایک دوسرے کا انکار کرنے لگو اور آسمان والے تمہارے منکر ہو جائیں اور جو کوئی ثواب کی امید کر کے صبر رکھے گا اس کو پورا اجر ملے گا، اے لوگو! صبر اختیار کرو کہ دنیا کی زندگانی باقی رہنے والی نہیں ہے اور خدا کے پاس ثواب قائم رہتا ہے۔"

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو ومَا عندکم ینفد ومَا عند اللہ باق ولنجزین الذین صبروا آخر آیت تک تلاوت فرمایا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ صبر بہشت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔ مزید ارشاد فرمایا کہ اگر آدمی کو صبر ہوتا تو سخی جوان مرد ہوتا۔ اور فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ صابرین کو دوست رکھتا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی کہ تو میرے اخلاق کی پیروی کر اور میرے اخلاق میں سے ایک یہ ہے کہ میں صَبُور یعنی صبر والا ہوں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہے اے لوگو! جب تک تم نامرادی پر صبر نہ کرو گے اپنی مراد کو نہیں پہنچو گے۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کی ایک جماعت کو دیکھ کر دریافت فرمایا کیا تم ایمان لاتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کہ اس کی علامت کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم خدا کی نعمت پر شکر کرتے ہیں اور محنت و بلا میں صبر کرتے ہیں اور تقدیر پر راضی رہتے ہیں۔" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا کی قسم! تم سچے مومن ہو! حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ صبر و ایمان کا تعلق ایسا ہے جیسا سر کا جسم کے ساتھ۔ جس کا سر نہ ہو اس کا جسم بھی باقی نہ رہے گا، اس طرح جس میں صبر کی صفت نہیں ہے اس میں ایمان نہیں ہے۔

صبر کی حقیقت: اے عزیز معلوم ہونا چاہیئے کہ صبر انسان کا خاصہ ہے (صرف نوع انسانی کے ساتھ مخصوص ہے) جانوروں میں صبر کی صفت نہیں ہوتی کیونکہ وہ ناقص ہیں اور انسان کامل ہے۔ پس جانور شہوت سے مغلوب ہیں اور ان میں شہوت کے سوا اور کوئی تقاضہ کرنے والا نہیں ہے جس کے باعث وہ شہوت سے باز رہیں یا اس پر صبر کریں، فرشتے حق تعالیٰ کی عبادت اور اس کی محبت میں مستغرق رہتے ہیں اور اس بات سے اُن کو

کوئی روکنے والا نہیں ہے کہ اس مانع کو دفع کرنے میں ان کو صبر کرنا پڑے۔ اس طرح فرشتے بھی صبر کی صفت سے متصف نہیں رہے۔ انسان کی آفرینش کی ابتداء میں اس کی سرشت میں جانوروں کی صفت موجود تھی یعنی اس پر کھانے پینے، پہننے آرائش اور کھیل کود کا شوق غالب رہتا ہے۔ اس کے بعد جب انسان بالغ ہو جاتا ہے تو انوار ملائکہ میں سے ایک ایسا نور جس سے ہر کام کا انجام نظر آتا ہے اس کے دل میں پیدا ہو جاتا ہے بلکہ دو فرشتوں کو اس پر موکل مقرر کر دیا جاتا ہے جانور اس وصف سے محروم ہیں۔ ان دو فرشتوں میں سے ایک کا کام یہ ہے کہ اس کو ہدایت کرے۔ انوار ملائکہ سے جو نور اس کو ملتا ہے اور اس کے اندر سرایت کرتا ہے اس کی بدولت وہ ہر کام کی خوبی اور مصلحت کو دیکھتا ہے۔ یہاں تک کہ اسی نور کی بدولت وہ حق تعالیٰ کی معرفت حاصل کرتا ہے۔ اور معلوم کر لیتا ہے کہ شہوت نفس کی پیروی آخر کار انسان کو ہلاک کر دیتی ہے۔ اگرچہ بالفعل اس میں لذت ہوتی ہے لیکن اس کو سمجھنا چاہیئے کہ یہ خوشی اور لذت جلد گذر جائے گی لیکن اس کا عذاب اور اس کی تکلیف دیر تک باقی رہے گی اور یہ ہدایت یا نور کے حق میں نہیں ہے لیکن انسان کا محض یہ سمجھ لینا ہی کافی نہیں کیونکہ شہوت اور خواہش کو مضر سمجھتے ہوئے بھی جب اس کے دفع کرنے کی طاقت نہیں رکھتا تو محض مضر سمجھنے سے کیا فائدہ جس طرح ایک بیمار جانتا ہے کہ بیماری اس کے لیے مضرت رساں ہے لیکن وہ مرض کے دفع کرنے پر قادر نہیں ہے۔ پس حق تعالیٰ نے اس دوسرے فرشتہ کو اس بات پر مقرر کر دیا کہ اس کو مہلت دے اور اس کو دفع کرنے میں اس کو قوت پہنچائے اور وہ اس مضر کام سے باز رہے۔ جس طرح آدمی میں شہوت رانی کی ضروری قوت موجود رہتی ہے۔ اسی طرح ایک دوسری قوت بھی اس کو دی گئی ہے جو شہوت نفس کی مخالفت کرتی ہے تاکہ آئندہ اس کو مضرت سے بچائے۔ مخالفت کی یہ قوت ملائکہ کے لشکر سے ہے اور شہوت رانی کی قوت شیطان کے لشکر سے تعلق رکھتی ہے۔ شہوت کی مخالفت کو قوت پہنچانے والی دینی قوت ہے اور شہوتوں کو تقویت پہنچانے والی ہوا و ہوس کی قوت ہے ان دونوں لشکروں میں ہمیشہ جنگ رہتی ہے۔ ملائکہ کا لشکر کہتا ہے کہ معصیت نہ کر اور شیطان کا لشکر کہتا ہے کہ معصیت کر اور انسان بیچارہ ان دونوں محرکات کے درمیان حیران رہ جاتا ہے۔ اگر دینی قوت کی تحریک اس کو ارادے پر ثابت قدم رکھے اور شیطانی لشکر سے مقابلہ کرنے میں نہ چوکے تو اس کو صبر کہتے ہیں اور اگر یہ محرک اس ہوا و ہوس کو مغلوب کر دے تو اس کا نام ظفر ہے اور جب تک انسان اس جنگ میں مصروف رہتا ہے اس کو جہادِ نفس کہتے ہیں۔ پس صبر کے معنی یہ ہوئے کہ انسان ہوا و ہوس کے محرک کے مقابلہ میں دین کے محرک اور باعث کو قائم رکھے اور جہاں ان دو لشکروں میں مقابلہ ہو وہاں صبر کا ہونا ضروری ہے۔ ملائکہ کو تو صبر کی حاجت نہیں، جانور اور بچے میں صبر کی قوت نہیں۔ یہ دو فرشتے جن کا ذکر کیا گیا ہے ان کو کراماً کاتبین کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے جس شخص کو فکر اور استدلال کی نعمت دی ہے وہ سمجھ لے گا کہ جو چیز پیدا ہوتی ہے اس کا سبب ضرور ہوتا ہے اور جب اور چیزیں آپس میں متضاد اور مخالف ہوں گی تو ان کے سبب بھی باہم مخالف و متضاد ہوں گے انسان

جانتا ہے کہ ابتدائے حال میں بچے کو معرفت اور وقوف نہیں ہوتا۔ یہی حال جانوروں کا ہے وہ نہیں جانتے کہ کاموں کا مآل اور انجام کیا ہے نہ ان میں صبر کی طاقت ہے۔ البتہ بچہ جب بلوغ کے قریب پہنچتا ہے تو اس میں یہ دونوں باتیں پیدا ہو جاتی ہیں اور اس وقت وہ دو سبب بھی پیدا ہو جاتے ہیں اور انہیں دو سبب کا نام یہ دونوں ملائکہ ہیں۔ چونکہ ہدایت اصل اور مقدم ہے اس کے بعد اس پر عمل کرنے کی قدرت اور خواہش پیدا ہوگی۔ پس وہ فرشتہ جو ہدایت کا باعث ہے دوسرے سے شریف تر اور بہتر ہوگا۔ اسی وجہ سے صدر کی داہنی طرف اس کا مقام رکھا گیا ہے اور دوسرے کو صدر کے بائیں طرف صدر خود تیری ذات ہے کیونکہ وہ دو فرشتے تجھ پر موکل ہیں۔ سیدھے ہاتھ کا جو فرشتہ تجھے سیدھی راہ بتانے پر مقرر ہے اگر تو حصولِ معرفت کے لیے اس کی بات سُنے گا اور ہدایت حاصل کرے گا تو گویا تو نے ہی اس پر احسان کیا ہے کیونکہ تو نے اس کو معطل اور بے کار نہیں چھوڑا اور وہ تیرے نامۂ اعمال میں ایک نیکی لکھے گا اور اگر تو نے اس سے انحراف کیا اور اس کو معطل رکھا۔ یہاں تک کہ تو بچوں اور جانوروں کی طرح انجام کار کی ہدایت سے محروم ہوا تو یہ ایک تقصیر ہے جو تو نے اس فرشتے اور خود اپنی ذات کے معاملہ میں کی ہے اور یہ تقصیر تیرے نام لکھی جاتے گی، اس کے برعکس اس قوت کو جو اس فرشتہ سے تجھے حاصل ہوتی ہے اگر تو خواہشات نفس کے رفع کرنے میں صرف کرے گا اور اس باب میں کوشش کرے گا تو اس کو حسنہ یا نیک عمل کہتے ہیں۔ اگر تقصیر کرے گا اور کوشش نہیں کرے گا تو یہ دونوں باتیں تیرے نام تیرے اعمال نامہ میں لکھی جائیں گی۔ یہ تیرے دل میں پیدا ہوں گی مگر تیرے دل سے پوشیدہ رہیں گی۔ یہ دو فرشتے اور ان کے دفتر بظاہر نظر نہیں آتے اور ان آنکھوں سے ان کو دیکھ نہیں سکتے۔ لیکن جب موت آئے گی اور یہ آنکھیں بند ہو جائیں گی اور وہ دوسری آنکھیں کھلیں گی جن سے عالمِ ملکوت کو دیکھ سکیں گے تو یہ دفتر تیرے ساتھ آئیں گے اور تو ان کو دیکھ سکے گا اور یہ دیکھنا قیامت صغریٰ پر موقوف ہے لیکن اس تفصیل سے تجھے آگاہی قیامت کبریٰ یعنی محشر کے دن معلوم ہو جائے گی۔ قیامت صغریٰ سے مراد موت ہے۔ چنانچہ سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

من مات فقد قامت قیامتہ

جو مر گیا اس کے لیے قیامت قائم ہو گئی۔

جو کچھ قیامت کبریٰ میں ہوگا اس کا نمونہ قیامت صغریٰ میں بھی موجود ہے۔ ہم نے اس بحث کو احیاء العلوم میں تفصیل سے پیش کیا ہے۔ اس مختصر کتاب میں اس تفصیل کی گنجائش نہیں ہے۔ ہاں یہاں اس بات کا جان لینا ضروری ہے کہ صبر ایسی جگہ کیا جاتا ہے جہاں جنگ ہو اور لڑائی ایسی حالت میں ہو کہ دو لشکر ایک دوسرے کے مخالف برسرِ پیکار ہوں، ان دو لشکروں میں ایک لشکر فرشتوں کا ہے اور دوسرا شیاطین کا ہے۔ یہ دونوں لشکر انسان کے دل میں صف آراء ہیں پس دینداری کا پہلا قدم یہ ہے کہ انسان اس لڑائی میں تندہی سے مصروف ہو جائے لیکن بچپن ہی سے شیطانوں کا لشکر دل کے میدان کو گھیر لیتا ہے اور جب آدمی بالغ ہوتا ہے تب ملائکہ کا لشکر ظاہر ہوگا۔ پس آدمی جب تک خواہشاتِ نفسانی کے لشکر کو مغلوب نہیں کرے گا دارین کی سعادت اس کو کبھی حاصل نہیں ہوگی اور جب تک جنگ نہیں کرے گا۔

اور جنگ و جدل کی صعوبت برداشت نہیں کرے گا مخالف لشکر کو مغلوب کس طرح کر سکے گا۔ جو کوئی اس جنگ میں مصروف اور شریک نہیں نہیں ہوگا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس نے شیطان کی سرداری اور سرویسی قبول کرلی ہے اور جس نے نفسانی خواہشات کو شکست دی ہے تو وہ خود بخود شریعت کا مطیع بن گیا ہے اور یہ فتح اس کے نام ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

ولکن اللہ اعانني علی شیطانی فاسلم — خداوند تعالیٰ نے مجھے میرے شیطان پر نصرت دی اور وہ فرمانبردار بن گیا۔

انسان جب اپنے نفس سے لڑتا ہے تو کبھی فتحمند ہوتا ہے اور کبھی اس کو شکست ہوتی ہے کبھی شہواتِ نفسانی کا غلبہ ہوتا ہے اور کبھی دینداری کا اور بغیر صبر کے اس مہم کا سر ہونا ممکن نہیں ہے۔

فصل: صبر ایمان کا نصف ہے

صبر ایمان کا نصف حصّہ ہے اور روزے کو صبر کا نصف حصّہ اس لئے کہا گیا ہے؟

اے عزیز معلوم ہونا چاہیئے۔ ایمان کسی ایک چیز کا نام نہیں ہے بلکہ اس کی شاخیں اور قسمیں بہت سی ہیں چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایمان کی ستر سے زیادہ شاخیں ہیں، ان میں سب سے بڑی شاخ کلمہ لا الٰہ الا اللہ ہے چھوٹی شاخ راستہ سے کسی اذیت رساں چیز کو ہٹا دینا ہے اگر اس کی قسمیں بہت سی ہیں لیکن اصل تین ہیں۔ ایک اصل معرفت میں سے دوسری احوال سے متعلق ہے اور تیسری ایمانی اور ایمان کے مقامات سے متعلق ہے۔ کوئی محل اور مقام ان تین اقسام میں سے کسی ایک سے خالی نہ ہوگا۔ مثلاً توبہ کی حقیقت پشیمانی ہے اور یہ دل کی ایک حالت ہے اور اس کی اصل یہ ہے کہ گناہ کو اپنے حق میں زہر قاتل سمجھے اور اس اصل کی شاخ یہ ہے کہ آدمی گناہ سے دست بردار ہو کر اطاعتِ الٰہی میں مشغول ہو جاتے، یہ ایک حالت ہے، اس طرح معرفت حالت اور عمل تینوں ایمان میں داخل ہیں اور ایمان عبارت ہے انہی تین چیزوں سے

کبھی کبھی ایمان فقط معرفت کو ہی کہتے ہیں کیونکہ اصل وہی ہے اس لیے کہ معرفت ہی سے حالت ظاہر ہوتی ہے اور حالت سے عمل کا صدور ہوتا ہے۔ پس معرفت بمنزلہ درخت کے ہے اور دل کے احوال کی تبدیلی شاخوں کا حکم رکھتی ہے اور ان سے جو اعمال صادر ہوتے ہیں گویا وہ اس درخت کے پھل ہیں اس طرح تمام ایمان دو چیزوں پر مشتمل ہوا ایک معرفت اور دوسرا عمل، اور عمل بغیر صبر کے ناممکن ہے۔ پس صبر ایمان کا نصف ہے۔

دو چیزوں سے صبر کرنا ضروری ہے

دو چیزوں سے صبر کرنا ضروری ہے۔ ایک نفسانی خواہشات اور دوسرے ہر قسم کے غصّے سے۔ روزہ ترکِ شہوات ہے۔ پس روزہ صبر کا نصف ہوا۔ ایک اعتبار سے جب عمل پر نظر کی جائے تو ایمان عمل کو کہیں گے پس مومن کو چاہیئے کہ محنت پر صبر کرے اور

نعمتِ الٰہی کا شکر بجا لاتے، اس صورت میں بھی صبر ایمان کا نصف ہوا اور شکر اس کا دوسرا نصف ہے۔ چنانچہ دوسری حدیث میں اس کو ارشاد کیا گیا۔

جب صبر کی مشقت اور اس کی دشواری کو دیکھا جائے تو یہی اصل قرار پاتی ہے کہ کوئی عمل صبر سے زیادہ مشکل نہیں ہے اس طرح صبر ہی تمام ایمان قرار پاتا ہے۔ چنانچہ لوگوں نے حبیب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ایمان کیا چیز ہے تو حضور علیہ التحیۃ والثنا نے فرمایا کہ صبر، ایمان کے ابواب میں یہ سب سے مشکل باب ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ عرفہ حج ہے، یعنی اس کے بارے میں یہ خطرہ موجود ہے کہ اگر عرفہ فوت ہو جاتے (وقوف عرفات) تو حج نہ ہوگا۔ دوسرے ارکان کے برخلاف کہ ان کے ترک ہو جانے سے حج فوت نہیں ہوتا۔

صبر کی احتیاج

فصل :- صبر کی حاجت تمام اوقات میں ہوتی ہے :-

اے عزیز! معلوم ہونا چاہیئے کہ انسان کسی حال میں ایسی چیز سے خالی نہیں ہوگا جو اس کی خواہش کے مطابق ہو یا مخالف اور دونوں حالتوں میں صبر کی اس کو ضرورت ہے۔ وہ چیزیں جو اس کی خواہش کے مطابق ہیں جیسے مال و نعمت، مرتبہ صحت اور زن و فرزند اس کے علاوہ اور وہ چیزیں جو اس کی مرضی کے مطابق ہوں، ان میں بھی صبر کی ضرورت ہے کہ اگر اس حال میں صبر نہیں کرے گا اور تواضع اختیار نہیں کرے گا، ناز و نعم میں حد سے بڑھ جائے گا اور دل کو اپنی چیزوں میں لگاتے رکھے گا اور ان پر قائم رہے گا تو غرور اور سرکشی اس میں پیدا ہوگی۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ مفلسی میں ہر کوئی صبر کرے گا لیکن توانگری اور عیش و راحت میں صبر باقی نہیں رہتا بجز اس کے کہ صاحبِ مال خدا دوست ہو۔ صحابہ کرام (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) کے زمانے میں جب زر و مال کی بہتات ہوئی تو انہوں نے فرمایا کہ جب ہم مفلس و نادار تھے تو ہم بخوبی صبر کر لیا کرتے تھے اب توانگری میں صبر کرنا دشوار ہے۔ اس بنا پر حق تعالےٰ نے ارشاد فرمایا ہے :

اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ؕ تمہارے اموال اور تمہاری اولاد تمہارے لیئے فتنہ (آزمائش) ہے۔

الغرض صاحبِ قدرت ہوتے ہوئے صبر کرنا دشوار ہے اور جب آدمی کو ثروت حاصل نہیں ہوگی تو یقیناً وہ گناہ سے محفوظ رہے گا۔

مال و نعمت میں صبر کرنے سے مراد یہ ہے کہ دل کو مال و دولت سے نہ لگائے اور اس پر بہت زیادہ مسرور نہ ہو بلکہ سمجھے کہ یہ مال عاریۃً میرے پاس ہے۔ جلد اس مال کو مجھ سے چھین لیا جائے گا بلکہ اس کو خود بھی نعمت نہ سمجھے کیونکہ ممکن ہے کہ یہی نعمت کل قیامت میں اس کے درجہ کو کم کر دے پس لازم ہے کہ شکرِ نعمت بجا لائے تاکہ مال و نعمت

اور صحت اس کو جو حاصل ہے اس سے خداوند تعالیٰ کا حق ادا ہو۔ ان چیزوں میں سے ہر ایک چیز پر صبر کی ضرورت ہے
وہ احوال جو خواہش کے مطابق نہیں ہوتے تین طرح کے ہیں، ایک یہ کہ اس کے اختیار سے اس کا صدور ہو جیسے طاعت اور ترک معصیت۔ دوسرے اس کے اختیار سے نہ ہو، جیسے بلا اور مصیبت و حوادث، تیسرے یہ کہ اصل تو اس کے اختیار سے نہ ہو لیکن تدارک اور بدلہ لینے میں اس کا اختیار ہو اس کی مثال یہ ہے کہ لوگ اس کو ایذا پہنچائیں (یہ اس کے اختیار سے باہر ہے)۔ وہ قسم جو اس کے اختیار میں ہے جیسے طاعت و عبادت، اس میں بھی صبر کی حاجت ہے۔ کہ لبعا اوقات سستی اور کاہلی کے باعث عبادت دشوار ہوتی ہے جیسے نماز۔ بعض عبادتیں بخل کے باعث مشکل بنجاتی ہیں جیسے زکوٰۃ اور باعث میں سستی اور بخل دونوں کا دخل ہوتا ہے جیسے حج، یہ چیزیں بغیر صبر کے صحیح طور پر نہ ہوسکیں گی۔
پس ہر طاعت کے اوّل و آخر اور درمیان میں صبر کی ضرورت ہے۔ اوّل مرحلہ پر تو صبر اس طرح ہوگا کہ نیت کو ریا سے پاک کرے یہ صبر بہت دشوار ہے اور دوسرا صبر جو وسط میں پایا جاتا ہے یہ ہے کہ تمام شرائط و آداب پر صبر کرے تاکہ کوئی اجنبی چیز داخل نہ ہوسکے۔ مثلاً اگر نماز پڑھ رہا ہے تو کسی طرف کو نہ دیکھے اور کسی چیز کا خیال نہ لائے اور عبادت کے آخر میں صبر یہ ہے کہ اس کو ظاہر نہ کرے اور اس پر نازاں نہ ہو۔
معصیت اور گناہ کا ترک کرنا بغیر صبر کے ممکن نہیں ہے اور جس قدر خواہش غالب اور گناہ آسان ہوگا اس تدارک پر صبر کرنا دشوار ہوگا جس لیے کہا گیا ہے کہ زبان کی معصیت پر صبر کرنا دشوار ہے کیونکہ زبان ہلانا بہت آسان ہے اور جب ایک بُری بات بار بار کہی جاتی ہے تو وہ ایک عادت اور سرشت بن جاتی ہے اور بُری عادتیں شیطان کا لشکر ہیں۔ اسی وجہ سے غیبت، دروغ، خودستائی اور طعن و تشنیع وغیرہ میں زبان آسانی سے چلتی ہے اور لوگ ان باتوں کو پسند کرتے ہیں پس اس سے باز رہنا بڑی محنت کا کام ہے اس سے بچنا اکثر لوگوں کی صحبت میں ممکن نہیں ہوتا۔ پس گوشہ نشینی اختیار کرے تو اس آفت سے محفوظ رہے گا۔ اب رہی دوسری قسم کہ بغیر اس کے اختیار کے ہو۔ جیسا کہ لوگ اس کو زبان اور ہاتھ سے ستائیں تو بدلہ لینے میں اس کو اختیار ہے۔ پس انتقام نہ لینے میں اس کو بہت صبر سے کام لینا ہوگا یا بدلہ لینے میں حد سے تجاوز نہ کرے۔ اس میں بھی صبر کی ضرورت ہے۔ کسی صحابیؓ کا ارشاد ہے کہ جب تک لوگوں کے ستانے پر ہم کو صبر کرنے کی مقدرت حاصل نہیں ہو جاتی تھی۔ اس وقت تک ہم اپنے ایمان کو کامل نہیں سمجھتے تھے۔
اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے؛

دَعْ اَذٰهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ط — قوم کے ستانے پر درگذر کیجیے اور خدا پر بھروسا رکھیے۔

اور فرمایا:

وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا ٥ — ان کے کہنے پر صبر کیجیے اور بھلائی کے ساتھ ان سے جدا ہو جایئے۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا ہے :۔

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ٥ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ۔

ہم جانتے ہیں کہ آپ دشمنوں کی باتوں سے دلگیر ہوتے ہیں پس آپ عبادتِ الٰہی میں مشغول رہا کریں۔

ایک دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مالِ غنیمت کی تقسیم فرمائی تو ایک شخص نے کہا کہ یہ تقسیم خدا کے لیے نہیں ہے یعنی انصاف سے نہیں ہوئی ہے۔ جب آپ کو یہ خبر پہنچی تو آپ کا روئے مبارک ناگواری سے سرخ ہوگیا۔ اور رنجیدہ خاطر ہوئے اور فرمایا کہ حق تعالےٰ میرے بھائی موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے کہ لوگوں نے ان کو اس سے زیادہ ستایا اور انہوں نے صبر کیا۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے :۔

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ٥

اگر تم کو کچھ اذیت پہنچی اور تم بدلہ لینا چاہتے ہو تو اسی قدر بدلہ لو جس قدر تم کو ایذا پہنچائی گئی ہے اور اگر تم اس پر صبر کرو تو اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

میں نے انجیل میں لکھا دیکھا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھ سے پہلے جو انبیاء علیہم السلام آئے تو انہوں نے کہا کہ ہاتھ کے عوض ہاتھ، آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت، بدلہ ہے۔ میں اس حکم کو موقوف تو نہیں کروں گا پر تم کو وصیت کرتا ہوں کہ برائی کا بدلہ برائی سے نہ کرو۔ بلکہ اگر کوئی شخص تمہارے سیدھے رخسار پر (طمانچہ) مارے تو بائیں رخسار کو اس کے سامنے کردو اور اگر کوئی تمہاری دستار چھین لے تو اپنا پیرہن بھی اس کے حوالے کردو۔ اور اگر کوئی تم کو ایک کوس اپنے ساتھ بیگار میں لیجائے تو تم دو کوس اس کے ساتھ جاؤ"۔

ہمارے حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔" اگر تم کو کوئی شخص ایک چیز سے محروم کردے تو تم اس کو بخش دو اور اگر کوئی تم سے بدی کرے تو تم اس سے نیکی کرو۔ پس ایسا صبر کرنا صدیقین کا درجہ ہے۔

تیسری قسم جس کا اوّل و آخر سے تعلق نہیں ہے وہ مصیبت ہے مثلاً بچہ مرگیا، مال ضائع ہوگیا یا کوئی عضو بیکار ہوگیا (آنکھ یا کان وغیرہ) یا اس قسم کی کوئی اور آسمانی بلا۔ کوئی عمل صبر سے بغیر نہیں ہے اور نہ زیادہ اجر والا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قرآن شریف میں صبر تین طرح پر آیا ہے۔ پہلا وہ صبر ہے جو طاعت میں ہے، اس کے ثواب کے تین سو درجے ہیں۔ دوسرا صبر وہ ہے جو حرام چیزوں پر کیا جائے اس کے ثواب کے چھ سو درجے ہیں۔ اور تیسرا صبر وہ ہے جو مصیبت کے اوّل میں کرے، اس کے ثواب کے نو سو درجے ہیں۔

اے عزیز! معلوم کر کہ بلا پر صبر کرنا صدیقوں کا درجہ ہے اس بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسطرح مناجات فرماتے تھے۔
"خداوند! ہم کو اتنا یقین عطا فرما کہ دنیا کی مصیبتوں کا برداشت کرنا ہمارے لیے آسان ہوجائے"۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حق تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ جس بندے پر میں نے ایک بیماری نازل کی اور

اس نے اس پر صبر کیا اور لوگوں سے اس کی شکایت نہیں کی تو اگر میں اس کو صحت دوں تو اس سے بہتر گوشت و پوست اس کو دوں گا۔ اور اگر دنیا سے اُسے اُٹھاؤں گا تو اپنی رحمتِ کاملہ کے سایہ میں لے جاؤں گا۔

داؤد علیہ السلام نے حق تعالےٰ سے دریافت کیا، کہ الٰہی اس شخص کی جزا کیا ہے جس نے مصیبت۔ اور غم میں تیرے واسطے صبر کیا۔ فرمایا کہ اس کو میں ایمان کی خلعت پہناؤں گا اور اس کو کبھی اس سے نہیں چھینوں گا۔ اور فرمایا ہے کہ جس کے جسم یا مال یا فرزند پر میں نے آفت بھیجی اور اس نے اس پر اچھی طرح صبر کیا یا اچھے صبر سے اس کا مقابلہ کیا، مجھے شرم آتی ہے کہ اس سے حساب لوں اور اس کو میزان اور نامۂ اعمال کے پاس بھیجوں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ صبر کرکے خرچ اور کشادگی کا انتظار کرنا ایک عبادت ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے۔ جب کسی شخص کو ایک مصیبت پہنچی اور اس نے انا للہ وانا الیہ راجعون اللھم اجرنی فی مصیبتی واعقبنی خیرا منھا کہا تو حق تعالےٰ اس کی دعا قبول فرمائے گا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حق تعالےٰ حضرت جبریل علیہ السلام سے فرمائے گا کہ اے جبریل کیا تمہیں معلوم ہے کہ میں جس کی بصارت چھین لوں اس کا اجر کیا ہے، اس کا اجر یہ ہے کہ میں اس کو اپنے دیدار کی دولت دوں گا۔ منقول ہے کہ کسی بزرگ نے اپنے پاس ایک کاغذ پر واصبر لحکم ربک فانک باعیننا لکھ کر رکھ لیا۔ جب اس پر کوئی مصیبت آتی تو وہ اسی کاغذ کو اپنی جیب سے نکال کر پڑھ لیا کرتا تھا۔ شیخ فتح موصلی کا ایک واقعہ ہے کہ ایک بار ان کی بیوی گر پڑیں اور ان کا ناخن ٹوٹ گیا وہ ہنسنے لگیں تو شیخ نے دریافت کیا کہ ناخن ٹوٹنے سے درد نہیں ہو رہا ہے۔ بیوی نے جواب دیا کہ ثوابِ آخرت کی خوشی میں مجھے درد کا احساس نہیں ہوا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ از جملہ تعظیم الٰہی یہ بات بھی ہے کہ بیماری میں شکایت زبان پر نہ لائے۔ اور تکلیف کو چھپائے۔ ایک راوی کا بیان ہے کہ سالم مولائے ابی حذیفہؓ کو میں نے دیکھا کہ ایک معرکہ میں زخمی ہو کر گر پڑے میں نے ان کو کہا کہ تم کو پانی کی خواہش ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ تم میرا پاؤں پکڑ کر مجھے دشمن کے پاس ڈال دو اور میری ڈھال میں پانی رکھ دو۔ میں روزے سے ہوں اگر شام تک جیتا رہا تو پانی پی لوں گا۔

اے عزیز معلوم ہونا چاہیئے کہ رونے اور غمگین ہونے سے صبر کی فضیلت میں کچھ فرق نہیں آتا بلکہ واویلا کرنے، کپڑے پھاڑنے اور بہت شکایت کرنے سے اس کے اجر میں خلل پیدا ہوتا ہے۔ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند حضرت ابراہیمؓ کا انتقال ہوا تو آپ کی چشمہائے مبارک میں آنسو بھر گئے اور روئے انور پر آنسو بہنے لگے۔ اس وقت صحابہ کرام نے عرض کیا کہ آپ نے ہمیں رونے سے منع فرمایا ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ یہ رونا رحمت کے سبب سے ہے (دل میں رحم اور شفقت کا جو جذبہ ہے اس کی وجہ سے یہ آنسو نکل آتے ہیں) حق تعالےٰ ایسے شخص پر رحمت فرمائے گا، جو رحیم ہو۔

بزرگوں نے فرمایا ہے کہ صبرِ جمیل یہ ہے کہ مصیبت والے اور غیر مصیبت والے میں تمیز نہ ہو سکے، پس مصیبت میں کپڑے پھاڑنا، سر اور منہ پر ہاتھ مارنا، سینہ کوٹنا، چیخنا چلانا یہ سب باتیں حرام ہیں۔ بلکہ اپنا حال بدل لینا، چادر سے منہ ڈھانپ کر پڑا رہنا، اپنی دستار چھوٹی کر لینا درست نہیں ہے بلکہ تجھے یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ حق تعالےٰ نے اپنے بندے کو بغیر تیری مرضی کے پیدا کیا اور پھر بغیر تیری مرضی کے اس کو اُٹھا لیا۔

رمیصّہ ام سلیم زوجہ حضرت طلحہ (رضی اللہ عنہ) کہتی ہیں کہ ابوطلحہؓ کسی کام سے باہر گئے ہوئے تھے، ان کی عدم موجودگی میں میرا بیٹا مر گیا میں نے اس پر چادر ڈال دی۔ جب ابوطلحہ واپس آئے تو دریافت کیا کہ بیمار بیٹے کا کیا حال ہے میں نے کہا کہ آج رات وہ بہت آرام سے ہے۔ اس کے بعد میں کھانا لائی۔ انہوں نے کھانا کھایا۔ اس دن میں نے ہر دن سے زیادہ اپنا بناؤ سنگھار کیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے مجھ سے صحبت کی۔ پھر میں نے باتوں باتوں میں اُن سے کہا کہ میں نے فلاں پڑوسی کو ایک چیز عاریت کے طور پر دی تھی۔ جب میں نے مانگی تو وہ بہت شور و فریاد کرنے لگا۔ شوہر نے کہا کہ یہ تو عجیب بات ہے۔ لوگ بڑے احمق اور نادان ہیں، تب میں نے اس سے کہا کہ ہمارا لڑکا تو مر چکا ہے اور وہ فرزند تمہارے پاس خداوند کریم کا ایک تحفہ اور ایک عاریتی مال تھا سو حق تعالےٰ نے وہ مستعار چیز اپنی واپس لے لی ہے یہ سُن کر طلحہؓ نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا، صبح کو طلحہؓ نے رات کا یہ ماجرا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیان کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کل رات تم پر مبارک رات تھی۔ سبحان اللہ کیا عظیم رات تھی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے ابوطلحہ کی بیوی رمیصّہ کو بہشت میں دیکھا ہے۔

الغرض ان تمام باتوں سے جو اوپر بیان کی گئی ہیں تم نے اچھی طرح سمجھ لیا ہوگا۔ انسان کسی حالت میں بھی صبر سے بے نیاز نہیں یہاں تک کہ اگر تمام خواہشوں سے چھوٹ کر وہ گوشۂ تنہائی میں بھی بیٹھ جائے تب بھی اس خلوت میں ہزاروں لاکھوں وسوسے اور بیجا خیالات اس کے دل میں پیدا ہوں گے جس سے ذکرِ الٰہی میں خلل پڑے گا، خواہ وہ خیالات اور وسوسے بُری چیزوں کے نہ ہوں جب بھی، پس اگر تو نے ان اوقاتِ عزیز کو برباد کر دیا جو زندگانی کا عظیم سرمایہ ہیں تو اس سے بڑا نقصان اور کیا ہوگا۔ اس کا علاج یہ ہے کہ انسان اوراد و وظائف میں مشغول رہے اگر نماز میں بھی اس کا یہ حال ہو چاہیئے کہ کوشش کرے کہ وہ کبھی بھی ایسے کاموں سے جو مشغولِ خاطر کا سبب ہو چھوٹ نہیں سکے گا۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالےٰ اس جوان سے جو بے فکر ہو کر سوتا ہے رضامند نہیں رہتا۔ اسی واسطے کہا گیا ہے جو جوان شخص ظاہر میں فراغت سے بیٹھے گا، باطنی وسوسوں سے اس کو امن حاصل نہیں ہوگا، شیطان اس کا رفیق ہوگا اور وسوسے اس کے دل میں گھر کریں گے۔ جب حق تعالےٰ کے ذکر سے وسوسہ کا دفع کرنا ممکن نہ ہو، تو کسی پیشے، خدمت، یا کام کاج جو اس کی دل بستگی کا سبب ہو، میں مشغول ہو جاتے اور ایسے شخص کا خلوت میں بیٹھنا درست نہیں ہے کہ اس کو حضورِ قلب حاصل نہیں ہو سکے گا۔ پس وہ اپنے آپ کو کسی کام میں لگا دے۔

صبر کس طرح حاصل ہوسکتا ہے

اے عزیز معلوم ہونا چاہیئے کہ صبر کے بہت سے معاملے ہیں، ہر ایک معاملہ میں صبر کرنا ایک ہی قوت سے ممکن نہیں ہے۔ اسی طرح علاج بھی یکساں نہیں ہے۔ اگرچہ سب کا علاج وہ معجون ہے جو علم وعمل سے مرکب ہو اور دفع مہلکات کے سلسلہ میں جو کچھ ہم نے پہلے لکھا ہے وہ سب اسی صبر کا علاج ہے۔ یہاں بطور مثال اس کا طریقہ تحریر کرتے ہیں تاکہ وہ ایک نمونے کے مانند ہو اور دوسرے اُمور کو اس پر قیاس کیا جاسکے! ہم نے اس سے قبل بتایا ہے کہ صبر سے مراد یہ ہے، دین کا متقاضی امر، خواہش و شہوت کے متقاضی امر کے مقابلہ میں ثابت و قائم رہے۔ یہ دونوں باہم جنگ میں مصروف رہتے ہیں (ایک دوسرے پر غالب آنا چاہتا ہے) پس جب کوئی یہ چاہے کہ ان دونوں میں سے ایک غالب آئے تو اس کی تدبیر یہ ہے کہ جس کا غلبہ چاہتا ہے اس کو تقویت پہنچائے اور اس کی اعانت کرے اور دوسرے کو کمزور کر دے اور اس دوسرے کی کسی طرح تائید نہ کرے۔ مثلاً کسی شخص پر خواہش جماع کا اتنا غلبہ ہے کہ وہ اپنے شرمگاہ کو اس سے محفوظ نہیں رکھ سکتا تو آنکھ کو دیکھنے سے اور دل کو اس خیال سے باز رکھے۔ اگر نہیں رکھ سکتا اور صبر کرنا بھی دشوار ہے تو اس کا علاج یہ ہے کہ پہلے اس قوت کو ضعیف کرے جو شہوت کی متقاضی ہے اور یہ کام تین طرح پر ہوسکتا ہے ایک یہ کہ سب کو معلوم ہے کہ اچھی غذائیں اور مزے دار کھانے استعمال کرنے سے شہوت پیدا ہوتی ہے پس چاہیئے کہ اس کو ترک کرے اور روزہ رکھے اور شام کو جب افطار کرے تو کم غذا کھائے۔ گوشت اور قوتِ باہ کو متحرک کرنے والی غذا سے پرہیز کرے، دوسری تدبیر یہ ہے کہ ان اسباب کے پیدا ہونے کے راستے کو بند کر دے۔ اگر شہوت کی تحریک خوبرویوں کے دیکھنے سے پیدا ہوتی ہے تو عزلت اختیار کر لینی چاہیئے، عورتوں اور مردوں کے آنے جانے کی جگہ چھوڑ دے تیسرے یہ کہ فعل مباح سے اس قوت کو تسکین دے تاکہ زنا اور حرام شہوت سے محفوظ رہے۔ یہ فائدہ نکاح کرنے سے حاصل ہو گا ورنہ ایسا شخص جس پر شہوت جماع کا غلبہ ہے بغیر نکاح کے شہوت پرستی سے چھٹکارا نہیں پاسکے گا۔ نفس کی مثال ایک سرکش گھوڑے کی ہے پس اس کو اس بات کا عادی بنا دو کہ وہ تابع بن جائے۔ یعنی اس کا چارا اور دانہ موقوف کر دو۔ دوسرے یہ کہ علف اس کے سامنے سے دور رکھو تاکہ دانہ گھاس دیکھ کر خواہش نہ بڑھے۔ تیسرے یہ کہ اس کو صرف اتنا چارہ دو کہ تسکین دے۔ یہ تینوں باتیں شہوت کا علاج ہیں، شہوت کے متقاضی کس طرح ضعیف ہو سکتا ہے لیکن دین کے متقاضی کی تقویت اور چیزوں سے ہو گی۔ ایک یہ کہ اس کو شہوت کے ساتھ جنگ کرنے کی عادت ڈالے۔ احادیث شریفہ میں آتا ہے کہ جو کوئی خود کو شہوتِ حرام سے بچائے گا بڑا ثواب پائے گا۔ جب اس طرح ایمان قوی ہوا تو اس وقت غور کرے کہ شہوت رانی کی لذت بس ایک گھڑی کی ہے لیکن اس سے باز رہنے میں ابدی سعادت ہے۔ پس جس قدر آدمی کا ایمان قوی ہو گا اسی قدر دین کا متقاضی بھی قوی ہو گا۔ دوسرے یہ کہ اس کو

شہوت کے تقاضی سے رفتہ رفتہ جنگ کرنے کا عادی بنائے تاکہ وہ دلیر بن جائے اس لیے کہ جب کوئی شخص زورآور ہو تو اس کو چاہیے کہ پہلے اپنی قوت آزمائے اور پہلے کم قوت والا کام اختیار کرے اور رفتہ رفتہ اس میں اضافہ کرے یعنی جو شخص کسی طاقتور پہلوان سے لڑنا چاہتا ہے گا وہ اوّلاً کم طاقت والے لوگوں سے کشتی لڑے گا اور اپنی قوت آزمائے گا کہ جب زیادہ طاقت والے لوگوں سے زور کرے گا تو زیادہ زور پیدا ہو گا جس طرح جو لوگ سخت کام کرتے ہیں ان میں قوت زیادہ ہوتی ہے۔ پس تمام کاموں میں صبر کرنے کی تدبیر اسی طرح سے کی جائے گی۔

شُکر کی حقیقت اور اُس کی فضیلت

اے عزیز معلوم ہونا چاہیئے کہ شکر کا مقام بہت بلند اور اس کا درجہ بہت اعلیٰ ہے۔ ہر ایک شخص اس بلند درجہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس بنا پر حق تعالےٰ نے ارشاد فرمایا ہے:۔

وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ۝ — اور میرے شکر گذار بندے بہت کم ہیں۔

انسان کے بارے میں طعن کرتے ہوئے ابلیس نے کہا:

وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ۔ — اکثر انسان شکر گذار نہیں ہیں۔

معلوم ہونا چاہیے کہ ان صفتوں کی جن کو منجیات کہا جاتا ہے دو قسمیں ہیں۔ پہلی قسم راہِ دین کے مقدمات میں داخل ہے۔ اور وہ فی نفسہٖ مقدر نہیں ہوتیں، جیسے توبہ، صبر، خوف، زہد و منتز اور محاسبہ! یہ چیزیں تو اس اہم مقصود کے لیے جو ان کے سوا ہے صرف ایک وسیلہ ہیں۔ دوسری قسم ایسے مقاصد ہیں جو دوسرے کام کا وسیلہ نہیں بلکہ فی نفسہٖ ان سے کام ہے اور وہ مقصود ہیں جیسے محبت، شوق، رضا، توحید، توکل اور شکر کا بھی ان میں دخل ہے۔ جو بات فی نفسہٖ مقصود ہوتی ہے وہ آخرت سے متعلق ہے اور شکر کا بھی یہی حال ہے اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ پس لازم تھا کہ شکر کا بیان کتاب کے آخر میں کیا جائے لیکن اس واسطے کہ شکر کو صبر سے خاص تعلق ہے۔ اس وجہ سے اس کا بیان ہم یہاں کر رہے ہیں۔

شکر کی فضیلت کی اہم علامت یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اس کو اپنے ذکر کے ساتھ شامل کر کے ارشاد فرمایا ہے

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ۝ — پس تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا اور میرا شکر ادا کرو اور نافرمانی مت کرو۔

سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اس شخص کا مرتبہ جو کھانا کھائے اور شکر کرے اس شخص کی مانند ہے جو روزہ دار ہو اور صابر رہے۔ قیامت کے دن ندا کی جائے یسقیم الحمادون اس وقت کوئی شخص نہیں اُٹھے گا۔ بجز ان لوگوں کے جنہوں نے مال میں خدا کا شکر ادا کیا ہو۔ جب مال جمع کرنے کے سلسلہ میں یہ آیت نازل ہوئی:۔

وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّۃَ ۔ (الآیہ) اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں۔

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) پھر ہم کیا مال جمع کریں تو حضورؐ والا نے جواب میں ارشاد فرمایا "زبان ذاکر، دل شاکر اور مومنہ بیوی" یعنی متاع دنیوی سے بس ان تین چیزوں پر قناعت کر نیک بیوی، ذکر الٰہی اور شکر گذاری کی فراغت میں ممد و مددگار ہوتی ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ "صبر ایمان کا نصف حصہ ہے"۔ شیخ عطار رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ایک روز ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہو کر میں نے عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کچھ حال مجھ سے بیان فرمایئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام احوال عجیب و غریب تھے۔ پھر آپؓ نے فرمایا۔ ایک رات کا ماجرا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام میرے ساتھ سوئے یہاں تک کہ آپؐ کا برہنہ جسم اطہر میرے جسم سے مس ہوا اس وقت آپ نے مجھ سے فرمایا کہ اے عائشہ! تم مجھے اجازت دو تاکہ میں خدا کی بندگی میں مشغول ہو جاؤں، میں نے عرض کیا کہ ہر چند کہ مجھے آپ کے قریب رہنا بہت عزیز ہے لیکن آپ جاتے ہیں تو تشریف لے جائیں، اور عبادت میں مصروف ہو جائیں! حضور صلی اللہ علیہ وسلم بستر سے اٹھے اور مشک میں سے پانی لے کر طہارت فرمائی اور نماز کے لیے کھڑے ہو گئے۔ آپ نماز پڑھتے جاتے اور روتے جاتے تھے یہاں تک کہ (حضرت) بلال رضی اللہ عنہ آئے تاکہ آپ کو صبح کی نماز کی اطلاع دیں تب میں نے دریافت کیا کہ حق تعالےٰ نے تو آپ کو بخش دیا ہے پھر آپ کس لیے رو رہے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں اللہ کا شکر گذار بندہ نہ بنوں جبکہ اس آیت کا نزول مجھ پر ہوا ہے۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّھَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ الَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ (الآیۃ) بیشک آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات اور دن کی باہم تبدیلیوں میں نشانیاں ہیں عقل مندوں کے لیے جو اللہ کو یاد کرتے ہیں کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ کے بل لیٹے۔

جن کو یہ مرتبہ حاصل ہوا ہے، وہ اس کی شکر گذاری میں خوشی سے رویا کرتے ہیں۔ ان کا رونا ڈر سے نہیں ہوتا چنانچہ روایت ہے کہ ایک چھوٹے سے پتھر کے پاس سے ایک پیغمبر کا گذر ہوا اس سے بہت سا پانی جاری تھا۔ یہ دیکھ کر ان پیغمبر کو تعجب ہوا۔ اللہ تعالےٰ نے ان کے لیے اس پتھر کو گویا کر دیا اور اس نے کہا کہ جب سے میں نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد سنا ہے کہ:

وَقُوْدُھَا النَّاسُ وَالْحِجَارَۃُ انسان اور پتھر دوزخ کا ایندھن ہوں گے

تب سے میں اسی طرح رو رہا ہوں۔ پیغمبر خدا نے اللہ تعالےٰ سے دعا فرمائی کہ الٰہی! اس پتھر کو خوف سے بے فکر کر دے ان کی یہ دعا قبول کر لی گئی۔ پھر دوبارہ انہی پیغمبر کا اس پتھر کے پاس سے گذرنا ہوا تو اس سے پانی اسی طرح جاری تھا، اُس وقت انہوں نے پتھر سے دریافت کیا کہ اب کیوں رو رہا ہے، اس نے جواب دیا کہ پہلے میرا رونا خوف کے سبب سے تھا اور اب میرا رونا شکر گذاری کا ہے، یہ مثال اس آدمی کے لیے ہے جو دل کی سختی میں پتھر کی طرح ہو اس کو چاہیئے

کہ وہ کبھی خوف اور غم سے روتے اور کبھی خوشی سے رویا کرے تاکہ اس کا دل نرم پڑ جائے۔

شکر کی حقیقت

اے عزیز معلوم ہونا چاہیئے کہ دین کے تمام مدارج اصل میں تین ہیں، علم، حال اور عمل، لیکن ان تینوں کی اصل علم ہے اور اس سے حال اور حال سے عمل پیدا ہوتا ہے۔ پس شکر کا علم یہ ہے کہ بندہ جانے اور پہچانے کہ جو نعمت اس کو ملی ہے اس منعم حقیقی کی طرف سے ملی ہے۔ حال نام ہے دل کی اس خوشی کا جو نعمت پا کر حاصل ہو اور عمل یہ ہے کہ اس نعمت کو اس کام میں صرف کرے جس میں اس کے آقا اور مولا کی مرضی ہو، ویسے بھی یہ عمل زبان اور جسم سے تعلق رکھتا ہے۔ پس جب تک یہ تمام احوال ظاہر نہیں ہوں گے شکر کی حقیقت معلوم نہیں ہو گی اور علم یہ ہے کہ تم اس بات کو پہچانو کہ جو نعمت تم کو ملی ہے وہ خداوند تعالیٰ کی عطا کردہ ہے کسی غیر کا اس میں دخل نہیں ہے جب تک تمہاری نظر وسیلہ اور اسباب پر پڑتی رہے گی اور تم اس کو دیکھتے اور سمجھتے رہو گے تو یہ معرفت اور ایسا شکر ناقص ہے کیونکہ اگر کوئی بادشاہ تم کو خلعت عطا فرماتے اور تم یہ سمجھو کہ مجھے یہ خلعت وزیر کی مہربانی سے ملی ہے تو اس طرح بادشاہ کا شکر تم نے پورا ادا نہیں کیا بلکہ تم نے اس کا کچھ حصہ وزیر کو بھی دے اور اس طرح تم پورے طور پر بادشاہ سے شادماں نہیں ہوتے اور اگر تم یہ سمجھو کہ خلعت بادشاہ کے حکم سے ملی ہے اور حکم قلم اور کاغذ کے وسیلے سے ہوا ہے تو اس طرح سمجھنے سے اس شکر کو کچھ نقصان نہیں پہنچے گا کیونکہ تم جانتے ہو کہ قلم اور کاغذ دوسرے کے مسخر ہیں اور وہ بذاتِ خود کچھ نہیں کر سکتے بلکہ یہاں تک کہ اگر تم یہ بھی سمجھ لو (کہ حکم جاری ہونے کے بعد) خلعت خزانچی نے دی ہے تو اس میں بھی قباحت نہیں کیونکہ خلعت عطا کرنے میں خزینہ دار کا کچھ اختیار نہیں تھا، وہ غیر کا محکوم ہے اس کو جب حکم دیا جائے گا وہ اس کی نافرمانی نہیں کر سکتا، اگر مالک کا اس کو حکم نہ ہو تو وہ کبھی خلعت نہیں دے گا اس کا حال بھی بالکل قلم کی طرح ہے۔ اسی طرح اگر تم تمام روئے زمین کی نعمت (غلہ، پھل اور دوسری غذاؤں) کا سبب بارش کو اور بارش کا سبب ابر کو سمجھو، یا کشتی کا ساحل پر رک جانا بادِ مراد کا نتیجہ سمجھے گا تو اس طرح بھی پورا شکر (منعم کا) ادا نہیں ہو گا۔ ہاں جب تم غور کرو گے کہ ابر اور باران، ہوا اور سورج، چاند اور ستارے وغیرہ سب کے سب خداوند تعالیٰ کے دست قدرت میں اس طرح مسخر ہیں جس طرح قلم کاتب کے ہاتھ میں ہے کہ قلم کا کچھ حکم نہیں ہے کاتب جسطرح چاہے اس سے لکھواتے تو اس طرح سوچنا شکر کے نقصان کا موجب نہیں ہو سکتا۔ اگر ایک نعمت کسی شخص کے واسطے سے تم کو ملی ہے اور تم یہ سمجھ بیٹھو کہ خداوند

تو یہ حماقت کی علامت ہے اور تم شکر کے مقام سے بہت دور چلے گئے تم کو یوں سمجھنا چاہیئے کہ اس دینے والے شخص نے تجھ کو جو کچھ دیا وہ اس وجہ سے دیا کہ حق تعالیٰ نے اس پر ایک مؤکل کو نازل کیا تاکہ اس کو دینے پر مجبور کرے اگر وہ شخص اس کے خلاف کرنا چاہتا تو خلاف کرنا ممکن نہ ہوتا اگر ممکن ہوتا تو وہ ایک چھدام بھی تم کو نہ دیتا۔ یہ ہم نے جس مؤکل کا ذکر کیا اس سے مراد وہ خواہش ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس دینے والے کے دل میں پیدا کی (کہ وہ تم کو کچھ دے) اور اس کو یہ بات سمجھائی کہ دونوں جہان کی خوبی اس میں ہے کہ یہ نعمت تو دوسرے شخص نے دی۔ پس اس دینے والے تم کو جو کچھ دیا وہ یہ سمجھ

کر دیا کہ دارین کی بھلائی اس میں ہے۔

اس طرح اس نے جو کچھ تم کو دیا وہ حقیقت میں اپنی ذات کو دیا۔ کیونکہ اس دینے کو اس نے اپنی ذات کا وسیلہ بنایا۔ حق تعالیٰ نے تم کو مال و نعمت عطا فرمائی کیونکہ اس پر ایک ایسا موکل بھیج دیا۔ پس جب تم کو یہ بات اچھی طرح معلوم ہوگئی کہ تمام بنی آدم مالک حقیقی کے خزانچی کی طرح ہیں اور خزانچی درمیان میں اسباب اور واسطوں کے اعتبار سے قلم کی مانند ہیں، ان میں سے کسی کا بھی کسی چیز پر اختیار نہیں ہے بلکہ بجبر ان کو اس بات پر آمادہ کیا ہے یعنی حکماً (کہ وہ کسی کو کچھ دیں) تو اس صورت میں تم خدا ہی کا شکر ادا کرو گے بلکہ اس حقیقت کا جان لینا بھی شکر گذاری ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا کہ یا الٰہی! آدم (علیہ السلام) کو تو نے اپنے دستِ قدرت سے پیدا فرمایا اور ان کو طرح طرح کی نعمتیں عطا فرمائیں تو انہوں نے تیرا شکر کس طرح ادا کیا۔ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ آدم نے یہ سمجھا کہ وہ تمام نعمتیں صرف میری طرف سے ہیں اور اس طرح سمجھنا عین شکر ہے۔

اے عزیز معلوم ہونا چاہیئے کہ ایمان کی معرفت کے بہت سے ابواب ہیں ان میں سے اوّل تقدیس ہے یعنی تم اس بات کو سمجھو کہ خداوند عالم تمام مخلوقات کی صفت سے اور ہر اس بات سے جو اس سلسلہ میں وہم و خیال میں آئے پاک ہے۔ سُبحان اللہ کے یہی معنی ہیں۔ دوسری توحید یہ ہے کہ تم یہ سمجھو کہ دونوں جہان میں جو کچھ ہے وہ اسی کا مال ہے اسی کی نعمت ہے الحمد للہ کے یہی معنی ہیں۔ یہ معرفت پہلی بیان کردہ دونوں معرفتوں سے زیادہ ہے کیونکہ وہ دونوں اسی کے تحت میں ہیں۔ اس بنا پر سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ سبحان اللہ میں اس کی حسنات ہیں اور لا الٰہ الا اللہ میں بیس اور الحمد للہ میں تیس نیکیاں ہیں۔ یہ حسنات وہ کلمات نہیں ہیں جو زبان سے کہے جائیں بلکہ ان سے مراد وہ معرفتیں ہیں جو ان کلمات میں موجود ہیں اور ان سے نکلتی ہیں۔

شکر کے علم کے معنی یہی ہیں۔ لیکن شکر کا حال وہ فرحت اور آسودگی ہے جو دل میں پیدا ہو۔ اس معرفت اور آگاہی سے جب کوئی شخص کسی غیر سے نعمت حاصل کرے تو اس کے تصوّر سے خوش ہو اس خوشی اور مسرت کے اسباب تین ہیں ایک یہ کہ اس وجہ سے خوش ہو کہ اس کو اس نعمت کی حاجت اور ضرورت تھی اور وہ اس کو مل گئی تو اس کی شادمانی کو شکر نہیں کہا جائے گا۔ اس کو اس مثال سے سمجھو کہ کسی بادشاہ نے سفر کا ارادہ کیا اس نے اپنے ایک غلام کو ایک گھوڑا دیا۔ اب اگر نوکر گھوڑا پاکر اس لیے خوش ہے کہ اس کو اس کی حاجت تھی تو اس طرح بادشاہ کا شکر کس طرح ادا ہوا کیونکہ یہ فرحت و شادمانی تو اس کو اس وقت بھی حاصل ہوتی اگر اس گھوڑے کو جنگل میں پاتا، دوسرا سبب یا وجہ یہ ہے کہ وہ بادشاہ کی اس عنایت کو جو اس کے باب میں ہوتی ہے پہچان کر خوش ہو کہ بادشاہ اس کے حال پر کس قدر مہربان ہے اور دوسری نعمتوں کی امید بھی دل میں پیدا ہوتی، اگر وہ گھوڑا کسی صحرا یا جنگل میں پاتا تو اسے ایسی خوشی حاصل نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ مسرت اس کے دل میں منعم کے انعام سے پیدا ہوتی ہے لیکن منعم سے نہیں! یہ بات اگرچہ شکر میں داخل ہے لیکن نقصان سے خالی نہیں ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ گھوڑے پر سوار ہو کر بادشاہ کے حضور میں جا رہا ہے تاکہ اس کا دیدار کرے اور سلطان کی ملاقات کے سوا اس کا کچھ اور مطلب نہیں ہے تو چونکہ یہ خوشی بادشاہ کے باعث پیدا ہوتی اس لیے یہاں شکر پورا ہوا۔ اسی طرح اگر اللہ تعالےٰ نے کسی کو نعمت عطا کی اور وہ اس نعمت سے خوش ہوا نعمت دینے والے سے نہیں تو اس کو شکر نہیں کہا جائے گا اور اگر منعم کے سبب سے خوش ہوا کہ اس کو یہ نعمت اصل رضامندی اور اس کی عنایت سے ملی ہے تو یہ شکر ضرور ہے لیکن ناقص ہے اگر اس وجہ سے خوشی ہوا کہ یہ نعمت اس کے دین کی خاطر جمعی کا باعث بنی تاکہ علم و عبادت میں مشغول ہو کر بارگاہِ الٰہی کا تقرب حاصل کرے تو یہ اس شکر کا کمال ہے اور اس کمالِ شکر کی علامت یہ ہے کہ دنیاوی علائق سے اس کو جو چیز حاصل ہو وہ اس سے ملول ہو اور اس کو نعمت نہ سمجھے بلکہ اس کے زوال کو اللہ تعالیٰ کا فضل سمجھے اور اس کا شکر ادا کرے۔ ایسی چیز سے جو دین کے راستے کو طے کرنے میں اس کی مددگار نہ ہو اس سے خوش نہ ہو۔ شیخ شبلی قدس سرہ نے کہا ہے کہ کمال شکر یہ ہے کہ تو نعمت نہ دیکھے بلکہ نعمت عطا کرنے والے کو دیکھے۔ وہ شخص ایسا شکر کبھی ادا نہیں کر سکتا جس کو محسوسات کے سوا کسی اور چیز سے حظ حاصل نہیں ہوتا۔ مثلاً عیش و آرام اور اعلیٰ درجے کی ماکولات سے وہ خوش ہوتا ہے۔ اگرچہ یہ شکر دوسرے درجہ کا ہے کہ پہلا درجہ تو شکر میں داخل ہی نہیں ہے۔

شکر کا عمل دل سے بھی ہوتا ہے اور زبان اور جسم سے بھی! دل سے شکر گذاری یہ ہے کہ ہر ایک کی بھلائی چاہے اور کسی کی نعمت اور دولت سے حسد نہ کرے اور زبان کا شکر یہ ہے کہ تمام حالتوں میں "الحمدللہ" کہہ کر شکر بجالائے اور اپنی خوشی کا اظہار نعمت بخشنے والے سے کرے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے دریافت کیا کہ تیرا کیا حال ہے اس نے عرض کیا الحمدللہ میں خیریت سے ہوں۔ تب سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اس کلمہ کو (جواب میں) چاہتا تھا۔ اور ہمارے اسلافِ کرام جو احوال پرسی اور خیریت طلبی کیا کرتے تھے اس سے ان کا مقصود یہی تھا کہ جواب میں اللہ کا شکر ادا کیا جائے تاکہ دریافت کرنے والا اور جواب دینے والا دونوں ثواب میں شریک ہوں اور جو کوئی شکایت کرے گا وہ گنہگار ہوگا، اگر سختی اور مصیبت میں کوئی شخص ایسے بندۂ ضعیف سے خداوند تعالیٰ کا شکوہ کرے جس کو ذرا سا بھی اختیار نہ ہو تو اس سے بڑی خطا اور کیا ہو سکتی ہے بلکہ چاہیئے کہ محنت و مصیبت میں دل سے اس کا شکر ادا کرے۔ ممکن ہے کہ یہ بات اس کی سعادت کا سبب بن جائے اور اگر شکر نہیں کر سکتا تو صبر اور شکیبائی اختیار کرے۔ اس سلسلہ میں جسم کا عمل یہ ہے کہ اپنے تمام اعضاء کو جو خداوند تعالیٰ کی ایک نعمت ہیں ایسے کام میں مصروف رکھے جس کی خاطر ان کو بنایا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ ان سب کو آخرت کی خاطر بنایا گیا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی اور مشیت یہی ہے کہ تم آخرت کے کاموں میں مصروف رہو۔ جب تم اس کی نعمت کو اس کی مرضی میں صرف کرو گے تو گویا تم شکر بجالائے اگرچہ تمہاری شکر گذاری سے اس بے نیاز کا کوئی فائدہ نہیں ہے اس کو ایسی چیزوں کی حاجت اور ضرورت نہیں ہے۔ اس کے لیے ہم ایک مثال پیش کرتے ہیں کہ ایک بادشاہ کسی غلام کے حال پر مہربان ہوا اور وہ غلام بادشاہ سے بہت دور تھا چنانچہ بادشاہ نے

اس کے لیے زادِ راہ اور گھوڑا بھیجا تاکہ بادشاہ کے حضور میں آئے اور تقرب شاہی حاصل کرے اور بڑا مرتبہ پائے حالانکہ بادشاہ کے لیے اس غلام کی دوری اور حضوری یکساں تھی لیکن اس نے غلام کو بزرگی بخشنا چاہی تاکہ اس کا بھلا ہو۔ کیونکہ بادشاہ جب صاحبِ کرم ہوتا ہے تو وہ اپنی تمام رعایا کی بھلائی اور بہتری چاہتا ہے۔ اس میں اس کا اپنا کوئی مقصود اور مطلب نہیں ہوتا۔ اب وہ غلام گھوڑے پر سوار ہو کر بادشاہ کے دربار کا عزم کرے اور زادِ راہ کو راستہ میں خرچ کرے تو گویا اس نے گھوڑے اور زادِ راہ کے عطیہ کا شکر ادا کر دیا اور اگر یہ غلام گھوڑے پر سوار ہو کر بادشاہ کی طرف سے منہ پھیر کر کہیں اور جائے تو گویا اس نے اس نعمت کی ناشکر گذاری کی اور اگر وہ اس نعمت کو یونہی پڑا رہنے دے نہ نزدیک جائے نہ دور تو یہ صورت کفرانِ نعمت کی ہے! اسی طرح جب بندہ خداوند تعالیٰ کی نعمت کو اس کی اطاعت میں صرف کرے گا تو اس کو اس طرح بارگاہِ الٰہی کا تقرب حاصل ہوگا اور ایسا بندہ شکر گذار ہے اور اگر اس کو معصیت اور گناہ میں صرف کرے تاکہ اس سے دور رہے تو وہ ناشکر گذار ہے۔ اور اگر وہ اس نعمت کو ایسے عیش و آرام میں صرف کرے جو خلاف شرع نہیں ہیں معطل و بے کار چھوڑ دے تب بھی کفرانِ نعمت ہے لیکن پہلے سے کم تر درجہ کا۔ جب یہ بات معلوم ہو چکی کہ ہر ایک نعمت کا شکر اس وقت ادا ہوتا ہے کہ بندہ اس نعمت کو رضائے الٰہی میں صرف کرے؟ اور یہ بات اس وقت ہو سکتی ہے جو مرضیاتِ الٰہی اور مکروہات میں تمیز کر سکتا ہے۔ لیکن یہ شناخت بہت مشکل ہے۔ جب انسان ہر ایک چیز کی آفرینش کی حکمت کو نہ سمجھ لے اس وقت تک اس کو یہ بات معلوم نہیں ہو سکتی۔ ہم یہاں اس بات کو مختصر مثالوں کے ذریعہ سے بیان کریں گے اگر کوئی اس کو تفصیل سے جاننا چاہتا ہے تو کتاب "احیاء العلوم" میں مطالعہ کرے کہ یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں ہے۔

کفرانِ نعمت

کفرانِ نعمت کی تعریف: اے عزیز معلوم ہونا چاہیئے کہ ہر نعمت کا ناشکرا پن یا ناسپاسی یہ ہے کہ جس کام اور غرض سے اس کو پیدا کیا گیا ہے اس سے اس کو باز رکھا جائے اور اس کے مخصوص کام میں اس کو صرف نہ کریں۔ معلوم ہونا چاہیے کہ خداوند تعالیٰ کی نعمت کو اس کی مرضی میں صرف کرنا شکر کی نشانی ہے اور مرضی کے خلاف صرف کرنا ناسپاسی ہے۔ مرضیاتِ الٰہی کو مکروہات سے تمیز کرنا شریعت کی تفسیر و تشریح کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ بس شرط یہ ہے کہ نعمت کو طاعتِ الٰہی میں، حکمِ الٰہی کے بموجب صرف کرے۔ البتہ جو صاحبانِ بصیرت ہیں ان کا ایک طریقہ یہ ہے کہ ان چیزوں کی حکمت اور آفرینش کے مقصد کو وہ استدلال اور غور و فکر سے بطورِ الہام معلوم کر لیتے ہیں۔ کیونکہ یہ بات سمجھ لینا تو ممکن اور آسان ہے کہ ابر کے پیدا کرنے میں مقصد الٰہی یہ ہے کہ بارش ہو اور بارش کا فائدہ یہ ہے کہ سبزے کو اگائے جس سے جانداروں کی غذا میسر آتے۔ اور آفتاب کے پیدا کرنے میں حکمت یہ ہے کہ رات دن پیدا ہوں تاکہ لوگ دن میں روزی تلاش کریں اور رات کو آرام سے رہیں۔ یہ بات تو ہر ایک کو معلوم ہے۔ لیکن

آفتاب کی خلقت میں اور بھی بہت سی حکمتیں ہیں جن کو ہر شخص نہیں سمجھ سکتا، آسمان پر بے شمار ستارے ہیں لیکن ہر ایک نہیں جانتا کہ ان کی پیدائش میں کیا حکمتیں ہیں۔ چنانچہ ہر ایک شخص نے اپنے اعضا کے بارے میں جان لیا ہے کہ پاؤں چلنے کے لیے، ہاتھ پکڑنے کے لیے اور آنکھ دیکھنے کے لیے ہے اور ان کی آفرینش کا یہی مقصد ہے لیکن ہر ایک شخص یہ نہیں جانتا کہ جگر کس لیے بنایا گیا ہے اور آنکھ کے دس طبق کس لیے ہیں۔ پس بعض حکمتیں نازک ہیں اور بعض نازک تر جن کو علماء کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ اس سلسلہ میں بہت کچھ کہا جا سکتا ہے پر مختصراً اس قدر جان لینا ضرور ہے کیونکہ انسان کو دنیا کی خاطر نہیں بلکہ آخرت کی خاطر پیدا کیا گیا ہے اور جو چیزیں دنیا میں انسان کو میسر ہیں وُہ اس واسطے ہیں کہ وہ اس کے لیے آخرت کا توشہ ہوں، یہ سمجھنا نادانی ہے کہ تمام چیزیں میرے لیے بنائی گئی ہیں کیونکہ اگر وہ کسی چیز میں خاص اپنا فائدہ نہیں دیکھے گا، تو بلا تامل کہدے گا کہ اس میں کیا حکمت تھی۔ مثلاً وہ کہدے گا کہ یہ مکھی، چیونٹی اور سانپ وغیرہ کس لیے پیدا کیے گئے ذرا غور کرو کہ چیونٹی میں تعجب اور دنگ ہے کہ آدمی کس لیے پیدا کیا گیا ہے جو بغیر اس کی وجہ کے اس کو پیروں تلے روند کے مار ڈالتا ہے۔ پس پہلا تعجب چیونٹی کے تعجب کی طرح ہے۔ بلکہ حق تعالےٰ کا فیض تو اس بات کا متقاضی ہے کہ ہر ایک چیز جو ممکن الوجود ہے وہ اچھی صورت میں جلوہ گر ہو۔ یہی حال تمام اجناس، حیوانات، نباتات اور معدنیات کا ہے پھر اس نے ہر ایک مخلوق کو جو چیز اس کے لیے ضروری تھی وہ اس کو عطا کی اور اس کے ساتھ ہی حسن و جمال بھی عطا کیا کہ مبدا فیاض کی بارگاہ میں نہ انکار ہے نہ بخل ہے۔ جب تم دیکھو کہ ایک چیز میں کمال یا حسن و آرائش ظہور میں نہیں آیا تو سمجھ لو کہ اس چیز میں یہ استعداد ہی نہیں تھی، بلکہ نقصان اور بدروتی ہی اس کی اہلیت و صلاحیت کا عمل تھی۔ اس لیے کہ ممکن ہے کہ انگارا پانی کی لطافت اور ٹھنڈک کو قبول کر سکے۔ کیونکہ گرمی اور سردی میں چند انگارے کے لیے حرارت ہی درکار تھی حرارت کا نہ ہونا اس کے نقصان کا باعث ہے۔ غور کرو کہ رطوبت جس سے مکھی کی پیدائش ہوتی ہے اس سے مکھی اس لیے پیدا کی گئی ہے کہ مکھی اس رطوبت کا کامل تر ہے اور اس رطوبت میں کمال کی جو صلاحیت موجود تھی اس کی عطا میں بخل نہیں کیا گیا۔ مکھی اس رطوبت سے اس لیے کامل تر ہے، کہ اس میں زندگی، قدرت، حس و حرکت، شکل اور عجیب و غریب اعضا موجود ہیں جو اس رطوبت میں موجود نہیں ہیں، انسان کو اس رطوبت سے اس لیے نہیں بنایا گیا، کیونکہ اس رطوبت کی صفات، ان صفات کے برعکس ہیں جو انسان کی خلقت کے لیے ضروری ہیں۔ لیکن مکس کو جو صفات درکار تھے وہ اس کو دے دیئے گئے۔ پَر، پوٹا، ہاتھ، پاؤں، سر اور آنکھیں، منہ اور پیٹ اور غذا کی نالی! اسی جگہ جہاں غذا ہضم ہونے کے لیے ٹھہرے اور نفلہ نکلنے کی جگہ یہ تمام اعضا اس کو دیئے اور جو چیزیں اس کے جسم کے لیے درکار تھیں، مثلاً باریکی، نازکی اور ہلکا پن، یہ سب کچھ اس کو عطا فرمایا۔ اس کو دیکھنے کی بھی ضرورت تھی لیکن اس کا سر چھوٹا تھا، اس چھوٹے سر میں پلک والی آنکھ کی گنجائش نہیں تھی اس لیے اس کو بغیر پلک کے دو نگینے عطا فرما دیئے جو دو آئینوں کی طرح ہیں، تاکہ ان آئینوں میں چیزوں کی صورت نظر آئے اور جبکہ پلکوں کا فائدہ یہ ہے کہ آنکھوں سے گرد و غبار کو صاف کرے اور وہ آئینہ صاف رہے

رصیقل کا کام کرے) تو مکھی کو پلک کے عوض دو ہاتھ زیادہ دیئے ہیں کہ وہ ان دونوں ہاتھوں سے ان دو نگینوں کو صاف کرے پھر صاف کرنے سے پہلے وہ دونوں ہاتھوں کو آپس میں ملتی ہے تاکہ جو کچھ گرد وغبار ان ہاتھوں پر ہو وہ دور ہو جائے اس تمام گفتگو سے ہمارا مدعا یہ ہے کہ تم کو معلوم ہو کہ حق تعالیٰ کی رحمت اور عنایت عام ہے وہ صرف انسان ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، کیونکہ ہر کیڑے اور مچھر کو جو کچھ درکار تھا سب اس کو دیا ہے! پس ان کو صرف انسان ہی کے لیے پیدا نہیں کیا ہے بلکہ ہر مخلوق کو خاص طور پر خود اس کے لیے پیدا کیا ہے۔ جس طرح تم کو تمہارے واسطے پیدا کیا ہے، کیونکہ پیدائش سے قبل تمہارے پاس کوئی ایسا وسیلہ نہیں تھا جس کے باعث تم کو صرف پیدائش کا استحقاق ہو، اور دوسروں کو نہ ہو، ایسا نہیں ہے بخشش الٰہی کا یہ دریا سب مخلوقات کو محیط ہے، ان میں سے ایک مخلوق تم بھی ہو، مکھی چیونٹی باقی اور تمام پرندے وغیرہ بھی مخلوق ہیں اگرچہ ان تمام مخلوقات میں ناقص کو کامل کے لیے قربان کیا ہے اور انسان جو اشرف المخلوقات ہے اس واسطے اکثر چیزیں اس پر قربان ہیں، انسان ان کی قربانی سے فائدہ اُٹھاتا ہے۔

بہت سی اشیاء سے انسان کو فائدہ نہیں ہے:

اسی طرح زمین کے نیچے اور سمندروں کی گہرائی میں ایسی بہت سی اشیاء ہیں جن سے انسان کو فائدہ نہیں پہنچتا اس پر بھی ان کی ظاہری اور باطنی خلقت میں خالق کا وہی لطف عمل میں آیا ہے، ان اشیاء کی ظاہری صورت میں قدرت نے ایسے نقش ونگار کیئے ہیں جو کسی بشر سے ممکن نہیں ہیں، ایسی اشیاء کے اسرار معلوم کرنے کے لیے ایسے علوم کا حاصل کرنا ضروری ہے (جو اُن کے لیے بنائے گئے ہیں) جہاں اکثر جاننے والے عاجز ہیں، اس کی شرح کہاں تک کی جائے۔ حاصل اس گفتگو کا یہ ہے کہ جب تم عام مخلوقات کو اپنے برابر کا نہیں سمجھو گے اس وقت تک تم خود کو درگاہِ الٰہی کے خواص سے شمار نہیں کر سکو گے۔ جو چیز تمہارے نفع کے لیے نہیں بنائی گئی ہے اس کے باب میں یہ کہنا درست نہیں ہے کہ نہ معلوم اس چیز کو کیوں پیدا کیا گیا ہے۔ مجھے تو اس میں کچھ حکمت نظر نہیں آتی۔ اگر تم نے ایسا کہا اور یہ سمجھا کہ ضعیف چیونٹی تمہاری خاطر نہیں بنی ہے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ تم گویا یہ سمجھتے ہو کہ سورج، چاند، ستارے، سات آسمان اور ملائکہ بھی تمہارے لیے نہیں بنائے گئے ہیں، حالانکہ ان میں سے بعض مخلوقات سے تم کو فائدہ حاصل ہے۔ مثلاً مکھی اگرچہ تمہارے لیے نہیں بنی ہے مگر تم کو اس سے بعض فائدے پہنچتے ہیں، اس کو ایسے کام میں لگا دیا گیا ہے، کہ جو چیز گلی سڑی، بدبودار ہو وہ اس کو کھا جاتے تو بدبو کم سے کم پھیلے گی، قصاب کو مکھی کے لیے ہرگز پیدا نہیں کیا گیا ہے ساگرچہ مکھی کو اس سے فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ جس طرح تم یہ سمجھتے ہو کہ ہر روز آفتاب تمہارے ہی لیے طلوع ہوتا ہے۔ اسی طرح مکھی بھی یہ سمجھتی ہے کہ ہر روز قصاب اسی کی خاطر اپنی دکان لگاتا ہے تاکہ وہاں سے خون اور نجاست وُہ خوب اطمینان سے کھاتے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ دکان لگانے سے قصاب کی غرض کچھ اور ہی ہے، وہ مکھی کے مقصد سے کار نہیں رکھتا۔ اگرچہ اس کے کام گوشت کاٹنے اور بیچنے میں جو فضلہ اور چھیچھڑے بچتے ہیں وہ مکھی

کی روزی اور زندگی کا سبب ہیں اسی طرح آفتاب بھی اپنی سیر اور گردش سے حق تعالٰے کا حکم بجالاتا ہے۔ آفتاب کو تمہاری کاربرآری مقصود نہیں ہے اگرچہ اس کے نور سے تمہاری آنکھیں روشن ہوتی ہیں اور اس کی گرمی سے زمین کا مزاج اعتدال پر رہتا ہے تاکہ سبزہ وغیرہ جو تمہاری غذا ہے زمین سے اُگ سکے۔ یہاں ان چیزوں کی پیدائش کی حکمت بیان کرنا کچھ مناسب نہیں، جو تمہارے کام کی نہیں ہیں، اور نہ ان تمام چیزوں کی حکمت بیان کرنا ممکن ہے جو تمہارے کام کی ہیں پس چند مثالیں ہم بیان کیے دیتے ہیں۔

چند مثالیں: ایک مثال تو یہ ہے کہ تم کو آنکھیں دو مقصد سے دی گئی ہیں ایک مقصد تو یہ ہے کہ تم دنیا میں اپنے مطالب ومقاصد کو دیکھ سکو اور دوسرا مقصد یہ ہے کہ ان آنکھوں سے صنعتِ الٰہی کے عجائبات کو دیکھو تاکہ اس سے خداوند تعالیٰ کی بزرگی تم کو معلوم ہو سکے لیکن جب تم اسی آنکھ سے کسی نامحرم کو دیکھو گے (گویا تم نے آنکھ کی نعمت کی ناشکری کی) غور کرو کہ آنکھ کی یہ نعمت یعنی بصارت، آفتاب کی روشنی کے بغیر کامل نہیں ہو سکتی، اس کے نور کے بغیر تم کسی چیز کو نہیں دیکھ سکتے اور آفتاب کے واسطے زمین اور آسمان ضروری ہیں کیونکہ رات اور دن انہی سے پیدا ہوتے ہیں، تو جب تم نے نامحرم کو دیکھا تو صرف آنکھ اور آفتاب ہی کی نعمت کی ناشکری نہیں کی بلکہ تم آسمان اور زمین کے بھی ناشکر گذار ہوئے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو کوئی معصیت کرتا ہے تو آسمان اور زمین اس پر لعنت کرتے ہیں (اس کے یہی معنی ہیں)

تم کو دو ہاتھ بھی دیئے گئے تاکہ ان کے ذریعہ تم اپنے کام بناؤ (کام کرو) کھانا کھاؤ طہارت کرو، اگر تم اس سے معصیت کروگے تو اس نعمت کے ناشکر گذار ہوئے! یہاں تک کہ سیدھے ہاتھ سے نجاست کو پاک کیا اور بائیں ہاتھ سے قرآن کو گرفت میں لیا تو یہ بھی ناسپاسی ہے کیونکہ تم نے عدل کے خلاف کام کیا اور عدل خدا کو پسند ہے اور عدل کے معنی یہ ہیں کہ شریف سے شریف کام لیا جاتے اور حقیر سے حقیر کام کریں، اور تمہاری ان دو ہاتوں میں ایک قوی ہے جو غالب اور شریف ہے۔

تمہارے تمام کام دو قسم پر منقسم ہیں، بعض ان میں حقیر ہیں اور بعض شریف! پس سزاوار اور مناسب یہ ہے کہ جو کام شریف ہے اس کو تم سیدھے ہاتھ سے کرو، اور جو کام حقیر ہے اس کو بائیں ہاتھ سے کرو کہ عدل قائم رہے (عدل کے خلاف نہ ہو) ورنہ تم جانوروں کی طرح عدل اور حکمت سے بے نصیب رہو گے!

اگر تم قبلہ کی جانب تھوکو گے تو تم قبلہ اور باقی دوسری سمتوں کے ناشکر گذار ہو گے۔ کیونکہ یہ تمام طرفیں (سمتیں) یکساں نہیں ہیں۔ اللہ تعالٰے نے تمہاری بھلائی کے لیے ایک سمت کو شرف عطا فرما دیا ہے تاکہ عبادت کے وقت تم اسی کی طرف منہ کرو اور اس سے تم کو تسلی اور راحت میسر ہو اور اس گھر کو جو اس سمت میں بنایا ہے اپنی طرف منسوب کیا (کعبۃ اللہ)

تمہارے بعض کام بہت ہی معمولی ہیں، جیسے تھوکنا، قضائے حاجت، اور بعض کام تمہارے عظیم اور شریف ہیں جیسے طہارت اور نماز، اگر تم ان تمام کاموں کو یکساں سمجھو گے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ تم نے جانوروں کی طرح زندگی گذار دی اور عقل کی نعمت کا حق ادا نہیں کیا جس سے عدالت اور حکمت الٰہی کا ظہور ہوتا ہے۔ اور تم نے قبلہ کی نعمت کو باطل کر دیا، اگر مثلاً تم نے کسی درخت کی ایک شاخ یا ایک کلی بھی بغیر ضرورت کے توڑ لی تو اس طرح درخت کی نعمت تمہارے ہاتھوں سے ضائع اور برباد ہو گئی، کیونکہ اللہ تعالےٰ نے شاخ میں رگ و ریشے رکھے ہیں تاکہ وہ پانی سے اپنی غذا حاصل کریں یعنی اس میں قوتِ تغذیہ رکھی ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی قوتیں اس میں رکھی ہیں تاکہ جب وہ اپنے درجۂ کمال کو پہنچ جائے تو کام آئے لیکن جب تم نے درمیان ہی میں اس پر ڈاکہ ڈال دیا تو یہ بھی ناسپاسی ہے۔ البتہ اس صورت میں درست ہوتا اور اس کا کمال تمہارے کمال پر فدا ہوتا کہ تم کو اس کی حاجت ہوتی، کیونکہ عدل یہی ہے کہ ناقص کو کامل پر قربان کر دیا جائے لیکن اگر تم نے دوسرے کے مال توڑا، خواہ تم کو اس کی حاجت تھی تو یہ بھی ناسپاسی ہے، کیونکہ مالک کی حاجت تمہاری حاجت سے اولیٰ تر ہے، خدا کے بندے حقیقت میں اشیاء کے مالک نہیں ہیں، لیکن دنیا کی مثال ایک مائدے اور دسترخوان کی طرح ہے جو بچھا ہوا ہے اور دنیا کی تمام نعمتیں طرح طرح کے لذیذ کھانوں کے مانند ہیں جو اس دسترخوان پر چنے ہیں اور خدا کے تمام بندے اس خوان پر مہمان ہیں، کیونکہ ان میں سے کوئی بھی کسی چیز کا مالک نہیں ہے۔ لیکن اس خوان سے ہر ایک لقمہ اس کے لیے موزون اور مناسب نہیں ہے جو نوالہ اس نے اپنے ہاتھ میں لیا ہے یا اس نے اپنے منہ میں رکھا ہے وہ دوسرے مہمان کے لیے سزاوار نہیں ہے کہ وہ اپنے لیے اس کو چھین لے۔ بندے فقط اتنی ہی بات کے مالک ہیں کہ وہ اس خوان سے کھائیں اور جس طرح مہمانوں کو یہ سزاوار نہیں ہے کہ وہ میزبانی کا کھانا ایسی جگہ رکھیں جہاں کسی کا ہاتھ نہ پہنچ سکے۔ اسی طرح کسی کو یہ سزاوار نہیں ہے کہ دنیا کا مال اپنی ضرورت اور حاجت سے زیادہ اپنے پاس رکھ چھوڑے اور غریبوں، مسکینوں کو نہ دے لیکن اس کا اندازہ کسی صورت سے نہیں ہو سکتا کہ ہر ایک کی حاجت سے آگاہی نہیں ہے لیکن اگر اس بات کو نہ روکا گیا اور اس کا سدِ باب نہیں کیا گیا تو پھر ہر شخص دوسرے کا مال چھین لے گا اور کہے گا کہ اس کو اس کی حاجت نہیں ہے۔

اور واضح رہے کہ مال کا جمع کرنا حکمت کے خلاف ہے اور اس مال کے جمع کرنے کی شرعاً ممانعت ہے۔ خاص طور پر کھانے کی چیزوں اجناس کا جمع کرنا کہ جب گراں ہو جائے گا فروخت کریں گے سخت منع ہے ایسا کرنے والا خدا کی لعنت میں گرفتار ہوگا! بلکہ جو شخص اناج کی تجارت کرے اور اناج کو اناج کے عوض سود سے بیچے وہ مامون ہے کیونکہ یہ خلائق کی روزی ہے اور جب اس سے تجارت کی جائے گی تو یہ ایک جگہ جمع ہو جائے گا تو جلد وہ محتاجوں تک نہیں پہنچ سکے گا۔ اور یہ بات چاندی سونے کے معاملہ میں حرام ہے اس لیے کہ حق تعالےٰ نے سونے چاندی کو دو حکمتوں کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ ایک تو یہ کہ ہر ایک جنس کی قیمت ان کے سبب سے معلوم ہوگی کیونکہ کوئی نہیں جانتا کہ ایک

گھوڑا کتنے غلام کے عوض اور ایک غلام کتنے کپڑے کے بدلے میں بکے گا۔ اور یہ تمام چیزیں ایک دوسرے کو بیچنا ضروری ہیں (ایک کو غلام کی ضرورت ہے اور دوسرے کو کپڑے کی) پس ایک ایسی چیز کی ضرورت پیش آئی کہ وہ ہر چیز کا مول ٹھہر سکے (اس سے غلام بھی خریدا جا سکے اور کپڑا لباس وغیرہ بھی) یعنی اس چیز کو تمام اجناس کا مول ٹھہرا کر اس سے قیمت لگا سکیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے سونا چاندی اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ ایک چیز کا مول ٹھہرانے میں حاکم کا کام انجام دے۔ اب اگر کوئی خزانے (سونے چاندی) کو زمین میں دفن کر دے تو ایسا کرنا گویا مسلمانوں کے حاکم کو قید کر دینا ہے۔ اسی طرح چاندی یا سونے سے کٹورا یا آفتابہ بنانا ایسا ہے جیسے حاکم اسلام سے قلی یا جولاہے کا کام لیا گیا۔ آفتابہ بنانے کا مقصود اصل تو یہ ہے کہ پانی بھرنے کے کام آئے اور ایسا برتن مٹی اور تانبے سے بھی بن سکتا ہے۔

دوسری حکمت اس میں یہ ہے کہ چاندی اور سونا دونوں بہت ہی عزیز چیزیں ہیں ان کی بدولت ساری دنیا حاصل ہو سکتی ہے۔ ہر شخص ان کا طالب ہے، جس کے پاس زر ہے اس کے پاس سب کچھ ہے۔ شاید ہی کوئی شخص ایسا ہو کہ اس کو اناج کی حاجت ہو اور کپڑے کی حاجت نہ ہو، جس شخص کے پاس اناج ہے اور اس کو کپڑے کی احتیاج نہیں تو پھر وہ غلّہ کو کپڑے کے عوض میں کیوں بیچے گا (اب غلّہ کے حاجت مند کا کام رک جائے گا) پس اللہ تعالیٰ نے سیم وزر کو پیدا فرما کر ان کو عزیز الوجود بنا دیا تاکہ لوگوں کے تمام کام ان سے چلیں! پس جب یہ ثابت ہو گیا کہ تمام کام سیم و زر ہی سے چلتے ہیں تو اب کوئی شخص سونے کے عوض سونا اور چاندی کے عوض چاندی نفع سے بیچے تو اس کے معنی یہ ہوتے تو وہ دو نقد ایک دوسرے کی قید میں رک کر رہ جائیں گے، ان کے ذریعہ تبادلہ اشیاء کا معاملہ ٹھپ ہو کر رہ جاتے گا۔ دوسری چیزوں کی خریداری کا وسیلہ نہیں بن سکیں گے۔ پس کبھی ایسا خیال نہ کرنا کہ شرع میں کوئی ایسی چیز بھی ہے جو حکمت و عدل سے خارج ہے۔ ایسا نہیں ہے، بلکہ ہر چیز میں کئی کئی حکمتیں ایسی باریک اور دقیق کہ ان کو علماء متبحرین اور پیغمبروں (علیہم السلام) کے سوا کوئی اور نہیں سمجھ سکتا۔ اور جو عالم محض تقلید کے طور پر چیزوں کی فقط ظاہری صورت کو سمجھ سکا اور ان کی حکمتوں کو نہ سمجھ سکا وہ ناقص ہے عالم کامل نہیں ہے اور قریب قریب عوام الناس کی طرح ہے۔ اور جب کسی عالم کامل نے ان حکمتوں کو بخوبی سمجھ لیا تو جس بات کو فقہاء مکروہ سمجھتے ہیں یہ اس بات کو حرام سمجھے گا۔

چنانچہ منقول ہے کہ ایک بزرگ نے سہواً پہلے بائیں پاؤں میں جوتا پہن لیا، اس خطا اور غلطی کے بدلے کئی پتے گیہوں انہوں نے کفارہ میں دیا۔ اگر کوئی عام شخص کسی درخت کی شاخ توڑ لے یا قبلہ کی طرف تھوکے یا بائیں ہاتھ سے قرآن پاک اٹھائے تو ہم اس پر اس قدر اعتراض نہیں کریں گے جتنا ایک عالم متبحر اور مردِ کامل پر کریں گے۔ کیونکہ عامی تو ناقص ہے، اس کا حال جانوروں جیسا ہے۔ ان باریکیوں کا اس کو ادراک نہیں ہے اور یہ نکات اس پر آشکارا نہیں تھے مثلاً اگر کوئی جاہل جمعہ کی نماز کی اذان کے وقت کسی آزاد شخص کو بیچے تو اس پر اس وجہ سے اعتراض اور عتاب نہیں کیا جائے گا کہ جمعہ کی نماز کے وقت خرید و فروخت ممنوع ہے بلکہ ایک آزاد شخص کو بیچنے کی عظیم تقصیر اس خرید و فروخت کی کراہت

کو اپنے اندر چھپالے گی!

اسی طرح اگر کوئی جاہل مسجد کی محراب میں قبلہ کی طرف پشت کر کے قضائے حاجت کرے تو پشت بہ قبلہ ہونے کا گناہ اس گناہ کے مقابلہ میں جو قضائے حاجت سے سرزد ہوا کچھ حقیقت نہیں رکھتا کہ اس کی بڑی تقصیر میں وہ چھوٹا سا گناہ چھپ جائے گا۔ اسی وجہ سے عوام الناس کے ساتھ سہل گیری کا حکم ہے اور ظاہری فتویٰ ان ہی کے لیے ہے۔ لیکن سالک اور عارف رازِ الٰہی کو چاہیئے کہ ظاہری فتوی پر نظر نہ کرتے ہوئے، ان تمام باریکیوں اور نکات کو پیشِ نظر رکھے تاکہ اپنے عدل و حکمت کے باعث وہ ملائکہ کے قریب پہنچ جاتے ورنہ عوام کی طرح اگر سہل گیری اختیار کی تو وہ جانوروں کے زمرے میں داخل ہو جائے گا۔

نعمت کی حقیقت

اللہ تعالیٰ نے چار قسم کی چیزیں پیدا کی ہیں:- اے عزیز معلوم ہونا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں پیدا فرمائی ہیں وہ انسان کے حق میں چار قسم کی ہیں۔

پہلی قسم میں وہ چیزیں ہیں جو دنیا اور آخرت میں کام آویں جیسے علم اور نیک اخلاق دنیا کے اعتبار سے بڑی نعمت اور دولت ہے۔

دوسری قسم میں وہ چیزیں داخل ہیں جو دونوں جہان میں اس کے لیے مضرت رساں ہیں جیسے نادانی و بدخوفی مصیبت اور بلا۔

تیسری قسم وہ کہ جن سے دنیا میں آرام حاصل ہو لیکن آخرت میں رنج و الم جیسے دنیاوی نعمتوں کی کثرت اور انسان کا ان نعمتوں سے بہرہ یاب ہونا، احمقوں اور نادانوں کے نزدیک یہ نعمت ہے۔ لیکن دانشوروں اور اصحاب معرفت کی نظر میں یہ بڑی بلا ہے۔ اس کی مثال اس بھوکے شخص کی ہے جس کو زہریلا ہوا شہد کہیں سے مل جائے تو وہ اگر احمق اور نادان ہے اور اس بات سے بے خبر ہے تو وہ اس شہد کو بڑی نعمت سمجھے گا اور اگر دانش مند اور ہوشیار ہے تو اس کو ایک بلائے عظیم سمجھے گا۔

چوتھی قسم وہ ہے کہ دنیا میں رنج و تعب کا باعث ہو لیکن آخرت میں آرام و راحت والی ہو وہ عبادت اور نفس و شہوت کی مخالفت ہے اور عارفوں کے نزدیک یہ ایک بڑی نعمت ہے جیسے کڑوی دوا جس کو وہ بیمار جو دانشور ہے، راحت سمجھتا ہے اور احمق اس کو مصیبت خیال کرتا ہے۔

فصل:- اے عزیز معلوم ہونا چاہیئے کہ دنیا میں بھلی بری چیزیں ملی ہوئی ہیں۔ پس وہ چیز جس کا فائدہ اس کے نقصان سے زیادہ ہو وہ نعمت ہے لیکن لوگوں کے احوال کے اعتبار سے یہ بات مختلف ہے کیونکہ اکثر مخلوق کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ جب مال ان کے پاس بقدر کفایت ہوگا تو اس کا فائدہ اس کے ضرر سے زیادہ

ہوگا۔ اور حبِ مال حاجت سے افزوں ہوگا تو اس کا نقصان اس کے فائدہ سے کہیں زیادہ ہے اور کوئی ایسا بھی ہے کہ تھوڑا سا مال بھی اس کے لیے موجب مضرت ہے، جس کا باعث یہ ہے کہ اس پر حرص کا غلبہ ہے۔ اگر وہ بالکل نادار ہوتا تو اس طمع اور حرص سے محفوظ رہتا، البتہ ایسے لوگ صاحبِ کمال اور سخی بھی ہیں کہ بہت سا مال بھی ان کو نقصان نہیں پہنچاتا، کیونکہ وہ اس مالِ کثیر سے غریبوں اور محتاجوں کی مدد کرتا ہے۔ پس اس سے ظاہر ہوا کہ ایک چیز کسی کے حق میں نعمت ہے اور کسی کے حق میں بلا ہے۔

فصل: معلوم ہونا چاہیئے کہ لوگ جس چیز کو اچھا سمجھتے ہیں وہ ان تین حال سے خارج نہ ہوگی ایک یہ کہ وہ فی الحال پسند آتی ہو۔ دوسرے یہ کہ اس کا فائدہ اس وقت نہ ہو بلکہ آئندہ سے متعلق ہو۔ تیسرے یہ کہ وہ بذاتِ خود خوب اور اچھی ہو، اس طرح جس چیز کو بُرا سمجھا جاتا ہے اس کی بھی یہی صورت ہے یعنی یا تو فی الحال ناپسند ہوگی یا آئندہ ہوگی نقصان رساں ہوگی یا اپنی ذات میں خراب ہوگی۔ پس بہت عمدہ اور اچھی چیز وہ ہے جس میں یہ تینوں حالتیں جمع ہوں، یعنی پسندیدہ، آئندہ سودمند اور بذاتِ خود خوب، ایسی چیز علم و حکمت کے سوا اور کوئی نہیں ہے اور کسی دوسری چیز میں یہ خوبیاں جمع نہیں ہیں اور اس کے مقابل میں بہت بُری چیز جہل و نادانی ہے کہ وہ ناپسندیدہ مضرت رساں اور بذاتِ خود بُری ہے۔ معلوم ہونا چاہیئے کہ علم سے بہتر کوئی چیز نہیں ہے لیکن اس کے لیے جس کا دل بیمار نہ ہو، اور جہل ایک مرض ہے جو فی الحال اذیت رساں اور ناپسندیدہ ہے کہ جو شخص کسی چیز سے بے خبر ہے اور اس کو جاننا چاہتا ہے تو وہ اس وقت اپنی نادانی اور جہل کے غم سے بیقرار ہو جائے گا۔ جہل اگرچہ بدنما ہے مگر یہ بدنمائی اس میں نظر نہیں آتی ہے کیونکہ وہ دل کے اندر ہے اور وہ دل کی صورت کو بگاڑ دیتی ہے۔ اور اس میں کوئی کلام نہیں کہ باطن کی بدصورتی ظاہر کی بدصورتی سے بدتر اور زشت تر ہے۔ اب یہ غور کرو کہ ایک چیز نافع تو ہے پر ناپسند ہے جیسے سڑی ہوئی انگلی کا کاٹ دینا تاکہ سارا ہاتھ اس کے نسار سے کاٹنا نہ پڑے!

کوئی چیز ایسی بھی ہوتی ہے کہ بعض اعتبار سے نافع ہوتی ہے اور بعض اعتبار سے مضر، مثلاً بسا اوقات کشتی کے ڈوبنے کا جب خطرہ بڑھ جاتا ہے تو مال و اسباب کو دریا میں پھینک دیتے ہیں تاکہ لوگوں کی جانیں بچ جائیں (کشتی ڈوبنے سے بچ جاتے۔)

فصل: لوگ کہتے ہیں کہ جو چیز اچھی معلوم ہو وہ نعمت ہے۔ لیکن لذت اور راحت کے بھی تین درجے ہیں پہلا درجہ یہ ہے کہ وہ سب سے کم تر ہو حقیقی معنی میں یہ وہ لذت ہے جس کا تعلق پیٹ اور فرج سے ہے کیونکہ اکثر مخلوق نے بس انہی دو چیزوں کو راحت و لذت سمجھ رکھا ہے۔ بس رات دن مخلوق اسی میں غرق رہتے ہیں اور اسی مقصد کی جستجو میں لگے رہتے ہیں لیکن اس لذت کے مذموم ہونے پر دلیل یہ ہے کہ تمام حیوانات اس میں شریک ہیں اور وُہ تو اس معاملہ میں انسان سے بھی سبقت لے گئے ہیں۔ کیونکہ حیوانات میں کھانا اور جماع کرنا انسان سے زیادہ ہے

انسان کے ساتھ اس کام میں حیوانات تو کیا حشرات الارض تک شریک ہیں۔ جب کوئی انسان محض اسی لذت سے تعلق رکھے گا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس نے انسانیت کے شرف کے بجائے حشرات الارض کے مرتبہ پر قناعت کر لی ہے۔ دوسرا درجہ سرداری اور ریاست کی لذت کا ہے یعنی دوسروں پر فوقیت کا تلاش کرنا اور اس کا تعلق غصہ اور غضب سے ہوگا اگرچہ یہ درجہ پیٹ اور فرج کی لذت سے بہتر ہے لیکن اس کے سبک ہونے (ہلکے اور کم مرتبہ) ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ کیونکہ کچھ حیوانات بھی اس خواہش میں اس کے شریک ہیں۔ جیسے شیر اور چیتا! کہ ان کو دوسرے جانوروں پر غالب ہونے کا شوق ہے۔

تیسرا درجہ علم وحکمت اور معرفتِ الٰہی کی لذت کا ہے اور اس کے عجائبات کو پہچاننے کی خواہش کا ہے یہ قسم مذکورہ دونوں قسموں سے بالاتر ہے کیونکہ یہ کمال کسی جانور کو حاصل نہیں ہے کیونکہ یہ ملائکہ کی صفت ہے، جس کو علم و معرفت میں لذت حاصل ہو وہ کامل شخص ہے اور جس کو اس میں لذت حاصل نہ ہو وہ ناقص ہے بلکہ بیمار اور ہلاک ہونے والا ہے۔ اکثر مسلمان ان ہی دو قسم کے تحت پائے جاتے ہیں کہ وہ علم ومعرفت کی بھی لذت پاتے ہیں اور دوسری چیزوں کی لذت بھی! جیسے ریاست اور شہوت کی لذت، لیکن جس پر معرفت کی لذت غالب ہو اور دوسری لذت اس کی مغلوب ہو جائے تو وہ درجۂ کمال کو پہنچ جاتا ہے اور جس پر شہوت کی لذت کا غلبہ ہو اور معرفت کی لذت اس کو بہ تکلف حاصل ہوتی ہو تو جب تک پہلی لذت کے غلبہ کے لیے کوشش نہیں کرے گا وہ نقصان کے درجہ سے قریب رہے گا، حسنات کے پلڑے کو زیادہ کرنے کے بھی یہی معنی ہیں۔

نِعمت کے اقسام

اور اُن کے مراتب

اے عزیز! معلوم ہونا چاہیئے کہ سعادتِ آخرت نعمت حقیقی ہے۔ کیونکہ وہی بالذات مطلوب ہے یہ اپنے سوائے اور دوسری نعمتوں کا وسیلہ نہیں ہے اور اس نعمت کے تحت چار چیزیں ہیں۔ اوّل بقا جس میں فنا کا دخل نہ ہو، دوسرے ایسی خوشی جو رنج والم سے پاک ہو، تیسرے ایسا علم وکشف جو جہل ونادانی کی ظلمت سے خالی ہو، چوتھے بے نیازی (استغناء) کہ غربت اور احتیاج کا اس میں دخل نہ ہو، ان چار چیزوں کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان کو جمال الٰہی کے مشاہدے کی لذت دوامًا اس طرح حاصل ہو کہ پھر کبھی زائل نہ ہو۔ پس نعمت حقیقی یہی ہے! جس چیز کو دنیا میں نعمت سمجھتے ہیں وہ اسی کے لیے ہے کہ وہ سب اسی کی راہ کا وسیلہ ہیں، ورنہ وہ بذاتِ خود مطلوب نہیں ہے (یعنی دنیاوی نعمت) کامل نعمت وہی ہے جس کے وسیلے سے آخرت کی سعادت تلاش کریں اور کسی چیز کو نہیں! اسی بنا پر حضرت سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا ہے العیش عیش الاخرۃ (راحت اور چین تو صرف آخرت کی راحت ہے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار تو یہ جملہ بہت ہی سختی اور غم کے وقت فرمایا تھا تاکہ دنیاوی غم سے دل کو تسلی دیں، اور ایک بار حجۃ الوداع کے وقت جبکہ دین درجۂ کمال کو پہنچ گیا تھا اور ساری مخلوق آپ کی طرف متوجہ تھی، فرمایا تھا۔ اس وقت آپ ناقہ پر سوار تھے اور لوگ حج کے مسائل آپ سے دریافت کر رہے تھے۔ جب آپ نے اس اسلامی شان و شوکت کو ملاحظہ فرمایا۔ تب آپ نے ایسا فرمایا تاکہ اب قلب اطہر لذاتِ دنیوی کی طرف مائل نہ ہو۔

روایت ہے کہ کسی شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رُوبرُو کہا اللھم انّی اسئلک تمام النعمۃ (الٰہی میں تجھ سے تمام نعمت کا سوالی ہوں) یہ سُن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے دریافت کیا کہ تجھے معلوم ہے کہ پوری نعمت کیا ہو گی اس نے عرض کیا میں نہیں جانتا! آپ نے فرمایا تمام نعمت یہ ہے کہ تجھے بہشت میسّر ہو۔ پس وہ دنیاوی نعمتیں جو سعادت آخرت کا وسیلہ نہیں ہیں فی الحقیقت ان کو نعمت نہیں کہنا چاہیے۔ وہ جو آخرت کا وسیلہ ہیں سولہ[16] ہیں چار کا تعلق دل سے ہے۔ یعنی علم مکاشفہ۔ علم معاملہ، پارسائی اور عدل ہے۔

علم مکاشفہ یہ ہے کہ حق تعالےٰ کو، اس کی صفات کو، ملائکہ اور رسولوں کو پہچانے۔ علم معاملہ وہ ہے جو ہم نے اس کتاب میں بیان کیا ہے، وہ راہ دین کی مشکلات ہیں، چنانچہ رکن مہلکات میں ان کو بیان کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں زادِ آخرت ہے جس کے بارے میں رکن معاملات اور رکن عبادت میں تحریر کیا گیا۔ اس کے علاوہ راہِ سلوک کی ان تمام منزلوں کو معلوم کرنا ہے جو رکن منجیات میں لکھی گئی ہیں، ان سب کو بخوبی معلوم کرے۔ پارسائی یعنی عفت سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنی قوت شہوت اور قوت غضب کو توڑے اور حسنِ اخلاق کو کامل طور پر حاصل کرے۔ اور عدل سے مقصود یہ ہے کہ شہوت اور غضب کو بالکل ترک کر دے کیونکہ اس میں خسارہ اور گھاٹا ہے اور ان کو اپنے اوپر اس قدر مسلّط نہ کرے کہ وہ حد سے گذر جائیں۔ خداوند کریم جل و علا کا ارشاد ہے: اَلَّا تَطْغَوْا فِی الْمِیْزَانِ ۝ وَاَقِیْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِیْزَانَ ۝[1] یہ چار چیزیں ان چار چیزوں سے تمام ہوں گی جن کا تعلق تن سے ہے۔ یعنی تندرستی، قوت، خوبروئی اور عمر دراز، سعادتِ آخرت کے حصول کے لیے تندرستی اور قوت درکار ہے، کیونکہ علم و عمل اور خلق نیک، علاوہ ازیں وہ خصائل جو انسان کے دل سے تعلق رکھتے ہیں، بغیر صحت کے حاصل نہیں ہو سکتے، یوں تو حسن و جمال کی چنداں حاجت نہیں ہے لیکن خوبرو انسان کا مطلب ہر کہیں نکل جاتا ہے، اس لحاظ سے جمال بھی مال و جاہ کی طرح ہے اور جو چیز دنیا کے مطالب و مقاصد کے کام آئے اس کو آخرت سے بھی علاقہ ہے۔ کیونکہ دنیا کے کاموں کا انتظام آخرت کی خاطر جمعی کا سبب ہو گا اور دنیا آخرت کی کھیتی ہے (الدنیا مزرعۃ الاخرۃ) اس کے علاوہ ایک بات اور ہے کہ ظاہری حسن و خوبی

---

[1] اور انصاف کے ساتھ تول قائم کرو اور وزن نہ گھٹاؤ۔

باطن کا دیباچہ ہے کہ یہ حسن عنایتِ الٰہی کا نور ہے جو بچے کی ولادت کے وقت ہی اس کی پیشانی میں چمکتا ہے اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب آدمی آپ کو سنوارتا ہے تو اپنے باطن کو بھی نیک اخلاق سے آراستہ کرے گا۔ اسی بنا پر بزرگوں نے کہا ہے کہ دنیا میں کوئی بدصورت شخص ایسا نہ ہوگا جس کی بھونڈی صورت اس کے برے باطن سے اچھی نہ ہو۔ اس سے کمال بدخوئی مراد ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اچھی صورت والوں سے اپنا مقصد طلب کرو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب کہیں سفیر بھیجنا مطلوب ہو تو خوبصورت اور نیک نام شخص کو بھیجو! اور فقہا نے فرمایا ہے کہ جب علم قرأت اور عفت میں سب برابر ہوں تو ایسے شخص کو امام بناؤ جو ان سب میں خوبصورت ہو، یہ خیال رہے کہ اس حسن سے وہ آرائش مقصود نہیں ہے جو شہوت کی محرک ہو، کیونکہ ایسی آرائش رنڈیوں کی صفت ہے، بلکہ انسان کا قد بلند ہو، اور ڈیل ڈول درست ہو، جس سے لوگ نفرت نہ کریں اور دیکھنے والوں کو اچھا معلوم ہو۔

وہ نعمتیں جن کا تعلق بدن سے نہیں ہے لیکن انسان کو ان کی حاجت ہے وہ مال وجاہ، زن و فرزند، اقربا، ملک اور نسب کی شرافت ہے۔

مال کی حاجت آخرت کے لیے اس وجہ سے ہے کہ جو شخص مفلس اور نادار ہے وہ سارے دن روزی کی تلاش میں رہے گا۔ علم و عمل کی طرف کس طرح اور کب مشغول ہو سکے گا پس مال بقدر کفایت دینی ایک نعمت ہے اور جاہ کی حاجت اس لیے ہے کہ جس کو جاہ و منزلت حاصل نہیں ہے وہ ہمیشہ ذلیل اور سبک سر رہے گا، دشمن اس کے درپے رہیں گے۔ لیکن مال وجاہ کی زیادتی میں آفت بہت ہے، اسی وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو کوئی صبح کو تندرست اٹھے اور دن کے لیے غذا (روزی) سے بے فکر ہو دنیا کی ساری دولت گویا اس کو حاصل ہے اور یہ بات بغیر جاہ و مال کے میسر نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ نِعْمَ الْعَوْنُ عَلَى التَّقْوَى اللهِ مَالٌ (پرہیزگاری کے باب میں مال بڑا مددگار ہے) زن و فرزند بھی دینی نعمت ہیں۔ کیونکہ جو شخص بیوی والا ہے وہ بہت سی باتوں سے بے فکر رہے گا۔ اور شہوت نفسانی کے شر سے محفوظ رہے گا۔ اسی واسطے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ "دین کے معاملہ میں نیک بیوی بڑی مددگار ہوتی ہے"۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ہم دنیا میں مال و متاع سے ہم کیا جمع کریں؟ آپ نے فرمایا خدا کا ذکر، کرنے والی زبان، شکر ادا کرنے والا دل، اور مومنہ بیوی کو جمع کرو! صالح فرزند باپ کے مرنے کے بعد، باپ کے حق میں دعائے خیر کرتا ہے اور زندگانی میں اس کا مددگار رہتا ہے۔ نیک فرزند انسان کے لیے ہاتھ پاؤں اور پر و بال کا حکم رکھتے ہیں کہ سارے کام انہی سے سرانجام ہوتے ہیں۔ پس یہ بھی نعمت ہے بشرطیکہ ان کی آفت سے بچنا ممکن ہو کہ ان کی فکر میں پڑ کر خدا کی طرف دھیان نہ کرے (اس صورت میں یہ آفت ہیں)۔ اب رہی شرافتِ نسب تو یہ بھی ایک بڑی نعمت ہے کہ دین کی سرداری قریش سے

مخصوص رکھی گئی ہے۔ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ تَخَیَّرُوا لنطفکم اِلاّ کفاء وایاکم وخضراء الدمن (اپنا بیج مناسب جگہ پر ڈالو اور اس سبزی سے جو گھوڑے کے اوپر اُگتی ہے بچو! لوگوں نے دریافت کیا کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اس ارشاد سے کیا مراد ہے تو آپ نے فرمایا خوبصورت عورت جو کم ذات کی ہے (وہ گھوڑے کے مانند ہے) نسب سے مراد دُنیا کی سرداری نہیں ہے بلکہ اس سے مراد دینی نسب ہے جو اہلِ صلاح اور دینداروں میں ہوتا ہے، یہ بھی ایک نعمت ہے۔ اخلاق اکثر ماں باپ ہی سے اولاد میں سرایت کرتے ہیں۔ جب باپ پرہیزگار ہوگا، جیسا کہ حق تعالیٰ نے تعریف فرمائی ہے وَکَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا (اور ان کا باپ ایک مردِ صالح تھا)

اب رہیں چار نعمتیں، وہ چار نعمتیں وہ ہیں جو ان بارہ نعمتوں کو زیادہ کرتی ہیں، ہدایت، رشد، تائید اور تسدید! ان چاروں کے مجموعہ کو توفیق کہتے ہیں، اور کوئی نعمت توفیق کے بغیر نعمت نہیں ہو سکتی۔ توفیق کے معنی یہ ہیں کہ حکمِ الٰہی اور بندے کے ارادے میں مطابقت پیدا ہو جائے۔ یہ بات خیر و شر دونوں کے لیے ہے۔ لیکن عادتاً توفیق کا استعمال زیادہ تر کارِ خیر کے لیے کیا جاتا ہے۔ توفیق کی تکمیل ان چار چیزوں سے ہوتی ہے اوّل ہدایت: ہدایت کا مرتبہ پہلا یوں ہے کہ کوئی شخص اس سے بے نیاز نہیں ہے کیونکہ جب کوئی شخص سعادتِ آخرت کا طالب ہے اور اس کی راہ کو نہیں پہچانتا بلکہ بے راہی کو راہ سمجھتا ہے تو محض طالب ہونے سے کیا فائدہ! اس کے اسباب کا پیدا کرنا بغیر ہدایت کے کام نہیں آتا، اس وجہ سے حق تعالےٰ نے دونوں چیزوں کا بطورِ احسان ذکر فرمایا ہے ربنا الذی اعطی کل شیئی خلقہ ثم ھدی (وہ پروردگار جس نے اندازہ کیا اور راہ دکھائی)

ہدایت کے تین درجے:- معلوم ہونا چاہیئے کہ ہدایت کے تین درجے ہیں۔ پہلا درجہ یہ ہے کہ انسان خیر و شر میں امتیاز کرے۔ اور یہ وصف تمام دانشوروں کو عطا فرمائی ہے، بعض کو خود ان کی عقل سے اور بعض کو پیغمبروں کی زبانی اور وَھَدَیْنٰهُ النَّجْدَیْنِ (اور اس کو دونوں راستے دکھا دیئے) سے یہی مراد ہے کہ یعنی خیر و شر کی راہ ہم نے انسان کو عقل کے وسیلے سے بتا دی۔ وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَیْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰی عَلَی الْهُدٰی (اور ثمود کو ہم نے راہ دکھائی پس انہوں نے گمراہی کو بمقابلہ ہدایت کے پسند کرلیا۔

اس ارشاد سے وُہ راہنمائی مراد ہے جو لسانِ انبیاء سے عمل میں آئی۔ لیکن وہ راہ یابی سے محروم رہے، ان کے محروم رہنے کا سبب حسد و تکبّر ہوگا یا دنیاوی مشاغل جس کے سبب سے انہوں نے انبیاء اور علماء کی بات نہیں سُنی، اس عمل سے کوئی بھی ہدایت یافتہ نہیں ہو سکتا۔

دوسرا درجہ ہدایتِ خاص ہے، جو دین کے معاملہ میں مجاہدے سے تھوڑی پیدا ہوتی ہے اور اس سے حکمت کی راہ کھلتی ہے، مجاہدہ کا نتیجہ یہی ہوتا ہے جیسا کہ فرمایا ہے وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا یعنی جب بندے مجاہدہ اور ریاضت کریں گے تو ہم ان کو اپنی راہ ضرور بتلائیں گے۔ یہ نہیں فرمایا کہ ہم خود بخود ہدایت کریں

گئے۔ وَالَّذِیْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًی (وہ جو ہدایت یاب ہوئے اللہ نے ان کی ہدایت زیادہ کردی) سے یہی مراد ہے۔ تیسرا درجہ ہدایت خاص الخاص کا ہے، یہ نور نبوت اور ولایت کی حالت میں پیدا ہوتا ہے، یہ ہدایت ذات باری تعالیٰ کی طرف ہے، اس کی راہ کی طرف نہیں ہے۔ کیونکہ عقل کا یہ مقدور نہیں ہے کہ خود بخود اس کی طرف جائے۔ فرمایا کہ: قُلْ اِنَّ هُدَی اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰی (کہہ دیجیے کہ بیشک ہدایت ہی ہدایت ہے) اس سے ہدایت مطلق مراد ہے اور اس ہدایت کا نام حیات رکھا گیا ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِی النَّاسِ (آیا وہ جو مردہ تھا اس کو ہم نے زندہ کیا یعنی کافر تھا پس اس کو ہم نے ہدایت دی اور اس کے لیے نور پیدا کیا کہ وہ اس کے ذریعہ لوگوں کے درمیان چلتا پھرتا ہے۔

رُشد کے معنی یہ ہیں کہ بندے میں ہدایت سے جو خوبی کا راستہ پیدا ہو اس کی طرف چلنے کی اس میں خواہش پیدا ہو۔ چنانچہ ارشاد فرمایا وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ (اور اس سے پہلے بھی ہم نے ابراہیمؑ کو ان کا رُشد عطا کر دیا تھا) مثلاً جب لڑکا بالغ ہو جاتا ہے کہ مال کی کس طرح حفاظت کی جائے اور اس جاننے کے باوجود اس نے حفاظت نہیں کی تو اس کو رشید نہیں کہیں گے اگرچہ وہ ہدایت یاب ہو! تسدید کے معنی یہ ہیں کہ بندے کے حرکات اور اس کے اعضاء کو بھلائی کی طرف آسانی کے ساتھ حرکت دی جائے تاکہ وہ جلد اپنے مقصد کو پہنچ جائے پس اس طرح ہدایت کا نتیجہ معرفت میں ہے اور رشد کا ثمرہ خواہش میں ہے۔ تسدید کا نتیجہ اور اس کا ثمرہ قدرت اور اعضا کی حرکات میں نظر آئے گا۔ تائید سے مراد آسمانی یا غیبی مدد ہے، یہ باطن میں بصیرت کی تیزی سے اور ظاہر میں قوت حرکت سے ظاہر ہوتی ہے، جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا (حضرت مریم علیہا السلام کے بارے میں) وَاَيَّدْنٰكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ (تمہاری مدد کی ہم نے روح القدس یعنی جبرئیل علیہ السلام سے) اور علت تائید سے نزدیک ہے۔ یعنی نبی کے باطن میں معصیت اور شرک کی راہ سے روکنے والا اور مانع پیدا ہوتا۔ لیکن وہ اس مانع کو بخوبی نہیں جانتا کہ وہ کہاں سے آیا۔ (جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں ارشاد کیا گیا وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ (اور بیشک عورت نے اس کا ارادہ کیا اور وہ بھی عورت کا ارادہ کرتا اگر اپنے رب کی دلیل نہ دیکھ لیتا) پس یہ دنیاوی نعمتیں ہیں جو زادِ راہ آخرت ہیں۔ ان کو کتنی اسباب کی اور ان اسباب کو اور دوسرے بہت سے اسباب کی حاجت ہے، اس مقام پر جب عارف پہنچے گا تو وہ اس رب الارباب تک پہنچ جائے گا جو حیرت زدوں کی راہ نمائی کرنے والا اور مسبب الاسباب ہے۔ اس مسبب اسباب کی تفصیل و تشریح بہت طویل اور دراز ہے۔ لہٰذا اس مقام پر ہم اتنے ہی پر اکتفا کرتے ہیں۔

شکرِ الٰہی میں خلائق کی تقصیر

تقصیر شکر کے اسباب: اے عزیز! معلوم ہونا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی شکر گذاری میں دو سبب سے تقصیر واقع ہوتی ہے ایک یہ کہ نعمتوں کی کثرت اور نعمات کی بندے کو خبر نہیں، جس کا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بے حد و حساب ہیں، ہم نے کتاب احیاء العلوم میں اُن تھوڑی سی نعمتوں کا بیان ہے جن کا تعلق کھانے پینے سے ہے تاکہ اس پر دوسری نعمتوں کا قیاس کیا جا سکے اور معلوم ہو سکے کہ اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں کا پہچاننا ممکن نہیں ہے۔ اس کتاب (کیمیائے سعادت) میں ان کے بیان کی گنجائش نہیں ہے۔ تقصیر کا دوسرا سبب یہ ہے کہ انسان ایسی نعمت کو جو عام ہو نعمت ہی نہیں سمجھتا اور خداوند تعالیٰ کا اس پر شکر بجا نہیں لاتا۔ مثال کے طور پر یہ ہوائے لطیف ہے جس کو انسان سانس کے ذریعہ اپنے اندر کھینچتا ہے، جو اس روح جوان کو مدد پہنچاتی ہے جس کا مخزن و معدن دل ہے اور دل کی حرارت کو یہ ہوائے لطیف اعتدال بخشتی ہے۔ اگر یہ ذراسی دیر کے لیے رک جائے تو انسان ہلاک ہو جائے، ایسی نعمت کو انسان اپنی غفلت کے باعث نعمت ہی نہیں سمجھتا، وہ ایسی بے شمار سانسیں لیتا ہے جن کی اس کو خبر ہی نہیں ہوتی اس کی خبر جب ہوگی کہ ایک ذراسی دیر کے لیے ایسے کنوئیں میں جائے جس کی ہوا غلیظ ہے اور دم گھٹنے لگے (تب ہوائے لطیف کی اس کو قدر ہوگی) یا گرم حمام میں تھوڑی دیر کے لیے اس کو بند کر دیا جائے اور کچھ دیر کے بعد صاف و پاک ہوا میں اس کو نکالیں تب وہ اس نعمت کی قدر پہچانے گا! اس طرح جب تک انسان کی آنکھوں میں درد نہ ہو یا بینائی نہ جاتی رہے صحت چشم کا کس طرح شکر ادا کرے گا۔ اس کی مثال اس غلام جیسی ہے کہ جب تک اس کو مارا پیٹا نہ جائے مار نہ کھانے کی اس کو قدر کس طرح ہو سکتی ہے اور جب اُسے مارا نہیں جائے گا تو وہ سرکشی کرے گا۔ پس اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کی تدبیر یہ ہے کہ بندہ ہر آن ہر پل اللہ تعالیٰ نعمتوں کو (دل میں) یاد کرے اور یہ بات انسانِ کامل ہی سے ہو سکتی ہے۔ اس کی تفصیل ہم نے کتاب احیاء العلوم میں پیش کی ہے۔ لیکن جو ناقص اور کم فہم ہے اس کے لیے تدبیر یہ ہے کہ اس کو ہر روز بیمارستان (اسپتال)، قید خانے اور گورستان میں لے جائے تاکہ وہاں بیماروں، قیدیوں اور مُردوں کو دیکھ کر اپنی عافیت اور سلامتی کی قدر پہچانے ممکن ہے کہ اس صورت میں وہ شکر ادا کرے، گورستان میں پہنچ کر یہ خیال کرے کہ یہ مُردے ایک دن کی زندگی کی تمنا کرتے تھے تاکہ اپنے بُرے اعمال کا بدلہ کر سکیں لیکن ان کو وہ ایک دن کی زندگی بھی نہیں مل سکی! لیکن اس زندے کو دیکھ کر کہ بہت سے دِن اس کی حیات کے باقی ہیں لیکن یہ ان کی قدر نہیں کرتا۔

ایسا شخص جو عام نعمت کا شکر ادا نہیں کرتا جیسے ہوا اور سورج، آنکھیں اس کو دیکھتی ہیں اور محسوس کرتا ہے

لیکن وہ سمجھتا ہے کہ مال و دولت ہی بس صحت ہے، اس کو سمجھنا چاہیئے کہ اس طرح خیال کرنا محض نادانی ہے کہ نعمت اگر عام ہی ہو پھر بھی وہ نعمت ہے اگر وہ غور کرے تو خاص نعمت سے بھی اس کو نوازا گیا ہے۔ مثلاً ہر شخص یہ تصور کرتا ہے کہ اس کی عقل کی مانند دوسروں کی عقل نہیں ہے اور اس کے اخلاق دوسروں کے اخلاق سے بہتر ہیں اسی وجہ سے وہ دوسروں کو احمق اور بدخواہ اپنے مقابلہ میں سمجھتا ہے۔ پس چاہیئے کہ وہ اس نعمت خاص کا شکر ادا کرے اور لوگوں کی عیب بینی نہ کرے، بلکہ ہر ایک آدمی میں ایسے ہزاروں عیب ہیں جن کو اس کا دل جانتا ہے اور کوئی دوسرا نہیں جانتا کیونکہ حق تعالےٰ نے جو ستارالعیوب ہے ان پر پردہ ڈال دیا ہے، صرف یہی نہیں بلکہ انسان کے خیال میں جو باتیں گذرتی ہیں اگر وہ لوگوں کو معلوم ہو جائیں تو بڑی پریشانی کا سبب ہو۔ پس یہ بات ہر ایک کے حق میں نعمت خاص ہے۔ لازم ہے کہ اس کا شکر بجالائے۔ اور کبھی بھی اس کا خیال دل میں نہ لائے کہ میں فلاں چیز سے محروم ہوں اس صورت میں وہ ادائے شکر سے محروم رہے۔ بلکہ اس کو چاہیئے کہ وہ اس نعمت پر غور کرے جو بغیر کسی استحقاق کے اس کو دی گئی ہے۔

مفلسی کے غم کا علاج :-

منقول ہے کہ ایک شخص نے کسی بزرگ کے پاس جاکر اپنی غریبی اور مفلسی کی شکایت کی تو انہوں نے اس شخص سے کہا کہ تم چاہتے ہو کہ تمہاری ایک آنکھ بند ہو جائے اور تم کو دس ہزار درہم مل جائیں اس نے کہا نہیں، پھر انہوں نے پوچھا کان، ہاتھ، پاؤں کے عوض اتنی رقم تم کو دیدی جاتے (ان کو بیچتے ہو) اس نے کہا نہیں، تو انہوں نے کہا اچھا اتنی رقم کے عوض اپنی عقل بیچتے ہو اس نے کہا یہ بھی میری مرضی نہیں ہے تب انہوں نے کہا کہ پس اس صورت میں پچاس ہزار درہم کا مال تو تمہارے پاس موجود ہے اور اس پر بھی تم مفلسی کی شکایت کر رہے ہو۔ صرف یہی نہیں بلکہ اکثر لوگ ایسے ہیں کہ تم اگر ان سے کہو کہ اپنی حالت کو دوسرے کے حال سے بدل لیں تو وہ اس پر راضی نہیں ہوں گے۔ پس وہ نعمت جو اس کو ملی ہے دوسرے کو نہیں دی گئی ہے لہٰذا یہ محل شکر ادا کرنے کا ہوا۔ (انسان کو شکر ادا کرنا چاہیئے)

سختی اور بلا میں شکر ادا کرنا لازم ہے :-

اے عزیز معلوم ہونا چاہیے کہ سختی اور مصیبت میں شکر ادا کرنا لازم ہے۔ کیونکہ کفر کی مصیبت کے سوا اور کوئی ایسی مصیبت نہیں ہے جس میں کوئی ایک خوبی موجود نہ ہو لیکن تم اس سے واقف اور آگاہ نہیں ہو۔ حق تعالیٰ تمہاری بھلائی کو خوب جانتا ہے۔ بلکہ ہر بلا پر پانچ طرح کا شکر واجب ہے ایک یہ کہ اس کی مصیبت کا تعلق جسم سے تھا دین سے نہیں تھا۔ کسی شخص نے شیخ عبداللہ بن سہل تستریؒ سے پوچھا کہ چور میرے گھر میں گھس کر تمام مال چرا کر لے گیا! انہوں نے فرمایا کہ اگر شیطان تیرے دل کے اندر گھس کر ایمان چرا کر لے جاتا تو کیا کرتا۔ دوسری قسم شکر کی یہ ہے کہ کوئی بیماری اور بلا ایسی نہیں ہے کہ دوسری اس بلا سے بدتر نہ ہو پس اس پر شکر کرو کہ تم اس بدتر بلا اور مصیبت میں گرفتار نہیں ہوئے، جو شخص ہزار مار کے لائق ہو اور سو سے زیادہ اس کو نہ ماریں تو یہ اس کے لیے شکر کا مقام ہے۔ منقول ہے کہ کسی بزرگ کے سر پر ایک

شخص نے طشت بھر کر خاک ڈال دی، انہوں نے شکر ادا کیا۔ لوگوں نے پوچھا کہ شکر کا کونسا موقع ہے تو انہوں نے کہا کہ میں تو اس لائق تھا کہ مجھ پر طشت بھر کر انگارے ڈالے جاتے اور اس کے بجائے راکھ ڈالی گئی تو یہ مقام شکر گذاری کا ہے تیسرے یہ کہ کوئی دنیاوی عذاب ایسا نہیں ہے جس کو آخرت پر موقوف رکھا جائے۔ آخرت کا عذاب تو اس سے سخت اور بدتر ہوگا۔ پس اس بات کا شکر بجالائے کہ یہ عذاب دنیا میں ہوا اور دنیا کا عذاب آخرت کی رہائی کا سبب ہے حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس کو دنیا میں عذاب دیا جاتا ہے اس کو آخرت میں عذاب نہیں دیں گے کیونکہ سختی اور بلا گناہوں کا کفارہ ہوتی ہے۔ پس جب انسان گناہوں سے پاک ہو گیا تو پھر اس پر عذاب کیوں ہوگا۔ طبیب تم کو کڑوی دوا دیتا ہے۔ تمہاری فصد کھولتا ہے۔ اگرچہ ان دونوں سے اذیت ہوتی ہے لیکن شکر کا مقام ہے کہ تم نے اس تھوڑی تکلیف سے بڑی بیماری سے نجات پائی۔ چوتھی قسم یہ ہے کہ جو بلا تم پر آنے والی تھی وہ لوحِ محفوظ میں لکھی تھی، وہ آئی اور آکر ٹل گئی تب بھی مقامِ شکر ہے۔ شیخ ابوسعید ابوالخیر گدھے پر سے گر گئے انہوں نے الحمدللہ کہا۔ لوگوں نے پوچھا کہ تم نے شکر کس بات کا ادا کیا۔ انہوں نے کہا اس طرح گدھے سے گرنا ازل میں مقدر ہو چکا تھا اور گدھے پر سے گرنے سے یہ آفت ٹل گئی پس اس آفت کے گذر جانے پر اللہ کا شکر ادا کر رہا ہوں۔ پانچویں قسم یہ ہے کہ دنیا کی مصیبت دو وجہ سے آخرت کے ثواب کا باعث ہوتی ہے۔ ایک یہ کہ اس مصیبت کا اجر بڑا ہے۔ دوسرا باعث یہ کہ سب گناہوں سے بڑا گناہ یہ ہے۔ کہ تم نے دنیائے فانی سے ایسا دل لگایا کہ اس کو اپنی بہشت سمجھ لیا اور خداوند تعالیٰ کے حضور میں جانے کو قید خانہ تصوّر کیا کرتا تھا۔ اور جس کو دنیا میں مصیبت میں گرفتار کرتے ہیں اس کا دل دنیا سے بیزار ہو جاتا ہے اور دنیا اس کے حق میں قید خانہ اور موت نجات بن جاتی ہے۔ اور کوئی بلا ایسی نہیں ہے جس میں حق تعالیٰ کی طرف سے تنبیہہ نہ ہو۔ اگر بچہ، جو باپ کے ہاتھ سے سزا پاتا ہے، صاحب عقل ہوتا ہے تو وہ اس مار پر شکر بجالاتا ہے کیونکہ اس میں تنبیہہ ہوتی ہے اور تنبیہہ میں بڑا فائدہ ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ حق تعالیٰ اپنے دوستوں کی غم خواری ان کو محنت و بلا میں گرفتار کر کے فرماتا ہے۔ جس طرح تم دنیا میں کسی کی خبر گیری اور غم خواری کھانے پینے سے کرتے ہو۔

ایک شخص سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ چور میرا تمام مال چرا کر لے گئے آپ نے فرمایا "جس کا مال ضائع نہ ہو اور بیمار نہ ہو اس میں بھلائی نہیں ہے یعنی اس کو آخرت کا ثواب حاصل نہیں ہوگا" حق تعالیٰ جس بندے کو دوست رکھتا ہے تو اس پر بلا نازل فرماتا ہے۔ حضور علیہ التحیۃ والثناء نے یہ بھی فرمایا ہے کہ بہشت کے بہت سے درجے ہیں اور بندہ اپنی کوشش سے ان تک نہ پہنچ سکے تو حق تعالیٰ اس کو بلا میں مبتلا کر کے اس مقام تک پہنچا دے گا۔

ایک دن سرورِ کائنات ﷺ اپنا روئے اطہر آسمان کی طرف کیے ہوئے تھے۔ پھر تبسم فرماتے ہوئے ارشاد کیا کہ میں مومن کے حق میں تقدیرِ الٰہی سے تعجب میں ہوں کہ حق تعالیٰ اگر اس کے حق میں نعمت کا حکم فرماتے تب بھی وہ راضی ہوتا ہے کہ اس میں اس کی اچھائی ہے اور اگر بلا کا حکم فرماتا ہے تب بھی وہ بندۂ مومن راضی ہوتا ہے کہ اس میں بھی اس کی خوبی

ہے۔ یعنی بلا میں صبر کرتا ہے اور نعمت میں شکر، دونوں صورتوں میں اس کے لیے بھلائی ہے۔ یہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ عافیت میں رہنے والے لوگ، مصیبت میں گرفتار رہنے والے لوگوں کے قیامت میں جب بڑے بڑے درجے دیکھیں گے تو خواہش کریں گے کہ کاش! دنیا میں ان کا گوشت نہرنی سے کتر ڈالا گیا ہوتا (تاکہ یہ بلند درجے حاصل ہوتے)

کسی پیغمبر (علیہ السلام) نے بارگاہِ الٰہی میں التماس کی کہ الٰہی! تو کافر کو نعمت کثرت سے عطا فرماتا ہے اور مومن پر بلا نازل فرماتا ہے۔ اس کا کیا سبب ہے۔ خداوند بزرگ و برتر نے ارشاد فرمایا کہ بندے! بلا اور نعمت میرے اختیار میں ہے میں چاہتا ہوں کہ مومن گنہگار موت کے وقت گناہوں سے پاک ہو کر مجھ سے ملے اور میں دنیا کی بلاؤں کو اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہوں اور کافر کی نیکیوں کا بدلہ، دنیا کی نعمت سے کرتا ہوں تاکہ جب وہ میرے پاس آئے تو اس کا کچھ حق باقی نہ رہے۔ پھر میں اس کو خوب عذاب دوں گا۔

جب اس آیت کا نزول ہوا (مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ جو بدی کرے گا اس کی جزا پائے گا) تب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم اس محنت سے کس طرح نجات پائیں گے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کیا تم بیمار اور غمگین نہیں ہوتے ہو؟ مومن کے گناہ کا یہی بدلہ ہے۔

منقول ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے ایک فرزند کا انتقال ہو گیا، حضرت سلیمان علیہ السلام بہت غمگین اور ملول ہوئے۔ تب دو فرشتے جھگڑا کرنے والوں کی شکل میں آپ کے پاس آئے۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ میں نے زمین میں بیج بویا تھا اس نے زمین کو روند کر بیج کو ضائع کر دیا۔ دوسرے شخص نے کہا کہ اس نے عام راستے پر بیج بویا تھا اس طرح کہ اس کے دائیں بائیں راستہ نہ تھا۔ میں نے مجبوراً اس کو پامال کر ڈالا۔ تب سلیمان علیہ السلام نے پہلے شخص کو ملزم قرار دیتے ہوئے کہا کہ تو نے راستہ میں بیج کیوں بویا تھا کیا تجھے معلوم نہیں کہ راستہ پر لوگ چلا ہی کرتے ہیں تب فرشتہ نے ان کو جواب دیا کہ آپ نے اپنے بیٹے کی موت پر ماتمی لباس کیوں پہنا ہے کیا آپ یہ بات نہیں جانتے کہ آدمی کو موت کی شاہراہ سے گذرنا ہی پڑتا ہے۔ تب سلیمان علیہ السلام نے بارگاہِ الٰہی میں توبہ واستغفار کی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے بیمار بیٹے کو جب موت کے قریب پایا تو اس سے فرمایا کہ اے فرزند اگر تم مجھ سے پہلے مرجاؤ تاکہ تم میری ترازو (پلۂ اعمال) میں رہو، میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے اس بات سے کہ میں تمہاری ترازو میں رہوں، اس نیک بخت فرزند نے جواب دیا اے والد محترم! جو آپ کی مرضی ہے وہی میں چاہتا ہوں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو کسی شخص نے خبر پہنچائی کہ آپ کی بیٹی کا انتقال ہو گیا، آپ نے فرمایا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔ ایک کھلا ہوا حصہ ڈھک گیا اور خرچ کم ہو گیا اور ثواب فی الفور مل گیا۔ پھر وہ اٹھے اور دو رکعت نماز ادا کر کے فرمایا حق تعالےٰ کا حکم ہے وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ (مصیبت کے وقت صبر اور نماز سے مدد چاہو) پس

ہیں یہ دونوں کام بجا لایا۔

شیخ حاتم اصم نے کہا ہے کہ حق تعالےٰ قیامت کے دن چار شخصوں سے چار جماعتوں کو الزام دے گا حضرت سلیمان علیہ السلام سے توانگروں کو، حضرت یوسف علیہ السلام سے غلاموں کو، حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے درویشوں کو، اور حضرت ایوب علیہ السلام سے ان لوگوں کو جو مصیبت اور دکھ میں صابر نہیں رہے۔

شکر کا بیان یہاں اس قدر ہی کافی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اصلِ سوم

خوف و اُمید

معلوم ہونا چاہیئے کہ خوف و امید سالک کے لیے دو بازوں کی طرح ہیں جن کی قوت سے وہ بلند مقامات کو پہنچتا ہے۔ کیونکہ جمالِ الٰہی کے حجابات بہت بلند ہیں، جب تک امیدِ صادق پیدا نہ ہو اور جمالِ الٰہی کی لذت مدد نہ کرے ان بلندیوں کو طے کرنا بہت مشکل ہے۔ اس کے برعکس نفسانی خواہشات جو دوزخ کی راہ پر واقع ہیں، ایسی غالب اور انسان کو فریب دینے والی، اور اپنی طرف کھینچنے والی ہیں کہ انسان کا اس کے دام سے بچنا بہت مشکل ہے، جب تک انسان کے دل پر (خدا کا) خوف غالب نہ ہو، اس ہوا و ہوس سے بچنا ناممکن ہے۔ اسی بنا پر خوف و امید کی بڑی فضیلت رکھی گئی ہے۔ کیونکہ اُمید باگ کی طرح ہے جو بندے کو کھینچتی ہے اور خوف دُرّے اور کوڑے کی مانند ہے جو اس کو چلاتا ہے۔ ہم پہلے امید کا بیان کرتے ہیں اس کے بعد خوف کا ذکر کریں گے۔

امید و رجا کی فضیلت

اے عزیز! معلوم ہونا چاہیئے کہ خداوند تعالیٰ کی عبادت، اس کے کرم کی اُمید پر اس عبادت سے بڑھ کر ہے جو عذاب کے خوف سے کی جائے کیونکہ اُمید کا نتیجہ محبت ہے اور ظاہر ہے کہ محبت کے درجہ سے بالاتر کوئی درجہ نہیں ہے اور خوف کا نتیجہ ڈر اور نفرت ہے۔ چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لَا یَمُوْتَنَّ اَحَدُکُمْ اِلَّا وَھُوَ یُحْسِنُ الظَّنَّ بِاللّٰہِ (یعنی تم میں سے ہر ایک کو لازم ہے کہ خدا کے ساتھ نیک گمان کرتا ہو امرے (جب مرے تو خدا کے ساتھ اس کا گمان نیک ہو) خداوند تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں بندے کے گمان کے قریب ہوں اس کو کہو وہ جو گمان رکھنا چاہتا ہے میرے ساتھ رکھے"

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو نزع کے عالم میں دیکھ کر فرمایا کہ تو خود کو کس حال میں پاتا ہے اس نے کہا کہ میں گناہوں سے ڈرتا ہوں اور خداوند کریم کی رحمت کا اُمیدوار ہوں، تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسے وقت میں (نزع میں) جس کے دل میں یہ دونوں باتیں جمع ہوتی ہیں حق تعالےٰ اس کو ڈر سے بچاتا ہے اور اس کی اُمید

بڑھا لاتا ہے۔

حق تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ "آیا تم جانتے ہو کہ یوسف (علیہ السلام) کو میں نے تم سے کس لیے جدا کیا؟ میں نے اس واسطے جدا کیا کہ تم نے کہا تھا کہ "وَاَخَافُ اَنْ یَّاْکُلَهُ الذِّئْبُ" (میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ اس کو بھیڑیا کھا جائے گا) تم بھیڑیے سے تو ڈرے لیکن میرے کرم کی امید نہ رکھی، اور میری حفاظت کو اہمیت نہ دیتے ہوتے، بھائیوں کی غفلت اور بے پروائی کی طرف تمہارا خیال گیا"۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایک شخص کو دیکھا جو اپنے گناہوں کی کثرت سے نہایت خوف زدہ تھا آپ نے اس سے فرمایا کہ مایوس مت ہو کہ خداوند تعالیٰ کی رحمت، گناہوں سے کہیں زیادہ ہے"۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ قیامت میں ایک بندے سے پوچھے گا کہ دوسرے بندے کو گناہ کا کام کرتے ہوئے دیکھ کر تو نے احتساب کیوں نہیں کیا۔ اگر حق تعالیٰ اس کی زبان کو گویا فرما دے تو وہ کہے گا کہ میں لوگوں سے ڈرا اور تیری رحمت کا امیدوار رہا۔ تب اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے گا"۔ اسی طرح ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم اسے جان لو تو بہت گریہ و زاری کرو اور ہنسنا کم کر دو اور جنگل کی طرف نکل جاؤ سینہ کوبی اور گریہ و زاری کرنے لگو"، تب حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ آپ میرے بندوں کو میری رحمت سے ناامید کیوں کرتے ہیں، اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور فضلِ الٰہی سے امید رکھنے کے بارے میں ارشاد فرمایا"۔

حق تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ اے داؤد تم مجھے دوست رکھو اور لوگوں کے دلوں میں مجھے دوست بنا دو! انہوں نے کہا بارِ الٰہا! تجھے ان کا دوست کس طرح بناؤں، فرمایا میرا فضل و انعام ان کو سُنا دے کہ مجھ سے نیکی کے سوا کچھ نہیں دیکھیں گے۔

کسی شخص نے یحییٰ بن اکثم کو خواب میں دیکھ کر دریافت کیا کہ خداوند تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ انہوں نے جواب دیا کہ مجھے موقف سوال میں کھڑا کر کے کہا گیا کہ اے بوڑھے تو نے فلاں فلاں ایسے کام کیے ہیں، ان سوالوں سے میرے دل پر ہیبت طاری ہو گئی۔ پھر میں نے عرض کیا کہ الٰہ العالمین! تیرے بارے میں مجھے ایسی خبر نہیں دی گئی تھی! باری تعالیٰ نے فرمایا کہ پھر کیسی خبر تجھے دی گئی تھی۔ میں نے عرض کیا کہ مجھ سے شیخ عبدالرزاق نے ان سے معمر نے، معمر نے زہری سے اور زہری نے انسؓ سے اور انس نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریلؑ سے حضرت جبریلؑ نے تجھ سے خبر دی تھی کہ تو نے فرمایا ہے کہ میں اپنے بندوں کے ساتھ ایسا معاملہ کروں گا جیسا وہ میرے بارے میں گمان رکھتا تھا اور امید رکھتا تھا کہ تو مجھ پر رحمت فرمائے گا! تب ارشاد ہوا کہ جبریل، رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) انس، زہری، معمر اور عبدالرزاق رحمہم اللہ تعالیٰ سب سچے ہیں! تجھ پر رحم کیا جاتا ہے۔ پھر مجھ کو

خلعت پہنایا گیا، غلمان میرے جلو جلو چلتے ہیں، میں نے ایسی خوشی کبھی نہیں پائی۔
حدیث شریف میں آتا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص لوگوں کو خدا کی رحمت سے مایوس کیا کرتا تھا اور ان کو محنت میں مبتلا کرتا تھا، قیامت کے دن اللہ تعالےٰ اس سے فرمائے گا کہ جس طرح تو میرے بندوں کو مجھ سے نا امید کیا کرتا تھا میں آج تجھ کو اپنی رحمت سے ناامید کروں گا۔" حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک شخص دوزخ میں ہزار برس رہنے کے بعد کہے گا یَا حَنَّانُ یَا مَنَّانُ، حق تعالےٰ جبریل علیہ السلام کو حکم دے گا جاؤ میرے اس بندے کو بلاؤ جب اُسے لایا جائے گا تو اللہ تعالےٰ فرمائے گا کہ تو نے دوزخ کو کیسی جگہ پایا؟ وہ کہے گا بہت بد تر پایا تب حق تعالےٰ فرمائے گا اس کو پھر دوزخ میں لے جاؤ جب اس کو دوزخ کی طرف لے جانے لگیں گے تو وہ پلٹ کر دیکھے گا حق تعالےٰ فرمائے گا کیا دیکھتا ہے؟ وہ جواب دے گا کہ مجھ کو یہ اُمید تھی کہ دوزخ سے نکالنے کے بعد پھر مجھے اس میں نہیں ڈالا جائے گا، تب حق تعالےٰ فرمائے گا کہ اس کو بہشت میں لے جاؤ، غرض محض اس امید کی وجہ سے اس کو نجات حاصل ہو گی۔

رجا کی حقیقت

رجا کسے کہتے ہیں

معلوم ہونا چاہیے کہ آئندہ زمانے میں بھلائی اور بہتری کی امید رکھنے کو رجا کہتے ہیں، بعض صورتوں میں تمنا، غرور اور حماقت بھی اس کے معنی ہوتے ہیں، جو لوگ نادان ہیں وہ ان تین لفظوں میں فرق نہیں کرتے اور یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ سب کچھ اُمید ہے حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ اگر کوئی شخص اچھا بیج حاصل کر کے نرم زمین میں بو دے اور اس جگہ سے تمام کوڑا کرکٹ اور گھاس پھوس صاف کر کے وقت پر پانی دے پھر اس بات کا امیدوار ہو کہ حق تعالےٰ اگر اس کو آفات سماوی سے محفوظ رکھے گا تو میں خوب غلہ حاصل کروں گا ایسی ہی آس کو امید کہتے ہیں۔ اور اگر سڑا ہوا (گھنا ہوا) بیج سخت زمین میں بو دیا یا خس وخاشاک سے اس جگہ کو صاف نہیں کیا اور پانی نہیں دیا اور پھر حصول کی امید رکھی تو اس کو غرور یا حماقت کہیں گے رجا نہیں کہیں گے۔ اور اگر اچھا بیج بویا زمین کو بھی خس وخاشاک سے پاک صاف کیا لیکن پانی نہیں دیا بلکہ اس بات کا امیدوار رہا کہ مینہ برسے گا اور یہ ایسی جگہ ہے کہ اکثر بارش نہیں ہوتی تو ایسی آس کو آرزو یا تمنا کہتے ہیں۔ اس طرح جس شخص نے اچھے ایمان کا بیج دل میں بویا اور اس کو بُرے اخلاق (کے خس وخاشاک) سے پاک کیا اور ایمان کے اس بیج کو ہمیشہ اطاعت الٰہی سے پانی دے کر فضل خداوندی سے امید رکھتا ہے کہ وہ اس پودے کو آفات سے محفوظ رکھے گا اور موت کے وقت بھی یہی صورت رہے گی اور ایمان سلامت لیجائے گا، تو اس کو امید کہتے ہیں اور اس کی علامت یہ ہے کہ مستقبل میں جو کام کرنے کا ہو اس میں تقصیر نہ کرے اور دل کی خبر گیری سے غافل نہ رہے کیونکہ کمیت سے غافل رہنا ناامیدی کی نشانی ہے اور امیدوار ایسا نہیں کرے گا۔
اگر ایمان کا تخم سڑا ہوا ہے یقین کامل نہیں ہے۔ یا یقین کامل تو ہے پر دل کو بُرے اخلاق سے پاک نہیں کیا

اور طاعت کا پانی ایمان کے درخت کو نہیں دیا تو اس صورت میں رحمتِ الٰہی کی آس رکھنا حماقت ہے اس کو امید نہیں کہا جائے گا۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اَلْاَحْمَقُ مَنْ اَتْبَعَ نَفْسَہٗ ھَوَاھَا وَتَمَنّٰی عَلَی اللّٰہِ یعنی احمق وہ شخص ہے جو ہر کام میں اپنے نفس کی خواہشات کا تابع ہو جائے اور اللہ تعالےٰ کی رحمت کی امید رکھے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِھِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْکِتٰبَ یَاْخُذُوْنَ عَرَضَ ھٰذَا الْاَدْنٰی وَ یَقُوْلُوْنَ سَیُغْفَرُ لَنَا ج ایسے لوگوں کی مذمت کی ہے جن کو رسولوں کے بعد بُرے بھلے کی خبر پہنچی لیکن وہ دنیا کے جھمیلوں میں ڈوبے رہے اور کہتے تھے کہ حق تعالیٰ ہم کو بخش دے گا۔ اس گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ جو اسباب بندے کے اختیار سے تعلق رکھتے ہوں ان کو بجالائے اور حاصل کی امید رکھے، اس کا نام رجا ہے اور جب زمین ویران ہو تو امیدوار ہونا غرور یا حماقت کی دلیل ہے۔ پھر اگر زمین نہ ویران ہو نہ آباد ہو تو اس صورت میں حاصل کی امید رکھنے کو آرزو کہتے ہیں۔ اور حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لیس الدین بالتمنّٰی۔ دین کا کام تمنّا اور آرزو سے یا خیال خام سے درست نہیں ہو گا۔

پس جس شخص نے توبہ کی اس کو چاہیے کہ قبول ہونے کی امید رکھے اور اگر توبہ نہیں کی لیکن گناہوں کے سبب سے غمگین اور ملول رہا اور امیدوار ہے کہ حق تعالیٰ اس کو توبہ کی توفیق دے گا تو یہ رجا ہے کیونکہ اس کی یہ غم خوارگی توبہ کی توفیق کا سبب ہوتا ہے اگر گناہ سے غمگین نہ ہوا اور عفو کی امید رکھی تو یہ حماقت ہے اور بغیر توبہ کے بھی اگر مغفرت چاہے گا تو بھی حماقت ہے اگرچہ احمق لوگ اس توقع کو امید کہا کرتے ہیں۔ حق تعالےٰ ارشاد فرماتا ہے:۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ ھَاجَرُوْا وَجٰھَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اُولٰٓئِکَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰہِ ط وَ اللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۵؎

شیخ یحییٰ بن معاذ رازیؒ نے کہا ہے کہ کوئی حماقت اس سے بڑھ کر نہیں ہو گی کہ انسان دوزخ کا بیج بوئے اور بہشت کی امید رکھے اور نیکوں کا مقام تلاش کرے اور عاصیوں کا عمل کرے اور خدا کی بندگی نہ کر کے ثواب کا طالب ہو۔

ایک شخص نے جس کا نام زید الخیل تھا، سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ میں اس لیے خدمت میں حاضر ہوا ہوں تاکہ آپ سے دریافت کروں کہ اس شخص کی علامت کیا ہے جس کے حق میں خداوند نے بھلائی چاہی ہو اور اس کی علامت کیا ہے جس کی بھلائی خدا کو منظور نہیں! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہی اس بات کا نشان ہے کہ خداوند تعالیٰ کو تیری بھلائی منظور ہے، اور اگر تو بُرے کام کا خیال کرتا تو وہ تجھے اس میں مشغول فرما دیتا، پھر اس کو کچھ پرواہ نہ ہوتی کہ وہ تجھے دوزخ کی کس وادی میں ہلاک کرے۔

۵؎ یعنی جو لوگ ایمان لائے اور اپنا گھر بار چھوڑ کر اللہ کے لیے ہجرت کی اور کفار سے جہاد کیا، ان کو سزاوار ہے کہ وہ ہماری رحمت کی امید رکھیں۔ اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا مہربان ہے۔

رجا کے حصول کا علاج

یعنی طریقہ

اے عزیز معلوم ہونا چاہیئے کہ دو بیماروں کے سوا، اس دوا کی حاجت اور کسی کو نہیں ہے، ان میں سے ایک شخص وہ ہے جو کثرتِ گناہ کے باعث نا امید ہو کر توبہ نہیں کرتا اور کہتا ہے کہ میری توبہ قبول نہیں ہو گی۔ دوسرا وہ شخص ہے جو کثرتِ عبادت سے خود کو ہلاکت میں ڈال رہا ہے اور اپنی طاقت سے زیادہ محنت کرتا ہے، ان دونوں مریضوں کے لیے دوا کی حاجت ہے لیکن جو غافل ہیں ان کے لیے یہ دوا فائدہ بخش نہیں ہے بلکہ زہر قاتل کا حکم رکھتی ہے۔

نا امید شخص کو دو اسباب سے حاصل ہو گی اوّل یہ کہ مخلوق الٰہی کو جو دنیا میں از قسم نباتات و حیوانات ہیں اور ان کے علاوہ یہ طرح طرح کی نعمتیں موجود ہیں ان کو عبرت کی نظر سے دیکھے تاکہ حق تعالےٰ کی رحمت و عنایت اور لطف جو اس سے مافوق نہیں ہے اس کے خیال میں آئے۔ مثلاً وہ اپنے بدن پر ہی نظر کرے تو معلوم ہو گا کہ جو اعضا ضروری تھے وہ اس نے بڑی خوبی سے پیدا کیے ہیں، جیسے سر اور دل! ایسے اعضا جن کی حاجت تھی لیکن ناگزیر نہیں تھے جیسے ہاتھ پاؤں یا محض ان سے آرائش مقصود تھی حاجت بھی نہیں تھی، جیسے لبوں کی سرخی، ابرو کی کجی، آنکھ کی سیاہی پلکوں کا سیدھا ہونا اور یہ رحمت محض انسان ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ حیوانات کو بھی یہ خوبیاں عطا کی ہیں۔ یہاں تک کہ زنبور (شہد کی مکھی) کی شکل بہت ہی اچھی اور لطیف بنائی ہے اور الہام کے ذریعہ اس کو بتایا کہ گھر کو خوب اچھے انداز کا بنائے اور اس میں شہد جمع کرے۔ جس طرح رعیت اپنے بادشاہ کی اطاعت کرتی ہے اور حکم بجالاتی ہے، اسی طرح شاہِ زنبوراں کو بھی سیاست اور نظم و نسق (طریقۂ حکمرانی) کا سکھایا۔ جب انسان اپنے ظاہر و باطن اور دوسری مخلوقات میں ایسے عجائب پر غور و تامل کرے گا تو اس وقت وہ سمجھ لے گا کہ خدا کی رحمت میں مایوسی اور خوف کے غلبہ کی گنجائش نہیں ہے بلکہ بندے کو چاہیئے کہ خوف اور رجا برابر ہوں۔ ہاں اگر رجا غالب ہو تو کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ غرض خداوند تعالیٰ کی رحمت اور اس کا لطف، جو اس نے اپنے بندوں پر فرمایا ہے بے نہایت ہے۔

کسی بزرگ کا قول ہے کہ قرآن پاک کی کوئی آیت "آیت مداینات" سے زیادہ تسلی بخشنے والی نہیں ہے جس میں تاکید ہے کہ جب ہم کسی کو مال قرض دیں تو ہمارے مال کی نگہداشت کرے اس کو ضائع نہ ہونے دے، پس ایسی عنایتوں کا مالک ہم عاصیوں کی بخشش کس طرح فرمائے گا (جبکہ اس کو ہمارے مال کی حفاظت تک کا خیال ہے) جس کے نتیجے میں سب کے سب دوزخ میں چلے جائیں۔

پس رجا کے حصول کا یہ بہترین علاج ہے۔ لیکن ہر شخص اس درجہ اور منزل تک نہیں پہنچ سکتا۔ دوسرا ذریعہ

یہ ہے کہ ان آیات اور احادیث میں جو رجا کے بارے میں ہیں، غور و فکر کرے اور ایسی آیات بہت ہیں۔
ارشاد ہوتا ہے:۔

لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ط — میری رحمت سے نا امید نہ ہو۔

وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ ط — ملائکہ بندوں کی مغفرت کے واسطے دُعا مانگتے ہیں۔

ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ ط — دوزخ کو اس سبب پیدا کیا گیا ہے تاکہ کافروں کو اس میں ڈالا جائے اور مسلمانوں کو اس سے صرف ڈرایا جاتا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کی مغفرت چاہنے سے کبھی بے فکر نہ ہوتے، یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى۔ عنقریب اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم حق تعالےٰ شفاعت کی ایسی خاص نعمت عطا فرمائے گا جس سے آپ راضی ہو جائیں گے تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بیشک جب تک میری امت کا ایک ایک فرد دوزخ سے رہائی نہیں پائے گا میں اس وقت تک راضی نہیں ہوؤں گا۔"

مغفرت کی حدیثیں

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میری امت امتِ مرحومہ ہے، ان کا عذاب دنیا میں فتنہ اور زلزلہ ہے جب قیامت کا دن آئے گا ہر ایک مسلمان کے ہاتھ میں ایک کافر کو دے کر کہا جائے گا یہ دوزخ سے تیرا فدیہ ہے۔

ارشاد فرمایا: "بخار یا تپ جو آدمی کو آتی ہے یہ دوزخ کی آگ کا اثر ہے اور دوزخ سے مومن کا حصہ یہی ہوگا۔"

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بارگاہِ الٰہی میں مناجات کی کہ یا الٰہی میری امت کا حساب میرے مرتبہ کے موافق فرما، تاکہ کسی نبی کی امت ان کے برابر نہ ہو۔ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ تیری امت اور میرے بندے ہیں میں ان پر سب سے زیادہ مہربان ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ ان کا ثواب کوئی دوسرا پائے۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میری حیات میں تمہاری بھلائی ہے اور میری ممات میں بھی، کیونکہ اگر میں زندہ رہوں تو شریعت کے احکام تم کو سکھلاؤں گا اور اگر وفات پا جاؤں تو تمہارے اعمال میرے سامنے لائے جائیں گے۔ جو عمل تمہارا نیک ہوگا اس پر خداوند تعالےٰ کی حمد اور اس کا شکر بجا لاؤں گا اور جو عمل بد ہوگا اس پر مغفرت چاہوں گا!"

ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بارگاہِ رب العزت میں اس طرح خطاب فرمایا یَا کَرِیْمَ الْعَفْوِ یا کریم العفو، جبریل علیہ السلام نے کہا یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے معنے تو یہ ہوتے کہ تقصیر بخشدے اور اس کو نیکی سے بدل دے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جب بندہ گناہ کر کے استغفار کرتا ہے تو حق تعالیٰ فرمایا ہے اے فرشتو! تم دیکھو کہ جب میرے بندے نے گناہ کیا تو اس نے سمجھا کہ اس کا ایک مالک ہے جو تقصیر کا مواخذہ کرے گا اور بخش دے گا۔ تم گواہ رہو کہ میں نے اس کو بخش دیا۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر میرا بندہ آسمان بھر کے گناہ کرے اور پھر استغفار کرے اور مغفرت کی امید رکھے گا تو میں اس کو بخش دوں گا اور اگر بندہ زمین بھر کے گناہ کرے تو بھی میں اس کے واسطے زمین برابر رحمت رکھتا ہوں۔

اور ارشاد فرمایا کہ "جب تک گناہ کیے بندے کو چھ ساعتیں نہیں گذر جاتیں، فرشتہ اس کا گناہ نہیں لکھتا ہے اگر توبہ واستغفار اس عرصہ میں کر لے تو اس کا گناہ ہرگز نہیں لکھتا اور جب توبہ کرے اور بندگی بجالاتے تو سیدھے ہاتھ کا فرشتہ دوسرے فرشتہ سے کہتا ہے کہ اس گناہ کو اس کے دفتر سے ہٹا دو اور میں ایک نیکی اس کے اعمال نامہ میں نہیں لکھوں گا۔ اور نیکی کے عوض دس گنا بدلہ دیا جاتا ہے تو نو کا اس کو جب بھی فائدہ رہا۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن فرمایا کہ "جب بندہ گناہ کرتا ہے تو اس کا حساب لکھا جاتا ہے، ایک اعرابی نے دریافت کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر توبہ کرے تو کیسا ہو گا۔ آپؐ نے فرمایا کہ گناہ محو کر دیا جاتا ہے عرض کیا کہ یہ صورت کب تک رہے گی، حضور علیہ التحیۃ والثنا نے فرمایا جب تک وہ استغفار کرتا رہے اس نے عرض کیا اگر وہ پھر گناہ کرے فرمایا اس کو پھر لکھیں گے، عرض کیا کہ اگر پھر توبہ کرے تب ارشاد فرمایا کہ گناہ محو کر دیا جائے گا۔ اس نے دریافت کیا کہ یہ صورت کب تک باقی رہے گی، آپ نے فرمایا (صلی اللہ علیہ وسلم) جب تک وہ استغفار کرتا رہے گا۔"

حق تعالےٰ بخشائش سے اس وقت تک ملول نہیں ہوتا جب تک بندہ استغفار سے ملول نہ ہو اور بندہ جب نیکی کا ارادہ کرتا ہے تو فرشتہ اس کے لیے ایک نیکی لکھ دیتا ہے اور جب وہ نیک کام کر لیتا ہے تو اس کے لیے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور پھر سات سو تک ان نیکیوں میں اضافہ ہوتا ہے اور جب بندہ کسی معصیت کا قصد کرتا ہے تو فرشتہ اس کو نہیں لکھتا جب اس سے وہ گناہ سرزد ہو جاتا ہے تو ایک ہی گناہ لکھا جاتا ہے اور خداوند تعالیٰ کی بخشش اس کے علاوہ ہے (چاہے تو اس کو معاف فرما دے)

ایک شخص نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ حضورؐ میں رمضان کے روزے رکھتا ہوں پانچوں وقت کی نماز ادا کرتا ہوں۔ اس سے زیادہ نماز نہیں پڑھتا، زکوٰۃ اور حج مجھ پر فرض نہیں کیونکہ میں مالدار نہیں ہوں، مجھے بتا یئے کہ کل قیامت میں مَیں کہاں رہوں گا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا اور ارشاد کیا کہ تم میرے ساتھ رہو گے۔ بشرطیکہ دل کو دشمنی اور حسد سے، زبان کو جھوٹ اور غیبت سے، اور اپنی نظروں کو حرام، کوتاہ بینی، اور

دوسروں کی اہانت سے باز رکھو گے، تو تم میرے ساتھ بہشت میں داخل ہو گے اور میں تم کو عزیز رکھوں گا۔

روایت ہے کہ ایک اعرابی نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ بندوں کے اعمال کا حساب قیامت کے دن کون کرے گا۔ آپؐ نے فرمایا حق تعالےٰ حساب فرمائے گا، اس نے دریافت کیا کہ وہ خود آپ حساب فرمائے گا، سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں وہ آپ حساب فرمائے گا یہ سُن کر وہ اعرابی ہنسنے لگا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعرابی سے ہنسنے کی وجہ دریافت کی تو اس نے کہا میں یوں ہنس رہا ہوں کہ کریم جب غالب ہوتا ہے تو وہ بندے کی تقصیر معاف فرما دیتا ہے اور حساب آسانی سے لیتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس اعرابی نے سچ کہا کیونکہ حق تعالےٰ سے زیادہ کوئی کریم نہیں ہے۔ پھر آپؐ نے فرمایا کہ یہ اعرابی بہت بڑا فقیہہ اور دانش مند ہے (کہ اس نے ایسی عمدہ بات کہی) پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حق تعالےٰ نے کعبہ کو بزرگی عطا کی ہے اور عظیم مرتبہ دیا ہے اگر کوئی بندہ اس کو ویران کرے اس کے پتھروں کو الگ کر دے اور اس کو جلا دے تب بھی اس کی تقصیر اتنی بڑی نہیں ہو گی جتنی ایک دل کی اہانت اور حقارت سے ہوتی ہے۔

اولیاء اللہ کی تعریف:- اس اعرابی نے دریافت کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اولیاء اللہ کون ہوتے ہیں آپؐ نے فرمایا سارے مومنین اولیاء ہیں، کیا تو نے نہیں سُنا کہ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے: اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ (اللہ والی ہے مسلمانوں کا، اُن کو اندھیروں سے نُور کی طرف لاتا ہے)

فرمایا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ بندوں کو میں نے اس واسطے پیدا کیا ہے تاکہ وہ مجھ سے نفع پائیں نہ اس لیے کہ میں اُن سے نفع اندوز ہوں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید ارشاد فرمایا کہ حق تعالےٰ نے تمام عالم کو پیدا کرنے کے بعد فرمایا: "سَبَقَتْ رَحْمَتِیْ عَلٰی غَضَبِیْ" میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی ہیں۔

اور فرمایا کہ جو کوئی کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھے گا وہ بہشت میں جائے گا، اور جو کوئی اپنے آخری وقت پر اس کلمہ کو پڑھے وُہ آتشِ دوزخ سے محفوظ رہے گا، اور جو کوئی بغیر شرک کے مر جائے وُہ بھی دوزخ سے محفوظ رہے گا۔"

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے لوگو! اگر تم سے گناہ سرزد نہ ہوں گے تو حق تعالیٰ دوسری خلائق کو پیدا کرے گا جو گناہ کریں گے تاکہ اللہ تعالےٰ ان کی تقصیر بخش دے، کیونکہ وُہ غفور اور رحیم ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "حق تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے زیادہ مہربان ہے۔ جتنی ماں اپنے بچے پر شفقت کرتی ہے۔"

اور فرمایا "حق تعالیٰ قیامت کے دن اس قدر رحمت فرمائے گا جو کسی کے خیال میں بھی نہیں تھی۔ یہاں تک کہ ابلیس بھی اس کی رحمت کی اُمید میں اپنی گردن اُٹھائے گا۔"

اور ارشاد فرمایا، حق تعالیٰ کی سو رحمتیں ہیں ۹۹ (ننانوے) رحمتیں اس نے قیامت کے لیے رکھی ہیں اور دنیا میں فقط ایک رحمت ظاہر فرماتی ہے۔ ساری مخلوق کے دل اسی ایک رحمت کے باعث رحیم ہیں۔ ماں کی رحمت اور محبت اپنے بچے پر اور جانوروں کی مامتا اپنے بچے پر اسی رحمت کے باعث ہے۔ قیامت کے دن ان ننانوے رحمتوں کے ساتھ اس ایک رحمت کو جمع کر کے مخلوق پر تقسیم کیا جائے گا۔ ہر ایک رحمت آسمان اور زمین کے طبقات کے برابر ہو گی اور اس روز سوائے ازلی بدبخت کے اور کوئی تباہ نہیں ہو گا۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے "میں نے اپنی امت کے گنہگاروں کے لیے اپنی شفاعت باقی رکھی ہے۔ تم سمجھتے ہو گے کہ یہ شفاعت نیکوں اور پرہیز گاروں کے واسطے ہو گی! ایسا نہیں ہے بلکہ عاصیوں اور بدکاروں کے واسطے ہو گی۔"

سعید ابن ہلالؒ کہتے ہیں کہ دو شخصوں کو دوزخ سے باہر لایا جائے گا۔ حق تعالیٰ فرمائے گا جو عذاب تم نے دیکھا تمہارے عمل کے سبب سے تھا۔ میں اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا ہوں۔ پھر فرمایا کہ ان کو دوزخ میں لے جاؤ۔ ایک شخص زنجیر میں پڑی ہونے کے باوجود جلد چلا جائے گا اور کہے گا کہ میں اپنی معصیت کے بوجھ سے اتنا ڈر گیا ہوں کہ اب حکم بجا لانے میں تقصیر نہیں کر سکتا۔ دوسرا شخص کہے گا یا الٰہی! میں نیک گمان رکھتا تھا اور مجھے امید تھی کہ جب تو مجھے دوزخ سے نکالے گا تو پھر وہاں نہیں بھیجے گا۔ تب حق تعالیٰ (اس جواب پر) دونوں کو بہشت بھیج دے گا۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن منادی کرنے والا منادی کرے گا کہ اے، امتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنا حق تمہیں دیتا ہوں، تمہارے حقوق جو ایک دوسرے کے ذمّہ باقی ہیں ان کو ادا کر کے، تم بہشت میں جاؤ۔"

اور ارشاد فرمایا ہے "میری اُمّت کے ایک شخص کو قیامت کے دن لوگوں کے سامنے حاضر کیا جائے گا اور ننانوے اعمال نامے کہ ان میں سے ہر ایک اتنا طویل ہو گا جہاں تک نظر پہنچ سکتی ہے اس کے سارے گناہ اس بندے کو بتاتے جائیں گے۔ پھر پوچھیں گے کہ ان میں سے کسی تقصیر کا تو انکار کر سکتا ہے؟ کیا فرشتوں نے اس کے لکھنے میں تجھ پر ظلم کیا ہے؟ وہ شخص جواب دے گا! یا ربّ نہیں! پھر دریافت کیا جائے گا کہ تیرے پاس کچھ عذر ہے؟ وہ کہے گا نہیں یا رب! تب وہ سمجھے گا کہ اب دوزخ میں جانا پڑا۔ تب حق تعالیٰ فرمائے گا۔ اے بندے! تیری ایک نیکی میرے پاس ہے۔ میں تجھ پر ظلم نہیں کروں گا، پس ایک رقعہ لایا جائے گا جس پر اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ اس رقعہ کو دیکھ کر وہ بندہ کہے گا۔ اے میرے رب! یہ رقعہ ان بڑے بڑے دفتروں کے ساتھ کیونکر ہم پلّہ ہو سکتا ہے۔ حق تعالیٰ فرمائے گا۔ میں تجھ پر ظلم نہیں کروں گا۔ تب ان تمام دفتروں کو ایک پلّہ میں

اور اس رقعہ کو دوسرے پلہ میں رکھا جائے گا۔ رُقعہ کا پلہ دُوسرے پلوں کو ہلکا کر کے سب سے بھاری ہو جائے گا۔ کیونکہ کوئی عمل توحیدِ الٰہی کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔"

حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "حق تعالےٰ فرشتوں کو حکم دے گا کہ جس کے دل میں ایک مثقال کے برابر نیکی ہو اس کو دوزخ سے نکال لو۔ پس بہت سے لوگوں کو دوزخ سے نکال لیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ اب کوئی ایسا باقی نہیں رہا کہ ذرّہ برابر نیکی رکھتا ہو، تب اللہ تعالےٰ فرمائے گا جس کے دل میں ایک ذرّہ برابر نیکی ہو اس کو نکالو بہت سے لوگوں کو نکال لیا جائے گا اور کہا جائے گا۔ اب ایسا کوئی شخص باقی نہیں رہا، کہا جائے گا کہ فرشتوں، انبیاء اور مومنوں کی شفاعت قبول ہوئی۔ اب صرف ارحم الرحمین کی رحمت کی دستگیری باقی ہے۔ تب ایک مٹھی بھر جماعت کو رحمت گھیرے گی اور ایسے لوگوں کو دوزخ سے نکالے گی کہ کبھی ایک ذرّہ برابر نیکی انہوں نے نہیں کی ہوگی۔ سب جل کر آملے کی طرح سیاہ ہو گئے ہوں گے۔ ان کو جنّت کی ایک نہر میں ڈالا جائے گا جس کا نام نہر الحیات ہے۔ وہاں سے یہ لوگ پاک وصاف ہو کر نکلیں گے اور ان کے گلوں میں چمکتے موتیوں جیسے مالے (ہار) پڑے ہوں گے، اہل بہشت ان کو پہچان لیں گے اور کہیں گے کہ یہ تو وہ لوگ ہیں جنہوں نے کچھ بھی نیکی نہیں کی ہے اور حق تعالےٰ نے ان کو دوزخ سے نجات دی۔ حق تعالےٰ فرمائے گا کہ تم بہشت میں جاؤ وہاں جو کچھ تم دیکھ رہے ہو سب تمہاری ملک ہے۔ وُہ عرض کریں گے الٰہی! تو نے ہم کو ایسی نعمت عطا فرمائی جو اور کسی کو عطا نہیں فرمائی۔ اللہ تعالےٰ ارشاد فرمائے گا کہ میرے پاس تمہارے لیے ایک اور بڑی نعمت موجود ہے۔ وہ عرض کریں گے کہ الٰہی! اس سے بڑی نعمت اور کیا ہو گی (جو تو نے ہم کو عطا فرمادی) اللہ تعالےٰ فرمائے گا وہ میری رضا ہے کہ میں تم سے راضی ہوں اور کبھی ناخوش نہیں ہوں گا۔"

یہ حدیث مذکورہ بالا صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں مذکور ہے

عمر ابن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تین دن تک سوائے فرض نماز کے کاشانہ نبوت سے باہر تشریف نہیں لائے۔ چوتھے روز آپ باہر تشریف لائے اور ارشاد فرمایا کہ حق تعالےٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ آپ کی امت کے ستر ہزار آدمی بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے اور میں ان دنوں میں اس تعداد میں اضافہ کے لیے طلب گار رہا۔ میں نے حق تعالیٰ کو بڑا کریم پایا۔ اس نے ان ستر ہزار میں سے ہر ایک کی خاطر ستر ہزار کو بخش دیا ہے۔ تب میں نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا کہ الٰہی! میری امت میں اتنی تعداد میں لوگ ہوں گے۔ ارشاد ہوا۔ کہ اعرابیوں کے ملانے سے اتنی تعداد پوری ہو جائے گی۔"

روایت ہے کہ حضرت سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مسعود میں ایک بچے کو کسی جنگ میں اسیر کر کے قید میں رکھا۔ اس دن سخت گرمی تھی، ایک خیمہ سے ایک عورت کی نظر اس بچے پر پڑی وہ دوڑتی ہوئی آئی خیمے کے دوسرے لوگ بھی اس کے پیچھے دوڑے، اس عورت نے بچے کو دوڑ کر اُٹھا لیا اور چھاتی سے لگا کر اپنا سایہ اس کے

اوپر ڈالا تاکہ وہ دھوپ سے محفوظ رہے، لوگ عورت کی یہ محبت دیکھ کر حیران رہ گئے اور رونے لگے۔ جب سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے یہ ماجرا آپ سے بیان کیا گیا، آپ اس عورت کی شفقت اور ان لوگوں کی گریہ وزاری سے شاد ہو کر فرمانے لگے کیا تم کو اس عورت کی شفقت پر تعجب ہے؟ لوگوں نے عرض کیا جی ہاں یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اسوقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس عورت کو اپنے بچے سے جس قدر محبت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ تم سے محبّت فرماتا ہے۔ تمام مسلمان یہ خوش خبری سُن کر شاد و خرم وہاں سے واپس ہوتے۔

حضرت ابراہیم ادھم فرماتے ہیں کہ ایک رات طواف میں مَیں اکیلا تھا، بارش ہونے لگی۔ میں نے بارگاہِ الٰہی میں مناجات کی کہ الٰہی! مجھے گناہوں سے اس طرح محفوظ رکھ کہ کوئی معصیت مجھ سے سرزد نہ ہو۔ کعبہ سے میں نے ایک آواز سُنی کہ کسی نے کہا کہ تو عصمت کا طلب گار ہے اور میرے سب بندے بھی یہی مجھ سے چاہتے ہیں، اگر میں سب کو گناہوں سے محفوظ کر دوں تو میں اپنی رحمت اور عنایت کس پر ظاہر کروں گا؟“

معلوم ہونا چاہیئے کہ اس نوع کی احادیث بکثرت ہیں، جس کے دل میں خوف ہو اس کے لیے یہ حدیثیں شفا کا حکم رکھتی ہیں۔ اور جو شخص غفلت میں ڈوبا ہوا ہے وہ یوں سمجھے کہ باوجود ان احادیث کے یقین ہے کہ تھوڑے مومن دوزخ میں جائیں گے اور آخری شخص وہ ہوگا جو سات ہزار سال کے بعد دوزخ سے نکلے گا۔ اور اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ ایک شخص کے سوا کوئی دوزخی نہ ہوگا تو ہر شخص اپنی جگہ یہ خیال کر سکتا ہے کہ وہ شخص خود وہ ہوگا۔ پس اس صورت میں احتیاط کرنا ضروری ہے۔ جو دانش مند ہے وہ کوشش سے غفلت نہیں برتے گا۔ کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ دوزخی خود میری ذات ہو۔ کیونکہ محض ایک رات دوزخ میں جلنے کے خوف سے وہ تمام دنیاوی لذتوں کو ترک کر دے تو لائق اور سزاوار ہے، ستر ہزار برس تو بڑی بات ہے۔ ایک شب کے بدلے میں تمام لذتوں کا ترک کرنا موزوں اور مناسب ہے۔

مقصد اور مُدعا اس تمام گفتگو کا یہ ہے کہ خوف و رجا مساوی ہیں جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ اگر قیامت کے دن ندا کریں کہ آج بہشت میں صرف ایک ہی شخص جاتے گا تو سمجھیے کہ وہ ایک میں ہوں اور اگر منادی ہو کہ دوزخ میں صرف ایک شخص ہی ڈالا جائے گا تو میں ہراساں رہوں گا کہ کہیں وہ ایک شخص میں نہ ہوؤں۔

خوف کی فضیلت، اس کی حقیقت

اور اس کے اقسام

خوف کی فضیلت: اے عزیز معلوم ہونا چاہیے کہ خوف کا بڑا مقام ہے اور خوف کی فضیلت، اس کے نتائج اور اس کے اسباب کی بنا پر ہے۔ معلوم ہونا چاہیئے کہ خوف علم اور معرفت سے حاصل ہوتا ہے (ہم اس کی صراحت آئندہ کریں گے) چنانچہ حق تعالےٰ کا ارشاد ہے اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا (وہ لوگ خدا سے ڈرتے ہیں جو عالم اور صاحب دانش ہوں) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں "رَاْسُ الْحِکْمَۃِ مَخَافَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی (خدا ترسی حکمت کا سر ہے) خوف کے نتائج عفت اور زہد وتقویٰ ہیں۔ یہ تمام باتیں سعادت ابدی کے تخم ہیں۔ کیونکہ آدمی جب تک شہوت نفسانی کو ترک نہیں کرے گا اس سے خدا طلبی نہیں ہوسکتی شہوت کو دُور کرنے کے لیے خوف سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے۔ اسی بنا پر اللہ تعالےٰ نے ڈرنے والوں کے لیے ہدایت رحمت اور علم و رضوان کو تین آیتوں میں جمع کرکے فرمایا ہے:

(۱) هُدًی وَّ رَحْمَةٌ لِّلَّذِیْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ یَرْهَبُوْنَ	ہدایت اور رحمت ان کے لیے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔
(۲) اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ط	بیشک اللہ سے ڈرتے ہیں اس کے وہ بندے جو علم رکھنے والے ہیں۔
(۳) رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِیَ رَبَّهٗ ط	اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اس سے راضی ہوئے اور یہ اس کے لیے ہے جو اللہ سے ڈرا۔

تقویٰ کو جو خوف کا نتیجہ ہے اللہ تعالےٰ نے اپنی طرف منسوب فرمایا ہے وَلٰکِنْ یَّنَالُهُ التَّقْوٰی مِنْکُمْ (لیکن تمہارا تقویٰ اس کی طرف پہنچتا ہے)

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "جس روز قیامت کے میدان میں مخلوق کو جمع کیا جائے گا تو ایسی آوازیں جیسے دُور اور نزدیک کے سب لوگ سُنیں گے۔ منادی خداوند تعالےٰ کی طرف سے کہے گا اے لوگو! اس دن سے جبکہ میں نے تمہیں پیدا کیا آج کے دن تک تمہاری سب کچھ باتیں میں نے سُنیں، آج تم میری بات سنو! کہ میں تمہارے اعمال تمہارے سامنے رکھوں گا، اسے لوگو! ایک نسب تم نے مقرر کیا اور ایک نسب میں نے مقرر کیا، تم نے اپنے نسب کو بڑھایا اور میرے نسب کو گھٹایا، میں نے کہا تھا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ (یعنی تم میں سب سے بزرگی والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔) لیکن تم کہتے ہو کہ بڑا شریف وہ ہے جو فلاں شیخ یا فلاں بزرگ کا

فرزند ہو۔ آج کے دن میں اپنے نسب کو بلند کروں گا اور تمہارے بنائے ہوئے نسب کو نیچا کروں گا، تب آواز دی جائے گی أَيْنَ الْمُتَّقُوْنَ (پرہیزگار لوگ کہاں ہیں) پس ایک علم بلند کیا جائے گا اور اس کو آگے لے چلیں گے۔ متقین (پرہیزگار لوگ) اس کے پیچھے چلیں گے اور بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل ہو جائیں گے اسی بنا پر "خَائِفِیْنَ" کا ثواب دو نا رکھا گیا ہے چنانچہ فرمایا گیا:

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ۝ اور جو اپنے رب کے سامنے ڈر کر کھڑا ہوا اس کے لیے دو جنتیں ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "حق تعالٰے فرماتا ہے مجھے اپنی عزت کی قسم میں دو خوف اور دو امن ایک بندے میں جمع نہیں کروں گا۔ یعنی اگر کوئی شخص دنیا میں مجھ سے ڈرے گا آخرت میں اس کو میں بے فکر رکھوں گا اور اگر دنیا میں وہ بے فکر رہے گا تو قیامت کے دن اس کو خوف میں رکھوں گا۔"

سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ "جو کوئی خدا سے ڈرے تمام مخلوق اس سے ڈرے گی اور جو کوئی خدا سے نہیں ڈرے گا تو حق تعالٰے تمام مخلوق کا ڈر اُس کے دل میں ڈال دے گا۔"

اور فرمایا کہ "تم میں سب سے عقل مند وہ شخص ہے جس میں خدا ترسی سب سے زیادہ ہو۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "جب بندۂ مومن خوف خدا سے روئے اور مکھی کے سر کے برابر چھوٹا سا آنسو بھی اُس کی آنکھ سے نکلے تو دوزخ کی آگ اس کے منہ کو نہیں جلائے گی۔"

اور ارشاد فرمایا ہے۔ "کہ جب خدا کے خوف سے کسی بندے کے بال اس کے جسم پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور وہ خوفِ الٰہی کا خیال کرے تو اس کے گناہ اس کے جسم سے اس طرح گر پڑتے ہیں جیسے درخت کے پتے۔"

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص خدا کے خوف سے روئے گا وہ دوزخ میں نہیں جائے جس طرح پستان سے نکلا ہوا دودھ پھر پستان میں واپس نہیں جاتا۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کیا کوئی شخص آپ کی امت کا بغیر حساب کے بہشت میں جائے گا؟ آپ نے جواب میں فرمایا ہاں! وہ شخص بغیر حساب کے جنّت میں جائے گا جو اپنے گناہ یاد کر کے روتے۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "اللہ تعالٰے کے نزدیک کوئی قطرہ آنسو کے اس قطرے سے زیادہ عزیز نہیں ہے جو خوفِ الٰہی سے نکلا ہو، اور لہو کا وہ قطرہ جو خدا کی راہ میں بہایا جائے۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ سات شخص حق تعالٰے کے سایے میں رہیں گے ان میں سے ایک وہ ہے جو خلوت میں خدا کو یاد کرے اور اس کی آنکھ سے آنسو نکلے۔"

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ ایک دن ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا وعظ فرمایا کہ دلوں پر خوفِ خدا غالب ہوا اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، جب میں گھر واپس

آیا اور میری بیوی نے مجھ سے باتیں کیں تو میں دنیا کی بات چیت میں لگ گیا۔ پھر مجھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وعظ اور اپنا رونا یاد آیا۔ میں گھر سے باہر نکلا اور میں کہنے لگا کہ افسوس! حنظلہ منافق ہو گیا، اتنے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میرے سامنے آ گئے اور میری بات سن کر کہا اے حنظلہؓ ایسا نہ کہو! حنظلہ منافق نہیں ہوا۔ پھر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا کہ حضورؐ! حنظلہؓ منافق ہو گیا، آپؐ نے فرمایا کَلَّا لَمْ يُنَافِقْ حَنْظَلَةُ حنظلہ کبھی منافق نہیں ہو گا! اس وقت میں نے اپنے گھر میں جا کر جو ماجرا گذرا تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ آپ نے فرمایا اے حنظلہؓ اگر تم اس حالت پر ہمیشہ رہو جس طرح میرے سامنے رہتے ہو (خوف الٰہی سے ترساں اور گریہ کناں) تو فرشتے تم سے گھر میں اور راستے میں مصافحہ کریں۔ لیکن اے حنظلہؓ وہ حالت تو بس ایک ایک ساعت رہے گی۔

اس سلسلہ میں بزرگوں کے اقوال

شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ کوئی روز ایسا نہیں ہوا جس میں مجھ پر خوفِ خدا غالب ہوا اور اس دن حکمت و عبرت کا دروازہ مجھ پر کھلا ہو۔"

شیخ یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مومن کا گناہ، خوفِ عذاب اور امیدِ رحمت کے درمیان اس روباہ کی مانند ہو گا جو دو شیروں کے درمیان میں ہو، پھر انہوں نے کہا کہ انسان ضعیف البنیان اگر دوزخ سے اتنا ڈرتا جتنا وہ افلاس سے ڈرتا ہے تو یقیناً وہ جنتی ہوتا۔"

لوگوں نے شیخ یحییٰ بن معاذ رازیؒ سے دریافت کیا کہ کل قیامت میں کون شخص بے فکر رہے گا، انہوں نے فرمایا وہ جو آج دنیا میں ہراساں رہے۔"

کسی شخص نے شیخ حسن بصری سے دریافت کیا کہ آپ ان لوگوں کی محفل کے بارے میں کیا کہتے ہیں جو اس میں عذاب آخرت سے اس قدر ڈراتے ہیں کہ ہمارے دل ٹکڑے ہو جاتے ہیں، انہوں نے جواب دیا کہ آج ایسے لوگوں کی صحبت سے جو تمہیں خوف الٰہی دلاتے ہیں کل تم امن پاؤ گے اور یہ اس سے بہتر ہے کہ آج تمہارے ایسے مصاحب ہوں جو تم کو بے فکر کر دیں اور تم کل خوف میں مبتلا ہو۔"

شیخ ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ جس کا دل خوفِ الٰہی سے خالی ہو وہ ویران ہو جائے گا۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ حق تعالیٰ کے اس ارشاد کے وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوا وَّقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ آیا ان کاموں سے جو کرتے ہیں اور ڈرتے ہیں، کیا زنا اور چوری مراد ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا، ایسا نہیں ہے بلکہ نماز و روزہ اور صدقہ ادا کرتے ہیں اور ڈرتے ہیں شاید مقبول نہ ہوں۔"

محمد بن المنکدر رحمۃ اللہ علیہ جب روتے تو آنسوؤں کو اپنے چہرے پر ملتے اور کہتے کہ میں نے سنا ہے کہ جہاں

آنسوؤں کا پانی پہنچتا ہے وُہ دوزخ کی آگ میں نہیں جلے گا۔"

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے لوگو! رویا کرو اگر نہ رو سکو تو بہ تکلف رونے والے کی صورت بناؤ۔"
کعب احبار نے کہا ہے قسم ہے حق تعالیٰ جل شانہٗ کی کہ البسا رونا جس سے منہ تر ہو جاتے اس سے بہتر ہے کہ میں فقیروں کو ہزار دینار دوں۔"

خوف کی حقیقت

خوف دل کی ایک حالت کا نام ہے: اے عزیز معلوم ہونا چاہیئے کہ دل کی حالتوں میں سے ایک حالت خوف بھی ہے، یہ ایک ایسی آگ ہے جو دل میں سلگتی ہے اور اس کا باعث اور اس کا نتیجہ کئی طرح پر ظہور میں آتا ہے۔ اس کا باعث علم و معرفت ہے کہ انسان جب آخرت کی مشکل کی طرف خیال کرے گا تو سمجھ لے گا کہ اس کی تباہی کے تمام سامان تیار ہیں۔ یہ آگ اس کی جان میں پیدا ہو گی (یہ آگ ظاہری آگ نہیں ہے) یہ صفت انسان کو دو چیزوں کی معرفت سے حاصل ہوتی ہے۔ اوّل معرفت یہ کہ انسان اپنی ذات میں عیبوں اور اپنے گناہوں اور عبادت میں کوتاہی کی آفت کو دیکھے اور اپنی اخلاقی برائیاں اس کو نظر آئیں اور دیکھے کہ ان تقصیرات کے باوجود اللہ تعالیٰ کی عنایتیں اس پر ہو رہی ہیں، ایسے شخص کی مثال اس شخص کی ہو گی کہ ایک بادشاہ نے اس کو خلعت بخشا اور بہت سی نعمتیں اس کو بخشیں اور یہ انعام و خلعت پانے والا اس کے حرم سرا اور خزانے میں دغا اور خیانت کر رہا ہے۔ پھر یکایک اسے معلوم ہوا کہ ان خیانتوں کے وقت انعام اور خلعت بخشنے والا بادشاہ اس کو دیکھ رہا تھا اور یہ شخص اچھی طرح جانتا ہے کہ یہ بادشاہ بہت غیرت والا، انتقام لینے والا اور بے پرواہ ہے اور اس کے پاس کوئی سفارش لے جانے والا نہیں ہے اور کوئی وسیلہ اور کسی سے قرابت نہیں رکھتا (کہ اس سے سفارش کرائی جاتے) اس صورت میں جب وہ اپنی تباہی پر واقف ہو گا تو یقیناً خوف کی آگ اس دل میں سلگے گی۔

معرفت کی دوسری صورت یہ ہے کہ اپنے عیوب اور معصیت اس خوف کا باعث نہ ہوا ہو بلکہ وہ جس سے ڈرتا ہے اس کی بیباکی اور قدرت اس کی معرفت کا سبب بنی ہو۔ مثلاً جب کوئی آدمی شیر کے پنجے میں گرفتار ہو جاتا ہے تو اس وقت وہ اپنی غلطی اور کوتاہی سے نہیں ڈرتا بلکہ اس بات سے ڈر رہا ہے کہ شیر درندہ جانور ہے اور اس کو پنجے میں گرفتار ہونے والے کی کمزوری کی کچھ پرواہ نہیں ہے وہ اس بات سے ڈر رہا ہے تو ایسا خوف بہت فضیلت رکھتا ہے پس جس نے اللہ تعالیٰ کی صفت قدرت کو پہچانا، اس کی بزرگی، قوت اور بے پرواتی کو جانا اور سمجھ گیا کہ اگر وہ سارے عالم کو ہلاک کر دے اور ہمیشہ کے لیے دوزخ میں رکھے تو اس کی بادشاہت سے ایک ذرہ بھی کم نہیں ہو گا اور بے جا نرمی اور بے جا شفقت سے اس کی ذات پاک ہے۔ تو یقیناً وہ ڈرے گا، ایسا خوف انبیاء (علیہم السلام) کو بھی ہوتا

ہے، اگرچہ وہ معصوم اور گناہوں سے محفوظ ہیں۔

جس شخص کا یہ عرفان جس قدر زیادہ ہوگا اتنا ہی وہ خوف زدہ اور ہراساں ہوگا۔ اسی واسطے ارشاد فرمایا گیا اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمَآءُ۔ پس جو بہت زیادہ جاہل ہوگا وہی خداوند تعالےٰ کے عذاب سے بے فکر رہے گا۔

حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی۔ فرمایا "اے داؤد مجھ سے ایسا ڈرو جیسے تم شیر سے ڈرا کرتے ہو۔"

خوف کا اثر دل میں بھی ہوتا ہے اور جسم اور دوسرے اعضاء میں بھی، دل میں خوف کا اثر ہونے کا نشان یہ ہے کہ دل دنیاوی لذتوں سے بیزار رہے اور ان کی طرف ہرگز مائل نہ ہو۔ کیونکہ جب کوئی شخص شیر کے پنجے میں پڑ جاتا ہے تو اس وقت کھانے پینے یا جماع کرنے کی خواہش دل میں نہیں رہتی ہے۔ بلکہ خوف کے وقت دل میں فروتنی، خاکساری پیدا ہو جاتی ہے۔ عاقبت کا اندیشہ، وہاں کا محاسبہ اور مؤاخذہ دل میں جگہ پکڑ لیتا ہے۔ پھر نہ تکبر باقی رہتا ہے، نہ حسد اور نہ حرص و ہوا اور نہ غفلت! خوف کا اثر جو جسم پر ہوتا ہے اس کی علامت دُبلا پن اور جسم کی زردی ہے۔ اعضا پر اس کا اثر اس طرح ہوگا کہ انسان اپنے اعضاء کو معصیت سے بچاتے اور طاعتِ الٰہی میں ادب کے ساتھ مصروف رکھے۔

خوف کے مختلف درجات: خوف کے مختلف درجے ہوتے ہیں اگر خود کو شہوت سے باز رکھے تو اس کو عفّت کہتے ہیں۔ حرام سے بچا ہے تو اس کا نام ورَع ہے۔ اگر شبہات سے یعنی ایسے حلال سے جس میں حرام کا اندیشہ ہو باز رکھے تو اس کو تقویٰ کہتے ہیں اور اگر زادِ راہ کے سوا دوسری ناباید چیزوں سے بچائے تو اس کا نام صدق ہے اور ایسی صفت رکھنے والے کو صدیق کہتے ہیں۔ عفت اور ورع کا درجہ تقویٰ سے کم ہے۔ اور عفت، ورع اور تقوی یہ سب صدق سے کم ہیں۔

خوف کی یہی حقیقت تھی جو ذکر کی گئی۔ البتہ آنسوؤں کا نکلنا ان کو صاف کرنا اور لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ کہنا اور پھر غفلت و معصیت میں گرفتار ہو جانا یہ خوف نہیں ہے بلکہ یہ عورتوں کا رونا ہے (جو ذرا ذرا سی باتوں پر آنسو بہاتی ہیں) کیونکہ جب کوئی شخص ایک چیز سے خوف کرے گا اور اس سے بھاگے گا۔ جیسے کسی نے اپنی آستین میں سانپ دیکھا تو وہ فقط لاحول پڑھ کر نہیں رہ جائے گا بلکہ فوراً آستین جھٹک کر سانپ کو باہر پھینک دے گا۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے دریافت کیا کہ ڈرنے والا بندہ کس کو کہتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ خوف کرنے والا وہ ہے جو خود کو اس بیمار کی طرح بنائے جو موت کے ڈر سے کھانے کی چیزوں سے پرہیز کرتا ہے۔

خوف کے درجات

معلوم ہونا چاہیئے کہ خوف کے تین درجے ہیں، ضعیف، معتدل، قوی، ان تینوں میں اعتدال کا درجہ سب سے بہتر ہے خوف کا ضعیف درجہ یہ ہے کہ اس سے فائدہ حاصل نہ ہو جیسے عورتوں کی رقت! قوی درجہ یہ ہے کہ اس میں غشی، بیماری

ناامیدی اور موت کا اندیشہ ہو یہ دونوں درجے بُرے ہیں۔ کیونکہ خوف میں فی نفسہٖ کوئی کمال موجود نہیں ہے اور اس کا حال توحید، معرفت اور محبت الٰہی جیسا نہیں ہے کہ ان میں فی نفسہٖ کمال موجود ہے اسی وجہ سے حق تعالیٰ کی صفات میں خوف کی صفت شامل نہیں ہے۔ فی نفسہٖ کمال نہ ہونے کے علاوہ، خوف عجز اور جہل (عدم واقفیت) کی بنا پر ہوتا ہے۔ کیونکہ ایک چیز کا جب تک انجام معلوم نہ ہو اور آفت سے بچنا مقصود نہ ہو، اس وقت خوف پیدا ہی نہیں ہوگا۔

خوف عاقلوں اور دانشمندوں کے حق میں کمال کا باعث ہوتا ہے کیونکہ خوف اس تازیانے کی طرح ہے جو پڑھنے والے بچوں کے لگایا جاتا ہے یا گھوڑے کے مارا جاتا ہے (تاکہ تیز چلے) جب تازیانے کی ضرب ایسی کمزور ہو کہ اس سے چوٹ نہ لگے یا جانور کو راستے پر نہ لگا سکے یا وہ اتنا قوی ہو کہ بچے کو زخمی کر دے یا جانور کے ہاتھ پاؤں توڑ دے یہ دونوں خوف کے کام نہیں ہیں بلکہ چاہیئے کہ ان میں اعتدال ہوتا کہ وہ معصیت سے باز رکھے اور طاعتِ الٰہی کی رغبت دلائے۔ پس جو شخص بڑا عالم ہوگا اس کا خوف بہت معتدل ہوگا کہ جب وہ درجۂ افراط پر پہنچے تو رجا کے اسباب کا خیال کرے اور جب اس میں ضعف پیدا ہو تو کام کی سختی اور محنت کا خیال کرے۔ جس کے دل میں خدا کا خوف نہیں ہے اور وہ عالم کہلاتا ہے تو اس کا علم بیکار ہے۔ سمجھنا چاہیئے کہ اس کو علم سے حصہ ہی نہیں ملا ہے۔ گویا وہ ایک بازاری فال گو ہے جس کو حکمت کی کوئی خبر نہیں ہے۔ کیونکہ تمام علوم اور معرفتوں میں مقدم یہ ہے کہ بندہ خود کو اور خدا کو پہچانے۔ خود کو عیب اور تقصیر سے پُر سمجھے اور حق تعالیٰ کو اس کی عظمت اور بے نیازی کی صفت کے ساتھ پہچانے جب یہ دونوں معرفتیں حاصل ہوں گی تو اس کا ثمرہ خوف ہوگا۔ چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے اَوَّلُ الْعِلْمِ مَعْرِفَةُ الْجَبَّارِ وَاٰخِرُ الْعِلْمِ تَفْوِيْضُ الْاَمْرِ اِلَيْهِ۔ اوّل یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی جبّاری اور قہاری کو جانے اور آخر یہ ہے کہ اپنا کام اس کے سپرد کر دے۔" اور سمجھے کہ وہ خود ناچیز محض ہے اور اس سے کچھ نہ ہو سکے گا۔ جب کوئی اتنی بات سمجھ لے گا تو ضرور اس کے دل میں خوف پیدا ہوگا۔

خوف کے انواع

اے عزیز! معلوم ہونا چاہیئے کہ جب خطرہ محسوس ہوتا ہے تو خوف پیدا ہوتا ہے اور ہر ایک کے لیے یہ خطرہ جدا گانہ ہوتا ہے، کوئی ایسا ہوگا کہ آتشِ دوزخ کا دھڑکا اس کے دل میں آئے گا اور کوئی ایسا ہوگا کہ دوزخ میں لیجانے والی چیز سے ڈرے گا اور کسی کو یہ ڈر ہوگا کہ توبہ سے پہلے مر نہ جاؤں یا توبہ کے بعد پھر معصیت اور گناہوں میں نہ پڑ جاؤں، یا یہ خوف ہو کہ خلائق کی داد رسی میں گرفتار ہونا پڑے گا یا یہ خوف ہو کہ اپنے عیبوں کے ظاہر ہونے سے رسوا ہو جاؤں گا۔ یا تونگری کے سبب سے دل میں غرور پیدا ہو، یا یہ خوف پیدا ہو کہ دل میں جو بُرے خیالات آ رہے

ہیں، ان کو خداوند تعالےٰ جانتا اور دیکھتا ہے۔ پس مناسب یہ ہے کہ جس بات سے دل میں خوف پیدا ہو اس سے باز رہے۔ مثلاً جب اپنی اس عادت سے ڈرتا ہے کہ توبہ کے بعد پھر اس کی طبیعت اس کو گناہوں کی طرف راغب کر دے گی تو اس عادت کو ترک کر دے اور جب دل کے برے خیالات پر حق تعالےٰ کے واقف ہونے سے ڈرتا ہے تو دل کو ایسے خیالات سے پاک رکھے۔ پس دوسری باتوں کو اسی پر قیاس کر لینا چاہیئے۔

اکثر لوگ جو خدا ترس ہوتے ہیں ان کے دلوں پر عاقبت اور خاتمے کا ڈر غالب رہتا ہے اور ڈرتے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ایمان سلامت نہ لیجا سکیں اس صورت میں خوف کامل یہ ہے کہ اس بات سے ڈرے کہ نہ معلوم ازل میں اس کی شقاوت کا حکم ہوا ہو گا یا سعادت کا کیونکہ انسان کا خاتمہ اللہ تعالےٰ کے حکم سابق کی ایک فرع ہے اور اس مسئلہ کی اصل یہ ہے کہ ایک روز حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بر سر ممبر فرمایا کہ حق تعالےٰ کی ایک کتاب (ایک دفتر ہے) جس میں جنتیوں کے نام لکھے ہیں یہ فرما کر آپ نے سیدھا ہاتھ بند فرما لیا۔ پھر فرمایا ایک دوسری کتاب ہے جس میں اہلِ دوزخ کے نام و نشان اور ان کے نسب تحریر ہیں، پھر آپ نے بائیں ہاتھ کو بند فرما لیا اور ارشاد کیا کہ اس میں نہ کچھ بڑھ سکتا ہے اور نہ کچھ گھٹ سکتا ہے اور سعادت مند ممکن ہے کہ شقاوت کا ایسا عمل کرے کہ سب لوگ کہیں کہ وہ اشقیاء میں داخل ہے۔ حق تعالےٰ ممکن ہے کہ موت سے پہلے خواہ وہ ایک ساعت ہی کیوں نہ ہو، اس کو شقاوت کی راہ سے پھیر کر سعادت کے راستہ پر لے آتا ہے۔ پس سعید وہ ہے جس کی سعادت کا حکم ازل میں ہوا ہو اور شقی وہ ہے جس کی شقاوت کا حکم ازل میں ہو چکا ہے۔ پس اس سلسلہ میں اعتبار خاتمہ کا ہے (کہ خاتمہ شقاوت پر ہوتا ہے یا سعادت پر) اس بناء پر عارفانِ الٰہی ڈرتے ہیں اور یہ خوف سب سے بڑا خوف ہے۔ جس طرح بندے کا اللہ تعالےٰ کی صفتِ جلال سے ڈرنا، اپنے گناہوں کے خوف کرنے سے بڑھ کر ہے اس لیے کہ خوفِ الٰہی کا سلسلہ کبھی منقطع نہیں ہوتا اور گناہ کے خوف میں یہ گنجائش ہے کہ شاید اس میں غرور پیدا ہو اور کہے کہ میں تو اب گناہوں سے دستبردار ہو گیا۔ اب خوف کیوں کروں (اب کاہے کا خوف)

حاصل کلام یہ ہے کہ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم مقامِ اعلیٰ علیین میں تشریف فرما ہوں گے اور ابوجہل اسفل السافلین میں، اور دونوں پیدائش سے قبل نیکی اور تقصیر سے بالکل پاک تھے اللہ تعالےٰ نے جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی معرفت اور طاعت کا راستہ دکھلایا۔ حالانکہ آپ کی طرف سے اس امر کا کوئی جواب نہ تھا اور اس راہ پر بہ جبر آپ کو لگایا اور اس وقت آپ کو یہ قدرت نہ تھی کہ جو علم آپ کو دیا گیا اور جو کچھ آپ پر کشف ہوا آپ اس کو ترک کر دیں (پوشیدہ رکھیں) اور نہ یارا تھا کہ جو چیز زہر قاتل ہے اس سے حذر کریں۔

اللہ تعالےٰ نے ابوجہل کی بصیرت کی راہ بند کر دی اور وہ حقیقت کو نہ دیکھ سکا اور جب نہ دیکھ سکا تو شہوتوں سے دست بردار نہ ہو سکا۔ حالانکہ اس وقت تک وہ ان شہوتوں کی آفتوں سے واقف نہیں ہوا تھا۔ پس ہر دو مضطر

بود ند لکن چنانکہ خواست بے سببے بشقاوت یکے حکم کرد واو را مے تاخت تا بدوزخ ویکے را بسعادت حکم کرد ومی برد تا بااعلی علیین بہ سلسلہ قہر (کیمیائے سعادت نولکشوری اڈیشن صـ ۴۴۶) پس دونوں حالت اضطرار میں ہیں۔ حق تعالٰی نے اپنے ارادے کے موافق بغیر سبب کے ایک کی شقاوت کا حکم فرمایا اور اس کو دوزخ کی راہ پر لگادیا اور دوسری ہستی کے لیے سعادت کا حکم فرماکر خود ہی کشاں کشاں اعلٰی علیین تک پہنچادیا۔

پس جو شخص اپنے ارادے کے موافق حکم کرتا ہے اس کو کچھ پرواہ نہیں ہوتی لہٰذا اس سے ڈرنا چاہیے۔ اسی واسطے حضرت داؤد علیہ السلام کو فرمایا اے داؤد مجھ سے ایسا ڈر جیسے شیر غران سے ڈرے گا، اگر شیر تم کو ہلاک کردے تو اس کو تمہاری ہلاکت کی کچھ پرواہ نہ ہوگی، وہ تم کو تمہاری تقصیر کی بنا پر ہلاک نہیں کرتا، بلکہ اس کا شیر ہونا ہی اس کا حکم کرتا ہے کہ تم کو ہلاک کردے، اگر وہ تم کو چھوڑ دے تو اس کا سبب یہ نہیں کہ تم سے قرابت ہے یا تم پر شفقت اس کا باعث ہے۔ بلکہ اس نے تم کو محض ناچیز خیال کرکے چھوڑ دیا۔ پس جس نے خداوند تعالیٰ کی ایسی صفتیں معلوم کرلیں یقیناً اس کے دل میں خوف جاگزین ہوگا۔

سُوءِ خاتمہ

اے عزیز! معلوم ہونا چاہیئے کہ اکثر بزرگوں کو خاتمہ کا ڈر رہا کرتا ہے کیونکہ انسان کا دل بدلتا رہتا ہے اور موت کا وقت بہت سخت اور کٹھن ہے، معلوم نہیں کہ سکرات کے وقت دل کی کیا حالت ہوگی۔ چنانچہ ایک عارف فرماتے ہیں کہ اگر میں پچاس سال تک کسی کو موحّد سمجھتا رہوں اور وہ میرے سامنے سے ہٹ کر دیوار کے پیچھے چلا گیا تو پھر میں اس کے موحّد ہونے پر گواہی نہیں دوں گا۔ کیونکہ دل ہر آن بدلتا رہتا ہے اور میں نہیں جان سکتا کہ وہ کس چیز سے بدلا۔

کسی بزرگ کا قول ہے کہ اگر کوئی مجھ سے دریافت کرے کہ تم کسی شخص کے اسلام پر مرنے کی گواہی گھر کے دروازے پر دینا پسند کروگے یا اسکی کوٹھری کے دروازے پر، تو میں کہوں گا کہ کوٹھری کے دروازے پر کیونکہ میں نہیں جانتا کہ گھر کے دروازے تک اس کا اسلام باقی رہا یا نہیں۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے قسم کھاکر فرماتے تھے کہ کوئی شخص اس بات سے مطمئن نہیں ہے کہ موت کے وقت اس کا اسلام باقی رہے گا یا نہیں"۔ شیخ سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ صدیقین ہر لحظہ سوءِ خاتمہ یعنی ایمان جانے سے ڈرتے رہتے ہیں"۔ شیخ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ موت کے وقت بہت بیقرار اور مضطرب تھے اور گریہ وزاری کررہے تھے لوگوں نے کہا اے شیخ ایسا مت کرو کہ حق تعالیٰ کی بخشش تمہارے گناہوں سے زیادہ ہے انہوں نے جواب دیا کہ مجھے یقین کے ساتھ یہ نہیں معلوم کہ میں باایمان مروں گا۔ اگر یہ معلوم ہوجاتے تو پھر کچھ پرواہ نہیں خواہ میرے گناہ پہاڑ کے برابر ہوں"۔

منقول ہے کہ ایک بزرگ نے مرتے وقت وصیت کی اور اپنا مال ایک شخص کے سپرد کر کے کہا کہ میرے باایمان مرنے کی فلاں نشانی ہے اگر مرنے کے بعد تم وہ علامت پاؤ تو اس رقم سے شکر اور بادام خرید کر شہر کے بچوں میں تقسیم کرنا اور کہنا کہ یہ فلاں شخص کا عُرس ہے جو دنیا سے باایمان رخصت ہوا ہے۔ اور اگر وہ علامت تم کو نظر نہ آئے تو لوگوں سے کہہ دینا کہ میری نماز جنازہ نہ پڑھیں اور دھوکے میں مبتلا نہ ہوں تاکہ مرنے کے بعد میں ریاکاروں میں شمار نہ کیا جاؤں۔ شیخ سہل تستریؒ فرماتے ہیں کہ مرید کو یہ خوف ہے کہ معصیت میں مبتلا نہ ہو اور مرشد کو یہ اندیشہ ہے کہ کہیں کفر میں مبتلا نہ ہو جائے۔ شیخ ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جب میں مسجد کا قصد کرتا ہوں تو اپنی کمر میں زنار پڑی ہوئی پاتا ہوں کیونکہ مجھے اس وقت یہ خوف ہوتا ہے کہ کہیں مجھے راستے ہی سے پھیر کے کلیسا میں نہ لے جائیں۔ ہر روز نماز پنجگانہ کے وقت میری یہی حالت ہوتی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے فرمایا کہ تم معصیت اور گناہ سے ڈرتے ہو اور ہم پیغمبروں کو کُفر کا اندیشہ ہے۔

منقول ہے کہ ایک جلیل القدر پیغمبر کھانے کپڑے کی محتاجی کے باعث کئی سال تک پریشان رہے جب انہوں نے اس کا شکوہ اللہ تعالےٰ سے کیا اور اپنی محتاجگی کی فریاد کی تو ان پر وحی نازل ہوئی تو ان پر وحی نازل ہوتی اور فرمایا کہ اے پیغمبر میں نے تیرے دل کو کفر سے محفوظ رکھا ہے کیا تو اس کا شکر گذار نہیں ہے، جو دنیا کو طلب کرتا ہے یہ سن کر انہوں نے کہا الٰہی! میں توبہ کرتا ہوں اور تیرا شکر کرتا ہوں اور پوچھنے کی جو جرأت کی تھی اس کی ندامت میں سر پر خاک ڈالی۔

سُوءِ خاتمہ کی علامتیں | سوءِ خاتمہ کی علامتوں میں سے ایک علامت نفاق ہے۔ اسی وجہ سے صحابہ کرام ہمیشہ نفاق سے ڈرا کرتے تھے، خواجہ حسن بصریؒ نے کہا ہے کہ اگر مجھے یقیناً معلوم ہو جائے کہ مجھ میں نفاق کی صفت نہیں ہے تو دنیا کی تمام دولت حاصل ہو جانے سے بھی زیادہ یہ بات مجھے عزیز ہو گی۔ ان کا ہی یہ قول ہے کہ جب آدمی کا ظاہر اور باطن، دل اور زبان مختلف ہوں تو یہ نفاق کی بڑی علامت ہے۔

فصل | اے عزیز معلوم ہونا چاہیئے کہ سُوءِ خاتمہ جس کا خوف سب بزرگوں کے دل میں رہا کرتا ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ موت کے وقت بندے سے ایمان چھین لیا جائے اور اس کے بہت سے اسباب ہیں کسی کو ان کی خبر نہیں ہے، پر اکثر دو سبب سے ایمان میں خلل واقع ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ کوئی شخص بدعت یا طل کا اعتقاد کر کے اپنی تمام عمر اسی میں گذار دے اور یہ کبھی خیال نہ کرے کہ یہ عقیدہ باطل و بے جا ہو گا۔ ممکن ہے کہ موت کے وقت اس کی یہ خطا اس پر ظاہر کر دی جائے اور اس لیے دوسرے معتقدات میں شک پڑ جائے اور ان کی استواری باقی نہ رہے یہ خطرہ مبتدع اور بدعتی کو لگا رہتا ہے اور ایسے شخص کو بھی یہ خطرہ لاحق رہتا ہے جو عقائد میں بحث و دلیل سے کام لیتا ہے خواہ وہ زاہد ہی کیوں نہ ہو، مگر وہ سادہ لوح افراد جن کا اسلام ظاہر قرآن و حدیث کے مطابق و موافق ہو اس آفت سے محفوظ ہیں۔ اسی بنا پر حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے عَلَیْکُمْ بِدِیْنِ الْعَجَائِز

وَاَکْثَرُ اَهْلِ الْجَنَّةِ بُلْهٌ (زنانِ پیر کا دین تم پر واجب ہے اور زیادہ تر اصحاب جنت سادہ لوح افراد ہوں گے) یعنی اے لوگوں دین کے معاملہ میں پیرزالوں کی سادگی اختیار کرو اور سمجھو کہ جنت میں اکثر بھولے، سادہ لوح لوگ ہوں گے۔ چنانچہ اس بناپر بزرگانِ سلف علم الکلام اور عقائد کے مسائل میں بحث وجدل سے منع فرمایا کرتے تھے کیونکہ یہ ہر ایک کا حوصلہ نہیں ہے اس کے پنجے میں انسان ایک بُرے عقیدے میں گرفتار ہوجاتے گا۔

دُوسرا سبب یہ ہے کہ ایمان اس کا اصل میں ضعیف تھا اور دنیا کی محبت اس پر غالب تھی، اللہ تعالیٰ کی محبت ضعیف تھی، تو موت کے وقت آرزو اور خواہشات کو اس سے چھین لیا جائے گا اور دنیا سے اس کو کشاں کشاں ایسی جگہ لیجائیں گے جہاں وُہ جانے پر راضی نہ ہو۔ پس وہ ناخوش ہوتا ہے۔ جو تھوڑی سی محبت اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی تھی وہ بھی باقی نہیں رہتی۔ مثلاً ایک شخص اپنے بچے سے کچھ پیار رکھتا ہے جب بھی بچہ اس سے باپ کی پیاری چیز مانگتا ہے تو پھر باپ اس فرزند سے بیزار ہوجاتا ہے اور اب وہ تھوڑی سی محبت بھی باقی نہیں رہتی! اسی وجہ سے مجاہدین کے لیے درجہ شہادت عظیم ہے کیونکہ وہ جہاد میں شریک ہوکر دل سے دنیا کی محبت نکال کر اللہ تعالےٰ کی محبت میں شہادت طلب کرتے ہیں جب ایسی حالت میں موت آجائے تو سب سے بڑی دولت ہے۔ کیونکہ یہ حالت بہت جلد گذر جاتی ہے اور دل اس صفت پر ہر وقت قائم ودائم نہیں رہتا۔ پس جس کے دل میں خدا کی محبت سب سے زیادہ ہو یقیناً یہ محبت اس کو دنیا سے باز رکھے گی۔ پس ایسا شخص ہی ایمان کے خطرے سے البتہ محفوظ رہے گا۔ اور جب اس کی موت کا وقت آئے گا تو سمجھے گا کہ اب دوست کے دیدار کا وقت آگیا ہے۔ اس صورت میں خدا کی محبت غالب اور دنیا کی محبت باطل ہو گی، حُسن خاتمہ کی علامت یہی ہے۔ پس جو کوئی ایمان کے خطرہ سے اَمان کا خواہاں ہے اس کو چاہیئے کہ بدعت اور بُرے عقیدے سے بچے اور جو باتیں قرآن وحدیث میں آئی ہیں ان پر ایمان لائے جس بات کو سمجھ سکا ہے اس کو قبول کرے اور جو بات سمجھ میں نہیں آتی اس کو خداوند تعالےٰ کے حوالہ کردے لیکن ایمان اس پر بھی لاتے اور کوشش کرے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت اس کے دل پر غالب اور دنیا کی محبت ضعیف ہوجاتے، احکام شرعی پر عمل کرنے اور اس کے مقررہ حدود کی حفاظت کرنے سے دنیا کی محبّت کمزور پڑجاتی ہے۔ کیونکہ اس وقت دنیا بُری لگتی ہے اور دل اس سے بیزار ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ کی محبت کا غلبہ اس طرح ہوسکتا ہے کہ آدمی ہمیشہ ذکرِ الٰہی میں مصروف رہے اور محبانِ الٰہی اور بزرگانِ دین کی صحبت اختیار کرے۔ دنیا پرستوں کی صحبت سے بچے، اگر دنیا کی محبت غالب ہے تو ایمان خطرے میں ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں یہ فرمایا گیا ہے کہ اگر فرزند وپدر ومال ومنال اور علائق دنیا وی کو تم حق تعالیٰ سے زیادہ دوست رکھتے ہو تو حکم الٰہی آنے تک منتظر رہو! فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ کے یہی معنی ہیں۔

خوفِ الٰہی کس طرح حاصل کیا جاتے؟!

اے عزیز معلوم ہونا چاہیے کہ دین کے مقامات میں سے پہلا مقامِ معرفت اور علم الیقین ہے۔ معرفت سے خوف پیدا ہوتا

ہے ۔ اور خوف سے زُہد، صبر اور توبہ، توبہ سے صدق پیدا ہونا علاوہ ازیں اخلاص، ذکر الٰہی میں ہمیشہ مشغول رہنا ۔ اور صانع حقیقی کے عجیب وغریب صفت پر غور کرنا بھی اسی سے پیدا ہوتا ہے اور ان تمام باتوں سے محبت الٰہی پیدا ہوتی ہے جو تمام مقامات کی انتہا ہے ۔ خدا کے حکم پر راضی رہنا، تسلیم اور توکل اسی محبت کے نتائج ہیں۔ پس یقین و معرفت کے بعد اصلِ اصول خوف ہے وہ دوسری صفتیں جو اوپر بیان کی گئیں بغیر خوف کے حاصل نہیں ہوسکتی ہیں۔ خوف تین طریقوں سے حاصل ہوتا ہے ۔ پہلا طریقہ علم ومعرفت ہے ۔ یعنی بندہ خود کو اور خدا کو پہچانے گا تو یقیناً اس سے ڈرے گا۔ کیونکہ جب کوئی شیر کے پنجے میں گرفتار ہوا اور شیر کے بارے میں اس کو علم ہے تو پھر ڈرنے کے لیے کسی اور ذریعہ کی ضرورت نہیں بلکہ پنجے میں پھنس جانا ہی عین خوف ہے ۔ پس جس نے حق تعالیٰ کے قہر وجلال، اس کی قدرت اور بے نیازی کو معلوم کر لیا اور اپنی عاجزی اور بیکسی سے آگاہ ہے وہ حقیقت میں شیر کے پنجے میں پھنسا ہوا ہے بلکہ جو خداوند تعالیٰ کا مختار اور قادر مطلق ہونا جانتا ہے اور سمجھتا ہے کہ قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے سب اسی کے حکم سے ہے ، اس نے بعض کو بغیر کسی وسیلے کے سعادت مند بنایا اور بعض کو بغیر خطا کے شقی بنایا ہے ۔ وہ جیسا چاہتا ہے حکم کرتا ہے ، اس کا حکم بدلتا نہیں، جیسا کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) حضرت آدم علیہ السلام سے جھگڑنے لگے تو حضرت آدم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غالب آئے ، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا کہ حق تعالیٰ نے تم کو بہشت میں رکھا، تمہارے ساتھ احسان کیا۔ پھر تم نے معصیت کر کے خود کو اور ہم کو بلا میں کیوں ڈالا ، آدم علیہ السلام نے کہا کہ معصیت ازل میں میرے نام لکھی گئی تھی یا نہیں؟ موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ ہاں لکھی گئی تھی، تب حضرت آدم علیہ السلام نے کہا کہ خداوند تعالیٰ کے حکم خلاف کیا میں کر سکتا تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اس کے خلاف کرنا ممکن نہیں۔ پس اس طرح آدم علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو قائل کر کے لاجواب کر دیا۔

[illegible]رفت کے ابواب جن سے آدمی ک[illegible]ل میں خوف پیدا ہو بہت سے ہیں، جو جسقدر عارف ہوگا اتنا ہی زیادہ خدا ترس ہوگا ، اخبار (احادیث) میں [illegible] کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت جبریل علیہ السلام دونوں بہت روتے تھے (رسول وجبر[illegible] السلام می گریستند) وحی نازل ہوئی کہ تم کیوں روتے جبکہ میں نے تم کو عذاب سے محفوظ و مامون کر دیا ہے ۔ انہوں نے فرمایا بار خدایا! ہم تیرے غضب سے بے فکر نہیں۔ تب اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ایسا ہی ہے ۔ ان بزرگوں نے اپنے کمال معرفت کی بنا پر ایسا کہا تھا کہ ہم کو بے خوف اور بیفکر نہیں ہونا چاہیئے کہ کہیں یہ بھی آزمائش نہ ہو اور ممکن ہے کہ اس کے اندر بھی کوئی راز ہو جس کی آگہی سے ہم عاجز ہوں (آزمائشے باشد و در تحت آں سرّے باشد کہ تا از دریافت آں عاجز باشیم)

منقول ہے کہ بدر کی جنگ کے روز مسلمانوں کا لشکر کمزور پڑ رہا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطرہ پیدا ہوا۔ اور

آپ نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی کہ" الٰہی اگر یہ تمام مسلمان ہلاک ہو گئے تو پھر روئے زمین پر تیری بندگی کرنے والا باقی نہیں رہے گا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) حق تعالےٰ نے آپ سے فتح و نصرت کا وعدہ کیا ہے۔ یقیناً اس کا وعدہ سچا ہے تو اس وقت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مقام یہ تھا کہ خدا کے وعدے اور اس کے کرم پر ان کا اعتقاد تھا اور حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام یہ تھا کہ خدا کے غضب کا خطرہ تھا کیونکہ یقیناً آپ کو معلوم تھا کہ خدا کے اسرار اور تقدیر کی بات کسی کو معلوم نہیں۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جب معرفتِ الٰہی کا حوصلہ اپنے اندر نہ پائے تو بزرگانِ دین اور خوف کا خوف رکھنے والے حضرات کی صحبت میں بیٹھا کرے تاکہ ان حضرات کی صحبت کی تاثیر سے خدا کا خوف دل میں سرایت کرے اس صورت میں اہلِ غفلت سے دُور رہنا چاہیئے۔ اس تدبیر سے خوف الٰہی حاصل ہو گا۔ اگرچہ یہ خوف، خوف تقلیدی ہو گا۔ جیسے ایک بچہ جب اپنے باپ کو سانپ سے بچتے اور بھاگتے دیکھتا ہے تو وہ بھی اس سے خوف زدہ ہو کر بھاگتا ہے، ہر چند کہ وہ سانپ کے موذی پن سے واقف نہیں ہے، ایسا خوف عارف کے خوف سے کم تر ہے۔ اس کے بعد اگر اس لڑکے نے کسی افسوں گر کو سانپ پر ہاتھ ڈالتے اور پکڑتے ہوتے دیکھا تو پھر وہ تقلیدی خوف بھی اس کے دل سے نکل جائے گا اور وہ بھی افسوں گر کی طرح سانپ پر ہاتھ ڈالے گا اور جس کو سانپ کی خاصیت معلوم ہے (کہ سانپ ڈس لیتا ہے) تو وہ اس تقلید سے باز رہے پس مقلد کو چاہیے کہ بے فکروں اور غافلوں کی صحبت سے گریز کرے خصوصاً، ایسا غافل جو ظاہر میں صاحب علم ہو۔

تیسرا طریقہ یہ ہے کہ اگر بزرگانِ دین کی صحبت میسر نہ ہو کیونکہ اس زمانے میں نایاب ہے تو ایسے لوگوں کے احوال اور تذکرے سُنے اور ان کی تصنیفات کا مطالعہ کرے، ہم بعض انبیاء اور اولیاء کی ایسی حکایتیں پیش کریں گے جن کا تعلق خوف سے ہے تاکہ جو معمولی عقل بھی رکھتا ہو اس کو بھی یہ معلوم ہو جائے کہ یہ حضرات کسقدر عارف پرہیزگار اور متقی تھے اور اس کے باوجود خدا کا خوف ان پر اس قدر غالب رہتا تھا (دوسروں کو تو اور بھی زیادہ ڈرنا چاہیئے)

حکایاتِ انبیأ و ملائکہ:- روایت ہے کہ جب ابلیس بارگاہِ الٰہی سے نکالا گیا، حضرت جبرئیل و میکائیل علیہما السلام بڑا روتے رہے۔ حق تعالےٰ نے اُن سے رونے کا سبب دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ الٰہی ہم تیرے غضب سے ڈرتے ہیں۔ فرمایا یہی مناسب ہے۔ بیفکر مت رہو۔

شیخ محمد بن المنکدرؒ فرماتے ہیں کہ جب خداوند تعالےٰ نے دوزخ کو پیدا فرمایا تو تمام فرشتے رونے لگے۔ لیکن جب انسان کو پیدا فرمایا تو وہ خاموش ہو گئے اور سمجھے کہ دوزخ ہمارے واسطے نہیں ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ "کبھی ایسا نہیں ہوا کہ جبرئیل (علیہ السلام) میرے پاس آتے ہوں اور خدا کے خوف سے ان کے بدن میں لرزہ نہ ہو" حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم

نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے دریافت کیا کہ اس کا کیا سبب ہے کہ میں نے آپ کو کبھی ہنستے ہوئے نہیں دیکھا!
انہوں نے کہا کہ جس روز سے دوزخ کو پیدا کیا گیا ہے اس دن سے میں نہیں ہنسا ہوں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام جب نماز شروع کرتے تو ان کے دل کے جوش کی آواز ایک کوس کے فاصلے سے سُنی جاتی تھی۔ مجاہد کہتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام سجدے میں سر رکھ کر چالیس دن تک روتے رہے۔ یہاں تک کہ ان کے آنسوؤں کی نمی سے گھاس اُگ آئی۔ تب ندا آئی کہ اے داؤد (علیہ السلام) کیوں روتے ہو؟ اگر تم بھوکے، پیاسے یا ننگے ہو تو بتاؤ تاکہ روٹی، پانی اور کپڑا بھیجوں! یہ سُن کر وہ اس طرح چیخ کر روئے اور ایسی آہ کی کہ ان کی آہ کی گرمی سے لکڑیاں جل گئیں، تب حق تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کی، داؤد علیہ السلام نے عرض کیا کہ الٰہی میرا گناہ میری ہتھیلی پر تحریر فرما دے: تاکہ میں اس کو فراموش نہ کر سکوں۔ چنانچہ ان کی یہ التدعا قبول کی گئی۔ پس وہ جب بھی کھانے اور پینے کے لیے اپنا ہاتھ بڑھاتے ان کو اپنا گناہ نظر آ جاتا اور بے اختیار رونے لگتے۔ کبھی تو ایسا ہوتا کہ پانی کا پیالہ اگر پانی سے لبالب نہ ہوتا تو ان کے آنسوؤں سے بھر جاتا تھا۔

روایت ہے کہ داؤد علیہ السلام اس قدر روئے کہ ان کی طاقت جواب دے گئی، تب انہوں نے عرض کیا کہ الٰہی! کیا میرے رونے پر تجھ کو رحم نہیں آتا! وحی نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے داؤد (علیہ السلام) تم اپنے رونے کی بات تو کرتے لیکن اپنے گناہ کو بھول گئے۔ انہوں نے کہا کہ الٰہی! میں کس طرح بھول سکتا ہوں جبکہ گناہ سے پہلے میں زبور پڑھتا خواہ میں ندی میں کھڑے ہو کر پڑھتا یا باہر کھلی فضا میں تو اس وقت، ہوا کے پرندے اور جنگل کے تمام جانور وہاں جمع ہو جاتے تھے اب ان باتوں میں سے کچھ بھی نہیں ہے۔ الٰہی ان کو مجھ سے یہ وحشت کیوں ہونے لگی! اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے داؤد (علیہ السلام) ان کی وہ انسیت تمہاری اطاعت کے سبب سے اور ان کی یہ وحشت تمہاری معصیت کے باعث ہے۔ اے داؤد سنو! آدم میرا بندہ تھا تھا، اس کو میں نے اپنے دستِ کرم سے پیدا کیا، اپنی رُوح سے اس کے قالب میں کچھ پھونکا اور ملائکہ کو حکم دیا کہ اس کو سجدہ کریں، میں نے اس کو خلعتِ کرامت پہنایا اور بزرگی کا تاج اس کے سر پر رکھا جب اس نے تنہائی کی شکایت کی حوا کو پیدا کیا اور دونوں کو بہشت میں جگہ دی۔ جب آدم سے خطا سرزد ہوئی، کپڑے اُن کے بدن سے اتار لیے اور اپنی بارگاہ سے باہر کر دیا۔ اے داؤد سُنو! تم ہماری اطاعت کرتے تھے، ہم تمہارا کہا مانتے تھے، جو کچھ تم طلب کرتے تھے وہ ہم تم کو دیتے تھے۔ جب تم نے گناہ کیا تم کو مہلت دی، ان تمام باتوں کے باوجود اگر تم توبہ کرو تو ہم اُسے توبہ کریں گے۔

یحییٰ ابن کثیر سے منقول ہے کہ ایک روایت میں آیا ہے کہ داؤد علیہ السلام جب اپنے گناہ پر نوحہ کرنا چاہتے تو سات دن تک بھوکے رہتے۔ اپنی بیویوں سے ہمبستری نہ کرتے اور جنگل میں آ کر حضرت سلیمان علیہ السلام کو فرماتے کہ ندا کر دو کہ اے لوگو! تم سے، جو کوئی داؤد کا نوحہ سننا چاہتا ہو وہ آئے۔ پس لوگ شہروں سے، پرندے گھونسلوں سے، اور جنگل

درندے اور چرندے پہاڑوں سے نکل کر اس جگہ جمع ہو جاتے، داؤد علیہ السلام حق تعالیٰ کی ثنا شروع کرتے، لوگ فریاد کرنے لگتے۔ پھر آپ بہشت اور دوزخ کی صفت بیان کرتے۔ اس کے بعد اپنے گناہ پر ایسا دل سوز نوحہ شروع کرتے کہ ہزاروں لوگ خوف اور دہشت سے مر جاتے۔ تب سلیمان علیہ السلام التماس کرتے کہ والد محترم! اب بس کیجیے۔ بہت سے لوگ ہلاک ہو چکے ہیں۔ اس کے بعد مُردے کو اس کے وارث اُٹھا کر لیجاتے۔ ایک بار آپ کی ایسی ہی مجلس میں چالیس ہزار لوگ جمع تھے۔ جب آپ نے نوحہ دلسوز کیا تو اس میں سے تیس ہزار افراد ہلاک ہو گئے۔ داؤد علیہ السلام کی دو کنیزیں خوف کے وقت دائیں بائیں سے آپ کو پکڑ لیتی تھیں تاکہ آپ کے اعضا لرزنے سے ٹوٹ نہ جائیں۔

نقل ہے کہ جب یحییٰ ابن زکریا علیہما السلام کم سن تھے تو وہ بیت المقدس میں عبادت کیا کرتے تھے جبکہ دوسرے ان کے ہم عمر لڑکے کھیل میں مصروف ہوتے تھے۔ لڑکے ان کو کھیل کے لیے بلاتے تھے تو یہ کہتے تھے کہ مجھے کھیل کود کے لیے پیدا نہیں کیا گیا ہے۔ جب ان کی عمر پندرہ سال کی ہوئی، مخلوق سے قطع تعلق کر کے جنگل میں رہنے لگے۔ ایک دن زکریا علیہ السلام اپنے بیٹے سے ملنے کے لیے وہاں آئے تو دیکھا کہ پانی میں کھڑے ہیں اور پیاس سے بیتاب ہیں اور خداوند تعالیٰ سے التجا کر رہے ہیں کہ قسم ہے تیری عزت کی جب تک مجھے یہ معلوم نہیں ہوگا کہ تیرے حضور میں میرا کیا درجہ ہے میں پانی نہیں پیوں گا۔ آپ خوفِ الٰہی میں اس قدر روتے تھے کہ آپ کے چہرے پر گوشت باقی نہیں رہا تھا اور دانت باہر سے نظر آنے لگے تھے اس لیے آپ نے نمدے کے دو ٹکڑے اپنے منہ پر باندھ لیے تھے تاکہ لوگ نہ دیکھ سکیں۔ انبیاء علیہم السلام کے ایسے بہت سے واقعات اور حکایات ہیں۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور بزرگانِ سلف رحمہم اللہ تعالیٰ

کی حکایات

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ باوجود اپنی بزرگی کے جب کسی پرندے کو دیکھتے تو فرماتے اے کاش! میں تجھ سا ہوتا۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کہا کرتے کہ کاش میں درخت ہوتا! اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرمایا کرتیں "کاش میرا نام و نشان نہ ہوتا۔ اکثر ایسا ہوتا۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قرآن شریف کی ایک آیت سن کر گر پڑتے اور بے ہوش ہو جاتے۔ کئی دن تک لوگ آپ کے پاس عیادت کے لیے آتے تھے۔ آپ اس قدر روتے تھے کہ آپ کے چہرے پر آنسوؤں کے بہاؤ سے دو کالی لکیریں پڑ گئی تھیں اور آپ فرماتے تھے کہ کاش! عمر ماں کے پیٹ سے پیدا نہ ہوا ہوتا۔ ایک دن آپ کا گذر ایسی جگہ سے ہوا کہ کوئی شخص یہ آیت وہاں پڑھ رہا تھا۔ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ اس وقت آپ اونٹ پر سوار تھے۔ خوفِ الٰہی سے آپ اونٹ سے نیچے گر گئے۔ بیطاقتی کے سبب سے

آپ خود نہیں اُٹھ سکے لوگ آپ کو اُٹھا کر آپ کے مکان پر پہنچا آئے اور آپؒ ایک مہینے تک بیمار رہے کسی کو اس بیماری کا سبب معلوم نہ ہو سکا۔ علی ابن حسین رضی اللہ عنہ جب طہارت کرتے تو ان کا چہرہ زرد ہو جاتا تھا۔ لوگوں نے اس کا سبب دریافت کیا تو آپ نے تمہیں معلوم نہیں کہ مجھے کس کے سامنے کھڑا ہونا ہے۔

مسور ابنِ مخرمہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ:۔ حضرت مسور ابن مخرمہ رضی اللہ عنہ قرآن شریف سن کر بیتاب ہو جاتے، ایک دن ایک اجنبی شخص نے جو آپ کی اس کیفیت سے واقف نہیں تھا آپ کے سامنے یہ آیت پڑھی یَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا ۘ (جس دن اکٹھا کیا جائے گا پرہیزگاروں کو رحمٰن کے پاس اور گنہگاروں کو جہنم کی طرف پیاسا ہانک دیا جائے گا) اس آیت کو سُن انہوں نے کہا کہ میں مجرموں میں داخل ہوں، متقیوں میں نہیں ہوں، اس آیت کو پھر پڑھو، اس نے دوبارہ پڑھا۔ آپ نے ایک نعرہ مارا اور جان، جان آفرین کے سپرد کر دی۔

حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "اے عزیز! اچھی جگہ پر مغرور مت ہو، کوئی جگہ بہشت سے بہتر نہیں ہے لیکن دیکھو کہ وہاں آدم علیہ السلام پر کیا گذری، کثرتِ عبادت پر مغرور مت ہو، تمہیں معلوم ہے کہ ابلیس کئی ہزار سال تک عبادت کرتا رہا اور کیا انجام، کثرتِ علم پر بھی مغرور مت ہو کہ بلعم باعور کمال علم کے باعث اس درجہ پر پہنچا۔ کہ اس کو اسم اعظم معلوم ہو گیا لیکن آخر کار اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ؕ اس کی مثال کتے کی طرح اس پر بوجھ لاد دو تب ہانپے اور اس کو چھوڑ دو جب بھی ہانپے۔

نیک لوگوں کی ملاقات پر مغرور مت ہو، کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اقرباء نے بار بار آپ کو دیکھا، اور آپ سے ملے پھر بھی اسلام نصیب نہ ہو سکا۔

شیخ عطا سلمی اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں میں سے تھے وہ چالیس سال تک نہیں ہنسے اور نہ آسمان کی طرف دیکھا ایک بار آسمان کی طرف دیکھا تو دہشت کے مارے گر پڑے اس رات انہوں نے اپنے منہ پر کئی مرتبہ ہاتھ پھیرا یہ دیکھنے کے لیے کہ کہیں ان کا چہرہ مسخ تو نہیں ہو گیا ہے۔ جب قحط پڑتا یا کوئی اور بلا شہر والوں پر آتی تو کہتے یہ سب کچھ میری بدبختی سے ہوا ہے۔ اگر میں مر جاتا تو لوگ ان آفتوں سے نجات پا جاتے۔ حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ میں ہر روز میں اپنی ناک پر نظر کر کے کہتا ہوں کہ شاید میرا منہ سیاہ ہو گیا ہے۔ حضرت امام حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے دعا مانگی کہ الٰہی مجھ پر خوف کا ایک دروازہ کھول دے۔ میری دعا قبول کر لی گئی لیکن میں ڈرا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میری عقل جاتی رہے۔ پھر میں نے دعا مانگی کہ الٰہی بقدر طاقت مجھے اپنا خوف عطا فرما دے تب کہیں جا کر میرے دل کو چین آیا۔

ایک عابد زار و قطار رو رہا تھا لوگوں نے اس سے پوچھا کہ رونے کا کیا باعث ہے؟ اس نے کہا کہ میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ قیامت کے دن منادی کی جائے گی کہ آج مخلوق کو ان کے عمل کا بدلہ دیا جائے گا؟۔

کسی شخص نے خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ آپ کا کیا حال ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اس شخص کا حال کیا ہوگا جو دریا میں ہو اور اس کی کشتی ٹوٹ گئی ہو اور اس کا ہر تختہ الگ الگ ہوگیا ہے! اس شخص نے کہا کہ پھر تو وہ بڑی مشکل میں ہوگا۔ انہوں نے فرمایا میرا حال بھی ایسا ہی ہے۔ پھر انہوں نے فرمایا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک بندے کو ہزار سال دوزخ سے نکالا جائے گا۔ کاش! وہ شخص میں ہوتا۔ انہوں نے یہ بات اس لیے کہی کہ ان کو خاتمہ کے ڈر سے عذاب دائمی دھڑکا لگا تھا۔

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی ایک کنیز کا خواب: نقل ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی ایک کنیز نے آپؒ سے کہا کہ میں نے ایک خواب دیکھا ہے انہوں نے فرمایا بیان کر کیا دیکھا۔ کنیز نے کہا کہ میں نے دیکھا کہ دوزخ کو دھکایا گیا ہے اور اس پر پل صراط رکھ دیا گیا ہے اور اموی خلفاء کو لایا گیا۔ سب سے پہلے عبد الملک بن مروان کو لایا گیا اور حکم دیا گیا کہ اس پل سے گزرو۔ کچھ دیر کے بعد ہی وہ اس پل سے دوزخ میں گر پڑا، انہوں نے دریافت کیا کہ اور کیا دیکھا؟ وہ بولی پھر اس کے بیٹے ولید بن عبد الملک کو لایا گیا اور وہ بھی اسی طرح دوزخ میں جا گرا، پھر سلیمان بن عبد الملک کو حاضر کیا گیا اور وہ بھی اسی طرح دوزخ میں گر گیا اور ان سب کے بعد اے امیر المومنین آپ کو لایا گیا۔ بس اتنا سنتے ہی حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے ایک نعرہ مارا اور بیہوش ہو کر گر پڑے کنیز نے پکار کر کہا اے امیر المومنین! خدا کی قسم! میں نے دیکھا کہ آپ سلامتی کے ساتھ اس پل پر سے گزر گئے ہیں۔ لیکن حضرت عمر بن عبد العزیزؒ اسی طرح بیہوشی کے عالم میں ہاتھ پاؤں مار رہے تھے۔

خواجہ حسن بصریؒ رحمۃ اللہ علیہ برسوں تک نہیں ہنسے وہ ہمیشہ اس قیدی کی طرح بیکل اور بے چین رہتے تھے جس کو گردن مارنے کے لیے لایا گیا ہو۔ ان سے دریافت کیا گیا کہ اس عبادت و ریاضت کے باوجود آپ اس قدر ہراساں کیوں ہیں؟ انہوں نے کہا کہ ڈرتا ہوں اور اس بات کا خوف ہے کہ شاید حق تعالیٰ میرے کسی فعل سے مجھ پر غضب کرے۔ اور فرماتے کہ تیرا جو جی چاہے وہ کر میں تجھ پر رحم نہیں کروں گا! بس اس بات سے ڈرتا ہوں اور بے فائدہ جان دیتا ہوں۔

اے عزیز اس طرح کی بہت سی حکایتیں ہیں۔ اب غور کرو کہ یہ لوگ کس قدر ڈرتے تھے اور تم کو بے فکر ہو اس کا سبب یا تو یہ ہوگا کہ ان حضرات کا عرفان زیادہ تھا اور تم بے خبر ہو، سچ تو یہ ہے کہ حماقت اور غفلت کے سبب سے باوجود ہزاروں گناہوں گے بے فکر ہو اور وہ حضرات باوجود طاعت کے اپنی معرفت اور آگاہی کے باعث ہراساں اور خوف زدہ تھے۔

فصل :- شاید اس مقام پر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ خوف و رجا کی فضیلت میں بہت سی حدیثیں وارد ہیں پھر ان دونوں میں کونسی چیز افضل ہے۔ خوف یا رجا؟ اور کس چیز کا غلبہ انسان پر ہونا چاہیئے اس سوال کا جواب یہ ہے۔ کہ دو دوائیں ہیں، دوا کے باب میں فضیلت نہیں دیکھی جاتی بلکہ اس کی منفعت دیکھی جاتی ہے۔ پس خوف و رجا صفات و نقص میں داخل ہیں اور انسان کا کمال یہ ہے کہ خدا کی محبت اور اس کے ذکر میں مستغرق رہے۔ اپنے خاتمہ اور سابقہ کا خیال نہ کرے۔ وقت کو نہ دیکھے بلکہ وقت کا خیال ہی ترک کر دے۔ خداوند تعالیٰ وقت کا دیکھنے والا ہے۔ کیونکہ جب خوف و رجا کی طرف متوجہ ہوگا تو عبادت سے حجاب حاصل ہوگا لیکن استغراق کی ایسی حالت شاذ و نادر ہی ہوتی ہے۔ پس وہ شخص جو موت کے قریب ہے اس کے لیے سزاوار یہ ہے کہ رجا اس کے دل پر غالب رہے کہ اس سے محبت میں اضافہ ہوگا، اور جو کوئی اس جہان سے رخصت ہونے والا ہے اس کو چاہیئے کہ خداوند تعالیٰ سے زیادہ محبت رکھے تاکہ اس کے دیدار کی سعادت حاصل ہو۔ محبوب کے دیدار میں جو لذت ہوتی ہے۔ لیکن جب دوسرے اوقات میں (عام زندگی میں) آدمی غافل ہو تو اس پر خوف غالب رہنا چاہیئے کیونکہ امید کا (رجا) کا غلبہ اس کے حق میں زہر قاتل کا حکم رکھتا ہے اور اگر وہ اہل تقویٰ سے ہے اور اس کے اخلاق اچھے ہیں تو خوف و رجا دونوں برابر ہونا چاہیئے، جب عبادت میں مصروف ہو تو رجا کا غلبہ ہونا چاہیئے کہ امور مباح میں دل کی صفائی محبت سے ہوتی ہے اور رجا سے محبت پیدا ہوتی ہے۔ لیکن معصیت کے وقت خوف کا غلبہ ہونا چاہیئے۔ مباح کاموں میں بھی خوف رکھنا چاہیئے جبکہ وہ شخص ان کا عادی ہو، ورنہ معصیت میں مبتلا ہوگا۔ پس یہ ایک دوا ہے جس کا فائدہ مختلف احوال اور مختلف شخصوں کے اعتبار سے جدا جدا ہوگا۔ اس سوال کا جواب کوئی ایک نہیں ہو سکتا۔

اصل چہارم

فقر و زہد

معلوم ہونا چاہیئے کہ اس سے قبل عنوان مسلمانی کے تحت ہم نے تحریر کیا ہے کہ دینداری چار چیزوں پر موقوف ہے ایک معرفت نفس، دوسری معرفت حق، تیسری معرفت دنیا، چوتھی معرفت آخرت، ان چار چیزوں میں دو چیزیں ترک کرنے کے لائق ہیں اور دو طلب کرنے کے قابل ہیں، یعنی حق تعالیٰ کی طلب کے لیے اپنے نفس کو چھوڑ دے اور آخرت کے حصول کے لیے دنیائے فانی سے ہاتھ اٹھالے، اس کے واسطے خوف، توبہ اور صبر کی ضرورت ہے دنیا کی محبت مہلکات میں داخل ہے۔ ہم اس کا علاج تحریر کر چکے ہیں، دنیا سے بیزار اور دست بردار ہونا منجیات میں داخل ہے اسی کا نام فقر و زہد ہے۔ ہم یہاں اسی کی تشریح کر رہے ہیں، اس سلسلہ میں سب سے پہلے فقر و زہد کی حقیقت

اور فضیلت معلوم کرنا ضروری ہے۔

فقر و زہد کی حقیقت

معلوم ہونا چاہیئے کہ فقیر وہ ہے جو اپنی ضرورت کی چیز کا محتاج ہو، انسان کو سب سے اوّل تو اپنی ہستی کی حاجت ہے، اس کے بعد اپنی بقا اور ثبات کے لیے اس کو غذا مال اور بہت سی چیزوں کی ضرورت ہے اور ان تمام چیزوں میں سے اس کے پاس کچھ بھی موجود نہیں تو وہ محتاج ہے محتاج کی ضد غنی ہے، جو اپنے سوا دوسروں سے بے نیاز ہو اور ایسی صرف خدا کی ذات ہے جل جلالہ، دوسری تمام مخلوقات، جن و انس، فرشتے اور شیاطین، سب کی ہستی اس کا قیام ان کی ذات سے نہیں ہے۔ پس حقیقت میں تمام مخلوق فقیر اور محتاج ہے۔ چنانچہ حق تعالےٰ نے ارشاد فرمایا:۔

اَللّٰهُ غَنِیٌّ وَ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ۔ اللہ غنی ہے، اور تم سب فقیر ہو۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فقیر کے معنی اس طرح بیان فرماتے ہیں:۔ اَصْبَحْتُ مُرْتَهِنًا بِعَمَلِیْ وَالْاَمْرُ بِیَدِ غَیْرِیْ فَلَا فَقِیْرًا اَفْقَرُ مِنِّیْ۔ یعنی میں اپنے عمل کے ہاتھوں میں رہن ہوں اور میرا کام دوسرے کے اختیار میں ہے۔ پھر ایسا کون درویش ہو گا جو مجھ سے زیادہ عاجز اور لاچار ہو" اسی بات کو حق تعالےٰ نے اس طرح بیان فرمایا ہے وَرَبُّکَ الْغَنِیُّ ذُوالرَّحْمَةِ اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْکُمْ وَیَسْتَخْلِفْ مِنْ بَعْدِکُمْ مَّا یَشَآءُ (تیرا پروردگار غنی ہے رحمت والا اگر چاہے تو سب کو ہلاک کر دے اور پھر دوسری قوم کو پیدا کرے) اس سے معلوم ہوا کہ سب لوگ فقیر اور محتاج ہیں، لیکن اہل تصوّف کی اصطلاح میں فقیر کا اطلاق اس پر ہو گا جو اپنے آپ کو کہ محتاجی اور بیچارگی کی صفت سے دیکھے اور یہ جانے کہ خود سراپا محتاج ہے اور دنیا اور آخرت میں کسی چیز کی ہستی اور اس کی بقا اس کے اختیار میں نہیں ہے۔ اور بعض احمق لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ " تجھے فقیر اس وقت سمجھا جائے گا کہ طاعت و بندگی الٰہی نہ کرے کیونکہ جب تو طاعت کرے گا تو ثواب کی اُمید رکھے گا اس وقت تیرے پاس ایک چیز موجود ہوئی۔ لہٰذا اب تجھے فقیر نہیں کہیں گے۔ ایسا کہنا الحاد اور زندقہ کا بیج یا اس کی اصل ہے۔ یہ بیج شیطان نے ان کے دلوں میں بو دیا ہے۔ شیطان ان احمقوں کو جو عقلمندی کا دعویٰ رکھتے ہیں۔ فریب دے کر اچھے کو بُرا اور بُرے کو اچھا دکھاتا ہے۔ اور سمجھاتا ہے تاکہ احمق اس کے فریب میں آ کر سمجھے کہ فراست اور دانائی یہی ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نے کہا کہ عبس کو خدا مل گیا اس کو سب کچھ مل گیا ہے۔ اب اس کو دنیا سے بیزار رہنا چاہیئے تاکہ اس کو فقیر کہہ سکیں۔ حالانکہ فقیر وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طاعت کرے۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ طاعت و بندگی میرا مال نہیں ہے اور اس میں میرا اختیار نہیں ہے۔ میں تو بس اپنا کام کر رہا ہوں۔

حاصل کلام یہی ہے کہ اس مقام پر فقیر کے دو معنی ہیں جو صوفیہ کی اصطلاح میں ہیں یعنی تمام چیزوں کے بارے میں آدمی کے محتاج ہونے کا بیان ہمارا مقصود نہیں ہے۔ بلکہ ہم یہاں مال کی فقیری اور محتاجی کا بیان کریں گے کہ

آدمی کو لاکھوں حاجتوں کے ساتھ مال کی حاجت بھی رہتی ہے اور مال پاس نہ ہونے کا سبب یا تو یہ ہوگا کہ آدمی عمداً اس سے دست بردار ہوگیا ہے۔ یا یہ کہ اس کو حاصل نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص مال کو عمداً ترک کر دے تو اس کو زاہد کہتے ہیں اور اگر خود اس کو مال میسر نہیں ہوا ہے تو ایسے شخص کو فقیر کہیں گے۔

فقیر کی تین حالتیں ہیں، ایک حالت تو یہ ہے کہ اس کے پاس مال موجود ہی نہ ہو لیکن حتی المقدور اس کی تلاش میں ہے تو ایسے شخص کو حریص فقیر کہا جاتا ہے۔ دُوسری حالت یہ ہے کہ یہ مال طلب نہ کریں اور اگر اس کو مال دیا جائے تو اس کو قبول نہ کرے اور مال سے بیزار رہے ایسے شخص کو زاہد فقیر کہتے ہیں تیسری حالت یہ ہے کہ نہ ڈھونڈے اور نہ طلب کرے اگر دیا جائے تو قبول نہ کرے اور قناعت اختیار کرے تو ایسے شخص کو قانع فقیر کہتے ہیں۔ یہاں ہم درویشی کی فضیلت اور اس کے بعد زُہد کی خوبیاں بیان کریں گے کہ مال نہ رہنے میں بھی ایک بزرگی ہے۔ اگرچہ انسان حریص ہو۔

درُویشی کی فضیلت

اے عزیز معلوم ہونا چاہیئے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِيْنَ اس ارشاد میں درویشی کو ہجرت پر مقدم فرمایا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ آپ نے فرمایا کہ "حق تعالیٰ تنگ دست پارسا کو دوست رکھتا ہے۔" اور فرمایا ہے کہ "اے بلال کوشش کرو تا کہ جب تم اس جہان سے جاؤ تو درویشی کی حالت ہو نہ کہ تونگری کی۔" مزید ارشاد فرمایا ہے کہ "میری امت کے درویش، بہشت میں تونگروں سے پانسو برس پہلے جائیں گے۔" ایک روایت میں پانسو برس کے بجائے "چالیس برس" مذکور ہے۔ شاید چالیس برس جہاں فرمایا اس سے مراد حریص درویش اور پانسو برس جہاں فرمایا اس سے درویش قانع مراد ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ "میری اُمت کے بہترین لوگ "فقیر" لوگ ہیں اور وہ لوگ جو چستی و چالاکی سے بہشت کی سیر کریں گے وُہ اُمت کے ضعیف اور کمزور لوگ ہیں۔"

آپ نے فرمایا ہے کہ "میرے دو پیشے ہیں جس نے ان دونوں کو دوست رکھا اس نے مجھے دوست رکھا۔ ایک پیشہ درویشی ہے اور دوسرا جہاد۔" روایت ہے کہ جبریل علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ نے آپ کو سلام بھیجا ہے اور فرمایا ہے کہ اگر آپ چاہیں تو ہم روئے زمین کے پہاڑوں کو سونا بنا دیں تاکہ جہاں کہیں آپ کی مرضی ہو آپ کے ساتھ آیا کریں۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے جبریل (علیہ السلام) دنیا مسافروں کا گھر ہے اور مال بے مال والوں کا ہے اور دنیا میں مال جمع کرنا بے عقلوں کا کام ہے تب جبریل (علیہ السلام) نے فرمایا يُثَبِّتُكَ اللّٰهُ بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ (اللہ آپ کو ثبات دے اس قول ثابت کے ساتھ) اور عیسیٰ علیہ السلام کا

گذر ایک سوئے ہوئے شخص پر ہوا آپ نے اس سے کہا کہ اُٹھ اور خدا کو یاد کر اس شخص نے کہا کہ اب مجھے کس بات کی تکلیف دی جاتی ہے کہ میں دنیا تو دنیا والوں کے لیے چھوڑ آیا ہوں، تب عیسیٰ علیہ السّلام نے اس سے فرمایا کہ اے دوست اب فراغت کے ساتھ آرام کرو! اسی طرح حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کا ایک شخص پر گذر ہوا جو ایک اینٹ پر سر رکھے سو رہا تھا، آپ نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا کہ الٰہی! تیرا یہ بندہ پامال ہو رہا ہے اور اس کے پاس کچھ بھی مال نہیں ہے۔ تب وحی نازل ہوئی، ربّ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اے موسیٰ (علیہ السلام) کیا تم نہیں جانتے کہ میں جس کی طرف بہت زیادہ متوجہ ہوتا ہوں، اس کو دنیا سے بالکل الگ رکھتا ہوں۔

ابو رافع رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مہمان آیا۔ اس وقت آپؐ کے پاس کچھ (خرچ) موجود نہ تھا آپؐ نے مجھ سے فرمایا کہ خیبر کے فلاں یہودی کے پاس جاؤ اور میرے لیے تھوڑا سا آٹا قرض لے آؤ! یہودی نے قسم کھائی کہ میں نہیں دوں گا جب تک کوئی چیز اس کے بدلہ گرو نہ رکھی جاتی ہے گی، میں نے اس کا جواب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچایا۔ آپ نے فرمایا کہ میں آسمان و زمین میں امین ہوں اگر وہ دنیا تو میں اس کا قرض ضرور ادا کرتا۔ اب میری یہ بکتر لے جاؤ اور گرو رکھ دو۔ میں نے آپؐ کی بکتر گرو رکھ کر آٹا لے لیا۔ تب آیت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کے لیے نازل ہوئی وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا (الآیۃ) (یعنی آپؐ کو دنیا اور دنیاداروں کی طرف گوشہ چشم سے بھی نہ دیکھیے کہ یہ تمام (دنیاوی) چیزیں ان کے حق میں تو بھلاوا ہیں اور جو چیز آپؐ کے لیے حق کے پاس ہے وہ اس سے بہتر اور دیرپا ہے۔)

کعب احبارؓ فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام پر وحی آئی کہ موسیٰ جب تم پر درویشی آئے تو تم اس کو کہو! مرحبا اے شعارِ صالحین! حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بہشت مجھے دکھایا گیا کہ اس کے رہنے والے درویش تھے اور دوزخ بھی دکھایا گیا اس کے رہنے والے اکثر تونگر تھے۔ اور فرمایا کہ میں نے بہشت میں دیکھا کہ وہاں عورتیں کم ہیں جب میں نے دریافت کیا کہ عورتیں کہاں ہیں تو مجھے بتایا گیا، ان کو زیور اور رنگین لباس نے قید میں ڈالا ہے۔ (شَغَلَهُنَّ الْأَحْمَرَانِ الذَّهَبُ وَالزَّعْفَرَانُ)

روایت ہے کہ کسی پیغمبر (علیہ السلام) کا گذر دریا کے کنارے پر ہوا اُنھوں نے ایک مچھیرے کو دیکھا کہ اس نے خدا کا نام لے کر جال دریا میں پھینکا لیکن اس کے جال میں ایک مچھلی بھی نہیں پھنسی، ایک دوسرے مچھیرے نے شیطان کا نام لے کر دریا میں جال ڈالا تو بہت سی مچھلیاں اس کے جال میں پھنس گئیں۔ ان پیغمبرؑ نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا کہ الٰہی مجھے یقین ہے کہ یہ سب کچھ تیری ہی طرف سے ہے لیکن مجھے یہ بتا دے کہ اس میں کیا حکمت ہے خداوند تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ ان دونوں مچھیروں کی جگہ جنت اور دوزخ میں ان کو دکھا دو۔ جب پیغمبر نے دونوں کی جگہ دیکھ لی

تو کہا الٰہی اب میری تسلی ہو گئی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ پیغمبروں میں سب سے آخر میں جنت میں داخل ہونے والے سلیمان بن داؤد علیہما السلام ہیں، اور میرے اصحاب میں عبدالرحمن بن عوف (رضی اللہ عنہ) سب سے آخر میں بہشت میں داخل ہوں گے کیونکہ یہ دونوں حضرات تونگر تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تونگر بہت دشواری سے جنت میں جائیگا اور حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "جب خداوند تعالیٰ کسی کو دوست رکھتا ہے تو اس کو طرح طرح کی آفتوں میں گرفتار کرتا ہے۔ اور جب کسی کو بہت زیادہ دوست رکھتا ہے تو اقتنا کرتا ہے۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) اقتنا کیا ہے؟ آپ نے فرمایا اقتنا یہ ہے کہ نہ اس شخص کا مال باقی رہے نہ اہل وعیال!۔

موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا کہ بارالٰہا! مخلوق میں تیرے دوست کون ہیں تاکہ میں بھی ان کو دوست رکھوں، حق تعالےٰ نے فرمایا جس جگہ درویشی کامل طور پر ہے وہی میرا دوست ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن درویش اور مفلس کو لایا جائے گا اور جس طرح لوگ آپس میں ایک دوسرے سے معذرت کرتے ہیں اللہ تعالےٰ اس درویش سے عذر خواہی فرمائے گا اور کہے گا کہ میں نے دنیا کو جو تجھ سے دُور رکھا اس کا مقصد یہ نہیں تھا کہ تجھے ذلیل وخوار کروں بلکہ اس لیے ایسا کیا کہ بہت سی خلعتیں اور بزرگیاں میری طرف سے تجھ کو عطا ہوں، لیکن لوگوں کی صفوں میں جا اور جس نے تجھ کو میرے لیے ایک دن کھانا کھلایا ہو یا کپڑا پہننے کو دیا ہو اس کی دستگیری کر کیونکہ میں نے اس کو دنیا میں تیرے کام میں مشغول کیا تھا، اس دن لوگ پسینے میں غرق ہوں گے وہ ایسے شخص کا ہاتھ جا کر پکڑلے گا جس نے اس کے ساتھ دنیا میں احسان کیا تھا اور اس کو باہر نکال لائے گا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ تم درویشوں سے دوستی رکھو اور ان پر احسان کرو کیونکہ ان کے راستہ میں دولت رکھی ہے۔ اصحابؓ نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کونسی دولت ہے آپ نے فرمایا کہ قیامت میں درویشوں سے کہیں گے کہ جس کسی نے تم کو روٹی کا ایک ٹکڑا دیا ہے یا پانی کا ایک گھونٹ پلایا ہے اس کا ہاتھ پکڑ کر جنت میں لے جاؤ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جب مخلوق مال جمع کرنے اور دنیا بنانے کی طرف بالکل مائل ہو جائے گی، خداوند تعالےٰ ان پر چار بلائیں مسلط فرما دے گا۔ ایک قحط، دوسرے بادشاہ کا ظلم، تیسرے قاضیوں کی خیانت، چوتھے کافروں اور دشمنوں کی قوت اور شوکت۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ اللہ تعالےٰ کی ایسے شخص پر لعنت ہوگی جو درویشی اور مفلسی کے سبب کسی کی تحقیر کرے گا اور تونگری کے باعث دوسرے کو عزیز رکھے گا۔ بزرگوں کا ارشاد ہے۔ کہ کسی مجلس میں حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس کے سوا

مالدار خوار و ذلیل نہیں ہوتے تھے۔ کیونکہ وہ ان کو اپنی مجلس میں آگے نہیں بیٹھنے دیتے تھے بلکہ ان کو آخری صف میں جگہ دیتے تھے۔ اور درویش کو اپنے نزدیک بٹھاتے تھے۔ لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا کہ اے فرزند! جس شخص کا لباس پرانا ہو اس کو حقیر نہ سمجھنا کیونکہ تیرا اور اس کا خدا ایک ہی ہے۔ حضرت یحییٰ بن معاذؒ نے کہا ہے کہ اگر تو دوزخ سے بھی ایسا ہی ڈرتا ہوتا جیسا درویشی سے، تو دونوں سے بے فکر ہو جاتا اور تو بہشت کی طلب ایسی ہی کرتا جیسے دنیا کی کرتا ہے تو دونوں تجھے میسر ہو جاتے اور باطن میں خدا کا ایسا خوف کرتا جیسا ظاہر میں لوگوں سے ڈرتا۔ تو دونوں جہان میں تو نیک بخت ہوتا۔

حضرت ابراہیم ادھمؒ نے دولت قبول نہیں کی

ایک شخص حضرت ابراہیم ادھمؒ کی خدمت میں ہزار درہم لیکر حاضر ہوا اور اس نے بہت خوشامد اور التجا کی کہ آپ قبول کر لیں لیکن آپ نے وہ درہم نہیں لیے اور اس شخص سے کہا کہ میں نہیں چاہتا کہ اس رقم کے لیے میں اپنا نام درویشوں کے دفتر سے خارج کرا دوں، میں ہرگز ایسا کام نہیں کروں گا۔"

حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ اگر تم چاہتی ہو کہ کل قیامت میں تم کو میری ملاقات حاصل ہو تو درویشوں کی طرح زندگی بسر کرو اور مالداروں کے ساتھ بیٹھنے سے پرہیز کرو اور جب تک لباس میں پیوند نہ لگ جائیں اس کو مت نکالو (پہنتی رہو)

قانع درویش کی فضیلت

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "جس شخص کو اسلام کی طرف راستہ دکھایا گیا اور بقدر کفایت روزی دی گئی اور اس نے اس پر قناعت کی وہ نیک نصیب ہو گا، آپ کا ارشاد ہے کہ اے درویشو! دل سے درویشی پر راضی رہنا کہ فقر کا ثواب حاصل ہو، ورنہ یہ ثواب حاصل نہیں ہو گا اس حکم میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حریص درویش کو ثواب حاصل نہیں ہو گا۔ اگرچہ دوسری احادیث میں درویشی پر ثواب ملنے کی صراحت موجود ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہر چیز کی ایک کلید ہے اور بہشت کی کلید صابر درویشوں کی دوستی ہے کیونکہ وہ قیامت میں خداوند تعالیٰ کے ہم نشین ہوں گے۔" اور ارشاد فرمایا ہے" خداوند تعالیٰ کے نزدیک بندوں میں بہت زیادہ دولت مند وہ بندہ ہے جو اس پر قناعت کرے جسقدر اس کو ملا ہے اور اس روزی پر خوش ہے راضی رہے جو اس کو عطا کی گئی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ قیامت میں درویش اور تو نگر دونوں آرزو کریں گے کہ کاش! ہم دنیا میں اپنی خوراک سے زیادہ اور کچھ نہ پاتے۔"

حق تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ اے اسماعیل! تم مجھے شکستہ خاطروں کے نزدیک پاؤ گے۔ انہوں نے دریافت کیا کہ الٰہی! وہ کون لوگ ہیں؟ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ درویشانِ صادق ہیں! حضور اقدس

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، قیامت کے دن حق تعالیٰ فرشتوں سے دریافت فرمائے گا" میرے خاص اور مقبول بندے کہاں ہیں؟ ملائک عرض کریں گے بار الہٰا! وہ کون لوگ ہیں؟ حق تعالےٰ فرماتے گا وہ مومن درویش جو میری بخشش پر راضی تھے۔ ان سب کو جنت میں لے جاؤ وہ بہشت میں پہنچ جائیں گے جب کہ دوسرے لوگ ابھی حساب دیتے ہوں گے۔"

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ جو آدمی دنیا کے زیادہ ہونے پر خوش ہو اور عمر کے کم ہونے (گھٹنے) پر غمگین نہ ہو اس کی عقل میں فتور ہے! سبحان اللہ! اس دنیا میں کیا خوبی ہے جس کے زیادہ ہونے سے عمر میں نقصان ہوتا ہے۔ ایک شخص عامر بن عبد قیسؒ کے پاس گیا اس وقت وہ جو کی روٹی اور سبزی کھا رہے تھے اس شخص نے دریافت کیا کہ کیا تم نے دنیا سے بس اتنے ہی پر قناعت کر لی ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں نے بعض لوگوں کو دیکھا ہے۔ کہ وہ اس سے کم مرتبہ اور کم پر قناعت کیے ہوئے ہیں، اس شخص نے پوچھا وہ کون ہے؟ جواب دیا کہ وہ جس نے دنیا دے کر آخرت خریدی ہے وہ اس سے بھی کم پر قناعت کرتا ہے۔" ایک روز حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ لوگوں کے ساتھ گفتگو میں مشغول تھے، اتنے میں ان کی بیوی آئیں اور کہا کہ تم یہاں بے فکر بیٹھے ہو، خدا کی قسم آج گھر میں کچھ خرچ کو نہیں ہے۔ انہوں نے کہا اے بیوی! ہمارے سامنے ایک مشکل اور دشوار گذار پہاڑ ہے اس پر وہ گذر سکے گا، جو سُبکبار ہو گا۔ یہ سُن کر ان کی بیوی خوش ہو کر واپس چلی گئیں۔

فصل:- اے عزیز معلوم ہونا چاہیئے کہ علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ درویش صابر بہتر ہے یا تونگر شاکر! حق یہ ہے کہ درویش صابر، تونگر صابر سے بہتر ہے۔ کیونکہ جو روایتیں اب تک ہم نے بیان کی ہیں سب اسی بات پر دلیل ہیں۔ لیکن اگر تم چاہتے ہو کہ اس حقیقت کو معلوم کرو تو سمجھو کہ جو چیز آدمی کو ذکرِ خدا اور محبتِ الہٰی سے روکے وہ اس کے حق میں بُری ہے اور یہ حقیقت ہے کہ کسی کو درویشی ذکرِ الہٰی سے روکتی ہے اور کسی تونگری باز رکھتی ہے اور تشریح اور تفصیل اس کی یہ ہے کہ اس قدر روزی کا ملنا جو کافی ہو نہ ملنے سے بہتر ہے۔ کیونکہ اتنی روزی دنیاداری میں داخل نہیں ہے بلکہ زادِ آخرت ہے۔ اس لیے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، الہٰی! آلِ محمدؐ کی روزی بقدرِ ضرورت عطا فرمانا۔ پس جو ضرورت سے زیادہ ہو اس کا نہ ہونا زیادہ بہتر ہے۔ لیکن یہ اس وقت ممکن ہے جب حرص و قناعت میں انسان کا حال یکساں ہو، کیونکہ درویش حریص اور تونگر حریص دونوں دنیا کے مال کے مشتاق اور اس کے حاصل کرنے میں مشغول رہتے ہیں۔ لیکن درویش کی صفات بشری شکست کھا جاتی ہیں، جب وہ محنت اور رنج اٹھاتا ہے تو دنیا سے بیزار ہو جاتا ہے اور جس قدر مومن کے دل میں دنیا کی محبت کم ہوتی ہے اسی قدر خدا کی محبت زیادہ ہو جاتی ہے۔ اور جب دنیا اس کے لیے قیدخانے کی طرح ہو گی تو اگرچہ وہ اس قید سے بیزار رہا تو مرتے وقت بھی اس کا دل دنیا کی طرف ملتفت نہیں ہو گا۔ اور مالدار جو دنیا سے نفع حاصل کرتا ہے اور اس سے مانوس ہو جاتا ہے اس کو دنیا سے جدا ہونا

بہت شاق ہوتا ہے۔ موت کے وقت بھی اس کا دل دنیا میں لگا رہتا ہے۔ پس ان دونوں کے دلوں میں بڑا فرق ہے بلکہ درویش اور توانگر کی عبادت اور مناجات میں بھی ایسا ہی فرق ہے۔ کیونکہ وہ لذت جو درویش کو ذکرِ الٰہی میں حاصل ہوتی ہے توانگر کو ہرگز نہیں حاصل ہوتی ہے۔ توانگر کا یہ ذکر محض زبان اور اوپری دل سے ہوگا اور جب تک دل محبت کا زخم اور محبت کا چوٹ کھایا ہوا نہ ہو ذکر کی لذت اس کے باطن میں نہیں پائی جاتی ہے گی۔ اگر دونوں کو قناعت میں برابر مان بھی لیا جائے تب بھی درویش کو فضیلت حاصل ہے۔ لیکن اگر درویش حریص ہے اور توانگر شاکر اور قانع ہے اور اسی صورت میں مال اس سے لے لیا جاتا ہے تو اس کو اتنا غم نہیں ہوگا اور وہ شکر گذاری پر ثابت و قائم رہے گا۔ کیونکہ توانگر شاکر کا دل قناعت سے صفا حاصل کرتا ہے اور دنیا کی راحت سے اُنس حاصل نہیں کرتا لیکن حریص درویش کا دل حرص کے سبب سے ناپاک رہتا ہے لیکن محنت و غم کے باعث اس کو بھی صفا حاصل ہوتی ہے تو اس صورت میں دونوں کا درجہ یکساں ہے، ان دونوں کی دوری اور نزدیکی خداوند تعالےٰ سے اسی قدر ہوگی جس قدر کہ ان کا دل دنیا سے فارغ یا وابستہ ہے۔

اگر توانگر کا دل ایسا صابر ہے کہ مال ہونا یا نہ ہونا اس کے نزدیک یکساں ہے اور اس کا دل دنیا سے فارغ ہے اور جو کچھ اس کے پاس موجود ہے وہ خلق کی حاجت روائی کے لیے رکھا ہے جس طرح حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک دن ایک لاکھ درہم صدقہ میں دیئے لیکن روزہ افطار کرنے کے لیے وُہ ایک درم کا گوشت نہ خرید سکیں اور توانگر کا یہ درجہ اس درویش کے درجہ سے افضل اور برتر ہے جس کے دل میں یہ صفت نہ ہو۔ لیکن جب دونوں کا حال تم یکساں فرض کرو تو اس صورت میں درویش کو فضیلت ہے کیونکہ مالداروں کا تو افضل کام یہی ہے کہ وہ صدقہ دیں اور خیرات کریں۔ باوجود اس کے حدیث شریف میں آیا ہے کہ چند درویشوں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیغام بھیجا کہ مالداروں نے دنیا اور آخرت کا ثواب بہت کما لیا ہے۔ کیونکہ وہ صدقہ دیتے ہیں زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور حج اور جہاد کرتے ہیں اور درویش اور فقیر یہ سب کچھ نہیں کر سکتے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے درویشوں کے اس قاصد کی تکریم کی اور فرمایا مَرْحَبًا بِكَ وَبِمَنْ جِئْتَ مِنْ عِنْدِهِمْ تو ایسے لوگوں کے پاس سے آیا ہے جن کو میں دوست رکھتا ہوں ان سے کہدے کہ جو شخص درویشی پر خدا کے واسطے صبر کرے گا اس کو تین ایسے درجے حاصل ہوں گے جو مالداروں کو میسر نہیں ہوں گے کہ ان کے لیے بہشت میں ایسے بلند محلات ہیں، جو بہشت والوں کی نظر میں ستاروں کی مانند بلند نظر آئیں گے جیسے زمین والوں کو ستارے بلند نظر آتے ہیں۔ یہ یا تو درویش پیغمبر کا مقام ہے یا درویش مومن کا یا شہید درویش کا مقام ہے۔ دوسرے یہ کہ درویش توانگروں سے پانسو برس پہلے جنت میں جائیں گے۔ تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ جب کوئی درویش سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ ایک بار کہے گا اور توانگر بھی اس کو کہے اور اس کے ساتھ ہی ہزار درہم صدقہ میں دے جب بھی وہ اس کے درجہ کو نہیں پہنچے گا۔ جب درویشوں نے یہ بات سُنی تو کہا رَضِيْنَا رَضِيْنَا

ہم راضی ہوئے، ہم راضی ہوئے۔ درویش کا سبحان اللہ کہنا حضور علیہ السلام نے اس لیے فرمایا کہ ذکر ایک بیج کے مانند ہے جب بندے کا دل دنیا سے فارغ، غمگین اور شکستہ رہے گا تو اس میں یہ ذکر بڑی تاثیر کرتا ہے اس کے برخلاف توانگر جو دنیا سے خوش ہے تو یہ ذکر اس کے دل سے اس طرح نکل جاتا ہے جیسے پانی سخت پتھر سے گذر جاتا ہے۔

پس جب ہر ایک کا درجہ اتنا ہی ہے جتنا وہ خدا سے نزدیکی حاصل کرلے اور ذکر و محبت میں مشغول رہے اور اس کی یہ مشغولی اتنی زیادہ ہو جتنی اس کو دوسری چیزوں سے نفرت ہو اور توانگر کے دل میں ایسی النسبت موجود نہیں ہے پس وہ درویش کے ساتھ کب برابر ہوسکتا ہے۔ اگر توانگر مال رکھتا ہو اور وہ پھر بھی خود کو مال سے فارغ رکھے (حالانکہ اس میں دھوکا ہوسکتا ہے) اس گمان کی صحت کی علامت یہی ہے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کیا کہ اپنا تمام مال خرچ کرڈالا اور اس کو ہیچ سمجھتی تھیں۔ اگر ایسا ممکن ہو کہ آدمی مال رکھتے ہوئے خود کو بے مال والا سمجھے تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے اتنا حذر کیوں فرماتے اور دوسروں کو حذر کرنے کا حکم کیوں فرماتے۔ چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر دنیا نے ایک روز خود کو پیش کیا۔ آپ نے فرمایا مجھ سے دور ہو، مجھ سے دور ہو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ دنیاداروں کے مال کو مت دیکھو اس کے پرتو سے تمہارے ایمان کی حلاوت جاتی رہے گی، اسی وجہ سے فرمایا گیا ہے کہ جب تمہارے دل میں مال کی حلاوت پیدا ہوتی ہے تو وہ ذکر الٰہی کی حلاوت کو روکتی ہے کیونکہ دو حلاوتیں ایک دل میں نہیں رہ سکتیں اور دنیا دو چیز سے خالی نہیں ہے۔ ایک ذات حق اور دوسری غیر حق! اب جس قدر تم اپنا دل ماسوی اللہ سے لگاؤ گے اسی قدر تمہارا دل حق تعالےٰ سے ٹوٹے گا اور دور ہوگا۔ اور جتنا غیر اللہ سے دل ٹوٹے گا اسی قدر حق سے قریب ہوگا۔"

شیخ ابو سلیمان دارانی رح فرماتے ہیں کہ نامرادی سے ایک آہ درویشی کی حالت درویشی کی حالت میں کرنا تونگری کی ہزار سالہ عبادت سے بہتر ہے۔" کسی شخص نے شیخ بشر حافی رح سے کہا میرے واسطے دعا کیجیے کہ میں صاحب عیال اور مجبور ہوں انہوں نے جواب دیا کہ جب تمہاری بیوی تم سے کہے کہ روٹی اور آٹا گھر میں موجود نہیں ہے اور اس کے کہنے پر تم یہ چیزیں خرید کر (بوجہ مفلسی کے) نہ لاسکو اس وقت تم میرے حق میں دعا کرنا کہ ایسے وقت میں تمہاری دعا میری دعا سے بہتر ہوگی۔

درویشی کے آداب

اے عزیز! معلوم ہونا چاہیئے کہ درویشی کے بہت سے آداب ہیں، ایک ادب یہ ہے کہ انسان باطن میں راضی برضائے الٰہی رہے اور ظاہر میں شکایت نہ کرے۔ درویش کا باطن تین حالتوں سے خالی نہیں ہوتا۔ ایک تو یہ کہ وہ درویشی میں شاکر اور خوش رہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ درویشی حق تعالےٰ کی خاص عنایت ہے جو وہ اپنے دوستوں پر کرتا ہے۔ دوسرے یہ کہ درویشی میں خوش رہنے کا اس میں اگر حوصلہ نہیں ہے تو حق تعالےٰ کے اس فعل سے کراہت نہ کرے۔ اگرچہ وہ درویشی سے بیزار ہو۔ جیسے کوئی شخص حجامت کی زحمت سے کراہت کرے لیکن حجام سے ناراض نہ ہو۔ تیسری حالت یہ ہے کہ

حق تعالیٰ کے اس فعل سے کراہت کرے، اور یہ حرام ہے۔ یہ کراہت درویشی کے اجر کو باطل کر دیتی ہے بلکہ ہر وقت اس کو مکروہ سمجھنا بندگی کے خلاف ہو گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہے۔ ظاہر میں ہر درویش کو لازم ہے کہ شکایت نہ کرے اور اپنی محنت اور تکلیف پر برداشت کا پردہ پڑا رہنے دے۔ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ درویشی کبھی عذاب کا سبب ہو جاتی ہے اور اس کی علامت یہ ہے کہ انسان اس درویشی پر بدخوئی کا اظہار کرے اور قضائے الٰہی سے خفا ہو۔ اور کبھی سعادت کا سبب بنتی ہے اس کی علامت نیک خوئی اور شکر گذاری اور شکایت نہ کرنا ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ درویشی اور افلاس کو پوشیدہ رکھنا ایک معمور خزانہ کا حکم رکھتا ہے درویشی کے دوسرے آداب یہ ہیں کہ تونگروں کے ساتھ اختلاط نہ کرے اور ان کے سامنے عاجزی اور انکساری نہ کرے اور حق گوئی میں ان کا لحاظ و پاس نہ کرے۔ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ جب کوئی درویش تونگر کے پاس آئے تو سمجھ لو کہ وہ درویش ریاکار ہے اور اگر وہ کسی بادشاہ کے حضور میں جائے تو جان لو کہ وہ چور ہے۔ درویش کو چاہیئے کہ بعض اوقات اپنی حاجت کو موقوف کر دے اور دوسرے کی حاجت پوری کر دے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کبھی ایک درم ایک لاکھ درہم پر سبقت لے جاتا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کیسے ہوتا ہے آپ نے فرمایا کہ جس شخص کے پاس دو درہم ہوں اور وہ ایک درہم کسی کو خیرات دیدے تو یہ ان لاکھ درہم دینے سے افضل ہے جو ایک تونگر کسی کو دیتا ہے۔

عطا قبول کرنے کے آداب:

جس چیز میں شبہ ہو اس کو قبول نہ کرے نہ اپنی حاجت سے زیادہ لے البتہ صرف اس صورت میں کرے جبکہ درویشوں کی خدمت کرتا ہو۔ پس اگر برملا کر در پردہ فقراء کو دے گا تو یہ درجہ صدیقوں کا ہے اگر ایسا کام نہیں کر سکتا تو پھر اپنی ضرورت سے زیادہ قبول نہ کرے تاکہ خود صاحب مال مستحق لوگوں کو دیدے۔ مال دینے والے کی نیت کا معلوم کرنا ضروری ہے اس لیے کہ دینا یا تو ہدیہ کے طور پر ہو گا یا وہ صدقہ ہو گا یا پھر بطور ریا کے دیا گیا ہو گا۔ تو جو مال ہدیہ ہے اس کا قبول کرنا سنت ہے بشرطیکہ دینے والا احسان نہ جتائے اور اگر اس کو معلوم ہو جائے کہ ایک چیز کے دینے میں احسان ہے اور دوسری چیز کے دینے میں یہ منت و احسان نہیں ہے تو اس چیز کو قبول کرے جس میں منت و احسان نہ ہو۔

روایت ہے کہ کسی شخص نے سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گھی، پنیر اور ایک گوسفند بطور ہدیہ پیش کی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے گوسفند کو قبول نہیں فرمایا اور باقی دو چیزیں قبول فرمالیں۔ کسی شخص نے شیخ فتح موصلیؒ کے پاس پچاس درہم بھیجے۔ انہوں نے کہا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ کسی کو بغیر سوال کے کچھ دیا جائے اور وہ اس کو رد کر دے تو گویا اس نے خداوند تعالیٰ پر رد کیا اس لیے انہوں نے اس میں سے ایک درہم لے لیا اور باقی واپس کر دیئے حضرت حسن بصری نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ ایک روز کسی شخص نے حسن بصریؒ کی خدمت میں درہموں کی

تھیلی اور بہت عمدہ لباس ان کی خدمت میں پیش کیا انہوں نے قبول نہیں کیا اور کہا جو شخص حدیث کی مجلس منعقد کر کے لوگوں سے کچھ نذرانہ لے گا وہ قیامت میں باری تعالیٰ کو اس طرح دیکھے گا کہ اس کا اجر اس کے پاس موجود نہیں ہو گا (اللہ تعالےٰ اس کو اجر نہیں دے گا) اور حسن بصریؒ نے اسی وجہ سے قبول نہیں کیا کہ ان کی نیت مجلس حدیث منعقد کرنے سے فقط ثواب آخرت تھی اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ یہ نذرانہ اسی مجلس کے سبب سے تھا لہٰذا انہوں نے یہ بات پسند نہیں کی کہ ان کا وہ خلوص جاتا رہے۔

ایک شخص نے اپنے کسی دوست کو کچھ تحفہ دیا اس شخص نے کہا کہ مجھے تحفہ مت دو اور بتاؤ کہ جب میں اس تحفے کو قبول کر لوں گا تو کیا میری قدر تمہارے دل میں زیادہ ہو گی! جو میں اس کو قبول کر لوں! حضرت سفیان ثوری رضی اللہ عنہ کسی شخص سے کچھ قبول نہیں کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اگر مجھے یہ یقین ہوتا کہ دینے والا مجھ پر احسان نہیں جتائے گا یا شیخی نہیں بگھارے گا تو میں ضرور قبول کر لیا کروں۔ ایک شخص ایسا تھا کہ اپنے خاص دوستوں سے لے لیتا اور غیروں سے کچھ نہیں لیتا تھا غرضکہ سب لوگوں کے احسان سے بچتے تھے۔ شیخ بشر حافیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی سے کبھی کچھ نہیں مانگا صرف ایک بار شیخ سری سقطیؒ سے سوال کیا تھا، کیونکہ میں ان کے زہد سے واقف تھا۔ وہ ہمیشہ اس بات سے خوش ہوا کرتے تھے کہ ان کے ہاتھ سے کچھ خرچ ہو۔ لیکن جب کوئی شخص ریا کی نیت سے دے تو اس کا نہ لینا زیادہ بہتر ہے چنانچہ ایک بزرگ نے کسی کی دی ہوئی چیز واپس کر دی، لوگوں نے اس بات کا بُرا مانا تو انہوں نے جواب میں کہا کہ میں نے تو ان پر احسان کیا ہے کہ اگر میں اُن کا عطیہ قبول کر لیتا تو وہ مجھ پر احسان جتاتے۔ ان کا مال بھی جاتا اور ثواب بھی۔

اگر کوئی شخص صدقہ کی نیت سے دے تو اگر اس کا اہل نہیں ہے تو نہ لے اور اگر محتاج اور ضرورت مند ہے تو رد کرنا مناسب نہیں ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب کسی کو بغیر مانگے کوئی چیز دی جائے اور وہ اس کو نہ لے تو اس آفت میں مبتلا ہو گا کہ وہ مانگے گا اور لوگ اس کو نہیں دیں گے۔ حضرت سری سقطیؒ امام احمد رضی اللہ عنہ کو ہمیشہ کچھ نہ کچھ بھیجتے رہتے اور وہ اس کو قبول نہیں کرتے تھے۔ ایک بار سری سقطیؒ نے ان سے کہا کہ اے امام احمد رَد کرنے کی آفت سے بچو! انہوں نے فرمایا کہ یہ بات پھر کہو۔ سری سقطی نے اپنی بات دہرائی! امام احمدؒ نے تامل کرنے کے بعد کہا کہ میرے پاس ایک مہینہ کا خرچ موجود ہے۔ یہ تم اپنے پاس رہنے دو جب وہ خرچ ختم ہو جائے گا تو میں لے لوں گا۔

بغیر ضرورت کے سوال کرنا حرام ہے

معلوم ہونا چاہیئے کہ سوال کرنا بھی فواحش (بُرے کاموں) میں سے ہے اور فواحش سوائے ضرورت کے حلال نہیں ہوتے۔ سوال اس لیے فواحش میں داخل ہے کہ اس میں تین قباحتیں موجود ہیں۔ ایک یہ کہ اپنی مفلسی کا اظہار کرنا خداوند تعالیٰ کی شکایت ہے۔ جس طرح کسی کا غلام اگر دوسرے شخص سے کچھ طلب کرے تو گویا اس نے اپنے مالک کو عیب

لگایا اور اس کا کفارہ یہ ہے کہ بغیر ضرورت کے نہ مانگنے اور شکایت کے طور پر نہ مانگے، دوسری قباحت یہ ہے کہ مانگنے والا خود کو ذلیل و خوار کرتا ہے اور مومن کو سزاوار نہیں کہ اپنے آپ کو خداوند تعالیٰ کے حضور کے سوا دوسرے کے سامنے ذلیل نہ کرے اس کا علاج یہ ہے کہ حتی المقدور آشنا، قرابت دار یا ایسے شخص سے مانگے جو اس کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھے اور اس کو ذلیل نہ ہونا پڑے اور جب تک یہ بات ممکن نہیں ہے تو بغیر شدید ضرورت کے کسی سے سوال نہ کرے

تیسری قباحت یہ ہے کہ سوال کرنے سے دوسرے کو رنج پہنچتا ہے۔ شاید وہ جو کچھ دے شرم کے باعث دے یا ریا سے دے کیونکہ نہ دینے کی صورت میں اُس کو طعن اور بدگوئی کا ڈر ہے۔ پس ایسا شخص جو کچھ دے گا آزردگی سے دے گا خوشی سے نہیں دے گا، اگر مانگنے والے کو یہ خوف ہے کہ اگر مانگنے پر اس کو نہیں دیا گیا تو شرمساری اور ملامت کے رنج میں مبتلا ہو گا۔ تو اس سے نجات کی صورت یوں ہو گی کہ صراحتاً نہ مانگے بلکہ کنایتہً جس سے اس کا انجان ہونا ممکن ہو، اگر صراحتاً مانگنا پڑے تو ایک شخص کا تعین نہ کرے بلکہ جماعت سے مانگے۔ مگر جہاں ایک ہی شخص تونگر ہے اور سب اس سے ملنے کی امید رکھتے ہیں اور نہیں دیتا تو ملامت کرتے ہیں۔ پس اس صورت میں علی العموم مانگنے سے بھی تعین ہی ہو جاتا ہے۔ ہاں اگر کسی ایسے دوسرے شخص کی خاطر مانگ ہے جس کو زکوٰۃ دینا درست ہے تو ایسے آدمی سے مانگنا جس پر زکوٰۃ واجب ہوئی ہے مانگ سکتا ہے خواہ اس میں اس کو آزردگی اور رنج برداشت کرنا پڑے تب بھی درست ہے، اگر مانگنے والا خود مستحق زکوٰۃ ہے لیکن دوسروں کے طعن اور تشنیع کے ڈر سے دوسروں کو دے رہا ہے تو اس کا مال لینا حرام ہو گا کیونکہ یہ ایک طرح کا تاوان ہے۔ لیکن ظاہری فتویٰ میں زبان پر نظر رکھی جاتی ہے لیکن اس جہان میں دل کے فتویٰ پر اعتماد کیا جاتا ہے (زبان کا فتویٰ تو اس دنیا میں کام آتا ہے کہ یہ دنیا کے بادشاہوں کا قانون ہے) جب دل یہ گواہی دے کہ فلاں شخص ناگواری سے دے رہا ہے تو اس کا لینا حرام ہو گا۔ اس تمام گفتگو سے یہ بات معلوم ہوئی کہ سوال کرنا حرام ہے مگر بہ کمال ضرورت یا شدید احتیاج در پیش ہو، لیکن شان و شوکت یا اچھے کھانے یا عمدہ لباس پہننے کے لیے بھیک مانگنا درست نہیں ہے۔ گداگری اور بھیک مانگنا ایسے شخص کو سزاوار ہے کہ عاجز اور لاچار ہو۔ اور کمانے کی اس میں قوت نہ ہو۔ یا وہ کسب کی قوت تو رکھتا ہے لیکن علم دین کے حصول کا شوق ہے اگر کسب کرتا ہے تو علم سے محروم رہ جائے گا۔ عبادت کی مشغولیت کو بہانہ بنا کر بھیک مانگنا درست نہیں ہے بلکہ کسب واجب ہے۔ جب کسی کو کھانے پینے کی ضرورت ہو اور اس کے پاس ایک کتاب ہے جس کی اس کو ضرورت نہیں ہے، یا جانماز، ازار یا مرقع اس کے پاس زیادہ موجود ہے تو اس صورت میں سوال کرنا حرام ہو گا۔ اس کو چاہیئے کہ پہلے اس کو فروخت کرے اور اس سے اپنی حاجت پوری کرے۔ اپنے اور اپنے بچوں کی شان و شوکت اور دکھاوے کے واسطے بھیک مانگنا حرام ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص کچھ پاس رکھتے ہوئے سوال کرے گا وہ قیامت کے دن اس طرح اُٹھے گا کہ اس کے منہ پر صرف ہڈیاں ہوں گی اور گوشت گرا پڑا ہو گا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید فرمایا ہے

کہ جو شخص بھیک مانگے اور اس کے پاس کچھ موجود ہو تو وہ جو کچھ لیتا ہے وہ دوزخ کی آگ ہے خواہ کم لے یا زیادہ لے لوگوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کس قدر مال پاس ہونے سے سوال کرنا حرام ہوگا کہ ایک حدیث میں شام اور صبح کی روزی فرمایا گیا ہے اور ایک حدیث میں پچاس درہم کا مالک ہونا بتایا گیا ہے۔ آپ نے فرمایا اس درہم سے مراد پیسے ہیں، ایسے شخص کے لیے جو تنہا ہو۔ کیونکہ پچاس درہم تو اس کے ایک سال کے لیے کافی ہوں گے اور جب کوئی اس قدر مال نہیں رکھتا ہے اور خیرات و صدقات کا وقت (سال میں) ایک ہی وقت ہے۔ اگر اس وقت نہیں مانگے گا تو سارا سال محتاج رہے گا۔ تو بقدر ضرورت سوال کرنا روا ہے۔ اور شام و صبح کی روزی رکھنے والے شخص کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسا شخص جو ہر روز بھیک مانگتا ہو پس ہر روز اس کے حق میں دوسرے شخص کے سال کا حکم رکھتا ہے یہ بات مدت کے بارے میں بیان فرمائی گئی۔

حاجت کی قسمیں

مطلق حاجت کی تین قسمیں ہیں۔ کھانا، کپڑا اور گھر! حضرت سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دنیا میں بنی آدم کو تین چیزوں کی حاجت ہوا کرتی ہے کھانا جو اس کو قوت پہنچاتے، کپڑا جو اس کے بدن کو گرمی اور سردی سے محفوظ رکھے اور گھر جس میں وہ بود و باش کر سکے۔ گھر کا ساز و سامان بھی اسی شق میں داخل ہے۔ پھر اگر کوئی شخص کمبل یا ٹاٹ رکھتے ہوئے شطرنجی اور قالین کے لیے سوال کرے گا تو درست نہیں اور مٹی کا برتن رکھتے ہوئے آفتابہ کا طالب ہوگا تو یہ مانگنا درست نہیں ہے، آدمی کی حاجتیں مختلف ہوا کرتی ہیں ان سب کا بیان کرنا دشوار ہے پس چاہیے کہ جب تک کوئی حاجت اور ضرورت شدید نہ ہو بھیک مانگنے کی ذلت سے گریز کرے۔

فصل

اے عزیز معلوم ہونا چاہیے کہ درویشوں کے کئی درجے کئی قسم پر ہیں (یعنی بہت سی قسمیں ہیں اور ہر قسم کے کئی کئی درجے ہیں) حضرت بشر حافیؒ نے فرمایا ہے کہ درویش کے تین درجے ہیں۔ پہلے درجہ والے مانگتے نہیں اور اگر ان کو دیا جاتا ہے تو قبول نہیں کرتے یہ لوگ اعلیٰ علیین میں روحانیوں کے ساتھ رہیں گے۔ دوسرے درجہ والے وہ ہیں جو مانگتے نہیں لیکن ان کو اگر دیا جائے تو قبول کر لیتے ہیں۔ یہ لوگ مقربین کے ساتھ فردوس میں رہیں گے۔ تیسرے درجے والے وہ لوگ ہیں جو مانگتے ہیں لیکن بغیر ضرورت کے نہیں مانگتے۔ یہ لوگ اصحاب الیمین ہیں۔

شیخ ابراہیم ادہم نے شیخ شفیق بلخیؒ سے دریافت کیا کہ تم فقراء کو اپنے شہر میں کس حال پر چھوڑ آئے ہو انہوں نے جواب دیا کہ بہترین حال پر وہ جب کچھ پاتے ہیں تو شکر کرتے ہیں اور جب کچھ نہیں ملتا تو صبر کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیم ادہمؒ نے کہا کہ میں نے بلخ کے کتوں کا بھی یہی حال دیکھا ہے۔ شفیق بلخی نے کہا کہ تمہارے شہر کے درویشوں کی کیا صفت ہے اور ان کا کیا حال ہے انہوں نے جواب دیا کہ جب ان کو کچھ نہیں ملتا تو شکر کرتے ہیں اور جب کچھ پاتے ہیں تو دوسروں پر بخشش کر دیتے ہیں۔ شفیق بلخیؒ نے حضرت ابراہیم ادھمؒ کے سر کو بوسہ دیا اور کہا کہ حقیقت یہی ہے (ایسا ہی

ہونا چاہیے)۔

ایک شخص نے شیخ ابوالحسن نوری قدس سرہ کو دیکھا کہ ہاتھ پھیلائے کچھ مانگ رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر اس شخص کو بہت تعجب ہوا اس نے یہ بات حضرت جنید بغدادی قدس سرہ سے کہی۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ تعجب مت کر اس نے لوگوں سے مانگنے کو ہاتھ نہیں پھیلائے تھے بلکہ خداوند تعالےٰ سے ثواب آخرت مانگنے کو ہاتھ اٹھایا ہوگا تا کہ ان کو پسند آئے اور اس کا بھی کچھ نقصان نہ ہو۔ شیخ جنید فرماتے ہیں کہ میں ایک ترازو لایا سو درہم اس میں تولے۔ پھر تھوڑے سے اور درہم اس میں لاکر ڈال دیئے اور اس شخص سے میں نے کہا کہ یہ تمام مال شیخ نوریؒ کے پاس لے جاؤ مجھے اس بات سے بہت تعجب ہوا کہ وزن تو کسی چیز کی مقدار معلوم کرنے کے لیے ہوتا ہے شیخ جنیدؒ نے مقدار معلوم کرکے تھوڑے سے درہم اس میں اور ملا دیئے (مقدار معلوم کرنے کی مصلحت باقی نہ رہی) بہر حال میں اس مال کو شیخ نوریؒ کے پاس لے گیا اور کہا یہ رقم شیخ جنیدؒ نے بھیجی ہے قبول کیجیے! انہوں نے ترازو منگوائی سو درہم تول کر اٹھائے اور مجھے دیکر کہا کہ ان کو واپس دے دو۔ باقی درم لے لیے اور فرمایا کہ جنیدؒ بہت دانشمند ہیں دونوں طرف کی رعایت رکھنا چاہتے ہیں، وہ شخص کہتا ہے کہ میرا تعجب پہلے سے بھی زیادہ ہوا۔ پھر میں پھیرا ہوا مال شیخ جنیدؒ کے پاس لے کر حاضر ہوا اور ان کو دے کر میں نے پوچھا کہ یہ کیا معاملہ تھا، شیخ جنید نے فرمایا سبحان اللہ! جو اس کا حق تھا وہ اس نے لے لیا اور جو ہمارا حصہ تھا وہ پھیر دیا۔ یہ سو درہم میں نے ثواب آخرت کے لیے بھیجے تھے اور جو زیادہ تھا وہ خدا کے واسطے تھا جو میں نے ان کو دیا تھا وہ انہوں نے قبول کر لیا۔ اور میں نے اپنے مقصد کے خاطر جو سو درہم بھیجے تھے وہ انہوں نے واپس کر دیئے! اس زمانے کے درویش ایسے صاحب کمال ہوتے تھے اور ان کے دل ایسے صاف اور روشن تھے کہ بغیر زبانی گفتگو کے ایک دوسرے کی نیت سے واقف ہو جاتے تھے، اگر کسی درویش میں یہ صفت نہیں تو اس کو اس صفت کی تمنا کرنا چاہیے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو اس بات پر ایمان لائے۔

حقیقتِ زُہد اور اُس کی فضیلت

اے عزیز! معلوم ہوا کہ ایک شخص کے پاس گرمی کے وقت برف موجود ہے اس کو اس بات کی حرص ہے کہ جب پیاس لگے برف سے پانی ٹھنڈا کر کے پیئے۔ اتنے میں ایک دوسرا شخص اس برف کو قیمت دے کر لینا چاہتا ہے۔ پیسوں کی وجہ سے اس کی اس حرص میں کمی آگئی جو اب تک برف کے ساتھ تھی۔ اس کے بجائے پیسوں کی محبت دل میں پیدا ہوتی اور وہ شخص دل میں کہنے لگا کہ آج میں گرم پانی ہی پی لوں گا اور صبر کر دوں گا۔ کیونکہ یہ پیسے مجھے مدتوں تک کام آئیں گے اور برف کا کیا ہے وہ تو پگھل جاتا۔ پس مناسب یہ ہے کہ یخ کے عوض پیسے لے لوں! غور کرو

کہ یہ بے رغبتی جو پیسوں کے مقابلہ میں اس کی طبیعت میں برف سے پیدا ہوئی اس کو زہد کہتے ہیں، عارف کا حال بھی دنیا کے ساتھ کچھ ایسا ہی ہے کیونکہ وہ دیکھتا ہے کہ دنیا فانی اور ناپائیدار ہے جب اجل کا وقت آجائے تو اس دم اس کو چھوڑنا ہے اور جب آخرت پر نظر کرتا ہے تو دیکھتا ہے کہ وہ باقی اور پائیدار ہے اور فنا کا ہرگز اس میں دخل نہیں ہے اور دنیا کو ترک کیے بغیر اس کا حل ہونا دشوار ہے اس طرح دنیا اس کی آنکھوں میں حقیر نظر آتی ہے۔ اور وہ آخرت کے واسطے جو دنیا سے بہتر ہے، دنیا کو چھوڑ دیتا ہے اس حالت کو زہد کہتے ہیں بشرطیکہ یہ زہد ان چیزوں میں ہو جو مباح ہیں کہ ممنوعاتِ شریعت سے پرہیز کرنا تو ہر شخص پر فرض ہے (پس یہ شرط اول ہے)

دوسری صورت یہ کہ دنیا کمانے پر قدرت رکھتے ہوئے دنیا سے دست بردار ہو جائے لیکن جو شخص پر قدرت نہیں رکھتا اس سے زہد ناممکن ہے۔ زہد اس وقت ثابت ہوگا کہ اس کو کچھ دیا جائے اور وہ قبول نہ کرے۔ یہ بھی جاننا چاہیئے کہ جب تک تجربہ نہ کیا جائے زہد معلوم نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جب قدرت پیدا ہوتی ہے تو نفس کی حالت بدل جائے گی اور فریب آشکارا ہو جائے گا۔ تیسری شرط یہ ہے کہ مال و جاہ دونوں کو ترک کر دے کیونکہ زاہد کامل وہی ہے جو دنیاوی لذتوں سے دست بردار ہو اور ان لذتوں کو آخرت کی لذتوں کے ساتھ بدل دے۔ یہ ایک ایسا سودا ہے جس میں بہت زیادہ نفع ہے چنانچہ اللہ تعالٰے ارشاد فرماتا ہے اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ پھر ارشاد کیا فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَیْعِکُمُ الَّذِیْ بَایَعْتُمْ بِہٖ (یعنی حق تعالٰے نے مومنوں کے جان و مال کو بہشت کے عوض مول لے لیا ہے پھر ارشاد کیا کہ یہ ایک سودا مبارک ہے تم اس سے شاد رہو! (تم کو اس میں بڑا فائدہ حاصل ہوگا)

معلوم ہونا چاہیئے کہ جو شخص خود کو غنی بتلانے کے لیے کسی ایسی وجہ سے جس سے طلب آخرت مقصود نہ ہو، دنیا کے مال سے دستبردار ہوتا ہے تو اس کو زاہد نہیں کہا جائے گا۔ صاحبانِ معرفت کی نظر میں آخرت کے واسطے دنیا ترک کر دینا زہد کامل نہیں ہے۔ بلکہ زاہد کامل وہ ہے کہ آخرت سے بھی غرض نہ رکھے۔ اسی طرح جس طرح دنیا سے اس کو غرض نہیں ہے۔ کیونکہ بہشت میں بھی آنکھ، فرج اور پیٹ کے مطلوبات موجود ہیں بلکہ وہ جنت کی ان لذتوں کا بھی گرویدہ نہ ہو اور اپنے بلند منصب پر نظر کر کے ایسی چیزوں کی طرف جن میں حیوانات بھی شامل ہوں، ہرگز التفات نہ کرے بلکہ دنیا اور آخرت سے اس کی مراد حق تعالٰے کے سوا اور کچھ نہ ہو اور جو چیز معرفت الٰہی اور حق کے مشاہدے کے سوا ہو اس سے کچھ تعلق نہ رکھے اور ماسوائے اللہ اس کی آنکھوں میں حقیر ہو جائے۔ یہی عارفوں کا زہد ہے یہ بھی درست ہے کہ ایسا زاہد مال سے حذر نہ کرے۔ بلکہ مال قبول کر کے اس کو صحیح طریقے پر صرف کر دے مستحقوں کو پہنچا دے جس طرح حضرت امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا حال تھا کہ تمام روئے زمین کا مال آپ کے ہاتھوں میں ہوتا لیکن آپ اس سے فارغ رہتے، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی ایک دن ایک لاکھ درہم اللہ کی راہ میں

صرف کر دیئے اور اپنے لیے ایک درہم کا گوشت نہیں خریدا، اب صورت یہ ہے کہ کوئی عارف تو ایسا ہوگا کہ ایک لاکھ درہم رکھتا ہو پھر بھی اس کو عارف کہا جائے اور کوئی شخص ایسا ہوگا کہ اس کے پاس ایک درہم بھی نہ ہو لیکن اس پر بھی اس کو زاہد نہیں کہا جائے گا اس لیے کہ انسان کا کمال تو اس میں ہے کہ اس کا دل دنیا سے بالکل متنفر رہے۔ نہ اس کی طلب سے کام ہو نہ اس کی ترک سے، نہ اس سے جنگ کرے نہ صلح۔ نہ اس سے دوستی رکھے نہ دشمنی! کیونکہ جب ایک شخص ایک چیز سے دشمنی رکھے گا تو اسی طرح اس کی طرف مشغول ہوگا جس طرح دوستی رکھنے والا اس کی طرف مشغول ہوتا ہے، آدمی کا کمال یہ ہے کہ وہ ماسوائے اللہ سے کام نہ رکھے اور دنیا کا مال اس کے سامنے دریا کے پانی کی طرح ہو، وہ اپنے ہاتھ کو حق تعالیٰ کا خزینہ سمجھے کہ زیادہ ہو یا کم، اس میں آئے اس سے جائے، اس کو کچھ پرواہ نہ ہو کمال اسی میں ہے۔ اس مقام پر نادانوں سے لغزش ہو جاتی ہے اس طرح کہ جو شخص حقیقت میں دست بردار نہیں ہو سکتا وہ خود کو اس طرح فریب دے کہ مجھے مالِ دنیا سے کوئی غرض نہیں ہے لیکن جب کوئی مال کا مستحق اس کا مال لے جس طرح دریا سے پانی لیتے ہیں! اور کسی کا مال لے اور وہ ان چیزوں میں فرق تو اس کو سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ نفس کے فریب میں مبتلا ہے اور مال کی محبت ابھی تک اس کے دل میں باقی ہے۔ پس اصل یہ ہے کہ آدمی قدرت کے باوجود مال سے دست بردار ہو اور اس سے بھاگے تاکہ اس کے جادو میں نہ پھنس جائے۔

کسی نے عبداللہ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کو اے زاہد کہکر پکارا تو انہوں نے کہا کہ زاہد تو عمر ابن عبدالعزیز ہیں کیونکہ دنیا کا مال ان کے ہاتھ میں ہے اور وہ قدرت رکھنے کے باوجود زہد کو اختیار کیئے ہوئے ہیں میں تو مفلس اور لاچار ہوں مجھے زاہد کہنا لائق اور سزاوار نہیں ہے۔

ابن ابی لیلیٰؒ نے ابن شبرمہؒ سے کہا کہ تم دیکھتے ہو کہ (امام) ابو حنیفہؒ جو نساج کا فرزند ہے ہمارے فتویٰ کو رد کرتا ہے۔ ابن شبرمہؒ نے کہا کہ میں ان کے نسب سے واقف نہیں ہوں لیکن یہ خوب جانتا ہوں کہ دنیا ان کی شائق ہے اور وہ اس سے بھاگ رہے ہیں اور ہمارا حال یہ ہے کہ دنیا ہم سے بیزار ہے اور ہم اُس کو ڈھونڈ رہے ہیں۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب تک یہ آیت نازل نہیں ہوئی تھی مجھے معلوم نہ تھا کہ ہماری جماعت میں ایسا بھی کوئی شخص موجود ہے جو دنیا سے محبت رکھتا ہو ہے مِنكُم مَّن يُرِيدُ الدُّنْيَا وَمِنكُم مَّن يُرِيدُ الْآخِرَةَ (یعنی تم میں سے بعض لوگ دنیا کے طالب ہیں اور بعض آخرت کے طلبگار ہیں) اور جب مسلمانوں نے کہا کہ اگر ہم جانتے کہ حق تعالیٰ کی محبت کس چیز سے حاصل ہوتی ہے تو ہمیشہ اس بات کو کرتے اس وقت یہ آیت نازل ہوئی:
وَلَوْ أَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ أَنِ اقْتُلُوا أَنفُسَكُمْ أَوِ اخْرُجُوا مِن دِيَارِكُم مَّا فَعَلُوهُ إِلَّا قَلِيلٌ مِّنْهُمْ ط یعنی جب ہم ان کو فرمان دیں (حکم دیں) کہ جہاد میں اپنی جان دو یا اپنی بستی سے نکلو تو یہ لوگ حکم بجا نہیں لائے سوائے

تھوڑے سے لوگوں کے۔

اے عزیز! یخ (برف) کو پیسوں کے عوض خریدنا کچھ نفع کا کام نہیں ہے کہ ہر ایک دانشمند اس کو اختیار کرے اور دنیا کی نسبت آخرت کے اس نسبت سے بھی بہت کم ہے جو برف سونے (روپے پیسے) سے رکھتا ہے۔ لیکن تین اسباب ایسے ہیں جن کے باعث مخلوق اس بات سے بے خبر ہے۔ ان میں سے ایک ایمان کی کمزوری ہے۔ دوسرا غلبۂ شہوت ہے اور تیسرا سبب غفلت اور سہل انگاری ہے اور پھر یہ وعدہ کرنا کہ اب آئندہ اس کام کو کروں گا۔ غلبۂ شہوت میں اکثر اس میں خلل ڈالتا ہے اور آدمی کا بس نہیں کہ اس سے مقابلہ کر سکے اس لیے کہ غلبۂ شہوت میں انسان اس وقت حاصل ہونے والی لذت کا خیال کرتا ہے اور کل کی خوبی کو بھول جاتا ہے۔

زُہد کی فضیلت

معلوم ہونا چاہیے کہ دنیا کی دوستی کی مذمت میں ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ تمام تر زہد ہی کی فضیلت کی دلیل ہے۔ دنیا کی دوستی مہلکات سے اور اس کی دشمنی منجیات سے ہے۔ حسب موقع ہم ان احادیث کو بیان کریں گے جو دنیا کی دشمنی کے بارے میں آتی ہیں۔

زہد کی بڑی تعریف یہ ہے کہ اس کو خداوند تعالےٰ نے اہل علم سے منسوب کیا ہے۔ جب قارون فوج وحشم کے ساتھ باہر نکلا تو ہر ایک شخص یہی کہتا تھا کہ کاش یہ دولت مجھے حاصل ہوتی مگر ارباب علم و دانش کہنے لگے وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا یعنی ان لوگوں نے جن کو علم دیا گیا تھا کہا تم پر افسوس ہے۔ اللہ کا ثواب بہتر ہے اس کے لیے جو ایمان لایا اور جس نے عمل نیک کیا۔ اسی واسطے کہا گیا کہ جب کوئی آدمی چالیس روز تک زُہد اختیار کرے اس کے دل پر حکمت کے دروازے کھل جاتے ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اگر تو چاہتا ہے کہ خدا تجھ کو دوست رکھے تو دنیا میں زاہد رہ۔" جب حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ بہ تحقیق میں مومن ہوں، تو حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دریافت فرمایا کہ اس کی کیا دلیل ہے تو انہوں نے کہا کہ میرا نفس دنیا سے ایسا بیزار ہے کہ میرے لیے پتھر اور سونا دونوں برابر ہیں اور میرا یقین ایسا کامل ہے گویا جنت اور دوزخ کو دیکھ رہا ہوں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم کو جو کچھ ملنا تھا وہ مل چکا۔ اس پر قائم رہو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا عَبْدٌ نَوَّرَ اللّٰهُ قَلْبَهٗ یہ ایک بندہ ہے جس کا دل اللہ تعالےٰ نے روشن کر دیا ہے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ (اللہ تعالےٰ جس کو ہدایت دینا چاہتا ہے تو اس کا دل اسلام کے لیے کھول دیتا ہے)، تو صحابہ کرامؓ نے دریافت کیا کہ یہ شرح صدر کس طرح ہوتا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

ایک نور دل میں پیدا ہوتا ہے جس سے سینہ کشادہ ہو جاتا ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ حضور! اس کی علامت کیا ہے آپ نے فرمایا کہ دنیا سے دل سرد ہو جائے اور آخرت سے رغبت پیدا ہو اور موت کے آنے سے پہلے یہ شخص اس کی تیاری کر لیتا ہے۔" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، خدا سے شرم کرو جیسی کہ شرم کرنی چاہیئے لوگوں نے عرض کیا کہ ہم بیشک شرم رکھتے ہیں، تب آپؐ نے ان سے دریافت کیا کہ پھر تم اتنا مال کیوں جمع کرتے ہو جس کو کھا نہ سکو گے اور ایسا گھر کیوں بناتے ہو جس میں ہمیشہ رہنے کا اتفاق نہ ہو گا۔

ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ جو لا الٰہ الا اللہ کو سلامتی سے بغیر کسی دوسری چیز ملائے، ادا کرے گا اس کو بہشت نصیب ہو گی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا یا رسول اللہ وہ چیز کیا ہے؟ جس سے کلمۂ توحید کو نہ ملایا جائے آپؐ نے فرمایا وہ دنیا کی دوستی اور اس کی تلاش ہے۔ کیونکہ ایک قوم ایسی ہو گی جس کی بات چیت پیغمبروں کی طرح ہو گی لیکن ان کا کام جباروں کی طرح ہو گا۔ جو شخص لا الٰہ الا اللہ کو بغیر آمیزش کے لائے گا اس کی جگہ بہشت میں ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص دنیا میں زاہد ہو گا حق تعالےٰ حکمت کا دروازہ اس کے دل پر کھول دے گا اور اس کی زبان کو حکمت کی باتوں سے گویا فرمائے گا، دنیا میں رہنے کی تدبیر اس کو بتائے گا اور اس کو دنیا سے صحیح وسالم جنت میں لے جائے گا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر ایک بار اونٹوں کے ایک گلہ پر ہوا اس میں تمام اونٹنیاں فربہ اور حاملہ تھیں۔ اور اہل عرب کے نزدیک ایسا مال بہت اچھا سمجھا جاتا ہے جس کی مالیت اچھی ہو۔ دودھ، گوشت اور بال زیادہ ہوں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرف سے رُوئے مبارک (ناگواری سے) پھیر لیا۔ صحابہ کرام نے دریافت کیا کہ یہ اچھا مال ہے آپ اس کو کیوں نہیں دیکھتے؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے مجھے ایسے مال کی طرف دیکھنے سے منع فرمایا ہے لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ (آپ اس چیز کی طرف مت دیکھیے جس کو ہم نے کافروں کو برتنے کے لئے دے رکھی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے لوگوں نے دریافت کیا کہ اگر آپ حکم کریں تو آپ کے واسطے ہم ایک عبادتخانہ بنا دیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اچھا جاؤ پانی پر گھر بنا دو لوگوں نے پوچھا پانی پر گھر کس طرح تعمیر کیا جائے گا۔ تب آپ نے فرمایا کہ دنیا کی دوستی اور عبادت دونوں کس طرح جمع ہو سکتی ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے بندے! اگر تو چاہتا ہے کہ خدا تجھ کو دوست رکھے تو دنیا سے ہاتھ اُٹھا لے۔ اور اگر تو چاہتا ہے کہ لوگ تجھے دوست رکھیں تو ان کے مال کو ہاتھ نہ لگا! حضرت حفصہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے اپنے والد محترم حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ جب غنیمت کا مال دوسرے شہروں سے آئے تو آپ اچھا لباس پہنیں (بنوائیں) اور عمدہ کھانا آپ بھی کھائیں اور آپ کے رفقاء بھی کھائیں! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے

جواب دیا۔ اے حفصہ رض مرد کا حال اس کی بیوی سے زیادہ کوئی دوسرا نہیں جانتا تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حال سب سے زیادہ معلوم ہے۔ خدا کی قسم! تم کو معلوم ہے کہ نبوت کی مدت میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر کئی سال ایسے گذرے ہیں جس میں آپ اور آپ کے گھر والے دن کو کھاتے اور رات کو بھوکے رہتے اور اگر رات کو کھا لیتے تو تمام دن فاقہ سے گذر جاتا تھا اور خدا کی قسم اے حفصہ رض تم کو معلوم ہے کہ فتح خیبر کے دن تک کئی برس ایسے گذر چکے تھے جن میں سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کو سیر ہو کر خرما بھی کھانے کو نہیں ملا اور واللہ تم جانتی ہو گی کہ ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو کھانا خوان پر رکھ کر لایا گیا تو ناراضگی سے آپ کا روئے مبارک متغیر ہو گیا تھا اور آپ نے حکم دیا تھا کہ کھانا زمین پر رکھو۔ واللہ! تم کو یہ بھی معلوم ہو گا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو کمبل پر استراحت فرمایا کرتے تھے۔ یہ کمبل دوہرا کیا ہوتا تھا۔ ایک شب اس کی چار تہ کر کے بچھا دیا آپ ص نے اس پر استراحت فرمائی اور وہ نرم معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا کہ رات اس کی نرمی میری نماز میں خلل انداز ہوئی اس کو پہلے کی طرح دوہرا کر کے بچھایا کرو اور خدا کی قسم تم کو معلوم ہو گا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنا ازار دھوتے تھے، بلال رضی اللہ عنہ اذان دیتے تو جب تک ازار خشک نہ ہو جاتا آپ باہر نہ نکل سکتے تھے، باندھنے کے لیے دوسرا ازار نہ ہوتا تھا۔ واللہ تم یہ بھی جانتی ہو گی کہ قبیلہ بنی ظفر کی ایک عورت آپ کے واسطے تہبند (ازار) اور چادر بن رہی تھی۔ دونوں بن کر تیار نہیں ہوتے تو اس عورت نے چادر آپ کے پاس بھیج دی۔ حضورِ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اوڑھ کر سامنے گرہ لگا لی اور اور باہر تشریف لے آتے اس چادر کے سوا آپ ص کے پاس دوسرا کپڑا موجود نہیں تھا۔ یہ سُن کر حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا ہاں میں یہ سب احوال جانتی ہوں۔ تب حضرت حفصہ رض اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما دونوں زار و قطار رونے لگے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے دو رفیق یعنی حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ مجھ سے پہلے دنیا سے تشریف لے گئے اگر میں ان کے طریقہ پر چلوں گا تو اُن تک پہنچوں گا۔ ورنہ مجھے دوسرے راستہ سے لیجایا جائے گا۔ پس مجھے لازم ہے کہ میں بھی اِن دونوں بزرگوں کی طرح معاش کی سختی پر صبر کروں تاکہ ان کے ساتھ مجھے دائمی راحت میسّر ہو۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی رض نے تابعین کے طبقۂ اوّل کے لوگوں سے کہا کہ اے صاحبو! تمہاری عبادت، اصحاب کرام رض کی عبادت سے بیشک زیادہ ہے پر وُہ تم سے بہتر تھے۔ کیونکہ دنیا میں ان کا زہد تمہارے زہد سے زیادہ تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ "زہد دنیا میں دل کی راحت اور تن کے سکون کا باعث ہے"۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ہے "کہ زاہد کی دو رکعت نماز تمام مجتہدوں کی ساری عبادت سے بہتر ہو گی"۔ شیخ سہل تستری رح نے کہا ہے کہ اللہ کی عبادت خلوصِ دل کے ساتھ اس وقت ہو گی کہ آدمی چار چیزوں کا خوف

نہ کرے۔ یہی گرسنگی، برہنگی، درویشی اور ذلت وخواری کا۔

زُہد کے درجات

معلوم ہونا چاہیئے کہ زُہد کے تین درجے ہیں۔ اس کا پہلا درجہ یہ ہے کہ آدمی بظاہر دنیا سے دستبردار ہو جائے لیکن اس کا دل اس سے لگا ہو مگر وہ مجاہدہ اور صبر کرتا ہے ایسے شخص کو زاہد کے بجائے متزہد کہتے ہیں۔ زاہد کا پہلا قدم یہی ہے۔ دُوسرا درجہ یہ ہے کہ آدمی کا دل دنیا کی طرف متوجہ تو نہیں لیکن وہ اپنے زہد پر ناز کرتا ہے اور اس پر اتراتا ہے۔ ایسے کو زاہد تو کہیں گے لیکن اس کا یہ زہد نقصان سے خالی نہیں ہے۔ تیسرا درجہ یہ ہے کہ انسان میں زُہد بھی کامل ہو اور اس کو اپنے زُہد پر ناز بھی نہ ہو اور اس کو بڑا کام نہ سمجھے، اس کی مثال اس شخص کی طرح ہوگی کہ وزارت کے منصب کے شوق میں کسی بادشاہ کی بارگاہ کا قصد کیا لیکن بارگاہ کے دروازے پر ایک کتا بیٹھا ہے جو اندر جانے سے مانع ہے۔ پس اس شخص نے روٹی کا ایک ٹکڑا اس کتے کے آگے ڈال دیا تاکہ کتا اس میں مشغول ہو جائے اور حملہ نہ کرے اور وہ اندر پہنچ گیا اور آخر کار اس کو وزارت مل گئی۔ یہ روٹی کا ٹکڑا اس کی نظر میں ہرگز قدر ومنزلت کے لائق نہ ہوگا۔ اسی طرح یہ ساری دنیا ایک لقمہ کا حکم رکھتی ہے اور شیطان کتے کی طرح ہے جو دروازے پر بھونک رہا ہے جب دنیا کو شیطان کے آگے ڈال دیا تو پھر وہ تمہارے پاس سے ہٹ جائے گا تمام دنیا آخرت کے مقابلہ میں اس روٹی کے ٹکڑے سے کم تر ہے جو وزارت کے مقابلہ میں ہو کیونکہ آخرت کی کوئی حدونہایت نہیں ہے اور دنیا کی ایک نہایت ہے۔ ظاہر ہے کہ نہایت والی چیز کو بے نہایت چیز سے کیا نسبت ہو سکتی ہے۔

لوگوں نے ابو یزیدؒ سے کہا کہ فلاں شخص زہد کے بارے میں گفتگو کرتا ہے انھوں نے کہا کہ جس چیز سے زہد کے بارے میں کہتا ہے اس شخص نے کہا کہ دنیا ایسی کون سی چیز ہے جو زہد کرنے کے لائق ہو اوّل تو ایک ایسی چیز پیدا کرنا چاہیے جو زہد کے قابل ہو (پھر زہد میں کلام کیا جائے) جس طرح زہد کے تین درجے ہیں اسی طرح مقصد (غایت کے اعتبار سے بھی زہد کے تین درجے ہیں۔ ایک شخص نے اس واسطے زہد اختیار کیا ہے تاکہ آخرت کے عذاب سے نجات پائے اور جب اس کی موت آئے تو اس پر راضی رہے (خوشی خوشی جان دیدے) یہ زہد ان لوگوں کا ہے جو اللہ سے ڈرنے والے ہیں۔ ایک دن مالک بن دینارؒ نے کہا رات میں نے بارگاہِ الٰہی میں بڑی دلیری کی اور اس سے میں نے بہشت مانگی۔

دوسری غایت یہ ہے کہ انسان ثواب آخرت کے لیے زُہد کرتا ہے اور یہ زہد کامل ہے کیونکہ یہ رجا اور محبت سے پیدا ہوا ہے اس لیے یہ اہلِ رجا کا زُہد ہے۔ تیسرا درجہ کمال کا ہے یعنی دل میں نہ دوزخ کا ڈر ہو اور نہ بہشت کی امید بلکہ صرف خداوند تعالےٰ کی محبت میں دنیا اور آخرت کی محبت کو دل سے دُور کر دیا اس حد تک

کہ جو چیز خدا کے سوا ہو اس کی طرف توجہ کرنے سے شرم آئے۔ چنانچہ رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا سے لوگوں نے جنت کا ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا اَلْجَارُ ثُمَّ الدَّارُ یعنی صاحب خانہ گھر سے بہتر ہے۔ جس کے دل میں خداوند تعالیٰ کی محبت پیدا ہو جائے تو پھر بہشت کی لذت اس کی نظر میں ایسا ہے جیسا لڑکوں کا چڑیا سے کھیلنا زیادہ دلچسپ مشغلہ ہے بادشاہی سے، لڑکا چڑیا سے کھیلنا بادشاہت کرنے سے اس لیے زیادہ پسند کرتا ہے کہ اس کو بادشاہی کی لذت سے ابھی خبر نہیں ہے کیونکہ ابھی اس کی عقل ناقص ہے۔ پس وہ شخص جس کا جمالِ الٰہی کے مشاہدے کے سوا اور کچھ مقصد ہوتا ہے وہ ایک طفل نابالغ ہے ابھی مردی کے درجہ کو نہیں پہنچا ہے۔

زہد کس چیز کے ترک کرنے سے حاصل ہوتا ہے اس باب میں بھی اس کے درجے مختلف ہیں، اس لیے کہ ایک شخص ایسا ہے جس نے کچھ دنیا کو ترک کیا ہے اور کل کو ترک نہیں کیا ہے لیکن کامل درجہ یہ ہے کہ نفس کو جس چیز میں لذت ملے اور وہ چیز منجملہ ضروریات نہ ہو اور آخرت کے راستہ کے لیے بھی اس کی ضرورت نہیں ہے اس کو ترک کر دے۔ کیونکہ دنیا نام ہے نفسانی لذتوں کا جیسے جاہ و مال، کھانا پینا، لباس کلام سونا، لوگوں کے ساتھ ملنا جلنا اور درس دینا، روایت و حدیث کی مجلس برپا کرنا، جو بات نفس کو لطف پہنچاتی ہے وہ دنیا کی لذت ہے مگر یہ کہ تدریس اور روایت سے خدا کی طرف دعوت دیتا ہو (وہ اس سے مستثنیٰ ہے)

شیخ ابو سلیمان دارانی نے فرمایا ہے کہ زہد کے باب میں دوسرے لوگوں کا کلام میں نے بہت سنا ہے لیکن میرے نزدیک زہد یہ ہے کہ تم اس چیز کو جو تم کو اللہ کی یاد سے باز رکھے ترک کر دو۔ انہوں نے فرمایا کہ جو شخص نکاح، سفر اور حدیث لکھنے میں مشغول ہوا وہ دنیا کا طالب ہوا۔ ان سے لوگوں نے دریافت کیا کہ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ میں قلب سلیم سے کیا مراد ہے؟ انہوں نے فرمایا قلب سلیم وہ ہے جس میں یادِ الٰہی کے سوا کچھ اور نہ سمائے۔ حضرت یحییٰ ابن زکریا علیہما السلام ٹاٹ پہنتے تھے۔ نرم کپڑا اس لیے نہیں پہنتے تھے کہ بدن کو آرام میسر نہ آئے۔ ان کی ماں نے کہا کہ اے بیٹے ریشمی لباس پہنو کیونکہ پلاس سے تمہارا بدن زخمی ہو گیا ہے ان کے کہنے سے یحییٰ علیہ السلام نے نرم و ریشمی لباس پہن لیا ان پر وحی نازل ہوئی کہ اے یحییٰ کیا تم نے مجھے چھوڑ کر دنیا کو اختیار کر لیا ہے یہ سن کر حضرت یحییٰ رونے لگے اور ریشمی لباس اتار کر پلاس پہن لیا۔ معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ زاہد کا درجہ کمال ہے اور انبیاء علیہم السلام کے علاوہ اس درجہ تک کوئی اور نہیں پہنچ سکتا۔ پس ہر شخص زہد میں اتنا ہی ہے جتنا اس نے دنیا کو چھوڑا ہے۔ جس طرح بعض گناہوں سے توبہ درست ہے اسی طرح بعض حظوظِ نفس سے بھی زہد درست ہو گا اور وہ بھی وہ ثواب اور فائدے سے خالی نہیں ہے۔ لیکن آخرت میں اللہ تعالیٰ نے جو درجہ تائب اور زاہد کے واسطے رکھا ہے اور مخصوص کیا وہ اس کے لیے جو تمام دنیا (حظوظِ نفس) سے دست بردار ہو جائے یا سب سے توبہ کرے۔

وہ چیزیں جن سے زاہد کا قناعت کرنا ضروری ہے

اے عزیز معلوم کر کہ مخلوق دنیا میں مبتلا ہے اور اس کی بلاؤں کی کوئی حد و نہایت نہیں ہے لیکن چھ چیزیں ان میں مہم (از قسم مہمات ہیں) خوشاک، پوشاک، مسکن (گھر) اثاثۃ البیت۔ زن و فرزند اور مال وجاہ۔ پہلی مہم خوراک ہے اس کی جنس، مقدار اور دوسرے لوازم مختلف ہوتے ہیں۔ جنس خوراک میں ادنیٰ درجہ ہے کہ صرف بدن کو غذا حاصل ہو۔ خواہ وہ سبوس (بھوسی) ہو۔ اور جنس خوراک میں متوسط درجہ یہ ہے کہ جَو اور باجرے کی روٹی ہو اور اعلیٰ درجہ گیہوں کی روٹی ہو۔ اور اس کا آٹا چھانا نہ گیا ہو۔ اگر آٹا چھان لیا گیا تو زہد باقی نہیں رہے گا بلکہ وہ تن پروری ہو گی، مقدار میں ادنیٰ درجہ دس سیر ہیں اور متوسط درجہ نصف مَن (ایک رطل) اور انتہائی درجہ ایک مُد (دو من چار رطل) کہ ایک من دو رطل وزن کے برابر ہے) شریعت میں درویش کے لیے یہی اندازہ ٹھہرایا گیا ہے اگر اس سے زیادہ کرے تو یہ شکم پروری میں داخل ہے زہد باقی نہیں رہے گا، آئندہ کے لیے کھانا یا غذا کے رکھ چھوڑنے میں اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ ایک وقت کی خوراک سے زیادہ نہ رکھے کہ اصل زہد امید کو کوتاہ کرنا۔ اور اصل حرص درازیٔ امید ہے۔ متوسط صورت یہ ہے کہ ایک مہینے یا چالیس دن کے لیے جنس کا ذخیرہ کرے۔ اور ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ ایک سال کی جنس گھر میں آئندہ کام آنے کے لیے رکھے۔ اگر کوئی ایک سال کی قوت سے زیادہ کی جنس رکھے گا تو زہد سے اس کا کچھ تعلق نہیں ہے کیونکہ جو شخص ایک سال سے زیادہ جینے کی امید رکھتا ہے زُہد کا دعویٰ کرنا اس کو سزاوار نہیں ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہل وعیال کے لیے تو ایک سال کی خوراک جمع رکھتے تھے کیونکہ وہ بھوک پر صبر نہیں کر سکتے تھے (در رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برائے عیال یکسالہ نہادے کہ ایشاں طاقت صبر نداشتندے۔ کیمیائے سعادت نولکشوری اڈیشن سن ۱۸۰۴ء صفحہ ۴۶۶) لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات خاص کے لیے دوسرے وقت کی خوراک بھی جمع نہیں فرماتے تھے۔ اب رہا سالن کا معاملہ تو سالن میں ادنیٰ درجہ سرکہ، ساگ، ترکاری ہے اور متوسط درجہ روغن ہے جس سے سالن تیار کیا جائے اور اعلیٰ درجہ گوشت کا ہے۔ اگر گوشت کو مسلسل استعمال کیا جائے تو زہد باقی نہیں رہے گا۔ ہاں اگر ہفتہ میں ایک بار کھائے گا تو زہد باقی رہے گا لیکن گوشت کھانے کا وقت اس طرح مقرر کرے کہ ایک دن میں ایک بار سے زیادہ نہ کھائے۔ اگر دو دن میں ایک بار کھائے گا تو یہ بہتر زہد ہے اور اگر ہر دن دو بار کھائے تو یہ زہد کے منافی ہے۔

جو شخص۔ یہ چاہتا ہے کہ زہد کی حقیقت کو پہچانے اس کو چاہیے کہ حضرت صلی اللہ علیہ و آلہ واصحابہ وسلم اور صحابہ کرامؓ

(رضی اللہ عنہم) کا حال معلوم کرے، حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے کہ کبھی ایسا ہوتا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں چالیس رات تک چراغ نہ جلتا۔ کھجور اور پانی کے سوا کھانے کو کچھ نہ ہوتا تھا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص فردوس کا طالب ہے اس کے لیے جو کی روٹی کھانا اور ڈلاؤ فرمائیں پر کتوں کے ساتھ سو رہنا کافی ہے۔ آپ نے اپنے حواریوں سے فرمایا کہ جو کی روٹی اور ساگ بھاجی کھاؤ اور گیہوں کو ہاتھ نہ لگاؤ کیونکہ اس کا شکر تم ادا نہ کر سکو گے۔

دوسری مہم لباس ہے۔ زاہد کو چاہیئے کہ ایک کپڑے سے زائد اس کے پاس نہ ہو یہاں تک کہ اگر اس کو دھونا پڑے تو ننگا رہنے کی نوبت آجائے اگر دو کپڑے پاس ہوں گے تو وہ زاہد نہیں ہے اور اس مہم کا کم تر درجہ یہ ہے کہ ایک کرتا ٹوپی اور جوتا ہو، اور اس کا اکثر یہ ہے کہ ایک پگڑی (عمامہ) اور ایک ازار اس کے علاوہ ہو کپڑے کی جنس میں ادنیٰ پلاس ہے اور متوسط درجہ موٹے پشمینہ (اون) کا ہے اور اعلیٰ روئی سے بنا ہوا کپڑا (موٹا کپڑا) ہے جب وہ نرم اور باریک ہو گا تو پہننے والا زاہد نہیں رہے گا۔

جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایک روز ایک کمبل اور ایک موٹا تہبند لائیں اور فرمایا کہ یہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا لباس ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص مشہور ہونے کی نیت سے کسی قسم کا لباس پہنے گا تو اللہ تعالےٰ اس سے اعراض فرمائے گا اگرچہ وہ خدا کا دوست ہو۔ جب تک وہ اس لباس کو نہیں اتارے گا اللہ تعالیٰ کی نارضامندی باقی رہے گی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لباس اطہر کی قیمت دس درہم سے زیادہ نہ تھی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا لباس کبھی کبھی اسقدر میلا ہو جاتا تھا کہ معلوم ہوتا تھا جیسے روغن ساز کا کپڑا ہے۔ ایک دفعہ ایک بوٹے والا کپڑا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہدیہ کے طور پر آیا آپ نے اس کو پہنا اور پھر اتار دیا اور فرمایا کہ یہ ابو جہیم کو دے کر اس کے عوض فلاں کمبل لے آؤ کیونکہ اس کپڑے کے بوٹے میری نگاہوں کو اپنی طرف مائل کرتے ہیں۔ ایک بار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نعلین مبارک میں نئے تسمے ڈالے پھر فرمایا ان کو نکال لو اور پرانے تسمے لے آؤ کہ میں ان سے بیزار ہوں اس لیے کہ نماز میں میری نظر ان پر پڑی۔ ایک بار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما تھے آپ نے انگشت اطہر سے انگوٹھی اتار دی کیونکہ آپ کی نظر اس پر پڑی تھی۔ آپ نے فرمایا مناسب نہیں ہے کہ ایک نظر انگشتری پر پڑے اور ایک تم پر۔ ایک بار آپ کے لیے نئی نعلین لائی گئی آپ نے خداوند تعالےٰ کے حضور میں سجدہ کیا اور پہن کر باہر تشریف لائے اور سب سے پہلے جو فقیر آپ کو نظر آیا نعلین اس کو دے دیں پھر آپ نے فرمایا کہ وہ مجھ کو پسند آگئیں تھیں مجھے اندیشہ ہوا کہ مبادا اللہ تعالےٰ کی ناپسندیدگی کا باعث ہو۔ اس وجہ سے میں نے اس کے حضور میں سجدہ کیا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا اگر تم فردائے قیامت میں مجھ سے پہلے

رہنا چاہتی ہو تو دنیا سے صرف زادِ راہ پر قناعت کرو اور اس وقت تک کوئی پیراہن نہ نکالو جب تک اس کو پیوند نہ لگ جائے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے کرتے پر چودہ پیوند لگے ہوئے تھے جو دُور سے نظر آتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تین درہم کا کرتا خریدا تھا اس کی آستین انگلیوں سے نکل رہی تھیں آپ نے اس بڑھی ہوئی آستین کو کاٹ کر چھوٹا کر دیا اور خداوند کریم کا شکر بجا لائے کہ یہ اس کی خلعت ہے۔ ایک شخص نے بیان کیا کہ حضرت سفیان ثوری رضی اللہ عنہ جو کپڑا پہنے تھے میں نے اس کی قیمت کا اندازہ جوتیوں کی قیمت سے لگایا تب بھی جوتیوں کی قیمت سوا درہم زیادہ نکلی۔ حدیث شریف میں آیا ہے "جو شخص شاندار لباس پہننے پر قادر ہو لیکن اللہ کے واسطے از راہِ تواضع اس کا پہننا ترک کر دیتا ہے تو خداوند تعالیٰ پر اس کا حق ہے وہ اس کو عبقری ریشم کا لباس بہشت میں یاقوت کے تختوں پر عطا فرمائے گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے ائمہ ہُدیٰ سے عہد لیا ہے کہ ان کا لباس ادنیٰ لوگوں کے لباس کی طرح ہو گا تاکہ مالدار اس کی پیروی کریں اور ان کے شاندار قیمتی لباس سے درویش آزردہ دِل نہ ہوں۔

فضالہ بن عبید گورنر مصر کو لوگوں نے دیکھا کہ ننگے پاؤں چل رہے ہیں اور بہت معمولی کپڑے پہنے ہوئے ہیں لوگوں نے ان سے کہا کہ الیسا مت کرو کیونکہ تم شہر کے امیر ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو ناز و تنعم سے منع فرمایا ہے اور حکم کیا ہے کہ کبھی کبھی ننگے پاؤں چلا کرو۔ محمد واسع رحمۃ اللہ علیہ صوف کا لباس پہن کر قتیبہ بن مسلم کے پاس گئے انہوں نے دریافت کیا کہ تم نے صوف کیوں پہنا ہے وہ خاموش رہے، قتیبہ بن مسلم نے کہا جواب کیوں نہیں دیتے خاموش کیوں ہو۔ انہوں نے کہا کہ اگر میں یہ کہوں کہ زہد کی بنا پر پہنا ہے تو اس میں اپنی تعریف ہے اور اگر یہ کہوں کہ درویشی اور ناداری کی وجہ سے پہنا ہے تو اس سے خدا کی شکایت ہوتی ہے (اور مجھے یہ دونوں باتیں پسند نہیں ہیں) حضرت سلمان فارسیؓ سے پوچھا گیا کہ آپ اچھے کپڑے کیوں نہیں پہنتے تو انہوں نے کہا کہ بندے (غلام) کو اچھے کپڑوں سے کیا کام۔ اگر کل آزاد ہو جاؤں گا تو اچھے کپڑوں کی کمی نہیں ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے پاس پلاس کا لباس تھا رات کو نماز کے وقت اس کو پہنتے اور دن کو اتار کر رکھ دیتے تھے تاکہ لوگوں کو معلوم نہ ہو۔ حضرت حسن بصریؒ نے فرقد سنجیؒ سے کہا کہ تمہارے پاس جو یہ کمبل ہے اس سے تم یہ سمجھتے ہو کہ تم کو دوسرے لوگوں پر برتری حاصل ہے؟ میں نے سُنا ہے کہ اکثر کمبل والے دوزخی ہوں گے۔

تیسری مہم گھر بار ہے اس کا کم درجہ یہ ہے کہ رہنے کے لیے کوئی جگہ معین و مقرر نہ کرے بلکہ مسجد یا مسافر خانے کے ایک گوشہ پر قناعت کرے اور اس کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ ایک کوٹھڑی ملکیت میں ہو یا کرایہ پر حاصل

کرے اور وہ بقدر ضرورت ہو نہ اس میں نقش ونگار ہوں اور نہ وہ بہت اونچی ہو، حاجت اور ضرورت سے زیادہ کشادہ بھی نہ ہو۔ اگر چھ گز سے طویل گچ کی چھت بنائے گا زہد کے مرتبہ سے گر جائے گا۔ گھر سے مقصود یہ ہے کہ گرمی اور سردی سے خود کو بچائے۔ پس اس کے سوا اور کچھ تلاش نہ کرے۔ بزرگوں کا ارشاد ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دنیا میں جو طول امل پہلا پھیلا یہ تھا کہ لوگوں نے گچ کے مکانات بنانا شروع کیے (یعنی پختہ) اور ان کے لباس میں بہت سے چاک ہونے لگے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک چاک سے زیادہ نہیں ہوتا تھا۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے ایک بلند بالا خانہ بنایا تھا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اس کو گرا دیا گیا۔ ایک روز سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر ایک بلند گنبد کی طرف ہوا۔ آپ نے دریافت کیا کہ یہ کس کا مکان ہے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ فلاں شخص کا ہے۔ جب صاحب خانہ کو خبر ہوئی تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا لیکن حضور علیہ السلام نے اس کی طرف التفات نہیں فرمایا۔ اس نے جب اس عتاب کا سبب معلوم کیا تو اس نے اس گنبد کو گرا دیا تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سے راضی و خوشنود ہوئے اور اس کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔ حضرت حسن بصریؒ نے کہا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تمام حیات مبارکہ میں ایک اینٹ پر دوسری اینٹ نہیں رکھی (تعمیر سے گریز فرمایا) اور ایک لکڑی پر دوسری لکڑی نہیں باندھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حق تعالےٰ جس کی خرابی چاہتا ہے اس کا مال پانی اور مٹی میں ضائع کرتا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا یہ کیا کر رہے ہو، اس وقت ہم بانس کے ایک ٹوٹے ہوئے مکان کو درست کر رہے تھے۔ ہمارے جواب پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کام نزدیک تر ہے اس سے کہ مہلت میسّر ہو۔ یعنی موت سر پر کھڑی ہے اور تم یہ بند و بست کر رہے ہو حضورِ علیہ التحیۃ والثناء نے فرمایا کہ جو شخص حاجت سے زیادہ گھر (کشادہ) بنائے گا۔ قیامت کے دن اس کو حکم دیا جائے گا کہ اس کو اُٹھالے۔ آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ہر خرچ میں ایک ثواب ہے۔ مگر جو مال عمارت بنانے میں صرف ہو اس کا اجر نہیں ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے بانس کا گھر بنایا تو لوگوں نے کہا کہ آپ اگر اینٹوں کا گھر بناتے تو کیا حرج ہوتا! حضرت نوح علیہ السلام نے جواب دیا جس کے لیے مرنا ضروری ہے اس کے لیے یہ بانس کا گھر بھی بہت ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے شام کے سفر میں ایک پختہ عمارت اینٹوں سے بنی ہوئی دیکھی! اسے دیکھ کر آپ فرمانے لگے مجھے ہرگز یہ خبر نہیں تھی کہ اس امت میں لوگ ایسی عمارتیں بھی بنائیں گے جیسی ہامان نے فرعون کے لیے تیار کی تھی اس لیے کہ فرعون ہی نے سب سے پہلے پختہ اینٹ بنوائی تھی اور ہامان سے کہا تھا اَوْقِدْ لِی یَا هَامَانُ عَلَی الطِّینِ (اے ہامان میرے لیے گارے پر آگ روشن کر یعنی اینٹ بنا) صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ

علیہم اجمعین سے مروی ہے کہ جب کوئی شخص گز شرعی سے بلند مکان بناتا ہے تو ایک فرشتہ آسمان سے پکار کر کہتا ہے کہ اے گنہگاروں کے سردار کہاں آتا ہے۔ یعنی جب تجھ کو قبر میں زیر زمین جاتا ہے تو آسمان کی طرف کیوں آ رہا ہے؟۔

حضرت حسن بصریؒ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکانات میں ہاتھ چھتوں میں لگتا تھا (مکانوں کی چھتیں اتنی نیچی ہوتی تھیں) شیخ فضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں کہ مجھے اس بات سے تعجب نہیں ہے کہ کوئی شخص مکان بنائے اور اس کو چھوڑ جائے بلکہ مجھے اس بات کا تعجب ہے کہ کوئی شخص یہ دیکھے، اور اس سے عبرت حاصل نہ کرے۔

چوتھی مہم اسباب خانہ کی ہے یعنی اثاثۃ البیت اور اس میں اعلیٰ درجہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہے (یعنی اس مہم میں جو اعلیٰ درجہ ہے اس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام فائز تھے) کہ وہ سوائے ایک کنگھی اور کوزے کے اور کچھ سامان نہیں رکھتے تھے۔ جب انہوں نے ایک روز ایک شخص کو دیکھا کہ انگلیوں سے داڑھی میں خلال کر رہا ہے تو کنگھی پھینک دی۔ جب ایک شخص کو چلّو سے پانی پیتے دیکھا تو کوزہ بھی پھینک دیا۔ اس مہم کا وسط یہ ہے کہ ہر چیز جو کام کی ہو ایک ایک رکھے وہ لکڑی کی ہو یا مٹی کی۔ اگر تانبے کے برتن استعمال کے لیے رکھے گا تو یہ زہد نہیں ہوگا۔ ہمارے بزرگوں نے تو ایک چیز سے کئی کئی کام لینے کی کوشش کی ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تکیہ چمڑے کا تھا اور آپ کا پاک بچھونا دوہرا کمبل ہوتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک روز رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلوئے اطہر پر چٹائی کے نشانات دیکھے تو رونے لگے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا اے عمرؓ! کیوں روتے ہو تو انہوں نے عرض کیا کہ قیصر و کسریٰ اور دشمنانِ خدا تو ناز و نعم میں زندگی بسر کر رہے ہیں اور آپ جو خدا کے محبوب ہیں ایسی محنت اور تکلیف میں ہیں۔ یہ حالت دیکھ کر مجھے رونا آ گیا۔ حضرت سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عمرؓ! کیا تم اس بات سے خوش نہیں ہو کہ ان لوگوں کو دنیا میں یہ نعمتیں ملیں اور ہم کو آخرت میں حاصل ہوں!۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں خوش ہوں! آپ نے فرمایا بیشک ایسا ہی ہے۔

ایک شخص حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے گھر میں داخل ہوا تو دیکھا کہ گھر میں کوئی چیز موجود نہیں ہے اُس نے تعجب سے کہا کہ اے ابوذرؓ تمہارے گھر میں کچھ بھی نہیں ہے۔ انہوں نے فرمایا ہمارے لیے ایک دوسرا مکان ہے جو کچھ ہم کو ملتا ہے ہم وہاں بھیج دیتے ہیں یعنی دارِ آخرت! اس شخص نے کہا کہ جب تک تم اس گھر میں ہو اسباب کے سوا چارہ نہیں، انہوں نے جواب دیا کہ خداوند تعالے مجھے اس جگہ نہیں چھوڑے گا۔

حمص کے گورنر عمر بن سعد رضی اللہ عنہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ

نے ان سے دریافت کیا کہ متاعِ دنیوی میں سے تمہارے پاس کیا کیا چیز ہے انہوں نے کہا ایک لکڑی ہے (عصا) تاکہ اس پر تکیہ لگا دوں اور اس سے سانپ کو ماروں اور اناج رکھنے کے لیے میرے پاس ایک تھیلا ہے اور ایک برتن ہے جس میں کھانا کھاتا ہوں اسی میں پانی بھر کر غسل کرتا ہوں اور اس میں اپنے کپڑے دھوتا ہوں۔ ایک لوٹا ہے ہے جس سے طہارت کرتا ہوں اور پانی پیتا ہوں اور بس! یہی سامان اصل ہے باقی دوسرے سامان واسباب اس کی فرع ہیں۔

ایک بار حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم سفر سے واپسی پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مکان پر تشریف لے گئے آپ نے دیکھا کہ دروازے پر ایک پردہ پڑا ہے اور حضرت فاطمہ کے ہاتھوں میں دو کڑے پڑے ہیں جو انہوں نے دو درم میں خریدے تھے آپ یہ دیکھ کر فوراً پلٹ آئے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سمجھ گئیں کہ آپ ناراض ہو گئے ہیں آپؓ نے فوراً کڑوں کو ڈیڑھ درہم میں فروخت کر دیا اور دروازے سے پردہ اتار دیا۔ اور دونوں کو خیرات کر دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس بات سے بہت مسرور ہوئے اور فرمایا کہ اے فاطمہؓ! تم نے اچھا کام کیا! حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے مکان پر ایک پردہ ڈال رکھا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب میری آنکھ اس پردے پر پڑتی ہے تو مجھے دنیا یاد آجاتی ہے اس کو اتار دو اور فلاں شخص کو دیدو! حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو تہ کیے ہوئے کمبل پر سوتے تھے۔ ایک رات میں نے نیا بستر بچھا دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام رات مضطرب رہے۔ صبح کو فرمایا کہ اس نئے بستر نے میری نیند میں خلل ڈالا اور میں مضطرب رہا کمبل ہی پر مجھے آرام ملتا ہے۔ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بہت سا مالِ غنیمت آیا آپ نے تمام مال تقسیم کر دیا صرف چھ درہم باقی بچ گئے ساری رات آپ مضطرب رہے۔ اخیر شب میں جب وہ چھ درہم ایک مستحق کو دیدیے تب آرام سے سو گئے اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ اگر میں اس دنیا سے رخصت ہو جاتا اور یہ چھ درہم میرے پاس رہ جاتے تو میرا کیا حال ہوتا خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ کہ میں نے ستر اصحاب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے۔ کسی کے پاس سوائے ان کپڑوں کے جو وہ پہنتے تھے دوسرا جوڑا کپڑوں کا نہیں تھا۔ وہ لوگ زمین پر سو جاتے تھے اور اس کپڑے سے بدن کو ڈھانک لیتے تھے۔

پانچویں مہم نکاح ہے۔ شیخ سہل تستریؒ، سفیان ابن عیینہ اور بعض دوسرے علماء نے فرمایا ہے کہ نکاح میں زہد نہیں ہے۔ یعنی نکاح منافی زہد نہیں ہے اس کو ترک نہ کرنا چاہیئے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سب سے عظیم زاہد تھے نو بیویاں کی تھیں۔ عورتیں حضور کو محبوب تھیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے چار بیویاں اور دس کنیزیں تھیں علماء کی اس سے مراد یہ ہے معاشرتی زندگی میں مبتلا ہونے کے خوف سے نکاح سے دست بردار ہونا مناسب نہیں ہے کیونکہ نکاح سے نسل باقی رہتی ہے اور چند دوسرے فوائد بھی ہیں، نکاح نہ کرنا ایسا ہے کہ کوئی شخص محض اس لیے کھانا پینا چھوڑ دے

کہ مزہ حاصل نہ ہو۔ انسان اناج کا محتاج ہے فلسفے کرتے کرتے ہلاک ہو جائے گا۔ اسی طرح ترک نکاح سے نسل منقطع ہو جائے گی۔ ہاں اگر بیوی رکھنے سے کوئی شخص یادِ الٰہی سے غافل ہوتا ہے تو ایسے شخص کا نکاح نہ کرنا اولیٰ ہے اگر شہوت کا غلبہ ہو تو زاہد ایسی عورت سے شادی کرے جو صاحب حسن و جمال نہ ہو تاکہ شہوت میں کمی آئے ایسی عورت سے شادی نہ کرے جو شہوت کو ابھارے۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی شادی لوگ ایک خوبصورت عورت سے کرا رہے تھے لوگوں نے کہا کہ فلاں شخص کی بہن، اس خاتون سے زیادہ عقل مند ہے لیکن یک چشم ہے۔ حضرت امام احمد حنبل رضی اللہ عنہ نے اس یک چشم دانشمند خاتون سے نکاح کرنا بمقابلہ خوبصورت عورت کے پسند فرمایا وہ حسن و جمال کے خواہاں نہ ہوتے۔

حضرت جنید بغدادی قدس سرہٗ نے کہا ہے کہ ابتدائے حال میں تین باتیں نہ کرے۔ کسب، نکاح، کتابت حدیث (مرید بیندی دل خود را از سہ چیز نگاہ دارد، کسب و نکاح و نوشتن حدیث۔ کیمیائے سعادت نولکشوری اڈیشن ۱۸۷۹ء) آپ نے یہ بھی فرمایا کہ مجھے یہ پسند نہیں ہے کہ صوفی کچھ لکھے پڑھے کیونکہ نوشت و خواند سے آدمی کا خیال پریشان ہوتا ہے اور اطمینان قلب میسر نہیں ہوتا۔

چھٹی مہم مال و جاہ ہے اور جہاں ہم نے چار مہلکات بیان کیے ہیں وہاں بتایا ہے کہ مال و جاہ دونوں زہر ہیں۔ البتہ تھوڑا سا مال و جاہ انسان کے لیے تریاق کا حکم رکھتا ہے۔ نہ صرف یہ کہ وہ دنیا کے اسباب سے ہیں بلکہ دین کے واسطے بھی ان کی ضرورت ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کسی دوست سے کچھ قرض مانگا تو وحی نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اے ابراہیم میں تیرا دوست ہوں تو نے مجھ سے قرض کیوں نہیں مانگا! حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا کہ الٰہی میں جانتا ہوں کہ تجھے دنیا پسند نہیں ہے اس لیے میں تجھ سے دنیا طلب کرنے سے ڈرا اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "مال بقدر حاجت" دنیا میں داخل نہیں ہے، حاصل کلام یہ کہ جب کسی نے خواہشاتِ نفسانی اور زوائد کو آخرت کے خیال میں ترک کر دیا اور مال و جاہ سے بقدر حاجت اور ضرورت قناعت کی تو اس کا دل دنیا سے الگ ہے اور وہ دنیا کو دوست نہیں رکھتا یعنی جب وہ دارِ آخرت میں جائے گا تو اس کو شرمندگی نہیں ہوگی۔ اور اس کا منہ دنیا کی طرف نہیں رہے گا۔ کیونکہ دنیا تو وہی دیکھے گا جو اس کو آرام کی جگہ سمجھتا ہو لیکن جب دنیا اس کے لیے بیت الخلا کی طرح ہو کہ جب رفع حاجت کی ضرورت ہوتی ہے اس وقت وہاں جاتا ہے (اس کی طرف توجہ کرتا ہے) مرنے کے وقت جب اس حاجت سے نجات پائی تو پھر دنیا کی طرف توجہ کرنے کی کیا ضرورت باقی رہی لیکن جو شخص دنیا سے دل لگاتا ہے اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے کہ اس شخص نے ایسی جگہ پر جہاں اس کو ہمیشہ کے لیے چھوڑا جائے گا زنجیر سے اپنی گردن باندھ لی ہے یا اس جگہ سے اپنے سر کے بالوں کو مضبوطی سے باندھ لیا ہے اب یہاں سے جب اس کو اٹھایا جائے گا تو وہ سر کے بالوں کے بل لٹکا رہے گا جب تک سر کے بال جڑ سے نہ اکھڑ جائیں اور جب اس طرح بال اکھڑ..ین گے تو زخم آئے گا۔

حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ میں نے لوگوں کی ایک ایسی جماعت دیکھی جو مصیبت اور بلا میں اس سے کہیں زیادہ خوش ہوتے ہیں جتنا تم نعمت پاکر خوش ہوتے ہو تے! اور وہ تم لوگوں کو دیکھیں تو کہیں کہ تم شیطان ہو اور اگر تم ان کو دیکھتے تو کہتے کہ یہ مجنون اور دیوانے ہیں۔ وہ لوگ بلا کی طرف اس وجہ سے راغب ہوئے کہ دنیا سے ان کا دل اُٹھ جائے اور مرتے وقت کسی چیز سے دلبستگی نہ رہے۔ (واللہ اعلم)

اصل پنجم

نیّت وصدق واخلاص

اے عزیز! معلوم ہونا چاہیئے کہ ارباب بصیرت پر یہ بات ظاہر ہے کہ عابدوں کے سوا تمام لوگ خرابی میں ہیں اور وہ بھی خرابی میں ہیں عالموں کے سوا، اور علماء بھی خرابی میں ہیں مخلصین کے سوا، اور مخلصین بھی بڑے خطرے میں ہیں اس سے ظاہر ہوا کہ اخلاص کے بغیر تمام محنت بیکار اور اکارت جائے گی۔ نیت میں بھی اخلاص اور صدق کی ضرورت ہے۔ پس جب کوئی شخص نیت کو نہیں سمجھے گا تو اس میں اخلاص اور صدق کا کس طرح خیال رکھے گا اس لیے ایک باب میں ہم نیت کے معنی اور اس کی حقیقت بیان کریں گے اور دوسرے باب میں صدق کی حقیقت کو بیان کیا جائے گا۔

باب اول

نیّت کی حقیقت اور اُس کے معانی

اے عزیز پہلے نیت کی فضیلت کو جانو! کہ سارے اعمال کا مدار اور ان کی روح نیت ہے۔ اعتبار نیت ہی کا ہے اور خداوند تعالیٰ ہر عمل میں نیت ہی کو دیکھتا ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ تمہاری صورتوں اور کاموں کو نہیں دیکھتا بلکہ دل اور نیت کو دیکھتا ہے۔ دل پر اس لیے نظر کرتا ہے کہ دل نیت کا مقام ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کاموں کا ثواب نیّت سے ہے اور ہر شخص کو عبادت کا ثواب اتنا ہی ملے گا جیسی اس کی نیّت ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے شہر کو جہاد اور حج کے لیے محض اللہ کے لیے چھوڑے گا تو اس کی یہ ہجرت اللہ کے لیے ہوگی لیکن اگر کوئی ہجرت اس لیے کرتا ہے کہ مال حاصل کرے یا کسی عورت سے نکاح کرے تو اس کی ہجرت خدا کے واسطے نہیں ہوگی بلکہ اس طرف ہوگی جس کی اس کو طلب اور تلاش ہے۔ حضور علیہ التحیۃ والثنا نے فرمایا ہے کہ میری امت میں بعض بہترین شہداء ہیں اور بعض ایسے شہداء ہوں گے جو دو صفوں کے درمیان مارے جائیں گے اور ان کی نیت خدا

خوب جانتا ہے۔ آپؐ نے مزید ارشاد فرمایا کہ بندہ بہت سے نیک کام کرتا ہے فرشتے اس کو آسمان پر لے جاتے ہیں تو خداوند تعالیٰ فرماتا ہے ان اعمال کو اس کے نامۂ اعمال سے مٹادو کیونکہ اس نے یہ کام میرے لیے نہیں کیے اور فلاں فلاں اعمال اس کے نامۂ اعمال میں تحریر کردو فرشتے عرض کریں گے اس بندے نے تو یہ کام نہیں کیے ہیں تب حق تعالےٰ ارشاد فرمائے گا کہ اس نے دل میں ان کاموں کی نیت کی تھی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، لوگ چار قسم کے ہیں ایک وہ ہے کہ مال رکھتا ہو اور علم کے اقتضا کے مطابق اس کو خرچ کرے۔ دوسرا شخص آرزو اور تمنا کے ساتھ کہتا ہے کہ اگر یہ مال میرے پاس ہوتا تو میں اس کو راہِ خدا میں صرف کرتا ان دونوں کا ثواب برابر ہے اور تیسرا مال کو بے جا صرف کرتا ہے۔ چوتھا شخص کہتا ہے کہ میرے پاس مال ہوتا تو میں بھی ایسا ہی کرتا۔ ان دونوں کا گناہ یکساں ہے۔ یعنی فقط نیت اس عمل کا حکم رکھتی ہے جو نیت کے مطابق ہو۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک کے ارادے سے جب مدینہ سے باہر تشریف لائے تو آپ نے فرمایا کہ مدینے میں بہت سے لوگ ہیں جو ہر رنج کے ثواب میں جو ہم بھوک اور سفر سے اٹھاتے ہیں، شریک ہیں۔ ہم نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ایسا کیوں ہیں؟ حالانکہ وہ ہم سے دور ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ لوگ عذر کے سبب سے ہمارے ساتھ شریک نہیں ہو سکے پر ان کی نیت ہماری نیت کی طرح ہے۔

بنی اسرائیل کا ایک شخص ریت کے ایک تودے کے قریب سے گذرا۔ اس وقت قحط پڑ رہا تھا وہ کہنے لگا کہ اس تودے کے برابر گیہوں میرے پاس ہوتے تو میں فقراء اور مساکین میں تقسیم کر دیتا، اس زمانے کے رسول پر وحی نازل ہوتی اور حکم ہوا کہ اے نبی! اس شخص سے کہہ دو کہ تیرا صدقہ خدا نے قبول کر لیا ہے اور جس قدر وہ گیہوں ہوتے اتنا ثواب تجھے عطا کیا گیا ہے اور اگر تو نے صدقہ دیا ہوتا تو اتنا ہی ثواب تجھے ملتا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جس کی نیت دنیا ہوتا ہے درویشی اس کی آنکھوں کے سامنے رہتی ہے اور وہ جب دنیا سے جائے گا تو اسی درویشی کا عاشق ہوگا اور جس کی نیت اور مقصد آخرت ہو اللہ تعالےٰ اس کے دل کو تو انگر رکھے گا۔ اور وہ دنیا سے بے رغبت ہو کر جاتے گا۔ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب مسلمان کفار سے میدانِ جنگ میں معرکہ آرا ہوتے ہیں تو فرشتے ان کے نام اس طرح تحریر کرتے ہیں کہ فلاں نے تعصب اور عداوت کی بنا پر جنگ کی اور فلاں محبت کے ساتھ لڑا اور فلاں راہِ خدا میں مارا گیا۔ جو شخص توحید کو بلند کرنے کے لیے لڑے گا وہ مجاہد فی سبیل اللہ ہے۔

آپؐ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ "جو کوئی نکاح کرے اور مہر نہ دینے کی نیت رکھے وہ زانی ہے اور جو شخص اس نیت سے قرض لے کہ واپس نہیں کرے گا تو وہ چور ہے" علماء نے فرمایا ہے کہ پہلے عمل کی نیت سیکھو اس کے بعد

عمل کرو! ایک شخص لوگوں سے کہتا تھا کہ مجھے کوئی ایسا عمل سکھاؤ کہ رات دن اس میں مصروف رہوں اور کبھی نیکی سے محروم نہ رہوں۔ لوگوں نے اس سے کہا کہ ہمیشہ نیکی کی نیت رکھا کرنا کہ نیکی کا ثواب ملتا رہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ لوگوں کو قیامت میں ان کی نیتوں کے ساتھ اُٹھایا جائے گا۔ حضرت حسن بصریؒ نے کہا ہے کہ انسان کو دائمی بہشت چند روز کے عمل سے حاصل نہیں ہوگی بلکہ اچھی نیت سے حاصل ہوگی جس کی کوئی انتہا نہیں ہے۔

نیت کی حقیقت: اے عزیز معلوم ہونا چاہیے کہ جب تک تین حالتیں درپیش نہ ہوں انسان سے حرکت سرزد نہیں ہوگی، علم، ارادہ، قدرت۔ مثلاً جب تک وہ کھانا نہیں دیکھے گا نہیں کھائے گا۔ اگر دیکھا لیکن اس کی خواہش نہیں ہے تب بھی نہیں کھائے گا، لیکن خواہش ہے اور ہاتھ ایسا مفلوج ہے کہ حرکت نہ کر سکے تو نہیں کھا سکے گا۔ پس یہ تین حالتیں سب حرکات کے لیے درپیش ہیں لیکن حرکت قدرت کی تابع ہے اور قدرت، ارادے کی تابع ہے، کیونکہ ارادہ ہی قدرت کو کام میں لگاتا ہے اور خواہش علم کی تابع نہیں ہے کیونکہ آدمی بہت سی چیزوں کا مشاہدہ کرتا ہے پر ان کو نہیں جانتا، کہ بغیر علم کے چاہنا دشوار ہے کہ جس چیز کو جانتا ہی نہ ہو اس کو کس طرح چاہے گا۔ ان تینوں چیزوں میں سے خواہش کا نام نیت ہے، قدرت و علم کو نیت نہیں کہتے۔ خواہش آدمی کو کسی کام پر آمادہ کرتی ہے اور کام میں لگا دیتی ہے اس کو غرض مقصد اور نیت بھی کہتے ہیں۔ کبھی غرض ایک ہوتی ہے اور کبھی ایک کام سے دو اور دو سے زیادہ اغراض بھی ہوتی ہیں اگر غرض ایک ہو تو اس کو نیت خالص کہتے ہیں جیسا اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی بیٹھا ہے اور ایک شیر نے اس کا قصد کیا وہ اُٹھ کے بھاگا اس وقت اس کی غرض اور ارادہ ایک ہی ہوتا ہے یعنی بھاگ جانا۔ اس کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ ایک متموّل و مالدار شخص آیا تو کوئی شخص اس کی تعظیم کے لیے کھڑا ہو گیا اور اس میں سوائے اکرام کے اور کوئی غرض نہیں ہے اور یہ غرض خالص ہے۔ لیکن بہت سے ایسے کام ہیں کہ ان میں دو دو غرض بھی ہوتی ہیں۔ اس کی تین قسمیں ہیں۔ ایک یہ کہ ہر غرض جُدا جُدا ہو تب ہی کافی ہو۔ جیسے ایک غریب قرابت دار نے ایک درہم مانگا تو اس کو دے دیا کیونکہ وہ اپنا عزیز ہے اور درویش بھی ہے۔ دوسرے یہ کہ دینے والا اپنے دل ہی میں جانتا ہے کہ اگر وہ درویش نہ ہوتا تب بھی وہ اس کو دیتا اور اگر قرابت دار نہ ہوتا تب بھی دیتا تو اس وقت یہ دو غرض ہیں اور نیت مشترک ہے۔ دوسری قسم یہ ہے کہ سمجھتا ہے کہ اگر عزیز و قرابت دار ہوتا یا فقط درویش ہوتا تو نہ دیتا، لیکن جب یہ دونوں باتیں جمع ہو گئیں تو درہم دینے کا باعث ہوئیں۔ پہلے سبب کی مثال تو یہ ہے کہ دو قوی شخص باہم مل کر پتھر کو اُٹھاتے ہیں۔ اگر ہر ایک اکیلا اُٹھاتا تو بھی ہو سکتا تھا اور دوسری مثال یہ ہے کہ دو کمزور آدمی ایک پتھر کو مل کر اُٹھاتے ہیں لیکن اکیلا اس کو کوئی بھی نہیں اُٹھا سکتا۔ تیسری قسم یہ ہے کہ ایک غرض ضعیف ہے جو کام پر نہ لگائے اور دوسری غرض قوی ہے جو تنہا کام پر لگا دے لیکن اس سے کام زیادہ آسان ہو جاتا ہے۔ جیسے کوئی رات کو اکیلا نماز پڑھتا ہے لیکن جب بہت سے لوگ موجود ہوں تو نماز پڑھنا نسبتاً آسان ہو جائے

لیکن اگر ثواب کی امید نہ ہوتی تو محض لوگوں کے دکھانے کے لیے نماز نہ پڑھتا اور اس کی مثال یہ ہے کہ کچھ لوگ مل کر پتھر اٹھا سکتے تھے لیکن اس کے اٹھانے میں ایک کمزور شخص نے بھی مدد کی تاکہ اور آسانی ہو جائے۔ ان تمام اقسام میں سے ہر ایک کا جداگانہ حکم ہے جس کا بیان اخلاص کے باب میں کیا جائے گا۔ ان تمام مباحث کا حاصل یہ ہے کہ نیت کے معنی تم سمجھ سکو کہ وہ ایک غرض محرک لیکن کبھی یہ خالص ہوتی ہے اور کبھی غیر خالص۔

فصل:- اے عزیز معلوم ہونا چاہیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے نِيَّةُ الْمُؤْمِنِ خَيْرٌ مِّنْ عَمَلِهٖ یعنی مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے"۔ اس ارشاد سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ منشا نہیں ہے کہ نیت بے عمل کردار بے نیت، بہتر ہے۔ کیونکہ یہ بات ہر شخص جانتا ہے کہ عمل بغیر نیت کے عبادت نہیں بن سکتا اور نیت بغیر عمل کے طاعت بن سکتی ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ طاعت کا تعلق جسم یا تن سے ہے اور نیت دل سے ہے بس یہ دو چیزیں ہیں اور ان دونوں میں جو چیز دل سے تعلق رکھتی ہے وہ بہتر ہے اس کا سبب یہ ہے کہ جسم کے عمل سے مقصود یہی ہے کہ وہ دل کی صفت بن جائے اور نیت یا عمل دل سے یہ مقصود نہیں ہے کہ وہ جسم کی صفت ہو جائے اور لوگ جو یہ سمجھتے ہیں کہ نیت عمل کے واسطے درکار ہے یہ غلط ہے ایسا نہیں ہے بلکہ عمل نیت کے لیے ضروری ہے کیونکہ تمام کاموں سے مقصود دل کی سیر ہے کہ دل اس جہان کا مسافر ہے اور سعادت اور شقاوت اسی کے لیے ہے اگرچہ تن بھی درمیان میں ہوتا ہے لیکن وہ تابع ہوتا ہے۔ جیسے اونٹ کہ اس کے بغیر حج ممکن نہیں ہے[۱] لیکن حاجی وہ خود نہیں ہے اور دل کی سیر ایک ہی بات میں ہے۔ یعنی دنیا سے آخرت کی طرف متوجہ ہونا بلکہ دنیا اور آخرت سے بھی الگ ہو کر صرف خداوند تعالیٰ کی طرف التفات کرے اور دل کی توجہ اس کے ارادے اور خواہش کو کہتے ہیں۔ جب دل پر دنیا کی خواہش کا غلبہ ہو گا تو وہ دنیا کا طالب ہو گا۔ کیونکہ دنیا سے تعلق رکھنا اس کی خواہش ہے۔ اور جب خدا کی طلب اور شوقِ دیدار غالب ہو تو اس کی صفت بدل جائے گی اور دل بارگاہِ الٰہی کی طرف متوجہ ہو گا۔ پس تمام کاموں سے مقصود دل کی سیر ہے۔ سجدے سے مقصود یہ نہیں کہ پیشانی زمین پر رکھ دی جائے، بلکہ مقصود یہ کہ فروتنی اور عاجزی دل کی صفت بن جائے اور دل تکبر سے پاک ہو۔ اور اللہ اکبر کہنے سے غرض یہ نہیں ہے کہ زبان حرکت کرے بلکہ اس سے مقصود یہ ہے کہ دل اپنی بزرگی کے خیال سے نکلے اور اللہ تعالیٰ کی بزرگی اس میں سما جائے۔ اور حج میں کنکریاں مارنے سے غرض یہ نہیں ہے کہ وہ جگہ سنگریزوں سے بھر جائے یا ہاتھ ہلے بلکہ مقصود یہ ہے کہ دل طاعت و بندگی پر قائم ہو اور ہوا و ہوس کی پیروی اور عقل کی اطاعت سے باز آ جائے، خدا کا فرمان بجا لاتے اور اپنے اختیار کر کے حکم الٰہی کا تابع اور مطیع بن جائے۔ چنانچہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لَبَّيْكَ بِحَجَّةٍ حَقًّا تَعَبُّدًا وَّرِقًّا (میں تیری خدمت میں حج کے لیے

---

[۱] قرون سابقہ میں حج کے لیے اونٹ کا ہونا ضروری تھا۔ اونٹ کے بغیر راستہ طے کرنا بہت ہی دشوار تھا۔

حاضر ہوں از روئے بندگی اور غلامی) اور قربانی سے یہ مطلب نہیں کہ ایک بھیڑ یا بکری کا خون بہا دیا جائے بلکہ غرض اس سے یہ ہے کہ بخل کی نجاست تمہارے دل سے دور ہو جائے اور جانوروں کے حال پر شفقت کرنا تمہاری طبیعت کا خاصہ نہیں ہے بلکہ تم خدا کے حکم سے ان پر شفقت کرتے ہو۔ پس جب تم کو حکم دیا گیا کہ جانور کو ذبح کرو تو ایسا مت کہو کہ یہ بیچارہ کیا گیا ہے میں اس کو کیوں ہلاک کروں۔ پس تم اپنا تمام اختیار چھوڑ دو اور واقعی میں نیست ہو جاؤ کہ تم خود نابود ہو کیونکہ بندہ نیست ہے۔ ہست صرف خداوند عالم ہے، تمام عبادتوں کو اس پر قیاس کرنا چاہیئے۔ اللہ تعالےٰ نے دل کی تخلیق اس طرح فرمائی ہے کہ جب اس میں ایک ارادہ پیدا ہوتا ہے تو جسم کی حرکت بھی اسی کے مطابق ہو اور وہ صفت دل میں اور زیادہ ثابت و مستحکم ہو جائے۔ مثلاً یتیم کو دیکھنے سے دل میں رحم آیا جب اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تو اس شفقت میں استواری پیدا ہوئی اور دل کی بصیرت و آگہی میں اور زیادہ اضافہ ہوا یا جب دل میں تو تواضع کا خیال آیا تو سر زمین پر سر کو جھکایا تو تواضع دل میں اور استوار و مستحکم ہوئی۔ تمام عبادتوں میں طلب خیر کو نیت کہتے ہیں جس کا مقصود یہ ہے کہ دنیا سے کام نہ رکھے بلکہ آخرت کی طرف متوجہ ہو جب اس نیت پر عمل کیا تو وہ خواہش ثابت اور استوار ہو گئی۔ پس عمل اسی واسطے مقرر کیا گیا ہے کہ نیت استوار ہو۔ ہر چند کہ عمل کا منشا خود نیت ہے۔ یہ جو کچھ بیان کیا گیا اس سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ نیت عمل سے بہتر ہے کیونکہ نیت کا محل دل ہے اور عمل دوسرے ذرائع اور واسطوں سے دل میں سرایت کرتا ہے اور سرایت کے بعد عامل کے کام آتا ہے اگر سرایت نہ کرے اور غافل رہ جائے تو عمل بیکار ہو جاتا ہے اسی واسطے جو نیت بے عمل ہو وہ تو اکارت نہیں جاتی۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کسی کے پیٹ میں درد ہے۔ جب اس نے دوا کھائی اور معدے میں پہنچی اگر سینے پر دوا لگاتی اور امید کی کہ اس کا اثر معدے کو پہنچے گا تو نافع تو یہ بھی ہوگی لیکن وہ دوا جو عین معدے کو پہنچائی گئی ہے اس سے زیادہ مفید اور نافع ہوگی بمقابلہ اس دوا کے جس کا ضماد سینے پر کیا گیا کہ مقصود اس ضماد سے سینہ نہیں بلکہ معدہ ہے لیکن اگر وہ دوا معدے تک سرایت نہ کرے تو بیکار گئی اور پہلی معدے کو پہنچی مگر سینے کو نہیں پہنچی تو اکارت نہیں گئی۔

دل کے کونسے وسواس اور خیالات معاف ہوتے ہیں اور کونسے نہیں؟

معلوم ہونا چاہیئے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کے دل کے برے خیالات کو اللہ تعالےٰ نے معاف فرمایا ہے۔ حدیث شریف بخاری و مسلم دونوں میں مذکور ہے کہ جو کوئی ایک معصیت کا ارادہ کرکے اس کو رد کر دیتا ہے تو اللہ تعالےٰ فرشتہ کو حکم دیتا ہے کہ وہ گناہ اس کے ذمہ نہ لکھ اور اگر نیکی کا قصد کیا لیکن وہ نیکی نہیں کی تو ایک حسنہ لکھ اور اگر نیکی کی تو دس حسنات اس کے نامۂ اعمال میں لکھ اور بعض حدیثوں میں ہے کہ سات سو حسنات تک بڑھا دی جاتی ہیں۔ اس واسطے بعض علماء نے یہ گمان کیا ہے کہ جو کچھ دل میں گذرے اس پر بندے سے مؤاخذہ نہیں ہوگا۔ لیکن یہ بات غلط ہے کیونکہ ہم یہ بات بتا چکے ہیں کہ دل اصل ہے اور جسم اس کا تابع ہے اور حق تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْۤ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ یُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ یعنی جو کچھ

تمہارے دلوں میں گذرے خواہ اس کو ظاہر کر دیا اس کو چھپاؤ خدا کے یہاں اس کا حساب ہوگا) اور فرمایا ہے اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا (بیشک کان، آنکھ اور دل ہر ایک سے سوال کیا جائے گا) مزید ارشاد فرمایا لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ (لغو قسم میں زبان ماخوذ نہیں ہوگی بلکہ ارادے کے سبب سے دل ماخوذ ہوگا از ترجمہ امام غزالیؒ) تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ کبر، نفاق، عجب اور ریا پر مواخذہ ہوگا اور یہ سب کے سب دل کے اعمال ہیں۔ پس اس مسئلہ میں تحقیق یہ ہے کہ جو کچھ دل میں گذرتا اس کی چار قسمیں ہیں، دو بلا اختیار ہیں ان پر بندہ ماخوذ نہیں ہوگا اور دو با اختیار ہیں ان پر بندے کا مواخذہ ہوگا۔ اور مثال یہ ہے کہ تم کسی راستے سے گذر رہے تھے ایک عورت تمہارے پیچھے پیچھے آئی تمہارے دل میں اس کا خیال آیا اگر تم پھر کر دیکھو گے تو وہ نظر آئے گی، اس خطرے کو حدیثِ نفس کہتے ہیں اور یہ جو رغبت اس کے دیکھنے کی طبیعت میں پیدا ہوئی اس کا نام میلِ طبع ہے۔ تیسری یہ کہ دل نے حکم کیا کہ پلٹ کر دیکھنا چاہیئے (اور دل ایسا حکم اس مقام میں کرے گا جہاں کچھ خوف اور قباحت نہ ہو) ہر ایک جگہ شہوت کی استدعا کے موافق دل حکم نہیں کرتا کہ یہ کام کر بلکہ کبھی یہ کہتا ہے کہ یہ کام کرنا زیبا نہیں ہے اور اسی منع کرنے کا نام حکمِ دل ہے۔ چوتھی قسم یہ ہے کہ پلٹ کے دیکھنے کا قصد کیا اگر اس حکمِ دل کو خدا کے خوف سے یا خلق کے خوف سے رد نہیں کرے گا تو پھر ارادہ جلد پختہ ہو جائے گا پس بندہ دل کی دو حالتوں سے جن کا نام حدیثِ نفس اور میلِ طبع ہے ماخوذ نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہ بات اس کے اختیار سے باہر تھی اور اللہ تعالٰے نے ارشاد فرمایا ہے لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (اللہ تعالٰے کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔)

اور حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ میرا نفس چاہتا ہے کہ میں خود کو خصی کر لوں (تاکہ قوت شہوانی ختم ہو جائے) آپؐ نے فرمایا کہ میری امت میں روزہ رکھنا خصی ہونے کا ہی حکم رکھتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ میرا نفس کہتا ہے کہ اپنی بیوی کو طلاق دیدوں، آپ نے فرمایا کہ جلدی نہ کر دکہ نکاح میری سنت ہے اور جب انہوں نے کہا کہ میرا نفس چاہتا ہے کہ پہاڑ پر راہبوں کی طرح جا کر رہوں، تو آپ نے فرمایا جہاد اور حج میری اُمت کی رہبانیت ہے اور جب انہوں نے عرض کیا کہ میرا نفس مجھ سے کہتا ہے کہ گوشت مت کھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گوشت کو ترک نہ کر کیونکہ مجھے گوشت بہت مرغوب ہے۔ اگر میں خداوند تعالٰے سے ہر روز گوشت مانگتا تو وہ ہر روز مجھے گوشت دیتا۔ پس یہ تمام خطرات جو حضرت عثمان بن مظعون کے اندر پیدا ہوئے، ان کا نام حدیثِ نفس ہے۔ کیونکہ انہوں نے ان کاموں کا ارادہ نہیں کیا تھا بلکہ ان کا نفس ان کاموں میں ان سے مشورت طلب کر رہا تھا۔ دل کے وہ دو اعمال جو اختیاری ہیں یعنی حکمِ دل اور میلانِ طبیعت، ان دونوں کے قصد سے بندہ ماخوذ ہوگا۔ اگرچہ شرم، خوف یا کسی اور وجہ اور مانع کے باعث وہ اس فعل کو نہ کرے اور خوف

خدا نے اس کو اس فعل سے باز نہ رکھا۔

بندے کے ماخوذ ہونے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ کسی کو اس پر غصہ آگیا ہے اور اس کا بدلا لے رہا ہے اسلیے کہ جناب کبریا اور خداوند بزرگ و برتر غصہ اور بدلہ لینے سے پاک ہے۔ بلکہ اس کے معنی ہیں کہ اس مقصد اور ارادے سے جو اس نے کیا ہے اس کے دل میں ایسی صفت پیدا ہو گئی کہ بارگاہ الٰہی سے وُہ دُور ہو گیا اور یہ اس کی بدبختی ہے ہم اس سے قبل بیان کر چکے ہیں کہ انسان کی سعادت یہ ہے کہ اپنا اور دنیا کا خیال چھوڑ کر خداوند تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو۔ بندے کی ایسی توجہ، ایسا ارادہ اور ایسی خواہش جو دنیا سے متعلق ہو، اگر وہ کرے گا تو دنیا سے اس کا تعلق محکم تر ہو گا اور وہ بارگاہ الٰہی سے دور ہو جائے گا۔ اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص مؤاخذے میں گرفتار ہے اور ملعون ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ دنیا کا گرفتار ہوا اور خدا سے دُور ہو گیا اور اس دوری کا سبب وہ خود ہے، اس کے ساتھ ہے اور اس کے اندر موجود ہے۔ اس کی طاعت سے نہ ذات خداوندی کو خوشی ہے اور نہ اس کی نافرمانی سے غصہ ہے۔ جو اس سے انتقام لے۔ یہ جو کہا جاتا ہے مخلوق کی فہم و عقل کے مطابق کہا جاتا ہے۔ جس شخص نے ان اسرار کو سمجھ لیا اس کو اس بارے میں کچھ شک نہیں رہا کہ ان اقوال سے دل ماخوذ ہوتا ہے اور اس قول پر مضبوط دلیل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ آپ نے فرمایا کہ دو شخص تلواریں نیام سے نکال کر لڑیں اور ایک ان دو میں سے مارا گیا تو مقتول اور قاتل دونوں دوزخ میں جائیں گے، اصحابؓ نے عرض کیا کہ حضور! مقتول دوزخ میں کیوں جائے گا؟ آپ نے فرمایا کہ اس کا سبب یہ ہے کہ ارادہ تو اس کا بھی اپنے دشمن کو مار ڈالنے کا تھا۔ یہ دوسری مثال ہے کہ ایک شخص کے پاس مال ہے اور وہ اس کو شرع کے مطابق خرچ نہیں کرتا، اس کو دیکھ کر ایک دوسرا شخص کہتا ہے کہ اگر میرے پاس بھی مال ہوتا تو میں بھی اسی طرح اُڑاتا۔ پس یہ دونوں گناہ میں برابر ہیں۔ حالانکہ یہ فقط دل کا ارادہ ہے۔ ایک اور مثال ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنے بستر پر اپنی بیوی کو بیٹھا دیکھ کر یہ سمجھا کہ یہ کوئی غیر عورت ہے اور پھر اس نے اس سے جماع کیا تو ہر چند کہ وہ اس کی بیوی ہی تھی، پھر بھی یہ شخص گنہگار ہوا، اگر کسی شخص نے یہ خیال کر کے کہ میں طہارت سے ہوں، بغیر طہارت کے نماز پڑھ لی تو اس کو اس صورت میں بھی ثواب حاصل ہو گا اور اگر جانتا ہے کہ طہارت باقی نہیں ہے اور اس نے نماز پڑھی تو بیشک وہ گنہ گار ہو گا خواہ اس کو بعد میں یاد آجائے کہ طہارت باقی ہے (جب بھی) یہ سب دل کی حالتیں ہیں۔ ہاں اگر کوئی شخص معصیت کا ارادہ کرے لیکن خوف الٰہی کے باعث اس گناہ سے باز رہے تو اس کے لیے ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے۔

حدیث شریف میں وارد ہے کہ چونکہ آدمی کا قصد اس کی طبیعت کے موافق ہوا کرتا ہے اور طبیعت کے خلاف رہ کر کسی کام سے باز رہنا مجاہدہ ہے اس مجاہدہ سے دل روشن ہوتا ہے اور اگر قصد کیا جائے تو اس سے دل سیاہ ہوتا ہے۔ حسنہ لکھنے یا نیکی لکھے جانے کے معنی جو حدیث شریف سے ثابت ہیں یہی ہیں، البتہ اگر کوئی شخص عجز اور

لاچاری ہے اس بُرے خیال سے باز رہا تو کچھ کفارہ نہ ہوگا اور اس کے دل کی سیاہی اسی طرح باقی رہے گی، البتہ وہ اسی دل کی سیاہی کے سبب سے ضرور ماخوذ ہوگا اس مقتول کی طرح جو کمزوری اور عاجزی کے باعث اپنے دشمن کو نہ مار سکا اور خود مارا گیا۔

نیت کے سبب سے اعمال بدلتے رہتے ہیں

اے عزیز! معلوم ہو کہ تمام اعمال تین قسم پر ہیں۔ یعنی طاعات، معاصی اور مباحات۔ حدیث اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ سے کوئی شخص یہ گمان کرے کہ معصیت بھی اچھی نیت سے طاعت بن سکتی ہے یہ بات غلط ہے نیت خیر کو معصیت میں دخل نہیں ہے لیکن بُری نیت بُرے کام کو بدتر بنا دیتی ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کا دل خوش کرنے کے ارادے سے کسی کی غیبت کرے اور مال حرام سے مسجد، مسافرخانہ اور مدرسہ بنائے اور کہے کہ میری نیت بخیر ہے۔ حالانکہ اس کو یہ سمجھنا چاہیے کہ بدی سے نیکی کا قصد کرنا خود بدی ہے۔ اگر وہ اس بدی کو بدی سمجھتا ہے تب بھی وہ فاسق ہوگا اور اگر نیکی سمجھے تب بھی وہ گنہگار ہوگا۔ کیونکہ علم کا سیکھنا فرض تھا اور اکثر لوگ جہالت کے سبب سے ہلاک ہوتے ہیں۔ شیخ سہل تستریؒ فرماتے ہیں کہ جہل سے عظیم کوئی معصیت نہیں ہے اور جہل مرکب، جہل بسیط سے بدتر ہے اس لیے کہ جب کوئی اپنے جہل سے واقف نہ ہو تو اس کے سیکھنے کی امید نہیں اور جہل مرکب اس کو مانع ہوگا کہ وہ علم حاصل کرے۔

اسی طرح ایسے شاگرد کو پڑھانا بھی حرام ہے جس کا مقصود علم حاصل کرنے سے یہ ہو کہ وہ قضا کا عہدہ حاصل کرے۔ مال وقف، یتیموں کا مال اور بادشاہوں سے دولت حاصل کرے اور دنیا کمائے۔ تفاخر اور بحث و جدال میں مشغول ہو۔ اگر اس اعتراض کے جواب میں مدرس کہے کہ پڑھانے سے میرا مقصد علم کا پھیلانا ہے۔ اگر شاگرد اس کو غلط استعمال کرتا ہے یا اس سے غلط فائدہ اٹھاتا ہے تو اس سے میرا اجر ضائع نہیں ہوگا۔ اس کا ایسا کہنا محض نادانی ہے۔ اس کی مثال اس شخص کی سی ہے کہ وہ رہزنی کرتا ہو اور کوئی شخص اس کے ہاتھ میں تلوار دیدے۔ یا جو شخص شراب بناتا ہے اس کو انگور دیں اور کہیں کہ اس سے ہمارا مقصود سخاوت ہے اور اللہ تعالےٰ سخاوت کو پسند کرتا ہے مگر ایسا کہنا جہالت کی علامت ہے بلکہ جب یہ معلوم تھا کہ یہ رہزن ہے تو اس کے ہاتھ سے چھین لینا چاہیے تھی نہ کہ اور تلوار دے دی (یہ کس طرح جائز ہو سکتا ہے) ہمارے بزرگان سلف، فاجر عالم سے اور ایسے شاگرد سے جو معصیت کا مرتکب ہو پرہیز کیا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت امام احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک قدیم شاگرد کو محض اس لیے اپنے پاس سے الگ کر دیا کہ اس نے (بطور خدمت و خیر خواہی)

مکان کی دیوار کو کہگل کیا تھا۔ آپ نے اس سے فرمایا کہ تم نے پتلی دیوار کو موٹا کر کے مسلمانوں کا راستہ بقدر ایک ناخن کے گھٹا دیا ہے۔ اب میں تم کو نہیں پڑھاؤں گا۔ پس محض خیر کی نیت سے ہر بات خیر نہیں ہو سکتی بلکہ خیر وہی ہے جس کا حکم آیا ہے۔

اعمال کی دوسری قسم طاعات ہے اور ان میں نیت دو وجہ سے اثر کرتی ہے۔ ایک یہ اصل عمل نیت سے درست ہو جائے۔ دوسرے یہ کہ جتنی نیت زیادہ ہو اتنا ہی ثواب در چنداں حاصل ہو۔ اگر کوئی علم نیت سیکھے گا تو ایک طاعت میں دس درست اور نیک نیتیں کر سکے گا تاکہ اس کی ایک طاعت دس طاعتوں کی مانند ہو جائے۔ مثلاً ایک شخص نے مسجد میں اعتکاف کیا اور اس کی ایک نیت تو یہ ہے کہ مسجد خانۂ خدا ہے جو شخص اس میں داخل ہوگا وہ گویا خدا سے ملنے کو گیا ہے، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص مسجد میں گیا وہ گویا خداوند تعالیٰ سے ملاقات کے لیے گیا ہے اور جس کی ملاقات کو جاتے ہیں اس کو سزاوار ہے کہ وہ اپنے زائر یا ملاقات کو آنے والے کی تکریم کرے دوسری نیت یہ کہ وہاں بیٹھ کر دوسری نماز کا انتظار کرتا ہے۔ اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص نماز کا انتظار کرے گا وہ گویا حالت نماز میں ہے۔ تیسری نیت یہ ہے کہ اس نے اعتکاف کے وقت یہ نیت کی کہ آنکھ، کان، زبان اور ہاتھ پاؤں کو بیجا حرکات سے باز رکھوں گا تو یہ گویا ایک طرح کا روزہ ہے کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ مسجد میں بیٹھنا میری اُمّت کی رہبانیت ہے۔ چوتھی نیت یہ کہ اشغالِ دنیوی سے خود کو دور رکھے اور سراپا اللہ جل شانہ کی یاد میں سرگرم ہو جائے،۔ ذکر و فکر اور مناجات میں مشغول رہے۔ پانچویں نیت یہ کہ لوگوں کے شور و شر سے بچنے کی نیت کرے۔ چھٹی نیت یہ کہ اگر مسجد میں کوئی برا کام مجھے نظر آئے گا تو اس سے روکوں گا اور نیک کام کی طرف متوجہ کروں گا۔ اور اگر کوئی شخص نماز درستی سے نہیں پڑھے گا تو اس کو صحیح نماز پڑھنے کی تعلیم دوں گا، ساتویں نیت یہ کہ اگر مسجد میں کوئی دیندار شخص ملے گا تو اس سے دینی اخوت کا پیمان کروں گا اس لیے کہ مسجد دینداروں کے رہنے کی جگہ ہے، آٹھویں نیت یہ کہ اگر میں اس کے گھر میں کسی معصیت یا بدی کا خیال کروں تو مجھے خداوند تعالیٰ سے شرمندگی اُٹھانا پڑے۔

دوسری طاعات کو اسی پر قیاس کرنا چاہیے۔ یعنی ہر ایک طاعت میں کئی کئی نیتیں کر سکتے ہیں تاکہ ثواب کئی گناہ زیادہ ہو جاتے۔

تیسری قسم ان اعمال کی ہے جو مباح ہیں۔ کون ایسا عاقل ہوگا کہ وہ مباحات میں جانوروں کی طرح حسنِ نیت سے بے خبر رہ جائے کہ اس میں اس کا بڑا نقصان ہے۔ کیونکہ تمام حرکات کے بارے میں سوال کیا جائے گا اور تمام مباحات کا حساب ہوگا اگر آدمی کی نیت بری تھی تو ضرر رساں ہوگی اور اگر نیت نیک تھی تو اس کو نفع پہنچائے گی اور اگر نیت نہ اچھی ہو نہ بری تو اس طرح اس نے ایک مباح فعل میں گویا اپنا وقت ضائع کیا اور اس سے فائدہ نہ اُٹھایا اور اس،

آیت کے خلاف کیا۔

وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا۔ اور دنیا سے اپنا حصہ (آخرت میں لے جانا) فراموش مت کر۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "بندے کے ہر ایک عمل سے سوال کیا جائے گا یہاں تک کہ سرمہ جو آنکھوں میں لگایا ہے یا ایک ڈھیلا جو ہاتھ پر ملا ہو یا ہاتھ ہر کسی دینی بھائی کے کپڑے پر ڈالا ہو۔"

مباحات کی نیت کا علم طویل ہے اس کا حاصل کرنا بھی ضروری ہے۔ مثلاً خوشبو لگانا مباح ہے اور ممکن ہے کہ اس کو کوئی جمعہ کے دن لگائے اور اس کا ارادہ اظہارِ فخر ہو تو علم حاصل کرنے کی صورت میں وہ ایسا نہیں کرے گا۔ یا ریا مقصود ہو، یا یہ مقصد ہو کہ غیر ــــ عورت کا دل اس کی طرف مائل ہو (یہ سب بُرے خیال ہیں) اور خوشبو لگانے میں اچھی نیت اس طرح ہوتی ہے، وہ خوشبو لگانے سے خانۂ خدا کی تعظیم و تکریم کا ارادہ کرے اور یہ مقصد ہو کہ اس کے پاس بیٹھنے والے نمازی اس خوشبو سے راحت حاصل کریں۔ یا بدبو کو اپنے پاس سے دفع کرے تاکہ لوگ اس بدبو کی وجہ سے اس سے بیزار نہ ہوں اور شکایت یا غیبت کی معصیت میں گرفتار نہ ہوں یا یہ نیت ہو کہ اس سے دماغ کو تقویت حاصل ہوگی اور ذکر و فکر پر قادر ہوگا۔ ایسی پاک نیتیں وہ کرے گا جو ہمیشہ نیک کاموں کے خیال میں رہا کرتا ہے اور اچھی نیتوں میں سے ہر ایک درگاہِ الٰہی میں تقرب کا سبب ہوگی اور بزرگانِ سلف کا یہی حال تھا۔ یہاں تک کہ وہ کھانا کھانے، بیت الخلاء میں جانے اور بیوی سے ہمبستری (جماع) کرنے میں ایسی ہی نیت کیا کرتے ہیں جو کارِ خیر کا سبب ہو۔

جب آدمی کارِ خیر کا قصد کرتا ہے تو اس کو ثواب حاصل ہوتا ہے مثلاً عورت سے جماع میں اولاد کی نیت کرے تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں اضافہ ہو یا عورت کو راحت پہنچانا مقصود ہو اور اس کو اپنے آپ گناہ سے بچانے کی نیت کرے۔ حضرت سفیان ثوریؒ نے ایک دن اُلٹا کپڑا پہنا تھا ان سے کہا گیا کہ ہاتھ لمبا کیجئے تاکہ اس کو سیدھا کر دیا جائے۔ انہوں نے یہ سُن کر ہاتھ کھینچ لیا اور کہا کہ میں نے اس اُلٹے کپڑے کو اللہ تعالےٰ کے لیے پہنا ہے اس کے حکم سے سیدھا کروں گا۔

حضرت زکریا علیہ السلام کہیں مزدوری کے لیے گئے تھے کچھ لوگ ان کے پاس گئے اس وقت وہ کھانا کھا رہے تھے۔ آپ نے ان کو کھانے کے لیے نہیں بلایا۔ جب کھانے سے فارغ ہو چکے تو کہا کہ اگر میں یہ تمام کھانا نہ کھاتا تو مجھ سے پوری مزدوری نہیں ہو سکتی تھی اور سنتِ سخاوت ادا کرنے کے باعث میں ادائے فرضِ مزدوری سے محروم رہ جاتا۔ اسی طرح حضرت سفیان ثوریؒ کھانا کھا رہے تھے کوئی دوست ان کے پاس آ گیا انہوں نے اس کو کھانے میں شریک نہیں کیا جب کھانے سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ اگر یہ کھانا قرض کا نہ ہوتا تو میں تم کو ضرور شریک کرتا۔ پھر انہوں نے کہا کہ اگر کوئی شخص تم کو کھانا کھانے کے لیے کہے خواہ دل میں وہ تم سے راضی نہ ہو تو اگر تم نے نہیں کھایا تو بلانے والے سے ایک تقصیر ہوئی۔ یعنی نفاق۔ اور اگر تم نے وہ کھانا کھا لیا تو بلانے والے سے دو گناہ ہوئے۔ ایک تو معصیتِ نفاق اور دوسری خیانت۔ یہ کہ بلانے والا کو

بلائے جانے زوار کو ایسی چیز کھلائی کہ اگر کھانے والا اس سے واقف ہوتا تو نہ کھاتا۔

نیت اختیار سے باہر ہے

اے عزیز معلوم کر کہ جب ایک سلیم الطبع شخص کو یہ معلوم ہوگا کہ ہر مباح میں نیت ممکن ہے تو شاید وہ دل میں یا زبان سے کہے کہ میں خدا کے واسطے نکاح کرتا ہوں، کھانا کھاتا ہوں، درس دیتا ہوں اور مجلس حدیث منعقد کر رہا ہوں اور وہ سمجھے گا کہ یہ بھی نیت ہے حالانکہ یہ حدیث نفس یا زبان کی بات ہے کیونکہ نیت تو ایک رغبت ہے جو دل میں پیدا ہو اور انسان کو کسی کام میں مشغول کرے جس طرح ایک شخص کوشش کرتا ہے کہ دوسرا شخص اس کی بات مان کر وہ کام کرے اور یہ نیت اس وقت پیدا ہوتی کہ غرض ظاہر ہو اور دوسرے پر غالب آجائے اور جب یہ تقاضا کرنے والا موجود نہ ہو تو زبان سے نیت کرنا ایسا ہوگا کہ کوئی شکم سیر شخص یہ کہے کہ میں نے بھوکا رہنے کی نیت کی ہے۔ یا کسی شخص سے بے تعلق رہ کر یہ کہے کہ میں شخص کو دوست رکھتا ہوں اور یہ محال ہے یا ایک شخص غلبۂ شہوت کے سبب سے جماع کرتا ہے اور کہتا ہوں کہ ہونے کی خاطر مباشرت کرتا ہوں۔ یہ بالکل لایعنی بات ہے یا نکاح کر کے کہتا ہے کہ میں نے نکاح ادائے سنت کے لئے کیا ہے یہ بات بھی مہمل ہے بلکہ اوّل تو شرع پر ایمان مضبوط ہونے کی ضرورت ہے اس کے بعد ان احادیث میں غور کرے جو ثواب نکاح یا اولاد کے سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں تاکہ اس ثواب کے حصول کی آرزو اس کے دل میں حرکت پیدا کرے اور اس کو نکاح کی طرف مشغول کرے تب اس کو نیت کہا جائے گا۔ جس شخص کو طاعت الٰہی کی حرص نے نماز کے لیے کھڑا کیا ہے وہی نیت ہے اور زبان سے کہنا عبث ہے۔ جیسے بھوکے آدمی کا کہنا کہ میں نے کھانا کھانے کی نیت اس لیے کی ہے کہ میری بھوک رفع ہو جائے کیونکہ بھوکا رہنا تو خود ضرورتاً اس کو اس بات پر متوجہ کرتا ہوں اور جس مقام پر نفس کی لذت پیدا ہو جائے اس مقام پر آخرت کی نیت دشوار ہوتی ہے سوائے اس صورت کے کہ آخرت کے کام کو حظ نفس پر غلبہ حاصل ہو۔ پس اس گفتگو سے ہمارا مقصود یہ ہے کہ تم کو معلوم ہو کہ نیت تمہارے اختیار سے باہر ہے۔ کیونکہ نیت ایک خواہش ہے جو تم کو ایک کام میں مصروف کرتی ہے۔ اور کام البتہ تمہاری قدرت سے ہوتا ہے اگر تم چاہو کرو یا نہ چاہے تو نہ کرو۔ البتہ تمہاری خواہش تمہارے اختیار میں نہیں ہے کہ ایک چیز چاہو یا نہ چاہو، بلکہ خواہش کبھی پیدا ہوتی ہے اور کبھی نہیں پیدا ہوتی اور اس خواہش کے پیدا ہونے کا سبب یہ ہے کہ تم اس بات کے معتقد ہو جاؤ کہ دنیا یا آخرت میں ایک کام سے تمہاری غرض متعلق ہے اس لیے تم اس کے خواہاں ہو۔ جو شخص ان اسرار کو معلوم کر لیگا وہ ایسی بہت سی طاعتوں سے بے تعلق ہو گا جن میں نیت کا اظہار نہیں ہوا ہو گا۔ حضرت ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے جنازہ پر نماز پڑھ کر کہنے لگے کہ میری نیت درست نہیں تھی۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے دریافت کیا کہ آپ نے حماد بن ابی سفیان کے جنازہ پر نماز کیوں نہیں پڑھی حالانکہ وہ کوفہ کے

علمائے کبار میں سے تھے۔ انہوں نے جواب دیا کہ اگر نیت درست ہوتی تو نماز پڑھتا۔ کسی شخص نے شیخ طاؤس رحمۃ اللہ علیہ سے اپنے لیے دعا کی استدعا کی تو انہوں نے جواب دیا کہ نیت پیدا ہوتے تک ٹھہر و۔ جب کبھی ان سے کہا جائے کہ کوئی حدیث بیان فرمایئے تو وہ کبھی بیان نہیں کرتے تھے اور کبھی بغیر فرمائش اور استدعا کے بیان کرنے لگتے اور کہتے کہ میں نیت کے انتظار میں تھا۔ ایک شخص نے کہا کہ میں ایک مہینہ سے کوشش کر رہا ہوں کہ فلاں بیمار کی عیادت کے سلسلہ میں میری نیت درست ہو تو اس کی عیادت کروں لیکن اب تک نیت درست نہیں ہوئی ہے۔

حاصل کلام یہ کہ جس شخص پر دنیا کی حرص غالب ہے ہر کام میں اس کی نیت درست نہیں ہوگی بلکہ وہ فرائض کی ادائیگی میں کوشش سے نیت کو پیدا کرے گا۔ اور ہو سکتا ہے کہ جب تک آتش دوزخ کا خیال نہ کرے اور اس سے نہ ڈرے نیت پیدا نہ ہو۔ جب تک کوئی شخص ان حقائق کو نہ پہچانے گا شاید کہ فضائل کو چھوڑ کر مباحات میں مشغول ہو جائے کہ مباحات کی ادائیگی کی نیت اس کے اندر پیدا ہو گئی ہے مثلاً کسی شخص نے قصاص لینے میں نیت پائی لیکن عفو میں نیت نہیں پائی۔ اس طرح ممکن ہے کہ تہجد کی نماز ادا کرنے کے لئے جلد بیدار ہو جائے گا اس کے لئے نیند افضل ہے۔ بلکہ اگر کوئی شخص عبادت سے ملول ہوا اور سمجھا کہ تھوڑا سا وقت اپنی سے دل بہلائے یا کسی اور شخص سے بات چیت میں وقت گذارے تو اس شخص کے حق میں اس عبادت (نفلی) سے جو ملال آفریں ہے یہ ظرافت اور دل بہلاوا بہتر ہے کیونکہ اس میں نیت بہتر ہے۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ کبھی کبھی میں خود کو لہو ولعب کے ذریعہ آرام دیتا ہوں تاکہ عبادت الٰہی میں نشاط پیدا ہو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر تو دل کو ایک کام میں ہمیشہ جبر سے لگائے رہے گا تو اس کی بینائی ختم ہو جائے گی اور اس کی مثال ایسی ہے کہ طبیب ایسے بیمار کو جو محرور المزاج ہو (جس کے مزاج میں حدت ہو) گوشت کھانے کی اجازت دے دے لیکن اس سے طبیب کی نیت یہ ہو کہ بیمار کی اصل قوت عود کر آئے اور دوا کھانے کی طاقت اس میں پیدا ہو اور کبھی کوئی شخص ایسا کرتا ہے کہ میدان جنگ سے بھاگ جاتا ہے اور اس کا ارادہ یہ ہوتا ہے کہ دشمن پر اس کی پشت سے حملہ کرے یا یک بیک اس پر حملہ کرے اور اساتذہ نے اس قسم کے بہت سے حیلے کئے ہیں۔ راہ دین بھی جنگ و جدل اور بحث و مناظرہ سے خالی نہیں ہے اس میں کبھی نفس کے ساتھ اور کبھی شیطان کے ساتھ مناظرہ ہوتا ہے اور کبھی نرمی اور حیلوں کی بھی حاجت پڑتی ہے۔ اس طریقہ کو بزرگان دین نے پسند کیا ہے۔ اگرچہ علمائے ناقص کو اس کی خبر نہیں ہے۔

فصل ۱:۔ اے عزیز! جب تم کو معلوم ہو گیا کہ جو چیز ایک عمل پر ابھارنے والی ہو۔ اس کے نیت کہتے ہیں۔ اب غور کرو کوئی تو ایسا ہوگا کہ دوزخ کا خوف اس کو اطاعت پر ابھارے گا۔ اور کوئی ایسا ہوگا کہ بہشت کی نعمتوں کی آرزو اسکا باعث ہوگی اور جو کوئی طاعت بہشت کے واسطے

کرتا ہے تاکہ شکم و فرج کی مراد حاصل ہو۔ اور وہ جو دوزخ کے کہ وہ ایسے مقام پر جا پہونچے جہاں شکم و فرج
کی مراد حاصل ہو۔ اور وہ جو دوزخ کے ڈر سے ایک کام کرے وہ اس سے بھی بدتر اور ادنیٰ غلام ہے
جو بغیر تنبیہ اور مار پیٹ کے کام نہیں کرتا۔ یہ دونوں عامل ایسے ہیں۔ جو خداوند تعالیٰ سے سروکار
نہیں رکھتے (بلکہ دوزخ کے خوف سے برُے کام نہیں کرتے) اور بندہ خاص وہ ہے اور
بندۂ پسندیدہ وہ ہے کہ وہ جو کچھ کرتا ہے خدا کے لئے کرتا ہے نہ کہ دوزخ سے بچنے اور بہشت کے حصول کے
لئے اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص جو اپنے معشوق کو دیکھتا ہے وہ بس معشوق ہی کے لئے دیکھتا ہے
غرض تو یہ نہیں ہوتی کہ اس کے بدلے محبوب اس کو سیم وزر دے گا۔ اور جو کوئی سیم وزر کی خاطر
دیکھتا ہے تو اس کا محبوب سیم وزر ہے پس جو کوئی ایسا ہے کہ جمال و جلال الٰہی اس کا محبوب نہیں ہے
تو اس سے خالص نیت نہ ہو سکے گی اور جو کوئی طالب مولیٰ ہے۔ وہ ہمیشہ جمالِ الٰہی کی فکر میں رہے گا۔
اور اس کی گفتگو مناجات ہو گی۔ اور اگر وہ جسم سے طاعت کریگا تو اس واسطے کریگا کہ وہ اپنے محبوب کی
اطاعت کرنا پسند کرتا ہے اور اس کو یہ محبوب ہے اور چاہتا ہے کہ اپنے جسم کو مصروف رکھے تاکہ یہ جسم
جمالِ الٰہی کی دید سے اس کو باز نہ رکھے۔ ایسا شخص معصیت کو اس وجہ سے ترک کرے گا کہ خواہشات
کی پیروی مشاہدہ جمال الٰہی کی لذت سے مانع ہوتی ہے۔ حقیقت میں عارف کامل ایسا ہی شخص ہے
منقول ہے کہ احمد بن خضرویہ نے خداوند تعالیٰ کا عالم خواب میں دیدار کیا کہ وہ فرماتا ہے کہ سب لوگ مجھ
سے کچھ چیز طلب کرتے ہیں لیکن ابو یزید خود مجھے مانگتا ہے۔ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کو کسی شخص نے خواب
میں دیکھا اور پوچھا حق تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ مجھ پر عتاب فرمایا
گیا۔ کیونکہ ایک بار میں نے زبان سے یہ کہدیا تھا کہ بہشت سے محروم رہنا بندہ کے بڑے نقصان اور محرومی کا
سبب ہے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا ایسا مت کہہ! بلکہ میرے دیدار سے محروم رہنا بڑے نقصان کا موجب ہے
اس دوستی ولذت کی حقیقت، محبت کی اصل کے سلسلہ میں بیان کی جائے گی۔
انشاءاللہ تعالےٰ

اصلِ پنجم

فضیلت اخلاص اور اس کی حقیقت و درجات

اخلاص کی فضیلت

ہم پہلے اخلاص کی فضیلت کے سلسلہ میں بتانا چاہتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ ارشاد فرماتا ہے وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ ۵ (حالانکہ ان لوگوں کو یہی حکم ہوا تھا کہ اللہ کی عبادت اسی کے لئے خاص رکھیں اور فرمایا اَلَا لِلّٰہِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ ط ہاں خالص اللہ ہی کی بندگی ہے) حاصل ان دونوں آیات کریمہ کا یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے بندوں کو فرمایا ہے کہ وہ اس کی بندگی اخلاص کے ساتھ کریں اور خالص دین خداوند کریم ہی کے لئے ہے۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حق تعالےٰ فرماتا ہے کہ اخلاص میرے بھیدوں میں سے ایک بھید ہے جس کو میں نے اپنے بندہ کے دل میں رکھ دیا ہے جو میرا دوست ہے۔ اے معاذ! اخلاص کے ساتھ عمل کرتا کہ تھوڑا عمل بھی تیرے لئے کافی ہو

وہ باتیں جو ریا کی مذمت میں ہم نے بیان کی ہیں ان سب میں اخلاص کا بیان ہے کیونکہ لوگوں کو اپنے اعمال جتلانا بھی ان اسباب میں سے ایک سبب ہے جو اخلاص کو قطع کرتے ہیں اس کے علاوہ دوسرے اسباب اور بھی ہیں۔ حضرت معروف کرخی خود کو کوڑے سے مارتے اور فرماتے اے نفس اخلاص کیا کرتا کہ تجھے خلاصی ہو۔ شیخ ابو سلیمان درانی نے کہا کہ وہ شخص نیک بخت ہے جو تمام عمر میں ایک بار اخلاص کے قدموں سے چلا اور اس کام میں اس نے رضائے الٰہی کے سوا اور کچھ نہ چاہا۔ شیخ ابو ایوب سجستانی نے کہا ہے۔ کہ نیت میں اخلاص، اصل نیت سے دشوار ہے۔

ایک شخص کو کسی نے خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ حق تعالیٰ نے تجھ سے کیسا سلوک کیا۔ اس نے جواب دیا کہ میں نے جو کچھ اس کے لئے کیا تھا اس کو میں نے نیکیوں کے پلڑے میں دیکھا یہاں تک کہ انار کا ایک دانہ جو زمین سے اٹھایا تھا اور ایک بلی جو میرے گھر میں مری تھی۔ میری ریشم کی ٹوپی کا ہر تار میں نے حسنات کے پلڑے میں دیکھا میرا ایک گدھا تھا جسے میں نے سو دینار میں خرید اتھا اور وہ مر گیا لیکن وہ میرے حسنات کے پلڑے میں نہیں ہے میں نے کہا سبحان اللہ۔ اس میں کیا راز ہے کہ بلی حسنات کے پلڑے میں

ہو اور گدھا نہ ہو جب میں نے یہ خیال کیا تب ملائکہ نے مجھ سے کہا کہ تو نے گدھے کو جہاں بھیجا تھا وہ وہاں پہونچ گیا کیونکہ جب تو نے یہ سنا تھا کہ وہ مرگیا تو نے لعنۃ اللہ کہا اگر تو فی سبیل اللہ کہتا تو گدھا بھی حسنات کے پلڑے میں ہوتا۔ انہوں نے کہا کہ ایک بار میں نے خدا کے راستہ میں صدقہ دیا لوگ میرا صدقہ دینا دیکھ رہے تھے۔ ان کا وہ دیکھنا مجھ کو پسند نہ آیا اس طرح اس صدقہ نے نہ مجھے نفع پہونچایا نہ نقصان۔ یہ سن کر سفیان ثوری نے کہا کہ اس نے بڑی دولت پائی جو اس صدقہ نے اس کو ضرر نہیں پہونچایا۔ ایک شخص نے کہا کہ میں کشتی میں سوار جہاد کے لئے جارہا تھا ہمارا ایک ساتھی توبڑا بیچ رہا تھا میں نے اپنے دل میں کہا کہ میں اس سے یہ توبڑا لے لوں گا۔ اور اس کو فلاں شہر میں بیچوں گا تاکہ کچھ فائدہ حاصل کروں۔ اس شب میں نے خواب میں دیکھا کہ دو شخص آسمان سے اتر رہے ہیں۔ ایک نے دوسرے سے کہا کہ نمازیوں کے نام میں فلاں شخص کا نام تحریر کرو کہ وہ محض تماشہ دیکھنے آیا تھا اور فلاں شخص تجارت کی غرض سے! پھر میری طرف دیکھ کر کہا کہ اس کا نام بھی تجارت کی غرض سے آنے والوں میں لکھو۔ یہ سن میں نے کہا کہ خدا کے واسطے مجھ پر رحم کرو میرے پاس کچھ بھی مال تجارت نہیں ہے میں تجارت کے لئے کس طرح آسکتا ہوں۔ میں نے محض اللہ کے لئے آیا ہوں۔ تب فرشتہ نے کہا کہ اے شیخ کیا تم نے وہ توبڑا اپنے فائدہ کے لئے نہیں خریدا تھا۔ یہ سن کر میں رو دیا اور میں نے کہا میں سوداگر نہیں ہوں دوسرے نے کہا کہ تم لکھو لو فلاں شخص جہاد کے لئے آیا تھا اور راستہ میں نفع کمانے کے لئے توبڑا خرید لیا۔ حق تعالیٰ اپنی مرضی کے مطابق اس کے بارے میں فیصلہ فرمائے۔ اسی بنا پر بزرگوں نے کہا ہے کہ ایک گھڑی کے اخلاص میں بندہ کی نجات ہے۔ لیکن اخلاص ہر کسی سے نہیں ہو سکتا اس سلسلہ میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ علم تخم ہے عمل کشاورزی ہے اور اخلاص (اس کے سرسبز و شاداب ہونے کے لئے) پانی ہے۔

منقول ہے کہ بنی اسرائیل کے ایک عابد سے لوگوں نے کہا کہ فلاں جگہ ایک درخت ہے لوگ اس کی پرستش کرتے ہیں اور اس کو خدا سمجھتے ہیں۔ یہ سن کر عابد کو غصہ آیا اور ایک تبر کاندھے پر رکھ کر اس درخت کو کاٹنے کے لئے روانہ ہوگیا۔ راستہ میں اسے ایک بوڑھے شخص کی صورت میں ابلیس ملا اور پوچھا کہاں جانے ہو اس نے کہا فلاں درخت کاٹنے کے لئے جاتا ہوں ابلیس نے کہا جاؤ خدا کی عبادت کرو۔ عبادت میں مشغول رہنا تمہارے اس کام سے بہتر ہے۔ عابد نے کہا میں ہرگز واپس نہیں جاؤں گا۔ کہ اب میری عبادت یہی ہے۔ ابلیس نے کہا میں تم کو نہیں جانے دوں گا۔ اور وہ عابد سے لڑنے لگا۔ عابد نے ابلیس کو زمین پر پٹخ دیا۔ اور اس کے سینہ پر چڑھ بیٹھا تب ابلیس نے کہا میری ایک

بات سن لو عابد نے کہا کہ کہہ کیا کہتا ہے ابلیس نے کہا کہ خدا کے ہزاروں پیغمبر ہیں اگر اس درخت کا کاٹنا اللہ کو منظور ہوتا تو اپنے کسی پیغمبر کو حکم فرماتا اور اس نے حکم تو تم کو بھی نہیں دیا ہے پس یہ کام کیوں کرتے ہو عابد نے کہا کہ میں ضرور یہ کام کروں گا۔ ابلیس نے کہا کہ میں تم کو نہیں جانے دوں گا دونوں پھر لڑنے لگے۔ عابد نے ابلیس کو پٹخ دیا۔ ابلیس نے کہا مجھے چھوڑ دو۔ میں ایک بات کہتا ہوں اگر پسند نہ آئے تو پھر جو جی چاہے کرنا یہ سن کر عابد نے اپنا ہاتھ روک لیا۔ ابلیس نے کہا کہ اے عابد تمہاری معاش قلیل ہے جو کچھ لوگ تم کو دے دیتے ہیں اس پر تمہاری گذر رہے اگر تمہارے پاس کافی مال ہو تو خود اپنے کام میں بھی لاؤ اور دوسرے درویشوں پر بھی خرچ کرو۔ تم جھاڑ کو مت کاٹو۔ اگر تم نے درخت کاٹ بھی دیا تو بت پرست دوسرا درخت لگا دیں گے اور ان کا کچھ نقصان نہ ہوگا۔ اگر تم نے درخت نہیں کاٹا اور تم اس خیال سے باز رہے تو میں ہر صبح تمہارے بستر کے نیچے دو دینار رکھ دیا کروں گا۔ عابد نے خیال کیا کہ ابلیس ٹھیک ہی کہہ رہا ہے۔ میں ان دو دیناروں میں سے ایک دینار صدقہ کر دیا کروں گا۔ اور ایک اپنے خرچ میں لاؤں گا اور یہ اس درخت کے اکھیڑنے سے زیادہ اچھا ہے کہ نہ تو مجھے درخت اکھیڑنے کا حکم ملا ہے اور نہ میں پیغمبر ہوں کہ یہ کام مجھ پر واجب ہو۔ غرض اسی خیال میں محو وہ اپنے گھر واپس آگیا اس کے تین دن تک دو دینار ملتے رہے۔ عابد نے کہا کہ اچھا ہی ہوا جو اس نے درخت کو نہیں کاٹا۔ چوتھے دن عابد کو یہ دینار نہیں ملے سخت غصہ آیا اور تبر اٹھا کر درخت کاٹنے روانہ ہو گیا۔ ابلیس نے پھر راستہ میں آلیا اور پوچھا کہ کہاں چلے؟ عابد نے کہا کہ فلاں درخت کاٹنے جا رہا ہوں۔ ابلیس نے کہا تم جھوٹے بول رہے ہو خدا کی قسم اب تم درخت نہ کاٹ سکو گے! یہ سنتے ہی دونوں لڑنے لگے اور دو تین جھٹکوں ہی میں ابلیس نے عابد کو پٹخ دیا اور یہ اس کے ہاتھ میں بالکل چڑیا کی طرح حقیر و بے بس ہو رہا تھا۔ ابلیس نے کہا کہ ابھی واپس چلے جاؤ ورنہ سر کاٹ کے پھینک دوں گا۔ عابد نے نہایت عاجزی کے ساتھ کہا کہ مجھے چھوڑ دو میں واپس چلا جاؤں گا۔ لیکن مجھے اتنا بتا دے کہ پہلے دو مرتبہ میں تجھ پر غالب آیا اور اب تو مجھ پر غالب آگیا اس کا سبب کیا ہے؟ ابلیس نے جواب دیا کہ اوّل تو خدا کے واسطے غصہ میں آیا تھا۔ تب خدا نے مجھ کو مغلوب کر دیا تھا اور جو کوئی کچھ کام خدا کے واسطے اخلاص سے کرتا ہے اس پر میرا زور نہیں چلتا اور اس بار تیرا غصہ محض دیناروں کے سبب سے تھا۔ اس لئے جو شخص حرص و ہوا کا تابع ہو وہ ہم پر غالب نہیں آسکتا۔

اخلاص کی حقیقت

اے عزیز! معلوم ہونا چاہیئے کہ جب تم کو یہ معلوم ہو گیا کہ نیت کسی عمل کے محرک اور متقاضی کو کہتے ہیں یہ باعث اور محرک اگر ایک ہے تو اس نیت کو خالص کہتے ہیں اور جب دو یا دو سے زیادہ چیزیں اس عمل کا محرک یا باعث ہوں تو چونکہ اس میں شرکت ہوئی اس لئے وہ خالص نہ رہی۔ اس شرکت کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص نے خدا کے واسطے روزہ رکھا لیکن اس کے ساتھ ہی اس کا مطلب روزہ رکھنے سے یہ بھی تھا کہ کھانا ترک کرنے سے تندرستی حاصل کرے ساتھ ہی خرچ اس طرح کم ہو جائے یا کھانا پکانے کی محنت سے نجات حاصل ہو یا اطمینان کے ساتھ ایک کام کو انجام دے سکے یا یہ کہ صوم کے سبب سے بیدار رہے اور بیدار رہ کر کچھ کام کر سکے۔

یا ایک شخص نے غلام آزاد کیا تاکہ اس کے نفقہ سے بچے یا اس کی بدخوئی سے محفوظ رہے یا حج کے لئے گیا تاکہ سفر اور راستہ کی ہوا سے قوت اور تندرستی حاصل ہو اور دوسرے ملکوں کی سیر کرے اور وہاں کا لطف اٹھائے تاکہ بیوی بچوں کے جھگڑوں سے کچھ دنوں کے لئے سکون میسر ہو یا کسی دشمن کی ایذا رسانی سے محفوظ رہے یا رات میں اس لئے نماز پڑھتا ہے کہ نیند نہ آئے اور اپنا سامان تیار کرے یا جاگ کر علم حاصل کر رہا ہے تاکہ روزی حاصل ہو یا اس کے ذریعہ مال و متاع، باغات اور زمین حاصل کرے یا لوگوں کی نظر میں معزز ہو یا اس کے جاگ کر سبق پڑھاتا ہے اور مجلس حدیث منعقد کرتا ہے۔ تاکہ خاموشی کی تکلیف سے محفوظ رہے اور آزردہ خاطر نہ ہو یا کلام پاک کی کتابت کرتا ہے تاکہ خط سنبھل جائے اور پختگی آجائے یا ایک شخص حج کو پیادہ جا رہا ہے تاکہ سواری کا کرایہ بچ جائے یا وضو کرتا ہے تاکہ تازگی اور فرحت حاصل ہو یا غسل کرتا ہے تاکہ بدن میں سبکی یعنی ہلکاپن پیدا ہو یا مسجد میں اعتکاف اور رہنا اختیار کرے تاکہ گھر کا کرایہ نہ دینا پڑے یا کسی سائل کو خیرات دیتا ہے تاکہ اس کے عجز و الحاح سے آزاد ہو یا کسی بیمار کی عیادت کے واسطے جاتا ہے تاکہ لوگ آئندہ اس کی بیمار پرسی کے لئے آئیں یا اس پر ملامت و عتاب نہ کریں یا کوئی اور نیک کام کرتا ہے تاکہ وہ نیکی میں مشہور ہو یہ سب کچھ ریا ہے اور ریا کا جو کچھ حکم ہے وہ اس سے قبل بیان کیا جا چکا ہے ایسے تمام خیالات اخلاص کے باطل کرنے والے ہیں خواہ وہ تھوڑا یا زیادہ ہو بلکہ عمل خالص وہ ہے کہ جس میں اپنا کچھ فائدہ نہ ہو۔ بلکہ وہ محض اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ چنانچہ لوگوں نے سرور کونین صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اخلاص کس کو کہتے ہیں آپ نے فرمایا ان تقول ربی اللہ ثم استقم کما امرت (تو کہے کہ میرا صاحب و مالک اللہ ہے پھر جس کا تجھے

حکم دیا گیا ہے اس پر ثابت قدم رہے) اخلاق ہے۔ انسان جب تک صفات بشری سے نہیں نکلے گا اس سے اخلاص کا سرزد ہونا بہت دشوار ہے۔ اسی وجہ سے بزرگوں نے کہا ہے کہ اخلاق سے زیادہ کوئی مشکل کام نہیں ہے اگر تمام عمر میں ایک کام بھی اخلاق سے کرے تو نجات کی امید ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ایک خالص کام کو انسانی مطالب و مقاصد سے پاک اور عاری رکھنا ایسا مشکل ہے جیسے دودھ فضلہ اور خون کے درمیان سے اللہ تعالیٰ نے نکالا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

مِنۡۢ بَيۡنِ فَرۡثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيۡنَ ۝ گوبر اور لہو میں سے صاف، ستھرا خوشگوار دودھ پینے والوں کے لئے (پیدا فرمایا)

پس اس کا علاج یہ ہے کہ دنیا سے دل کو نہ لگایا جائے تاکہ محبت الٰہی غالب آجائے اور یہ شخص اس عاشق کی طرح ہو جائے جو ہر کام صرف اپنے معشوق کے لئے کرتا ہے۔ یہاں تک ممکن ہے کہ یہ شخص اگر کھانا کھائے یا ایسا ہی کوئی اور معمولی کام کرے اس میں بھی اخلاص کی نیت کرے اور جس شخص پر دنیا کی محبت غلب ہے ممکن ہے کہ وہ نماز اور روزہ میں بھی اخلاص نہ کر سکے۔ کیونکہ انسان کے اعمال اس کے دل کی صفت کو قبول کرتے ہیں اور دل کی رغبت جس طرف ہو اسی طرف کو مائل ہوتے ہیں۔ جس آدمی پر جاہ کی محبت غالب ہوتی ہے اس کے سارے کام ریا کے لئے ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ صبحدم منہ دھونا اور کپڑے پہننا بھی مخلوق کے لئے ہوتا ہے۔ تعلیم اور روایت حدیث کی مجلس جیسے عظیم اور نیک کاموں میں جن کا تعلق خلائق سے ہے اخلاص نیت دشوار ہے کیونکہ اس کا باعث یہ ہوتا ہے کہ خلق خدا میں مقبول ہوں یا اس کے ساتھ دوسری نیت بھی شریک ہوتی ہے اس صورت میں قبولیت کا قصد، الٰہی تقرب کے قصد کے برابر ہو گا یا اس سے زیادہ یا کم ہو گا لیکن نیت کو قبول خلائق کے ارادہ سے پاک رکھنا اکثر علمائے کے لئے بھی دشوار ہوتا ہے۔ مگر بعض احمق اور نادان اپنے آپ کو مخلص سمجھتے ہیں اور فریب کھاتے ہیں۔ اور اپنا عیب نہیں پہچانتے ہیں بلکہ بعض دانا اور ذی ہوش لوگ بھی اس معاملہ میں عاجز اور حیران ہیں۔

کسی بزرگ نے کہا ہے کہ میں نے تیس سال کی نماز قضا کی جسے میں نے ہمیشہ پہلی صف میں کھڑے ہو کر ادا کیا ہے اس کا باعث یہ ہوا کہ ایک دن میں مسجد میں دیر سے آیا آخری صف میں جگہ ملی سمجھا دل میں یہ شرمندگی پیدا ہوئی کہ لوگ مجھے دیکھ کر کہیں گے کہ میں آج دیر سے آیا ہوں اس وقت میں سمجھا کہ مجھے اس بات سے خوشی ہوئی تھی کہ لوگ مجھے پہلی صف میں دیکھیں۔ (چنانچہ یہ تمام نمازیں اکارت گئیں اور میں نے نمازیں قضا کیں)

پس اے عزیز! اخلاص وہ شئے ہے جس کا جاننا دشوار اور بجالانا دشوار تر ہے۔ اور وہ عمل جس میں دوسرے

مقاصد شریک ہوں اور اخلاص نہ ہو اللہ تعالےٰ کے حضور میں قبول نہ ہوگا۔

فصل ۱:۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ عالم کی دو رکعت نماز جاہل کی سال بھر کی عبادت سے بہتر ہے کیونکہ عبادت کا کھوٹا پن سکّہ کے کھوٹے پن کی طرح ہے۔ کہ بعض اوقات انسان اس کے پرکھنے میں غلطی کرتا ہے۔ لیکن جو صرّاف کامل ہے وہ ضرور اس کو پرکھ سکتا ہے لیکن تمام جُہلا یہی سمجھتے ہیں کہ سونا وہی ہے جو پیلا اور چمکیلا ہو۔ اور عبادت کی کھوٹ جو اخلاص کو دور کر دیتی ہے چار قسم کی ہے۔ ان میں بعض اقسام بہت ہی مخفی رہتی ہیں۔ ہم ان اقسام کو ریا کی طرح فرض کیے لیتے ہیں تاکہ حقیقت حاصل معلوم ہو جائے۔

پہلی قسم یہ ہے کہ ایک شخص نماز تنہا پڑھ رہا تھا اس وقت کچھ اور لوگ بھی آگئے تو شیطان نے اس کے دل میں یہ بات ڈالی کہ اب اچھی طرح عبادت کر کہ لوگ ملامت نہ کریں

دوسری قسم یہ کہ اس نمازی نے شیطان کے اس فریب کو سمجھ لیا اور اس سے بچ گیا لیکن شیطان نے ایک اور فریب میں ڈال دیا اور کہا کہ نماز بخوبی ادا کر تاکہ لوگ تجھ کو بہت بڑا عبادت گذار سمجھ کر تیری اقتدا کریں۔ اور تجھ کو ان کی اقتدا کا ثواب حاصل ہو۔ ممکن ہے کہ یہ اس فریب میں آجائے اور اس بات کو نہ سمجھے کہ اقتداء کا ثواب تو اس وقت ملے گا کہ اس کے خضوع اور خشوع کا نور دوسروں کے دل میں سرایت کر جائے لیکن جب امام صاحب ہی میں خشوع نہیں ہے اور لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ صاحب خشوع ہے تو ایسا سمجھنے والوں کو ثواب ملے گا۔ یہ خود نفاق کے مواخذہ میں گرفتار ہوگا۔

تیسری قسم یہ سمجھنا ہے کہ خلوت میں جلوت کے مقابلہ میں نماز پڑھنا نفاق ہے لیکن وہ خلوت میں کوشش کرتا ہے کہ نماز اچھی طرح پڑھی جائے تاکہ اس عادت کے استوار ہونے کے بعد وہ جلوت وظاہر میں بھی اسی طرح پڑھ سکے یہ ایک باریک نکتہ ہے اور ریا بھی ہے لیکن یہ ریا اسی کے ساتھ ہے جو خلوت میں اخلاق کی کوشش کرتا ہے تاکہ جماعت اور جلوت میں بھی ویسی ہی عبادت کر سکے اور وہ اپنے خیال میں سمجھتا ہے کہ جماعت میں وہ ریا سے محفوظ رہا۔ لیکن اس نے خلوت میں خود ریا کیا۔

چوتھی قسم یہ ہے کہ جانتا ہے کہ خشوع اور خضوع خواہ وہ جلوت ہو یا خلوت محض لوگوں کے دکھاوے کے لئے اچھا نہیں ہے لیکن شیطان اس کو اکساتا ہے اور اس کو سمجھاتا ہے کہ تو خداوند تعالیٰ کی عظمت کا خیال کر، کیا تجھے خبر نہیں کہ تو کسی کے روبرو کھڑا ہے۔ تب وہ شخص اس طرف خیال کر کے خشوع اختیار کرتا ہے۔ اور خود کو لوگوں کی نظر میں خشوع سے آراستہ کرتا ہے۔ اگر خلوت میں اس قسم کا خطرہ اس کے دل میں پیدا نہیں ہوتا تو اس کا باعث ریا ہے۔ لیکن جب اس کو عظمت الٰہی یاد آتی ہے۔ اور سمجھتا ہے کہ لوگوں کا دکھانا

بیکار اور اکارت ہے اس کی نظر میں مخلوق کا پاس نظر اور جانوروں کی نظر یکساں ہو جانا چاہیئے ان دونوں میں فرق نہ کرے۔ اگر فرق کرے گا تو ریا سے خالی نہ ہوگا۔

یہ مثال جو ریا کے باب میں پیش کی گئی ہے۔ ان دوسری غرضوں میں بھی جو اس سے قبل بیان ہو چکی ہیں پیش کی جا سکتی ہے۔ ان میں بھی شیطان کا فریب موجود ہے۔ جو شخص ان باریکیوں کو نہ سمجھے گا عبادت کا اجر اس کو نہیں ملے گا۔ ایسا شخص صرف اپنی جان کو گھلا رہا ہے۔ اور جو کچھ وہ کر رہا ہے۔ وہ سب کا سب ضائع ہوگا۔ اور بدالھم من اللہ مالم یکونوا یحتسبون (ظاہر ہوا ان کے لئے خدا کی طرف سے وہ کچھ جو ان کے شمار و حساب میں نہیں تھا) ایسے ہی لوگوں کے حق میں نازل ہوئی ہے۔

فصل:۔ اسے عزیز معلوم کر کہ جب ایک عبادت میں دوسرے مقاصد شریک ہو جاتے ہیں یا اگر ریا یا کسی دوسرے مقصد اور غرض کی نیت پر غالب ہوتی ہے تو عقوبت کا باعث ہوگا۔ اگر مساوی ہے تو اس میں نہ عذاب ہے نہ ثواب! اگر ریا کی نیت ضعیف ہے تو عمل ثواب سے خالی نہیں ہوگا۔ احادیث شریفہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب نیت میں شرکت ہو اور خلوص نہ رہے تو خداوند تعالیٰ کا حکم ہوگا کہ جا اور ثواب اس شخص سے طلب کر جس کے دکھانے اور بتلانے کو تو نے یہ عمل کیا تھا۔ ہمارے نزدیک ظاہراً اس سے مراد یہ ہے کہ قصد ریا اور قصد عبادت اگر دونوں برابر ہوں تو اس صورت میں ثواب نہیں ملے گا۔ اور کہا جائے گا کہ جس کے جتلانے اور بتلانے کی خاطر تو نے اے بندے! یہ عبادت کی تھی اسی سے اجر طلب کر اور جہاں عقوبت اور سزا پر حدیث صاف صاف دلالت کرتی ہے۔ وہاں مراد یہ ہے کہ عابد کا تمام تر قصد ریا یا قصد پر ریا کا غلبہ ہو لیکن عمل کا محرک اصلی قصد تقرب ہو اور دوسرا قصد ضعیف ہو تو ثواب کی اُمید ہے۔ اگرچہ نیت خالص کا ثواب نہ ملے اس امر کی دو دلیلیں ہیں ایک دلیل تو یہ ہے کہ ہم کو برہان سے معلوم ہوا ہے کہ عقوبت کے معنیٰ یہ ہیں کہ آدمی کا دل بارگاہ الٰہی سے دور ہو جائے اسی لئے وہ محرومی کی آگ میں جلے گا۔ اور جب تقریب کی نیت کرے گا تو سعادت سے بہرہ ور ہوگا اور جب دنیا کا قصد کرے گا تو شقاوت حصہ میں آئے گی اور جب اس ان دونوں قصدوں کی مدد کی تو گویا دونوں کو مان لیا۔ ایک قصد اس کی دوری کا سبب اور دوسرا اس کی قربت کا موجب ہوتا ہے جب دونوں برابر ہوں تو ایک قصد اس کو بالشت کے برابر دور کر دے گا اور دوسرا قصد ایک بالشت نزدیک کر دے تو اس صورت میں جہاں وہ پہلے تھا اسی جگہ پر پھر کر آگیا اور اگر نصف بالشت نزدیک کر دے تو ایک کو دوری حاصل ہوگی اور اگر نصف بالشت ایک کو دور کر دیا جائے تو ایک نزدیک ہو جائے گا۔ مثلاً ایک بیمار ایک ایسی چیز کو جو دوسرے درجہ میں حار تھی کھا گیا یا اس کے بعد ایک ایسی چیز کھائی جو دوسرے درجہ میں بارد ہو تو اس طرح حار اور بارد

دونوں مل کر برابر ہو جائیں گے۔ لیکن اگر بارد کو کم کھایا تو حرارت میں کچھ اضافہ ہوگا۔ اور اگر بارد کو بڑھا دیا ہے۔ تو حرارت کچھ کم ہو جائے گی دل کو روشن یا تاریک کرنے کے بعد معصیت وطاعت کا اثر بھی دوا کے پاس مذکورہ اثر کی طرح ہے جو بدن میں ہوتا ہے اور اس سے مشابہ ہے۔ ایک ذرہ بھی اس سے ضائع نہ ہوگا اور یہ کمی اور زیادتی ترازو ٹے عدل سے معلوم ہو جائے گی۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرًا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرًا یرہ (جو کوئی ایک ذرہ کے برابر بھلائی کرے گا اس کو دیکھے گا اور جو کوئی ایک ذرہ کے برابر برائی کرے گا اس کو دیکھے گا) لیکن اس باب میں احتیاط کرنا زیادہ بہتر ہے۔ ممکن ہے کہ قصد غرض قوی ہو اور آدمی اس کو ضعیف سمجھے اور عمل کی سلامتی اس میں ہے کہ اس میں غرض نفسانی کا ہرگز دخل نہ ہونے پائے۔

اور دوسری دلیل یہ ہے کہ اجماع سے ثابت ہوا ہے کہ اگر کوئی شخص حج کے راستہ میں تجارت کا قصد بھی رکھتا ہے تو اس کا حج ضائع نہیں ہوگا اگرچہ ثواب اتنا نہیں ملے گا جتنا فقط حج کے طالب کا ہوتا ہے کیونکہ اس کا اصل ارادہ حج ہے اور تجارت قصد اس کا تابع ہے اس لئے یہ قصد حج کے ثواب کو کامل طور پر باطل نہیں کرے گا اگرچہ ایک نقصان کا موجب ہے۔

اسی طرح جو شخص تونگر اور مالدار ہے اس پر جہاد کرنے سے لوٹ کا مال بہت ملے گا۔ دوسری طرف یہ ہے کہ مفلس اور درویش نے تونگر کا قصد کیا تو اس صورت میں ثواب جہاد پورا حاصل نہ ہوگا۔ کیونکہ انسان کو بالطبع مال وثروت سے لگاؤ ہے۔ اور اگر محض تمول اور مال غنیمت کے حصول کے لئے جہاد کو نکلا ہے تو ثواب حاصل نہیں ہوگا۔ کیونکہ ایسی شرط اور خواہش کے ساتھ کوئی عمل مقبول نہیں ہوتا۔ خصوصاً مجلس حدیث ووعظ اور درس نیز تصنیف وتالیف جس کا تعلق مخلوق سے ہے کیونکہ انسان کو جب تک یکبارگی نفسانیت اور خودی سے نہ نکالیں وہ مال وثروت کے لگاؤ سے خالی نہ ہوگا۔ مثلاً کوئی یہ گوارا نہیں کرے گا کہ اس کی تصنیف کو کسی دوسرے نام سے منسوب کر دیا جائے یا اس کی تقریر یا مقولہ کسی دوسرے کے نام سے پیش کیا جائے۔

صدق کی حقیقت

اے عزیز معلوم ہونا چاہیئے کہ صدق اخلاص سے بہت قریب ہے۔ صدق کا بڑا درجہ ہے جو شخص اس کے مرتبۂ کمال کو پہونچ جائے اُسے صدیق کہتے ہیں۔ حق تعالیٰ نے قرآن پاک میں اس کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا۔

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ج — ایسے لوگ ہیں کہ انہوں نے اللہ سے جو عہد کیا تھا اس کو سچ کر دکھایا۔

مزید ارشاد فرمایا۔

لِيَسْئَلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ ج — سچ بولنے والے لوگ اپنے سچ کے بارے میں پوچھے جائیں گے۔

حضور سرور کونین صلے اللہ علیہ وسلم سے لوگوں نے دریافت کیا کہ آدمی کا کمال کس چیز سے ہے۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ راستیٔ قول اور صدق عمل :۔ اس اہمیت کے باعث صدق کے معنی پہچاننا ضروری ہے۔ صدق راستی کو کہتے ہیں اور اس کا تعلق چھ چیزوں سے ہے یعنی یہ راستی چھ چیزوں میں ہوتی ہے۔ اور جو کوئی ان چھ چیزوں میں کامل ہو وہ صدیق ہے۔ صدق اول زبان کا ہے کہ انسان کبھی جھوٹ نہ بولے نہ گذرے ہوئے زمانہ کی خبر میں نہ زمان حال میں اور نہ اس وعدہ میں جو آئندہ کے واسطے کیا ہے کیونکہ اس کے بعد آدمی کا دل زبان کی جگہ لے لیتا ہے۔ کج اور جھوٹ بات کہنے سے کج ہوگا اور راست کہنے سے راست ہوگا۔ صدق زبان کا کمال یہ ہے کہ کنایۃً بھی بات چیت نہ کرے کہ اس نے سچ کہا اور دوسرا شخص اُسے کچھ سمجھا اور اگر قائل ایسی جگہ ہے۔ جہاں سچ کہنا مصلحت کے مناسب نہیں ہے مثلاً جنگ یا بیوی، یا دشمن سے بات کرنا پڑے یا مسلمانوں کے مابین صلح کرانا مقصود ہو تو دروغ کہنے کی رخصت ہے لیکن اس صورت میں بھی کمال یہ ہے کہ ان مواقع پر حتی الامکان کنایۃً بات کہے (بات کنایہ میں کہے) صاف جھوٹ نہ بولے پس اس کا اس طرح کہنا جبکہ اس کی نیت حق تعالیٰ کے واسطے ہو اور جو کچھ کہا ہے مصلحت کی خاطر کہا ہے وہ درجہ

صدق سے نہیں گرے گا۔

دوسرا کمال یہ ہے کہ حق تعالیٰ سے جو مناجات انسان کرتا ہے اس میں صادق رہے۔ مثلاً اس نے مناجات میں کہا۔ وجہت وجہی للذی فطر السمٰوٰت (میں نے اپنے منہ کو اس کی طرف پھیرا جس نے آسمان کو پیدا کیا) اور اس کا دل (خداوند تعالیٰ کے بجائے) دنیا کی طرف متوجہ ہے تو وہ اپنے قول میں کاذب ہوا اور خدا کی طرف متوجہ ہوا اور جب اس نے کہا کہ ایاک نعبد (میں تیری ہی عبادت کرتا ہوں) اقرار کے باوجود دنیا پرستی اور شہوت پرستی کرتا ہے۔ اور وہ خواہشات کو مغلوب نہ کر سکا بلکہ وہ خود خواہشات کا مغلوب ہو گیا تو اس صورت میں وہ جھوٹا ہو گیا۔ اسی بناء پر حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے (تعس عبد الدرھم وعبد الدینار (یعنی بندۂ درہم و دینار ذلیل وخوار ہے) اس کو زروسیم کا بندہ قرار دیا گیا ہے۔ بلکہ وہ جب تک ساری دنیا سے آزاد نہ ہو خدا کا بندہ نہ ہوگا اور دنیا سے آزاد ہونے کا کمال یہ ہے کہ اپنے سے ہی آزاد ہو جائے جس طرح خلائق سے آزاد ہو گیا ہے تاکہ حق تعالےٰ کے سوائے کوئی دوسری شئ اس کو محبوب ومطلوب نہ ہو اور رضائے الٰہی پر راضی رہے۔ بندگی کا کمال صدق یہی ہے جس کو یہ درجہ حاصل نہ ہو اس کو بندگی میں صدیق نہیں کہا جائے گا۔ بلکہ وہ صادق بھی نہیں ہو سکتا۔

صدق دوم نیت کا صدق ہے کہ ہر ایک تقریب کے کام میں حق تعالیٰ کے سوائے اور کچھ اس کا مقصد نہ ہو۔ اور نہ کسی کو شریک بنائے اور یہ اخلاص ہے۔ اخلاص کو بھی صدق کہتے ہیں۔ کیونکہ جب آدمی کے دل میں درگاہ الٰہی کے تقرب کے سوائے اور کچھ مقصود ہو تو اس عبادت میں جو وہ کر رہا ہے وہ کاذب ہوگا

تیسرا صدق عزم میں ہے۔ مثلاً کسی نے ارادہ کیا اگر مجھے ملک حاصل ہو جائے تو میں عدل کروں گا۔ اور اگر مال حاصل ہوگا تو سب کا سب خیرات کر دوں گا۔ اگر کوئی ایسا دوسرا شخص مل جائے گا جو سروری، مجلس حدیث اور مدرسہ کی مسند تدریس کے لئے مجھ سے بہتر نہ ہوگا تو اپنا منصب اور کام میں اس کے حوالہ کر دوں گا ایسا ارادہ کبھی تو استوار رہتا ہے اور کبھی اس میں معمولی سا شک پیدا ہو جاتا ہے۔ پس جو عزم قوی بلا تردد اور شک کے ہو اس کو صدق عزم کہتے ہیں چنانچہ عموماً بھوک کے سلسلہ میں کہا جاتا ہے۔ کہ یہ اشتہا کاذب ہے یعنی حقیقت میں نہیں ہے یا اشتہا صادق ہے یعنی قوی ہے۔ پس صدیق وہ شخص ہے۔ جو ہمیشہ اپنے دل میں نیکی کے عزم کو محکم اور مضبوط پائے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول کہ اگر مجھے قتل کریں اور میری گردن مار دیں تو میں اس جماعت کا امیر نہ بنوں گا۔ جس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ موجود ہوں۔ اس واسطے تھا کہ مارے جانے کے صبر پر انہوں نے اپنے عزم کو قوی پایا تھا۔ اور کوئی ایسا آدمی ہوگا کہ اگر اختیار دیا جائے کہ خود کو ہلاک کرے یا معاذ اللہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ہلاک کرے تو یقیناً وہ اپنی جان کو رکھے گا۔ اس شخص میں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو اپنے مارے جانے کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر حاکم ہونے سے بہتر

سمجھتے تھے، بڑا فرق ہے۔

چوتھا صدق تکملہ عزم کا ہے یعنی ارادے کو پورا کرنے کا ہو سکتا ہے کہ ایک شخص کا عزم قوی ہو کہ جنگ میں اپنی جان قربان کر دے گا۔ یا اگر کوئی اور سردار نظر آئے گا تو اپنی سرداری اس کے حوالہ کرے گا۔ لیکن جب جنگ کا موقع آئے تو جاں سپاری پر تیار نہ ہو اس لئے حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔ رجال صدقوا ما عاهدوا الله عليه یعنی ان لوگوں نے اپنے عزم کو پورا کیا اور جان کو فدا کیا اور فرمایا وَمِنْهُم مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ ——— اور ایسے لوگوں کے بارے میں کہا گیا کہ مال خرچ کرنے کا عزم کر کے اس کو پورا نہیں کیا۔ اور ان کو ان کے اس وعدہ میں کاذب کہا گیا۔ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۝

پانچواں صدق یہ ہے کہ کوئی ایسا کام نہ کرے جب تک اس کا باطن اس صفت سے موصوف نہ ہو۔ مثلاً متانت کے ساتھ چلتا ہے مگر اس کے باطن میں وقار نہیں ہے تو ایسا شخص صادق نہ ہوگا۔ کیونکہ ایسا صدق اس وقت پیدا ہوگا کہ انسان اپنے ظاہر کو باطن کے برابر اور مطابق رکھے اور جس شخص میں ایسا صدق ہوگا اس کا باطن اس کے ظاہر سے بہتر ہوگا یا کم سے کم ظاہر کے برابر ہوگا اسی بنا پر حضور صلے اللہ علیہ وسلم خداوند تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا کرتے تھے الٰہی میرے باطن کو میرے ظاہر سے بہتر فرما دے اور میرا ظاہر اچھا کر دے۔

چھٹا صدق یہ ہے کہ مقامات دین کی حقیقت کا اپنے دل سے خواہاں ہو اور ان کے ظواہر پر قناعت نہ کرے جیسے زہد و محبت، توکل، خوف، رجا، رضا، اور شوق وغیرہ کو طلب کرے اگرچہ ہر ایک مومن کو ان مقامات سے کچھ بہرہ ضرور ملتا ہے لیکن ضعف کے ساتھ۔ اور جو شخص ان مقامات پر مضبوطی سے قائم ہوگا۔ اس کو صادق کہا جائے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝

بے شک مومن وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور اس کے بعد انہوں نے شبہ نہیں کیا۔ اور اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ اور یہی لوگ راست گو ہیں

تو خداوند تعالیٰ نے اسی کو صادق کہا ہے جس کا ایمان کامل ہو اور مثال اس کی یہ ہے کہ جب کوئی شخص ایک چیز سے ڈرتا ہے تو اس علامت یہ ہوتی ہے کہ اس کا چہرہ زرد پڑ جاتا ہے اور کانپنے لگتا ہے اور کھانے پینے سے باز رہتا ہے اور اسمیں بیقراری ہوتی ہے اگر کوئی شخص یہ کہے کہ گناہ سے ڈرتا ہوں اور پھر وہ گناہ کو ترک نہ کرے تو وہ کاذب ہے۔ اسی طرح تمام مقامات میں بڑا فرق ہے پس گناہ سے ڈرتا ہوں اور پھر وہ گناہ کو ترک نہ کرے تو وہ کاذب ہے۔ اسی طرح تمام مقامات میں بڑا فرق ہے پس جو کوئی ان چھ وجوہ کے ساتھ ان سب مقامات

میں صادق رہے، گاتب یہ سمجھنا چاہیئے کہ اس کا صدق کمال کو پہونچ گیا اور اس کو صدیق کہیں گے اور جو کوئی
ب وصف میں صادق ہے۔ اور دوسرے وصف میں صادق نہیں ہے تو اسکو صدیق نہیں کہیں گے اس
کا درجہ بس اس کے صدق کے موافق ہوگا۔

اصل ششم

محاسبہ و مراقبہ

اے عزیز یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ حق تعالٰے نے فرمایا ہے۔ ونضع الموازین القسط لیوم القیٰمۃ فلا تظلم نفس
شیئا الآیۃ (قیامت کے دن ہم عدل کی ترازو قائم کریں گے اور کسی نفس پر ظلم نہیں کریں گے) اور فرمایا کہ جس نے ایک
دانہ کے برابر نیکی یا بدی کی۔ ہے اس کو میزان میں تولیں گے اور خلائق کا حساب کرنے کو ہم بس ہیں۔ اس وعدہ کے بعد
لوگوں سے فرمایا گیا ولتنظر نفس ما قدمت لغد تاکہ وہ اپنے حساب میں نظر کریں۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ وہ شخص
عاقل ہے۔ جو چار ساعتیں رکھتا ہے ایک ساعت میں مصروف رہے اور ایک ساعت میں اس چیز سے آرام وسکون
ایک ساعت میں تدبیر معاش میں مصروف رہے۔ اور ساعت میں اس چیز سے آرام وسکون حاصل کرے جو اللہ تعالیٰ
نے اس کے لئے دنیا میں مباح فرمادی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے۔ حاسبوا انفسکم قبل ان تحاسبوا
یعنی اے لوگو اپنا حساب کرو قبل اس کے کہ تمہارا حساب کیا جائے (قیامت میں) حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ یایھا الذین
آمنوا اصبروا وصابروا ورابطوا (اصبروا سے صبر کرنا مراد ہے یعنی شہوت ونفس کے ساتھ جہاد کروگے تو سدہر وگے۔ رابطوا
سے مراد قیام ہے یعنی اس مجاہد میں قائم رہو)!

یہ دُنیا تجارت گاہ ہے پس علما اور بزرگانِ دین نے یہ سمجھا کہ وہ اس جہان میں تجارت کے لئے آئے
ہیں اور ان کا معاملہ نفس سے ہے اور اس معاملہ یعنی کاروبار کا نفع ونقصان بہشت
اور دوزخ بلکہ ابدی سعادت اور شقاوت ہے پس انہوں نے اپنے نفس کو نفع ونقصان بہشت جس طرح
مضارب کے ساتھ پہلے شرط کرتے ہیں اس کے بعد حالات کا جائزہ لیتے ہیں پھر حساب کتاب دیکھتے ہیں اگر
شریک نے تجارت میں چوری کی ہے تو اس کو سزا دیتے ہیں اور غصہ کرتے ہیں پس بزرگانِ دین بھی نفس

کے ساتھ ان چھ باتوں کے ساتھ پیش آتے ہیں؛ مشارطت ۔ مراقبت ، محاسبت ۔ معاقبت ۔ مجاہدت اور معاتبت ۔
پہلا مشارطت ہے ۔ یعنی باہم عہدو پیمان و شرط کرنا ۔ معلوم ہونا چاہیئے کہ وہ مضارب جس کو مال دیتے ہیں وہ فائدہ کے حصول میں مددگار ہوتا ہے ۔ لیکن ہوسکتا ہے کہ خیانت کی رغبت سے دشمن ہو جائے پس مضارب سے اولاً شرط کر لینی چاہیئے اور اس کے بعد اس کے احوال سے باخبر رہنا چاہیئے اس کے بعد حساب لینے میں بھرپور کوشش کرنا چاہیئے ۔ اسی طرح سرکش نفس کے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ روا رکھنا چاہیئے اس لئے کہ نفس کے معاملہ کا فائدہ ابد تک باقی رہنے والا ہے اور یہ دنیا چندروزہ ہے ۔ اور جو چیز پائیدار نہیں ہے دانشمند کے نزدیک اس کی کچھ قدر نہیں ہے ۔ بلکہ یہاں تک کہا گیا ہے کہ جو بدی قائم رہے اس چیز سے جو نہ رہے بہتر ہے ۔ اور جبکہ یہ مسلمہ ہے کہ عمر کی سانسوں سے ہر ایک سانس گوہر بیش بہا ہے ۔ جس سے ایک خزانہ جمع کیا جا سکتا ہے تو پھر اس کی جدوجہد اور محاسبہ کرنا تو اور بھی اولیٰ ہے ۔ پس دانا اور ہوشیار وہ ہے کہ ہر روز نماز صبح کے بعد ایک گھڑی کے لئے اپنا دل اس محاسبہ کے کام میں لگائے اور غور کرے اور سمجھے کہ عمر کے سوا اور کچھ میرا سرمایہ نہیں ہے اور جو دم گذر گیا اس کا بدل ناممکن ہے کہ انسان کے انفاس خداوند تعالیٰ کے علم میں گنے ہوئے ہیں اور محدود ہیں ۔ اور وہ مقرر ہیں ہرگز اس سے زیادہ نہیں ہو سکتے ۔ اور جب عمر گذر گئی تب یہ تجارت ناممکن ہے کیونکہ اب وقت تنگ ہو چکا ہے ۔ آخرت کا زمانہ لامحدود ہے ۔ وہاں کچھ کام کرنے اور محنت کی ضرورت نہیں ۔ پس آج کا دن ایک نیا دن ہے جس میں خداوند تعالیٰ نے تم کو زندگی بخشی ہے ۔ اگر اجل آجاتی تو تم یقیناً یہ آرزو کرتے کاش مجھے ایک دن اور مہلت مل جاتی تو میں اپنے کام سدھار لیتا ۔ اب جبکہ خداوند تعالیٰ نے تم کو یہ نعمت دی ہے ۔ تو اس سرمایہ کو غنیمت سمجھو ۔ اور ہرگز ضائع مت کرو ۔ کیونکہ کل فرصت نہیں ملے گی ۔ اور حسرت کے بغیر کچھ حاصل نہیں ہوگا ۔ اب تم یہی سمجھ لو کہ تم مر گئے تھے ۔ اور تم نے چاہا تھا کہ ایک دن کی مہلت مل جائے تو وہ فرصت تم کو مل گئی ہے ۔ اب اگر تم نے اس دن کو بھی ضائع کر دیا تو تمہارا کتنا عظیم نقصان ہوگا کہ تم نے وقت ضائع کر دیا اور سعادت سے محروم رہے ۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ کل قیامت کے دن رات اور دن کے بدلہ جن کی چوبیس گھڑیاں ہیں بندہ کے سامنے چوبیس خزانے رکھے جائیں گے ۔ جب ایک خزانہ کا دروازہ کھولا جائے گا ۔ تو وہ اس کو ان نیکیوں سے بھرا اور معمور پائے گا جو اس نے اس گھڑی میں کی تھیں اس وقت اس کے دل میں ایسی خوشی پیدا ہوگی کہ اگر اس خوشی کو دوزخیوں پر تقسیم کر دیا جائے تو وہ آتش دوزخ سے بے خبر ہو جائیں اس کی اس خوشی اور شادمانی کا سبب یہ ہے کہ اس نے یہ سمجھ لیا کہ یہ انوار خداوند تعالیٰ کے حضور میں قبولیت کا وسیلہ ہیں ۔ جب ایک اور خزانہ کا دروازہ کھولیں گے جو سیاہ اور تاریک ہوگا اس خزانہ سے ایسی بدبو آئے گی کہ سب لوگ (ناگواری سے) ناک بند کر لیں گے ۔ وہ ساعت معصیت کی ہے اس کے دیکھنے سے ایسی ہیبت اور پریشانی دل پر غالب ہوگی کہ اس کو تمام اہل بہشت پر تقسیم کر دیا جائے تو بہشت کی نعمت

بھی ہر ایک کو ناگوار گذرے گی۔ ایک اور خزانہ کھولا جائے گا اس میں نہ ظلمت ہو گی اور نہ نور ہو گا۔ یہ وہ ساعت ہے جس کو ضائع کیا گیا ہے۔ اس وقت اس ضائع کرنے والے شخص کے دل میں ایسی حسرت اور پشیمانی پیدا ہو گی گویا کسی نے ایک خزانہ یا ایک وسیع سلطنت حاصل کی اور پھر اس کو ضائع کر دیا۔ اس بندہ کی تمام عمر کی گھڑیوں کو بتایا جائے گا۔ پس لازم ہے کہ اپنے نفس سے کہے کہ اے نفس تیرے سامنے چوبیس خزانے رکھے ہیں ان کو خبردار ضائع نہ کر ورنہ اس حسرت و غم سے تو بہت زیادہ بے چین و بے قرار ہو گا۔

ثواب اور نیکیوں سے محرومی

اے عزیز! بزرگوں نے کہا ہے فرض کر لو کہ حق تعالےٰ تم کو بخش دے لیکن نیکیوں کا ثواب اور درجہ تجھے کس طرح ملے گا اس میں تیرا زبردست نقصان ہے۔ پس چاہیئے کہ اپنے تمام اعضاء اس کے حوالے کر دے اور کہے کہ خبردار زبان اور آنکھ کی حفاظت کر اور اسی طرح دوسرے اعضاء (ہفت اندام) کی حفاظت کر۔

یہ جو کہا گیا ہے کہ دوزخ کے سات دروازے اور وہ بھی اعضاء (ہفت اندام) ہیں یعنی ہاتھ، پاؤں، زبان، آنکھ کہ انسان ہر ایک عضو کی معصیت کے سبب دوزخ میں جائے گا۔ پس اعضاء کی تقصیرات کو یاد کر کے ان سے ان کو باز رکھے اور اس روز جو عبادت اور اوراد ادا کر سکتے ہو یا یاد کر کے دل کو ان کی ترغیب دو اور پختہ ارادہ کرے اور نفس کو ڈرائے کہ اگر تو میرے خلاف کرے گا تو میں تجھ کو سزا دوں گا۔ اس لئے کہ نفس اگرچہ سرکش ہے لیکن وہ نصیحت کو قبول کر لیتا ہے اور ریاضت کا اثر اس میں ہوتا ہے یہ تمام امور جو محاسبہ سے متعلق ہیں عمل سے قبل ہوا کرتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ واعلموان اللہ یعلم ما فی انفسکم فاحذروہ (جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ جو کچھ تمہارے نفسوں میں ہے اس سے آگاہ ہے پس اس سے ڈرو) حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دانشمند وہ ہے جو اپنا حساب کرے اور ایسا عمل کرے جو موت کے بعد (اس کے) کام آئے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے "اے شخص جو کام تو کرنا چاہتا ہے اس پر غور کر اگر وہ بجا اور درست ہے تو اس پر عمل کر اور اگر بیجا ہے تو اس سے دور رہ" پس ہر روز صبح کے وقت نفس کے ساتھ ایسی شرط کرنا چاہیئے اس شخص کے لئے بھی جو صاحب استقامت ہے اور ثابت قدم ہے اس کو بھی ہر روز کسی نہ کسی کام کی حاجت ہوتی ہے جس کے لئے نفس کے ساتھ شرط کرنا ضروری ہے۔

دوسرا مقام مراقبہ

دوسرا مقام مراقبہ ہے یعنی نگہبانی، جس طرح اپنا مال شریک کے حوالہ کر کے شرط رکھی جاتی ہے اور پیمان لیا جاتا ہے لیکن اس عہد و پیمان کے بعد بھی بے خبر ہو کر نہیں بیٹھ رہتے ہیں اسی طرح ہر وقت نفس کی خبرگیری بھی ضروری ہے۔ کیونکہ تم اگر اس سے غافل ہو گئے تو وہ کاہلی یا خواہشات کو پورا کرنے کے سبب سے پھر سرکش ہو جائے گا۔ پس اصل مراقبہ ہے۔ بندہ یقین کے ساتھ اس کو بات کو جانے کہ حق تعالےٰ اس کے اعمال اور خیالات سے واقف اور مخلوق صرف اس کے ظاہر کو

دیکھتی ہے (باطن سے بے خبر ہے) حق تعالیٰ اس کے ظاہر و باطن دونوں کو دیکھتا ہے جس نے یہ بات سمجھ لی اور یہ آگہی اس کے دل پر غالب آگئی تو اس کا ظاہر و باطن زیور ادب سے آراستہ ہو جائے گا۔ انسان اگر اس بات پر یقین کرے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ظاہر و باطن سے واقف نہیں ہے تو وہ کافر ہے۔ اور اگر ایمان لایا اور پھر اس کی مخالفت کی تو وہ بڑا دلیر اور بے شرم ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ الم یعلم بان اللہ یریٰ کیا بندہ اس بات کو نہیں جانتا کہ حق تعالےٰ اس کو دیکھ رہا ہے۔

ایک حبشی نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ میں نے بہت گناہ کیئے ہیں میری توبہ قبول ہوگی یا نہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا قبول ہوگی۔ اس نے پھر دریافت کیا کہ جب میں گناہ کرتا تھا کیا حق تعالیٰ دیکھتا تھا؟ آپ نے ارشاد فرمایا ہاں دیکھتا تھا۔ یہ سن کر اس نے آہ بھری اور ایک نعرہ مارا اور جان جاں آفریں کے سپرد کردی۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حق تعالیٰ کی بندگی اس طرح کرو کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو۔ اور اگر تم اس کو دیکھ نہیں رہے ہو تو وہ تم کو دیکھ رہا ہے پس جب تک تم یہ نہیں جان لوگے کہ حق تعالیٰ تمام احوال میں دانا بینا ہے۔ معصیت سے عذر نہیں کرسکو گے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ان اللہ کان علیکم رقیبا (بے شک اللہ تعالیٰ تم پر نگہبان ہے) بلکہ تمہارا کمال یہ ہے کہ تم ہمیشہ مشاہدہ میں رہ کر حق تعالےٰ کو دیکھتے رہو۔

منقول ہے کہ ایک پیر اپنے ایک مرید کو دوسرے مریدوں کے مقابلہ میں زیادہ چاہتا تھا، دوسرے مریدوں کو پیر کے اس التفات سے غیرت آئی۔ پیر نے امتحان کی خاطر ہر ایک مرید کو ایک ایک پرندہ دے کر کہا کہ اپنے اپنے پرندہ کو ایسی جگہ ذبح کرو۔ جہاں کوئی نہ دیکھے ہر ایک مرید نے خالی مقام پر جاکر اپنا پرندہ ذبح کیا۔ وہ لائق مرید اپنے پرندہ کو بغیر ذبح کئے واپس لے آیا۔ اور کہنے لگا کہ مجھے ایسی کوئی جگہ نہیں ملی جہاں کوئی دیکھنے والا نہ ہو خداوند تعالیٰ ہر جگہ دیکھنے والا ہے۔ تب پیر نے دوسرے مریدوں سے کہا۔ اے دوستو! اب تم غور کرو کہ یہ شخص کس درجہ کا ہے کہ ہمیشہ مشاہدہ میں رہ کر کسی دوسرے کی طرف ملتفت نہیں ہوتا۔

جب زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام کو خلوت میں فعل بد کے لئے بلایا تو پہلے اس نے اس بت کا منہ ڈھانک دیا جس کی وہ پرستش کرتی تھی۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ تو ایک پتھر سے شرماتی ہے۔ اور میں خالق زمین و آسمان سے جو دانا اور بینا ہے شرم نہ کروں (یہ کس طرح ممکن ہے)

کسی طالب نے خواجہ جنیدؒ سے دریافت کیا کہ میں اپنی آنکھ کو بدنگاہی سے نہیں بچا سکتا میں کس طرح اس کی نگہداشت کروں۔ انہوں نے فرمایا تم اس بات کا یقین کرلو کہ بہ نسبت اس کے کہ تم کسی کو بری نظر سے دیکھ رہے ہو حق تعالیٰ تم کو اس سے زیادہ دیکھ رہا ہے۔ حدیث قدسی میں ارشاد ہوا ہے کہ بہشت عدن ایسے لوگوں کو ملے گی کہ جب ان کو معصیت کا خیال آئے تو وہ میری عظمت کو یاد کر کے شرمائیں اور اس معصیت سے باز رہیں۔

حضرت عبداللہ بن دینار سے منقول ہے۔ کہ ایک بار میں عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مکہ معظمہ کے سفر میں تھا۔ ایک جگہ ہم نے پڑاؤ کیا۔ ایک غلام چرواہا بکریوں کو لے کر پہاڑ سے نیچے آیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا کہ ایک بکری میرے ہاتھ بیچ ڈالو۔ چرواہے نے کہا کہ میں غلام ہوں اور یہ میرا مال نہیں ہے (بطور امتحان) حضرت عمر رض نے اس سے کہا کہ اپنے مالک سے کہہ دینا کہ ایک بکری کو بھیڑیے نے پھاڑ ڈالا۔ اس کو اس بات کی کیا خبر ہوگی؟ اس چرواہے نے جواب دیا کہ اگر میرا آقا اس بات کو نہیں دیکھ رہا ہے تو خداوند تعالیٰ تو دیکھ رہا ہے۔ اور وہ جانتا ہے۔ یہ جواب سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بے اختیار رونے لگے اور اس غلام کو اس کے مالک سے خرید کر آزاد کر دیا اور فرمایا اے عزیز اس عمدہ بات نے جس طرح تجھ کو آزادی دی اسی طرح آخرت میں بھی تیری نجات کا ذریعہ ہوگا۔

فصل: اے عزیز معلوم ہونا چاہیئے کہ مراقبہ کے دو درجے ہیں۔ پہلا درجہ صدیقین کے مراقبہ کا ہے۔ صدیقین کا یہ مراقبہ یاد الٰہی سے معمور ہے اور وہ اس کے جلال کی ہیبت سے شکستہ رہتا ہے اور اس میں غیر خدا کی طرف متوجہ ہونے کی گنجائش نہیں ہوتی!

یہ مراقبہ مختصر ہے۔ کیونکہ جب دل مستقیم ہو گیا تو دوسرے اعضاء اس کے تابع بن گئے۔ جو صاحب مراقبہ مباحات سے بھی گریز کرتا ہے تو وہ گناہوں میں کس طرح مشغول ہوگا۔ اور اس کو کسی تدبیر اور حیلہ کی ضرورت نہیں پڑتی کہ اعضاء کو وہ گناہوں سے بچائے۔ اس سلسلہ میں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے من اصبح وهمومه هم واحد كفاه الله هموم الدنيا والآخرة (جو شخص صبح کو صاحب ہمت بن کر اٹھتا ہے خداوند کریم دین و دنیا کے معاملات میں کفایت کرتا ہے)

کوئی شخص اس مراقبہ میں اس طرح مستغرق ہوگا اگر تم اس سے بات کرو گے تو وہ نہیں سنے گا اور اگر کوئی اس کے سامنے سے گذرے تو وہ اس گذرنے والے کو نہیں دیکھے گا۔ اگرچہ اس کی آنکھیں کھلی ہوں گی۔ شیخ عبدالواحد رح بن زید سے لوگوں نے دریافت کیا کیا آپ نے کسی ایسے شخص کو دیکھا ہے جو خلق سے غافل ہو کر بس اپنی ذات میں مشغول ہو؟ انھوں نے فرمایا ہاں ایک شخص کو میں نے ایسا دیکھا ہے۔ اور وہ ابھی آتا ہوگا اتنے میں عتبۃ الغلام آئے شیخ عبدالواحد نے ان سے پوچھا تم نے راستہ میں کسی کو دیکھا۔ انہوں نے جواب دیا کسی کو نہیں دیکھا حالانکہ وہ بھرے بازار سے گذر کر آئے تھے۔

حضرت یحییٰ ابن زکریا علیہ السلام ایک عورت کے پاس سے گذرے تو آپ نے اس پر ہاتھ مارا اور اس پر گر پڑے لوگوں نے دریافت کیا یہ آپ نے کیا کیا آپ نے فرمایا میں سمجھا تھا کہ وہ ایک دیوار ہے۔ ایک اور بزرگ سے منقول ہے کہ میں نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ وہ تیر اندازی میں مشغول ہے۔ لیکن ایک شخص سب سے الگ تھلگ بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے اس کے ساتھ گفتگو کرنی چاہی تو اس نے کہا یاد الٰہی بات کرنے سے بہتر ہے

تب میں نے کہا تم اکیلے بیٹھے ہو اس لئے میں نے بات کرنی چاہی تھی/ اس شخص نے جواب دیا کہ میں اکیلا تو نہیں ہوں خداوند کریم اور دو فرشتے (کراماً کاتبین) میرے ساتھ ہیں۔ میں نے دریافت کیا کہ ان لوگوں میں کون بلند مرتبہ ہے۔ اس نے کہا خداوند تعالیٰ نے جس کی مغفرت فرمادی ہو۔ میں نے دریافت کیا کہ راہ کس طرف ہے۔ اس نے منہ آسمان کی طرف کر کے کہا اور وہاں سے اٹھ کھڑا ہوا اور یہ کہتا ہوا روانہ ہو گیا الٰہی! اکثر لوگ تجھ سے غافل ہیں۔

شیخ شبلیؒ ایک بار شیخ نوری کے پاس گئے۔ دیکھا کہ وہ مراقبہ میں ہیں۔ اور وہ اس سکون کے ساتھ بیٹھے تھے کہ ان کے جسم کے بال کو بھی جنبش نہیں ہو رہی تھی۔ شبلیؒ نے پوچھا کہ اے شیخ یہ مراقبہ تم نے کس سے سیکھا ہے۔ شیخ نوری نے جواب دیا کہ بلی سے کہ وہ چوہے کی بل پر اس کے انتظار میں اس سے زیادہ پر سکون ہوتی ہے۔

شیخ عبداللہ بن خفیفؒ نے کہا ہے کہ مجھے یہ خبر ملی کہ شہر "صور" میں ایک پیر مرد اور ایک نوجوان ہمیشہ مراقبہ میں رہتے ہیں میں جب وہاں پہونچا تو میں نے دو شخصوں کو قبلہ رو بیٹھے ہوئے پایا۔ میں نے ان کو تین بار سلام کیا۔ لیکن انہوں نے جواب نہیں دیا۔ تب میں نے کہا کہ میں تم کو قسم دیتا ہوں کہ تم میرے سلام کا جواب دو یہ سن کر نوجوان نے سر اٹھایا اور کہا کہ ابن خفیف دنیا بہت مختصر ہے اور اس مختصر سے تھوڑا سا باقی رہ گیا ہے۔ اس تھوڑے سے بڑا حصہ پیدا کرو! اے فرزند خفیف! تو بہت غافل ہے جو ہم کو سلام کرنے میں مشغول ہوا۔ یہ کہہ کر اس نوجوان نے اپنا سر نیچے کر لیا حالانکہ بھوکا پیاسا تھا۔ لیکن اپنی بھوک اور پیاس بھول گیا۔ انھوں نے اپنی ذات میں مجھے مشغول کر لیا تھا۔ چنانچہ میں ان کے پاس کھڑا تھا، ظہر و عصر کی نمازیں ان کے ساتھ پڑھیں پھر میں نے کہا کہ مجھے کچھ نصیحت کیجئے۔ نوجوان نے کہا کہ اے ابن خفیف! ہم خود مصیبت زدہ ہیں ہمارے پاس نصیحت کرنے والی زبان نہیں ہے میں تین شبانہ روز وہیں کھڑا رہا نہ ہم سب نے کچھ کھایا پیا اور نہ رات کو سوئے میں نے اپنے دل میں کہا ہے کہ میں ان کو قسم دوں گا کہ یہ مجھ کو کچھ نصیحت کریں اسی وقت نوجوان نے سر اٹھا کر کہا۔

نوجوان درویش کی نصائح

اے ابن خفیف! ایسے شخص کی صحبت تلاش کرو جسکے دیدار سے تم کو خدا یاد آئے ہیبت الٰہی کا تمہارے دل پر غلبہ ہو اور وہ زبان قال سے نہیں بلکہ زبان حال سے تم کو نصیحت کرے۔

یہ درجہ جو بیان کیا گیا صدیقین کے مراقبہ کا ہے۔

زہاد اور اصحاب الیمین کا مراقبہ!

دوسرا درجہ زاہدوں اور صدیقوں کے مراقبہ کا ہے۔ ان لوگوں کو یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے احوال سے آگاہ ہے اور یہ حضرات کو یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے احوال سے میں اس درجہ مستغرق نہیں ہیں بلکہ ان کو اپنی اور ماسوا اللہ کی خبر ہے۔ ان لوگوں کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص برہنہ حالت میں تھا اچانک ایک بچہ وہاں آگیا اس

بچہ سے شرما کے اس نے اپنا جسم کپڑے سے ڈھانک لیا اور ان لوگوں کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص کے سامنے یکایک بادشاہ وقت آگیا اور یہ اس کی ہیبت سے مدہوش اور بے خود ہو گیا۔ پس جو کوئی اس درجہ اور منزل پر ہو اس کے لیے لازم ہے کہ اپنے احوال، خیالات اور افعال کا مراقبہ کرے اور وہ جو کچھ کام کرنا چاہتا ہے اس میں دو چیزوں کا خیال رکھے۔ پہلی بات تو کام شروع کرنے سے پہلے واقع ہوگی۔ پس کام سے پہلے جو خطرہ اس کے دل میں پیدا ہو اس کو دیکھے اور دل کا مراقبہ کرے کہ اس میں خیال پیدا ہوتا ہے اگر وہ خیال خدا کے بارے میں ہے تو اس کام کا اتمام کرے اگر اس میں شائبہ نفس ہے تو اس سے باز رہے اور حق تعالےٰ سے شرما کے خود کو ملامت کرے کہ ایسا خیال دل میں کیوں آیا جس کا انجام برا اور رسوائی ہے۔ لہٰذا ان سب خطرات کی ابتدا میں ایسا مراقبہ فرض ہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ بندہ سے ہر اس حرکت وسکون کے بارے میں جو وہ اپنے اختیار سے کرتا ہے۔ تین سوالات کیئے جائیں گے۔ ایک یہ کہ کس لئے یہ کام کیا دوسرا یہ کہ کس طرح کیا تیسرے یہ کہ کس کی خاطر کیا امراد یہ ہے کہ کس سے تھا کہ خدا کے واسطے کرے جو کچھ کرے نہ کہ نفس اور شیطان کی خوشی کے لئے۔ پس اگر کرنے والا اس مواخذہ سے بچ گیا اور کام اس نے خدا کے لئے کیا ہے تو پھر اس سے پوچھا جائے گا کہ اس طرح کیا۔ کیونکہ ہر ایک کام کی شرط اور اس کے کرنے کے آئین اور طور ہوتے ہیں اور پھر وہ جو کچھ کیا آیا علم کی شرط کے موافق ومطابق کیا یا جہل ونادانی سے اس کو آسان سمجھ لیا۔ اگر اس سوال سے بھی آسانی کے ساتھ تم گذر گئے اور تم نے وہ کام اس کی شرط اور آئین کے ساتھ کیا تھا تو پھر پوچھا جائے گا کہ وہ کام کس کے واسطے کیا تھا یعنی لازم یہ تھا کہ وہ عمل اخلاص کے ساتھ صرف خدا کے واسطے کرتے اگر تم نے عمل خدا ہی کے لئے کیا ہے تو آج اس کی جزا ملے گی اور اگر ریا کے واسطے کیا ہے تو اس کا ثواب مخلوق سے مانگو یا دنیا کے لئے کیا ہے تو تمام ثواب غارت ہوا اور اگر کسی مخلوق کے واسطے کیا ہے تو خالق کے غصہ اور عذاب میں گرفتار ہو گے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا۔ الا للّٰہ الدین الخالص اور یہ بھی ارشاد کیا تھا الذین تدعون من دون اللّٰہ عبادٌ امثالکم (وہ لوگ جو اللہ کے سوا دوسروں کو پکارتے ہیں تم جیسے بندے ہیں) جو کوئی اس بات کو جان گیا اگر وہ عاقل ہے تو دل کے مراقبہ سے غافل نہیں رہے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ عارف پہلے خطرہ پر نظر رکھے اگر اس کو دفع نہیں کرے گا تو اس کام کی رغبت پیدا ہوگی پھر وہ خطرہ ہمت بن جائے گا اس کے بعد قصد بن کر اعضا پر صادر ہوگا۔ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے اتق اللّٰہ عند ھمک اذا ھممت" یعنی جب ایک بڑے کام کی ہمت یعنی ارادہ پیدا ہو تو حق تعالےٰ سے ڈر۔"

معلوم ہونا چاہیئے کہ اس بات کی شناخت کہ کون سا خطرہ خدا کے واسطے ہے اور کونسا ہوائے نفس کے لئے ہے بہت دشوار اور مشکل ہے۔ جو شخص اس کی شناخت کی قدرت نہیں رکھتا اس کو ہمیشہ کسی عالم پرہیزگار کی صحبت اختیار کرے تا کہ اس کی صحبت کا نور تمہارے دل میں سرایت کرے۔ ہاں دنیادار علماء کی صحبت سے خدا کی پناہ مانگے

کیونکہ یہ شیطان کے نائب ہیں۔ حق تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ اے داؤد ایسے عالم سے جس کو دنیا کی محبت نے مست کر دیا ہو سوال نہ کر کہ وہ تجھے میری محبت سے محروم کر دے گا کیونکہ ایسے لوگ میرے بندوں کے حق میں راہزن ہیں حضور پر نور علیہ التحیۃ والثنا نے ارشاد فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ ایسے بندہ کو پیار کرتا ہے جو شبہ کی چیز میں خوب غور کرے اور شہوت کے غلبہ کے وقت اس کی عقل کامل رہے کہ ان دونوں باتوں میں انسان کا کمال ہے کہ وہ حقیقت حال کو نگاہ بصیرت سے پہچان کر عقل کامل کے وسیلہ سے شہوت کو رفع کرے۔ یہ دونوں باتیں لازم ملزوم ہیں جس کو دافع شہوت عقل نہیں تو شہادت میں کام آنے والی نظر بصیرت بھی اس میں موجود نہ ہوگی۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

"جب کوئی شخص معصیت کا ارتکاب کرتا ہے تو عقل
اس سے جدا ہو جاتی ہے پھر اس کے پاس نہیں آتی"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ تمام کام تین قسم کے ہیں ایک وہ جو واجبی اور ظاہر ہو اس کو بجا لاؤ دوسرا وہ جو صاف باطل ہو اس کو ترک کر دو۔ تیسرا وہ جو شبہ والا ہو اس کو کسی عالم سے پوچھو۔

دوسری نظر دوسری نظر وہ مراقبہ ہے جو عمل کے وقت درکار ہوتا ہے۔ یہ تین حال سے خالی نہیں ہوگا۔ طاعت یا معصیت یا مباح۔ طاعت کے بارے میں مراقبہ اس طرح ہے کہ اخلاص اور حضور قلب سے اس کو بجالائے۔ اور تمام آداب ملحوظ رکھے۔ اور ایسی صورت کو جس میں زیادہ فضیلت ہو ترک نہ کرے۔

معصیت کے سلسلہ میں مراقبہ یہ ہے کہ خداوند کریم سے شرم کرے، توبہ کرے اور اس کا کفارہ دے۔

فعل مباح کا مراقبہ یہ ہے کہ باادب رہے اور نعمتوں میں منعم حقیقی کا خیال رکھے۔ اور یقین رکھے کہ ہر وقت وہ خداوند تعالیٰ کے حضور میں موجود ہے۔ مثلاً اگر بیٹھا ہے تو ادب سے بیٹھے اور اگر سوتا ہے تو پہلوئے راست پر سوئے اور اپنا منہ قبلہ کی طرف رکھے یا مثلاً کھانا کھا رہا ہے تو دل کو فکر سے خالی نہ رکھے کہ فکر تمام اعمال سے افضل ہے۔ غور کرے کہ ہر غلہ کی صورت، رنگ، بو اور اس کے مزے اور شکل میں کتنے عجائب صفت الٰہی کے موجود ہیں کھانا کھانے کے لئے جو اعضاء کام کرتے ہیں اس میں بھی عجائب موجود ہیں جیسے انگلی، منہ، دانت، حلق معدہ، جگر اور مثانہ ہیں کہ غذا کو قبول کرتے ہیں یا اس کے ہضم ہونے تک اس کی نگہداشت کرتے ہیں۔ اور ایسے اعضاء بھی ہیں جو فُضلَہ دفع کرتے ہیں۔ یہ سب کے سب خداوند تعالیٰ کے صفت کے عجائب ہیں۔ ان باتوں پر غور و فکر کرنا بڑی عبادت ہے۔ اور یہ درجہ علماء کا ہے۔

اکثر عارفان الٰہی جب ان عجائب کو دیکھتے ہیں تو صانع حقیقی کی عظمت کا خیال کر کے اس کے جلال و جمال اور کمال میں مستغرق ہو جاتے ہیں۔ یہ درجہ موحدین اور صدیقین کا ہے۔ بعض حضرات خواہش کے خلاف

کھانے کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھتے بلکہ بقدر ضرورت اور سد رمق اس میں سے اختیار کر لیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ کاش ہم کو اس کی بھی حاجت نہ ہوتی۔ وہ اپنے اس ضروری اور سد رمق کھانے میں بھی فکر سے کام لیں گے۔ یہ درجہ زاہدوں کا ہے۔ بعض شکم پرست کھانے کو نظر شوق سے دیکھتے ہیں اور وہ ہمیشہ اس فکر میں رہتے ہیں کہ ان کو لذیذ تر بنانے کے لئے کس طرح پکایا جائے تاکہ خوب کھایا جائے اس صورت میں اکثر وہ پکے ہوئے کھانوں اور میووں پر بڑی نکتہ چینی کرتے ہیں۔ یہ نادان اتنا نہیں جانتے کہ یہ تمام چیزیں خداوند تعالے کی صفت سے ہیں اس طرح وہ صفت پر عیب رکھ کر صانع کی عیب گیری کرتے ہیں۔ یہ درجہ غفلت والوں کا ہے۔ تمام مباحات اسی درجہ میں ہیں۔

تیسرا مقام

محاسبہ کا تیسرا مقام وہ ہے جو عمل کے بعد کیا جاتا ہے۔ بندہ کو چاہیئے کہ رات کو سونے کے وقت اپنے نفس کے ساتھ تمام دن کا حساب کرے تاکہ وہ معلوم کر سکے کہ سرمایہ پر کتنا نفع اور کس قدر نقصان ہوا اور سرمایہ جانتے ہو کیا ہے؛ وہ فرائض ہیں، نوافل اس کا نفع ہیں۔ جس طرح شریک تجارت سے حساب لینے میں بھرپور کوشش کی جاتی ہے اسی طرح نفس کے ساتھ حساب کتاب میں بہت زیادہ احتیاط اور توجہ ضروری ہے کہ نفس بہت طرّار، مکار اور حیلہ انگیز ہے۔ کیونکہ نفس اپنے اعراض کو بھی طاعت کے لباس میں پیش کرتا ہے، تاکہ وہ تم کو نفع نظر آئے حالانکہ وہ سراسر نقصان ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ تمام مباحات میں نفس سے حساب طلب کرو اگر اس میں تم کو نفس کا قصور نظر آئے تو اس عمل کو اپنے نفس کے ذمہ باقی سمجھو اور اس سے تاوان طلب کرو۔

حساب نفس کا واقعہ

ابن الصمہ ایک بزرگ گذرے ہیں انہوں نے اپنے نفس کا حساب کیا تو ساٹھ برس ہوئے تھے (ان کی عمر ساٹھ سال تھی) دنوں کا حساب کیا تو اکیس ہزار چھ سو دن ہوئے کہنے لگے اگر روز ایک گناہ سرزد ہوا تو اس طرح اکیس ہزار چھ سو گناہ ہوتے اور اتنے گناہوں سے تیری رہائی کس طرح ہو سکتی ہے۔ جبکہ اس مدت میں ایسا دن بھی شامل ہے جس میں ایک ہزار گناہ سرزد ہوئے ہیں پس خوف سے ایک نعرہ مارا اور گر پڑے جب ان کو دیکھا گیا تو وہ انتقال کر چکے تھے۔ مگر افسوس کہ انسان اپنا حساب لینے میں سخت بے پرواہ ہے۔ اگر ہر گناہ کے عوض کسی کے گھر میں ایک پتھر ڈالا جائے تو تھوڑی مدت میں گھر پتھروں سے پٹ جائے گا۔ یا اگر کراماً کاتبین اس سے ان گناہوں کے تحریر کرنے کی اجرت طلب کریں تو اس کا تمام مال اس میں خرچ ہو جائے گا۔ بندہ اگر چند بار سبحان اللہ غفلت سے کہے اور ہاتھ میں تسبیح لے کر شمار کرے اور کہے کہ: میں نے سو بار کہا تو تمام دن کا پڑھنا بے کار اور اکارت گیا کیونکہ تسبیح کے دانوں کا ہلانا کو اس لئے تھا کہ معلوم ہو جائے کہ ہزار بار سے زیادہ پڑھا ہے اس صورت میں اس کا گمان کرنا کہ حسنات کا پلڑا بھاری ہو جائے محض نادانی ہے۔ چنانچہ (امیر المومنین) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ اے لوگو! اپنے اعمال کا وزن اس سے وزن اس سے قبل کر لو کہ قیامت میں ان کو تولا جائے۔ اسی طرح جب رات آتی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ دُرّہ

اپنے پاؤں پر مارتے اور فرماتے کہ آج کے دن تو نے کیا کام کیا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالے عنہ نے انتقال کے وقت فرمایا کہ عمرؓ ابن خطاب سے زیادہ مجھے کوئی چیز نہیں ہے کہ انہوں نے جب اپنا محاسبہ کیا تو جو کمی واقع تھی اس کا تدارک کیا اسی لئے وہ مجھے سب سے زیادہ عزیز اور محبوب ہیں۔

جناب ابن سلام لکڑیوں کا گٹھا اپنی گردن پر رکھ کر لئے جا رہے تھے لوگوں نے کہا کہ یہ کام تو غلاموں کے کرنے کا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں اپنے نفس کو آزما رہا ہوں کہ اس کام کے کرنے میں وہ کیا ہے۔ (راضی ہے یا ناخوش)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایک باغ کی دیوار کے نیچے دیکھا وہ اپنے نفس سے مخاطب تھے اور فرما رہے تھے واہ، واہ! لوگ تجھے امیر المومنین کہتے ہیں اور واللہ تو خدا سے نہیں ڈرتا تو اس کے عذاب میں گرفتار ہوگا۔

حسنؒ نے فرمایا النفس اللوامہ (نفس لوامہ) وہ ہے کہ خود کو ملامت کرے کہ فلاں کام کیا اور فلاں کھانا کھایا۔ یہ کیوں کیا اور فلاں کھانا کیوں کھایا۔ پس گذرے کاموں پر غور اور ان کا حساب کرنا مہمات میں سے ہے۔

مقام چہارم

چوتھا مقام نفس پر عتاب کرنے اور اس کو سزا دینے کا ہے۔ اے عزیز معلوم ہونا چاہیئے کہ جب تم نفس کے حساب سے غافل ہو جاؤ گے اور بے فکر ہو کہ اس کو چھوڑ دو گے تو وہ دلیر ہو جائے گا۔ پھر اس کا روکنا دشوار ہو جائے گا۔ پس سزاوار یہ ہے کہ ہر ایسے کام پر اس کو سزا دے۔ اگر وہ کچھ شبہ کی چیز کھا گیا ہے تو اس کو بھوکا رکھا جائے۔ اگر کسی نامحرم کو دیکھا ہے تو آنکھ بند رکھنے کی سزا دے۔ اسی طرح دوسرے اعضاء کی حرکات کا قیاس کر لینا چاہیئے۔ بزرگان سلف ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

منقول ہے کہ ایک عابد نے نفس کے فریب میں آ کر کسی عورت پر دست درازی کی اس کے بعد اس نے اپنا ہاتھ آگ میں ڈال دیا کہ جل جائے اور کیئے کی سزا پائے۔

بنی اسرائیل کا ایک عابد خانقاہ نشین تھا ایک عورت نے خود کو مجامعت کے لئے پیش کیا اس کے پاس جانے کیلئے اس نے خانقاہ سے پاؤں باہر رکھا۔ فوراً ہی خداوند تعالےٰ سے ڈر کر توبہ کر لی اور باہر سے خانقاہ میں واپس آنے کے لئے پاؤں بڑھانا ہی چاہتا تھا کہ ایسا نہیں ہوگا جو پاؤں معصیت کے لئے باہر نکلا تھا خانقاہ میں کس طرح جا سکتا ہے یہ کہہ کر اس نے اس پاؤں کو باہر رکھا۔ یہاں تک کہ گرمی، سردی اور دھوپ سے تباہ ہو کر ضائع ہو گیا۔

حضرت جنیدؒ بغدادی سے مروی ہے کہ ابن الکرینیؒ نے کہا کہ ایک رات مجھے احتلام ہو گیا۔ میں نے چاہا کہ میں نے چاہا کہ میں اسی وقت غسل کر لوں۔ رات بہت سرد تھی میرے نفس نے سستی کی اور کہا کہ اس سرما میں رات کو نہا کر خود کو ہلاک نہ کر۔ صبح تک ٹھہر صبح کو حمام میں غسل کر لینا۔ تب میں نے نفس کو اس سستی پر سزا دینے کے لیے قسم کھائی کہ میں اسی وقت مع کپڑوں کے نہاؤں گا۔ اور نہانے کے بعد کپڑوں کو خشک ہونے کے لئے نہیں

نچوڑوں گا۔ ان کو اپنے جسم ہی پر خشک کروں گا۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اور فرمایا کہ ایسے سرکش نفس کی جو خدا کے کام میں تقصیر کرے یہی سزا ہے۔ اسی طرح ایک شخص نے ایک عورت پر نظر (بد) ڈالی لیکن فوراً پشیمان ہوا اور قسم کھائی کر اس جرم کی سزا یہ ہے کہ کبھی ٹھنڈا پانی نہیں پیوں گا اور اس نے ایسا ہی کیا۔

حضرت حسانؓ بن سنان ایک خوبصورت عمارت کے پاس سے گذرے تو پوچھا کس نے یہ عمارت بنوائی ہے پھر کہا کہ جس چیز سے تجھ کو کام نہیں ہے اس کے بارے میں کیوں پوچھتا ہے۔ واللہ اس کی سزا یہ ہے کہ سال بھر تک روزے رکھے۔ حضرت ابوطلحہ ایک نخلستان میں نماز پڑھ رہے تھے۔ نخلستان کی خوبصورتی میں منہمک ہو کر وہ یہ بھول گئے کہ کتنی رکعات نماز پڑھی ہے۔ تب انہوں نے بطور کفارہ وہ نخلستان خیرات کر دیا۔

مالک ابن ضیغمؒ فرماتے ہیں کہ ریاح التیسیؒ آئے اور میرے والد سے ملنا چاہا میں نے کہا۔ کہ وہ سو رہے ہیں انہوں نے کہا کہ یہ وقت تو سونے کا نہیں ہے یہ کہہ کر وہ واپس چلے گئے میں بھی ان کے پیچھے پیچھے روانہ ہوا وہ خود سے مخاطب تھے اور کہہ رہے تھے کہ اے ابوالفضول تو نے یہ کیوں کہا کہ یہ وقت سونے کا نہیں ہے۔ تجھے اس بات سے کیا کام۔ اب تیری سزا یہ ہے کہ ایک سال تک تجھے سونے نہ دوں۔ یہ کہتے جاتے تھے اور روتے تھے کہ کیا تو خدا سے نہیں ڈرتا۔

حضرت تمیم داری ایک رات سوتے رہے اور تہجد کی نماز نہ پڑھ سکے تب انہوں نے یہ عہد کیا کہ سال بھر تک وہ نہیں سوئیں گے۔ حضرت طلحہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص ننگے بدن گرم ریت پر لوٹ رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ اے رات کے مردار اور دن کے کاہل میں کب تک تیرا ظلم برداشت کروں۔ اتنے میں سرورِ کونین صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس وقت آسمان کے دروازے تمہارے لئے کھلے ہیں اور حق تعالیٰ فرشتوں کے ساتھ تمہارے معاملہ میں فخر فرما رہا ہے۔ پھر حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمراہیوں سے فرمایا کہ تم لوگ اس شخص سے دعائے خیر چاہو۔ تب تمام صحابہ کرام (جو اس وقت حضور کے ہمراہ تھے) ایک ایک کر کے اس کے پاس گئے اور طالب دعا ہوئے۔ انہوں نے ہر ایک کے لئے دعائے خیر کی۔ تب حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ سب کیلئے دعائے خیر کرو۔ یہ سن کر انہوں نے کہا بار الٰہا! ان کو صراطِ مستقیم پر رکھ اور تقویٰ نصیب فرما۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الٰہی! اس کی زبان پر دعائے خیر لا۔ تب انہوں نے کہا کہ الٰہی! ان سب کو بہشت میں جگہ عطا فرما۔

مجمعؒ نامی ایک بزرگ تھے ایک بار ان کی نظر ایک چھت کی طرف اٹھ گئی اور ایک عورت کو وہاں دیکھ لیا۔ تب انہوں نے عہد کیا کہ پھر کبھی آسمان کی طرف نہیں دیکھوں گا۔ احنف بن قیس رات کو چراغ ہاتھ میں اٹھا لیتے اور انگشت اس کی لو پر رکھ کر فرماتے تو نے فلاں روز یہ کام کیوں کیا؟ اور فلاں چیز کیوں کھائی۔ مختصر یہ کہ ارباب حزم ایسا ہی کرتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ نفس سرکش ہے اگر تم اس کو سزا نہ دو گے تو وہ تم پر غالب آ جائے گا۔ اور ہلاک

کردے گا پس وہ ہمیشہ نفس کو تنبیہ کیا کرتے رہتے تھے۔

مقام پنجم

مجاھدہ

اے عزیز معلوم ہونا چاہیئے کہ کچھ لوگوں نے نفس کو قصوروار پاکر اس کی تنبیہ اور سیاست کے لئے اس پر بہت سی عبادت لازم کردی تھی۔ چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے جب کبھی نماز باجماعت فوت ہوجاتی تو ساری رات بیدار رہتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جماعت فوت ہوگئی تو آپ نے اس کے کفارہ میں ایک زمین جس کی قیمت دو ہزار درہم تھی خیرات کردی۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک شب مغرب کی نماز میں دو ستاروں کے طلوع ہونے تک تاخیر کردی اس کوتاہی کے عوض دو غلام آزاد کر دیئے۔ اس قبیل کی بہت سی حکایتیں ہیں۔ جب نفس ایسی عبادتوں سے راضی نہ ہو پھر اس کا علاج یہ ہے کہ کسی صاحبِ ریاضت (مجتہد) کی صحبت اختیار کرے تاکہ اس کے دیکھنے سے عبادت کا شوق پیدا ہو۔ ایک بزرگ کہتے ہیں کہ جب مجھ سے ریاضت میں سستی ہوتی ہے تو میں محمد بن واسع کو دیکھتا ہوں۔ مجھ میں ایک ہفتہ تک کے لئے عبادت کی رغبت پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر کوئی مجتہد نہ ملے تو ایسے لوگوں کے حالات سنے! چنانچہ ہم ایسے چند حضرات مجتہدین (ارباب ریاضت) کا ذکر کرتے ہیں۔

حضرت داؤد طائی

حضرت داؤد طائی روٹی نہیں کھاتے تھے بلکہ روٹی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے پانی میں ڈال کر پی جاتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ اس پینے اور روٹی کھانے میں جتنا وقت صرف ہوتا ہے اتنی دیر میں قرآن پاک کی پچاس آیتیں پڑھ سکتے ہیں۔ پس میں اپنا وقت اس روٹی کھانے میں کیوں ضائع کروں! ایک شخص نے ان سے کہا کہ آپ کی چھت کا شہتیر ٹوٹ گیا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں تو یہاں بیس سال سے رہ رہا ہوں میں نے آج تک اس کو نہیں دیکھا۔ بےکار اور بے فائدہ دیکھنے کو بزرگوں نے منع کیا ہے۔

شیخ احمد بن زرین فجر کی نماز پڑھ کر ظہر کی نماز تک بیٹھے رہتے تھے اور کسی طرف نہیں دیکھتے تھے لوگوں نے ان سے پوچھا آپ ایسا کیوں کرتے ہیں! انہوں نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے آنکھیں اس لیے دی ہیں کہ اس کی قدرت اس کی صنعت و عجائبات کو دیکھا کریں اور جو شخص ان چیزوں کو عبرت کی نظر سے نہیں دیکھے گا ایک خطا اس

کی لکھی جائے گی۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں زندگی میں تین باتوں کو پسند کرتا ہوں ایک یہ کہ طویل راتوں میں سجدہ کروں دوسرے یہ کہ طویل اور بڑے دنوں میں پیاسا رہوں۔ تیسرے یہ کہ ایسے لوگوں کی صحبت میں رہوں جن کی باتیں سنجیدہ اور حکمت والی ہوں۔ علقمہ بن قیس سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ اپنے نفس کو اسقدر سختی میں کیوں رکھتے ہیں۔ کہا کہ اس دوستی کے باعث جو مجھے اپنے نفس سے ہے۔ میں اس طرح اس کو عذاب دوزخ سے بچاتا ہوں۔ لوگوں نے کہا کہ یہ کام جو آپ کرتے ہیں آپ پر واجب نہیں کئے گئے ہیں۔ کہا کہ جو کچھ ہو سکتا ہے کرتا ہوں تاکہ کل ان کے ترک کرنے سے دل میں حسرت نہ پیدا ہو۔

حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ سری سقطیؒ نے اسّی (۸۰) سال تک بات نہیں کی تھی، سوائے موت کے وقت کے میں نے کبھی ان کا پہلو زمین پر نہیں دیکھا۔

اور میرے پاس کہنے کے لئے اس سے زیادہ اور کوئی عجیب تر بات نہیں ہے۔ شیخ ابو محمد حریری ایک سال تک مکہ میں رہے۔ پر کبھی کسی سے بات نہیں کی۔ نہ وہ سوتے اور زمین سے پیٹھ نہ لگاتی نہ پاؤں پھیلاتے۔ شیخ ابوبکر کتانی نے ان سے دریافت کیا کہ تم سے ایسی سخت ریاضت کیسے ہو سکی انہوں نے جواب دیا کہ میرے علم کی بدولت میرے صدق باطن نے میرے ظاہر کو قوت بخشی۔

منقول ہے کہ کسی شخص نے شیخ فتح موصلی کو دیکھا کہ وہ بے اختیار رو رہے ہیں اور ان کے آنسو خون آلودہ ہیں اس نے پوچھا یہ کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ایک مدت تک گناہوں کے غم کے باعث میری آنکھوں سے پانی بہتا رہا ہے۔ اب اس ندامت سے کہ کوئی آنسو بغیر اخلاص کے آنکھوں سے نہ نکلا ہو میں خون کے آنسو رو رہا ہوں۔ ان کے انتقال کے بعد لوگوں نے ان کو خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ خداوند تعالےٰ نے بزرگی عطا فرمائی اور فرمایا کہ مجھے اپنے جلال و عزت کی قسم کہ فرشتے تیرا اعمال نامہ جب لاتے تو چالیس برس سے اس میں کوئی خطا درج نہیں تھی۔

حضرت داؤد طائیؒ سے لوگوں نے کہا کہ آپ داڑھی میں کنگھا کرلیں تو کچھ مضائقہ نہ ہوگا۔ تو انہوں نے فرمایا کہ میں اتنی دیر کے لئے غافلوں میں لکھا جاؤں گا۔

حضرت اویس قرنیؒ کا معمول

حضرت اویس قرنیؒ تاحیات اپنی راتوں کو تقسیم کر کے فرماتے کہ آج کی رات "شب رکوع" ہے اور ایک رکوع میں تمام رات تمام کر دیتے اور دوسری شب فرماتے کہ آج "شب سجدہ" ہے اور ایک میں تمام رات بسر فرما دیتے۔

عتبۃ الغلام صاحبِ مجاہدہ تھے۔ نہ اچھی قسم کا کھانا کھاتے نہ کوئی لذیذ چیز پیتے ان کی والدہ نے فرمایا کہ فرزند

اپنے ساتھ کچھ نرمی اختیار کرو۔ انہوں نے کہا کہ میں اسی جستجو میں ہوں۔ چند روزہ دنیا میں تھوڑی سی محنت اٹھا کے آخرت میں آرام سے رہوں گا۔ شیخ ربیع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ سے ملنے کے لئے گیا۔ اس وقت وہ صبح کی نماز پڑھ رہے تھے جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے کہا کہ ابھی میں بات کروں گا تاکہ ان کی تسبیح وتہلیل میں خلل نہ واقع ہو پس میں انتظار میں بیٹھا رہا وہ نماز ظہر عصر تک اپنی جگہ سے نہیں اٹھے دوسرے دن کی نماز فجر بھی اس جگہ ادا کی (کہیں اٹھ کر نہیں گئے) نماز فجر ادا کرنے کے بعد ان کو نیند آگئی خواب سے بیدار ہو کر وہ کہنے لگے بار الہا بہت سونے والی آنکھ اور بہت کھانے والے پیٹ سے میں تیری پناہ چاہتا ہوں تب میں نے خیال کیا کہ یہ نصیحت میرے لئے ہے پس میں وہاں سے خاموشی کے ساتھ چلا آیا۔

شیخ ابوبکر عیاش چالیس سال تک زمین پر نہیں لیٹے اور ان کی آنکھ میں کالا پانی اتر آیا انہوں نے بیس سال تک اپنی بیوی سے یہ حال مخفی رکھا۔ وہ ہر شب پانچ سو رکعت نماز پڑھا کرتے تھے اور اپنے ایام شباب میں ہر روز تیس ہزار مرتبہ قل ھو اللہ احد پڑھا کرتے تھے۔ شیخ کرز ابن دبرہ جو بزرگان ابدال میں سے تھے ہر روز تین ختم کیا کرتے۔ لوگوں نے ان سے کہا آپ بڑی ریاضت کرتے ہیں انہوں نے دریافت کیا کہ دنیا کی عمر کتنی ہے۔ کہا کہ سات ہزار برس۔ پھر پوچھا قیامت کا دن کتنا دراز ہے؟ لوگوں نے کہا پچاس ہزار سال تب انہوں نے جواب دیا کہ پچاس روز کی راحت کے واسطے سات دن تک محنت نہ اٹھائے اگر میں سات ہزار برس جیوں اور روز قیامت کی راحت کے واسطے کوشش کروں تب بھی کم ہے۔ مدت ابد کا تو ذکر ہی کیا ہے جس کی انتہا ہی نہیں خصوصاً اس تھوڑی سی عمر میں۔

حضرت سفیان ثوری نے کہا کہ ایک رات میں حضرت رابعہ بصری رح کے پاس گیا وہ عبادت گاہ میں چلی گئی اور صبح تک نماز میں مشغول رہیں میں ان کے گھر کے ایک گوشہ میں صبح کی نماز پڑھتا رہا پھر میں نے بی بی رابعہ بصری رح سے کہا کہ خدا کا شکر کس طرح ادا کریں کہ اس نے ہم کو تمام رات نماز پڑھنے کی توفیق عطا فرمائی۔ بی بی رابعہ نے کہا کہ اس کا شکر یہ ہے کہ کل ہم روزہ رکھیں۔ اے عزیز! اہل ریاضت کا حال ایسا ہی ہوا کرتا ہے۔ اس قسم کے بہت سے واقعات اور ایسی بہت سی حکایات ہیں جن کا یہاں بیان کرنا طوالت کا موجب ہوگا۔ ہماری کتاب احیاء العلوم میں اس سے زیادہ تفصیل ہے۔ اگر کوئی شخص ایسی ریاضت نہیں کر سکتا تو اس کو چاہئے کہ یہ احوال سنا کرے تاکہ اپنی تقصیر کا قائل اور عبادت کی طرف مائل ہو اور نفس کا مقابلہ کرنے میں مشغول ہو سکے۔

مقام ششم

نفس پر عتاب کرنا اور اس پر توبیخ

اے عزیز! معلوم ہو کہ خداوند تعالےٰ نے نفس کو ایسا پیدا کیا ہے کہ وہ خیر سے بیزار رہے اور شر کی طرف مائل ہو۔ کاہلی اور شہوت پرستی اس کی خاصیت ہے اور تمہارے لئے خداوند تعالیٰ کا حکم یہ ہے کہ نفس کو اس صفت سے باز رکھو اور راہ راست پر لاؤ۔ اس کا سدھارنا کبھی تو سختی سے ہوگا اور کبھی نرمی سے۔ کبھی فعل کے ذریعہ اور کبھی قول کے کیونکہ اس کی طبیعت میں یہ بات داخل ہے کہ جب وہ اپنا نفع کسی کام میں دیکھتا ہے تو اس کا طالب ہوتا ہے خواہ اس میں محنت و مشقت کیوں نہ اٹھانا پڑے وہ اس محنت پر صبر کر لیتا ہے۔ لیکن جہالت اور نادانی اس کی محرومی کا سبب ہوتی ہے جب تم اس کو خواب غفلت سے بیدار کرو گے اور آئینہ (مشاہدہ حال کے لئے) جب اس کے سامنے رکھو گے۔ تب وہ اس کو قبول کرے گا۔ اسی واسطے حق تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وذکرفان الذکریٰ تنفع المومنین (اور ذکر کرکہ ذکر کرنا مومنوں کے لئے نفع بخش ہے) تمہارا نفس بھی دوسروں کے نفوس کی مانند ہے۔ کہ وہ بھی پند و نصیحت کے اثر کو قبول کرے گا۔ پس اول تم اس کو نصیحت کرو اور عتاب کرو۔ عتاب کا یہ سلسلہ کسی وقت ختم نہ کرو نفس سے کہو کہ اے نفس! تجھے دعویٰ دانشمندی ہے اور جب کوئی تجھ کو احمق کہتا ہے تو تجھ کو غصہ آجاتا ہے۔ لیکن تجھ سے زیادہ احمق کوئی اور نہیں ہے۔ کیونکہ اگر کوئی شخص ایسے وقت میں کہ شہر کے دروازہ پر لشکر جمع ہے اور آدمی اس کے بلانے کے لئے بھیجا گیا ہے تاکہ اس کو لے جاکر ہلاک کر دیں اور یہ شخص اس وقت لہو و لعب میں مشغول ہے تو اس سے بڑا احمق اور کون ہوگا۔ کہ مردوں کا لشکر شہر کے دروازہ پر تیرا انتظار کر رہا ہے اور عہد لیا ہے کہ جب تک تجھ کو نہیں لے جائیں گے وہاں سے نہیں ہٹیں گے۔ دوزخ اور بہشت تیرے لئے پیدا کئے گئے ہیں اور ممکن ہے آج ہی کے دن تجھ کو لے جائیں گے ممکن ہے کہ نہ لے جائیں لیکن جو کام یقیناً ہونے والا ہے۔ تو یہ سمجھ کہ وہ ہو چکا ہے۔ کیونکہ موت نے کسی سے یہ وعدہ نہیں کیا ہے کہ رات کو آؤں گی یا دن کو ا جلد آؤں گی یا دیر سے۔ جاڑے کے موسم میں آؤں گی یا گرمی کے دنوں میں۔ موت سب کو ایسے عالم میں اگر اچانک لے جائے گی جبکہ بے فکر بیٹھے ہوں۔ پس اگر انسان کی موت کی تیاری نہ کرے تو اس سے زیادہ حماقت اور کیا ہوگی۔

اے نفس! بھلا سوچ تو کہ تو تمام دن معصیت میں مشغول ہے اگر تو یہ سمجھتا ہے کہ خدا تعالیٰ نہیں دیکھتا تو کافر ہے اور اگر تو سمجھتا ہے کہ وہ دیکھ رہا ہے تب تو بہت بے شرم اور ڈھیٹ ہے کہ تو اس کی آگاہی اور وقوف سے نہیں ڈرتا۔ سوچ کہ اگر تیرا غلام تیری نافرمانی کرے تو اس پر تو اس قدر غضبناک ہوگا پس تو خدا کے غصہ سے کیوں بے فکر ہے اگر تیرا غلام یہ خیال ہے کہ میں اس کے عذاب کو برداشت کر لوں گا تو ذرا انگلی چراغ پر رکھ۔ ایک گھڑی کے لئے سخت دھوپ میں یا گرم حمام میں بیٹھ تاکہ تیری بے طاقتی اور لاچاری معلوم ہو جائے اور اگر تیرا تصور یہ ہے کہ وہ تجھے ہر ایک گناہ کے مواخذہ میں نہیں پکڑے گا تو اس طرح تو قرآن شریف اور ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں کا انکار کرتا ہے۔ اور تو نے ان سب کی تکذیب کی کیونکہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے!

ومن یعمل سوءً یجز بہ — جو شخص گناہ کرے گا عذاب دیکھے گا۔

اے نفس! تیرا ناس جائے کہ تو کہتا ہے کہ خداوند تعالیٰ مجھے عذاب نہیں دے گا۔ کہ وہ رحیم و کریم ہے! تو سوچ کہ پھر کیوں حق تعالیٰ ہزاروں لاکھوں بندوں کو بھوک اور بیماری کی مصیبت میں رکھتا ہے اور کوئی شخص بغیر تخم پاشی کے کھیتی کیوں نہیں کاٹ لیتا۔ حقیقت یہ ہے کہ جب تجھ پر دنیا کی حرص غالب ہوتی ہے تو ہزاروں حیلے اور مکر کرتا ہے تاکہ سیم و زر حاصل کر سکے اس وقت تو نہیں کہتا کہ خداوند تعالیٰ رحیم و کریم ہے۔ وہ میری محنت کے بغیر میرے کام کا بندوبست فرما دے گا۔ اے نفس! خدا تجھے سمجھے یہاں تو کہے گا کہ سچ ہے کہ عمل کا بدلہ ملے گا لیکن مجھ میں محنت کرنے کی طاقت نہیں ہے کیا تو یہ نہیں سمجھتا کہ تھوڑی محنت کرنا اس شخص پر بھی فرض ہے جو کڑی مشقت نہیں اٹھا سکتا تاکہ کل دوزخ کے عذاب سے نجات مل جائے کیونکہ کوئی شخص محنت اٹھائے بغیر رنج سے آزاد نہیں ہوگا۔ پس جب آج کے دن تو اس قدر محنت برداشت نہیں کر سکتا تو کل دوزخ کے عذاب، ذلت اور مردود و ملعون ہونے کی تاب کیونکر لائے گا۔

تیرا ناس جائے! تو سیم و زر حاصل کرنے کے لئے شدید محنت اور ذلت برداشت کر رہا ہے۔ اور صحت کی طلب کے لئے یہودی طبیب کے کہنے سے لذیذ چیزیں کھانا چھوڑ دیتا ہے کیا تو نہیں جانتا کہ دوزخ کی آگ بیماری و محتاجی کی محنت سے کہیں زیادہ سخت اور آخرت کی مدت، دنیا کی آمدت سے کہیں زیادہ ہے۔

اے نفس خدا تجھے غارت کرے! تو کہتا ہے کہ گناہ سے توبہ کر کے نیک عمل شروع کروں گا! اور ہو سکتا ہے کہ توبہ کرنے سے پہلے ہی تیری موت یکایک آ جائے۔ اس وقت حسرت کے سوا اور کچھ تیرے ہاتھ نہیں آئے گا۔ اگر تیرا یہ خیال ہے کہ آج کے مقابلہ میں کل توبہ کرنا زیادہ آسان ہوگا تو یہ بھی تیری نادانی ہے کیونکہ تو یہ میں تو جتنی تاخیر کرے گا اتنا ہی توبہ کرنا تجھ پر دشوار ہوگا۔ جب موت نزدیک آئے گی تو یوں ہوگا۔ کہ جانور کو گھاٹی کے آخر میں پہونچتے وقت دانہ دیں تو اس سے کچھ فائدہ نہ ہوگا (کہ ذبح سے کچھ دیر پہلے چارہ دانہ اس کے لئے بیکار ہے) تیری مثال اس

شخص کی سی ہے جو علم سیکھنے کی خاطر باہر نکل کر سستی کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اپنے شہر کو واپس پہونچ کر دوسرے دن علم سیکھنے میں کوشش کروں گا۔ اور یہ نہیں سمجھتا کہ علم حاصل کرنے کے لئے بڑی مدت درکار ہے۔ اسی طرح نفس بدکار کو ایک مدت تک ریاضت اور مشقت میں رکھنا پڑے گا تب وہ پاک ہوگا اور درجۂ محبت اور انس و معرفت تک پہونچے گا اور راستہ کی تمام صعوبتوں سے پار ہو سکے گا۔ جب عمر گذر چکی اور ضائع ہوئی تو اب مہلت نہیں ملے گی تو مجاہدہ کیونکر ہو سکے گا۔ کیونکہ جوانی، بڑھاپے اور صحت بیماری سے قبل گذر چکی اور فراغت کو دور کام کاج سے پہلے اور زندگی کو موت سے قبل تو نے غنیمت نہیں سمجھا

اے نفس! او بیحک، تو موسم گرما میں موسم سرما کی تمام تیاریاں کرنے میں خدا کے کرم پر بھروسہ کر کے دیر کرتا ہا آخر زمہریر کی سردی زمستاں سے کم نہیں اور دوزخ کی گرمی تابستاں سے تھوڑی نہیں۔ تو زمستان اور تابستان کے کاموں میں سستی نہ کر کے آخرت کے کاموں میں تقصیر کرتا ہے۔ شاید اس کا یہ سبب ہے کہ آخرت اور روز قیامت پر تو ایمان نہیں لایا اور یہ کفر تیرے باطن میں چھپا ہوا ہے۔ جس کو تو نے خود اپنے سے پوشیدہ رکھا ہے اور یہ تیری ہلاکت ابدی کا سبب ہے۔

اے نفس! خدا تجھے سمجھے! جان کر جو شخص سمجھتا ہے کہ نور معرفت کی پناہ لیے بغیر موت کے بعد آتش شہوت اس کو نہیں جلاتے گی۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ جُبّہ نہ پہنے اور سمجھے کہ خدا کے فضل وکرم سے اس کے جسم کو ٹھنڈ نہیں لگے گی اور نادان یہ نہیں جانتا کہ اس کا فضل یہ تھا کہ جب اس نے زمستان پیدا کیا تو تیری رہنمائی جبہ کی طرف فرمائی (کہ موسم سرما میں جبہ پہنو گے تو سردی رفع ہو گی) فضل یہ نہیں ہے کہ بغیر جُبّہ کے سردی رفع ہو جائے۔

تیرا ناس جائے اے نفس! کہ معصیت جو تجھ کو عذاب میں ڈالے گی اس کا سبب یہ ہے کہ خداوند بزرگ و برتر کا تیری نافرمانی پر عتاب ہوا، حالانکہ تو یہ بھی کہتا ہے کہ میرے گناہوں سے خداوند کریم کا کیا نقصان! نادان ایسا نہیں ہے بلکہ حق تعالیٰ آتش دوزخ تیرے باطن میں تیری شہوتوں سے پیدا کرتا ہے جس طرح زہر اور بری چیزوں کے کھانے سے تیرے جسم میں بیماری پیدا ہوتی ہے۔ اس کا سبب یہ تو نہیں ہوتا کہ طبیب تجھ سے ناراض ہو کر تیری بیماری کا سبب بن گیا۔

اے نفس! تیرا بھلا ہو! بے شک تو دنیا کی نعمتوں اور لذتوں میں مبتلا ہے اور دل سے ان کا فریفتہ ہے اگر تو بہشت اور دوزخ پر ایمان نہیں لایا تو اب موت پر ایمان لا کیونکہ یہ تمام عیش و آرام تجھ سے چھین لئے جائیں گے اور ان کی اور ان کی جدائی سے تو غمگین ہو گا اس پر بھی اگر تیری خواہش کہ ان کی دوستی دل میں مضبوط کرے تو کرنے پر یاد رہے کہ جتنی ان کی دوستی ان کی دل میں مضبوط ہو گی اتنا ہی ان کی جدائی کا رنج زیادہ ہو گا۔

تیرا ناس جائے! تو کیوں دنیا کا گرفتار ہوا ہے۔ اگر تجھے مشرق سے مغرب تک تمام جہان دے دیا جائے اور وہاں کے رہنے والے تجھے سجدہ ہی کریں، تو کچھ دنوں میں تو اور وہ سب خاک کے برابر ہو جائیں گے اور جو بھی تجھ کو تھوڑا سا حصہ ملتا ہے اور وہ بھی رنج و محنت سے خالی نہیں ہے تو بہشت ابدی کے عوض اس کو کیوں خرید رہا ہے۔

تیرا برا ہو! اگر کوئی شخص قیمتی جوہر دے کر ٹوٹی ہوئی ٹھیکری لے گا تو اس پر ضرور تو ہنسے گا پس یہ دنیا تو ایک ٹھیکری ہے اس کو یکبارگی ٹوٹ جانے والی سمجھ اور وہ گوہر جو گم ہوا ہے اور پھر نہیں ملے گا۔ اور اس کا عذاب اور اس کی حسرت باقی رہے گی۔

چاہیے کہ اس قسم کا عتاب نفس پر کرتا رہے تاکہ تادیب نفس کا حق ادا ہو اور لازم ہے کہ پہلے خود کو نصیحت کرے اس کے بعد دوسرے کو نصیحت کی جائے۔

:-———— :-

اصل ہفتم

تفکّر

اے عزیز! معلوم ہو کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ ایک گھڑی کا تفکر سال بھر کی عبادت سے بہتر ہے اور قرآن پاک میں متعدد جگہ تفکر، تدبر، نظر اور عبرت کا حکم ہوا ان سب کے معنی تفکر ہیں جب تک ہر ایک شخص کو تفکر کی حقیقت معلوم نہ ہوگی۔ اور یہ کہ کس چیز میں کرنا چاہیئے اور تفکر کس واسطے ہے اور اس کا فائدہ کیا ہے ان تمام باتوں کو نہیں سمجھے گا۔ تفکر کی خوبی اس کو معلوم نہیں ہوگی اس کی شرح ضروری ہے ہم پہلے تفکر کی فضیلت بیان کرتے ہیں اس کے بعد اس کی حقیقت اور پھر اس کے فائدے بیان کریں گے۔ اور اس کے بعد یہ بتائیں گے کہ تفکر کس چیز میں ہوا کرتا ہے۔

تفکر کی فضیلت

اے عزیز معلوم ہونا چاہیئے کہ وہ کام جو سال بھر کی طاعت وعبادت سے بہتر ہو ظاہر ہے کہ بہت ہی فضیلت والا ہوگا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ بہت کم لوگ ہیں جو حق تعالیٰ کے باب میں فکر کرتے ہیں۔

حضرت رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا! اے لوگو! حق تعالیٰ کی صفت میں غور وفکر کرو ذات باری میں تفکر مت کرو کیونکہ یہ تمہاری طاقت سے باہر ہے اور اس کی قدر کو تم نہ پہچان سکو گے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ارشاد فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں گریہ کناں تھے۔ میں نے دریافت کیا یا رسول اللہ! حق تعالیٰ نے آپ کو بخش دیا ہے۔ پھر آپ کیوں روتے ہیں۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے کہ اے عائشہ! میں کیوں نہ روؤں کہ مجھ پر یہ آیت نازل ہوئی ہے

اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ ۝	بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات اور دن کے اختلاف میں دانشوروں کے لئے نشانیاں ہیں۔

آپ نے فرمایا کہ افسوس ہے اس شخص پر جو اس آیت کو پڑھ کر اس کے مطالب میں تفکر نہ کرے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کسی نے دریافت کیا کہ اے روح اللہ! کیا روئے زمین پر کوئی بشر آپ جیسا ہوگا؟ آپ نے فرمایا ہاں! وہ شخص جس کی تمام گفتگو اللہ کا ذکر اور خاموشی تفکر اور اس کی نظر عبرت آموز ہو وہ مجھ جیسا ہے!

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لوگو! اپنی آنکھوں کو عبادت سے بہرہ مند کرو۔ لوگوں نے دریافت کیا یا رسول اللہ! کس طرح سے؟ آپ نے فرمایا قرآن پاک دیکھ دیکھ کر پڑھنے، تفکر اور عجائب قدرت الٰہی سے

شیخ ابوسلیمان دارانی نے کہا ہے کہ دنیا کی چیزوں میں تفکر آخرت کا حجاب ہوگا اور آخرت کے بارے میں تفکر کا ثمرہ یہ ہے کہ حکمت حاصل ہوگی اور دل زندہ ہوگا۔

حضرت داؤد طائی کا تفکر

حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ ایک رات اپنے گھر کی چھت پر چڑھ کر ملکوت آسمان میں فکر کر رہے تھے اور روتے جاتے تھے۔ پس بے اختیار ہو کر ایک پڑوسی کے گھر میں گر پڑے۔ ہمسایہ گھبرا کے اٹھا اور چور سمجھ کر تلوار کھینچ لی۔ جب اس نے حضرت داؤد طائی کو دیکھا تو پوچھا تم کو کس نے گرا دیا، انہوں نے جواب دیا کہ میں بے ہوش تھا مجھے کچھ معلوم نہیں

حقیقت تفکر

اے عزیز معلوم ہونا چاہیئے کہ تفکر کے معنی طلب علم و آگہی کے ہیں اور جو علم کہ فوراً معلوم نہ ہو اس کو طلب کرنا ضروری ہے یہ ممکن نہیں ہے مگر دوسری دو معرفتوں سے، اگر ان دونوں کو جمع کر دیا جائے تو ایک تیسری معرفت پیدا ہوگی ان دونوں کے ملنے سے۔ جس طرح نر اور مادہ کے ملاپ سے بچہ پیدا ہوتا ہے (ایک تیسری حقیقت) دو اولین معرفتیں اس تیسری معرفت کے حق میں ماں باپ کا حکم رکھتی ہیں۔ پھر اس تیسرے علم کو بھی ان دو سے ملا دے تاکہ اس سے ایک چوتھا علم پیدا ہو جائے جب اسی طرح کرتا جائے گا بے انتہا علوم پیدا ہوتے چلے جائیں گے۔ اگر کوئی شخص اس طور پر علم حاصل نہیں کر سکتا تو اس کا سبب یہ ہوگا کہ وہ ان علوم سے جو بمنزلہ اصل کے ہیں وہ خبردار نہیں ہے اور اس کی مثال اس شخص کی ہوگی جس کے پاس سرمایہ تو ہے لیکن وہ سوداگری نہیں کر سکتا۔ بہرحال یہ ایک طویل بحث ہے۔ مختصراً اس کی ایک مثال ہم پیش کریں گے مثلاً اگر کوئی شخص یہ جاننا چاہتا ہو کہ آخرت دنیا سے بہتر ہے تو جب تک وہ ان دو باتوں کو نہ جانے گا اس بات کا علم اس کو نہیں ہو سکتا۔ ایک تو یہ جانے کہ باقی، فانی سے بہتر ہے۔ دوسرے یہ معلوم کرے کہ آخرت باقی ہے اور دنیا فانی ہے۔ پس جب ان دو اصل کو معلوم کر لیا تو یقیناً یہ دوسرا علم "آخرت دنیا سے بہتر ہے" اس سے پیدا ہوگا اس پیدائش سے ہمارا مقصود وہ نہیں ہے جو "معتزلہ" کا ہے (اس کا بیان طوالت کا موجب ہے)

پس تمام تفکرات کی حقیقت یہ ہے کہ دو علم حاصل کرنے سے بکری کا بچہ پیدا نہیں ہوتا اسی طرح دو علوم کے

ملانے سے ہر وہ علم جو تم چاہو گے پیدا نہیں ہو گا بلکہ علوم کی ہر ایک نوع کے دو اصل خاص ہوتی ہیں جب تک تم ان دو اصل کو اپنے دل میں حاضر نہ کرو گے وہ تیسرا علم جو بمنزلہ فرع کے ہے پیدا نہیں ہو گا۔

تفکر کیوں ضروری قرار پایا

انسان کو ایک نور کی حاجت ہے

معلوم ہونا چاہیے کہ انسان کی پیدائش ظلمت اور جہل میں ہوئی ہے اور اس کو ایسے نور کی ضرورت ہے جو اس کو تاریکی سے نکالے اور معلوم کرے کہ وہ کیا کام کرے اور کس راہ پر چلے۔ دنیا کی راہ پر یا آخرت کی راہ پر۔ وہ اپنی ذات کی طرف مشغول ہو یا خدا کی طرف۔ یہ بات نور معرفت کے بغیر معلوم نہیں ہو سکتی۔ اور نور معرفت بغیر تفکر کے حاصل نہیں ہو گا۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے:۔

خلق الخلق فی ظلمۃ ثم رش علیھم من نورہٖ — حق تعالیٰ نے بندوں کو پیدا فرمایا کر ان پر اپنے نور کا پرتو ڈالا

جس طرح وہ شخص جو اندھیرے میں ہو چل نہیں سکتا تب وہ لوہا پتھر پر مار کر اس سے آگ نکالتا ہے اور اس سے چراغ کو روشن کرتا ہے۔ اس چراغ سے اس کی حالت تبدیل ہوتی ہے۔ بینا ہو کر سیدھے راستہ کو پہچانتا ہے پھر چلتا ہے۔ ایسا ہی ان دو علوم کے بارے میں کہا جا سکتا ہے جو اصل ہیں اور جب ان کو باہم ملا دیا جائے تو ان سے تیسری معرفت پیدا ہوتی ہے جس کی مثال لوہے اور پتھر کی ہے۔ اور تفکر کی مثال اس لوہے کو پتھر پر مارنے (رگڑنے) کی ہے اور معرفت کی مثال اس نور کی ہے جو اس عمل سے نکلے گا۔ تاکہ اس سے دل کی حالت تبدیل ہو اور جب اس کا حال بدلتا ہے تو اس کا عمل بھی بدلتا ہے۔ مثلاً جب اس نے یہ معلوم کر لیا کہ آخرت بہتر ہے۔ تو دنیا سے منہ پھیر کے آخرت کی طرف توجہ کرے گا۔ پس تفکر سے تین چیزیں حاصل ہوتی ہیں: معرفت[۱]، حالت[۲]، عمل[۳]۔ لیکن عمل حالت کا تابع ہے۔ حالت معرفت کی تابع ہے اور معرفت تفکر کی۔ پس معلوم ہوا کہ تفکر ہی تمام حسنات کی اصل اور کلید ہے اور اس توضیح سے اس کی فضیلت ظاہر ہو جائے گی۔

"میدان فکر کی وسعت"

اے عزیز معلوم کرو کہ فکر کا میدان اور اس کی جولانگاہ بہت وسیع ہے کیونکہ علوم بیشمار ہیں اور سب میں فکر کی گنجائش موجود ہے لیکن جو بات راہ دین سے تعلق نہیں رکھتی اس کی توضیح اور تشریح ہمارا مقصود نہیں ہے۔ جو بات

راہِ دین سے تعلق نہیں رکھتی اس کی توضیح اور تشریح ہمارا مقصود نہیں ہے ہاں جو بات دین سے متعلق ہے اگرچہ اس کی تفصیل بھی دراز ہے لیکن مجملاً اس کے اجناس کا بیان ہو سکتا ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ راہِ دین سے مراد وہ معاملہ ہے جو بندہ اور خداوند تعالیٰ کے درمیان ہوتا ہے اور یہ بندہ کی وہ راہ ہے جس سے وہ خدا تک پہنچے گا۔ بندہ یا تو اپنے بارے میں فکر کرے گا یا حق تعالیٰ کے باب میں۔ اگر اس کی فکر خدا کے باب میں ہے تو اس کا یہ تفکر اس کی ذات کے بارے میں یا صفات یا افعال یا اس کے عجائب مصنوعات کے باب میں ہوگا۔ اگر وہ اپنے باب میں تفکر کرتا ہے تو وہ تفکر یا ایسی صفتوں میں ہوگا جو خداوندِ قدوس کو ناپسند ہیں اور اس کو حق تعالیٰ سے دور کر دیں۔ ان صفات کو معاصی اور مہلکات کہتے ہیں یا یہ فکر ایسی چیزوں میں ہوگی جو خداوند تعالیٰ کی پسندیدہ ہوں اور بندہ کو خدا کے نزدیک کرنے والی ہوں ان کو طاعات اور منجیات کہتے ہیں۔ پس تفکر کے اس راہ میں بھی چار میدان ہیں۔ اور بندہ کی مثال اس عاشق کی سی ہے جس کو معشوق کے سوا اور کچھ خیال ہی نہیں اگر اس کا خیال غیر معشوق کی طرف بھی ہے تو اس کا عشق ناقص ہے۔ اور کامل عشق وہ ہے کہ کسی اور چیز کی گنجائش اس کے دل میں نہ ہو اور اس کا خیال ہر دم معشوق کے حسن صورت اور سیرت کی طرف رہے۔

اگر عاشق اپنے باب میں سوچتا ہے تو وہ ایسے معاملات اور مقدمات کے بارے میں سوچے گا جن کے وسیلہ سے وہ معشوق کے حضور میں قبولیت حاصل کر سکے یا ایسی بات میں فکر کرے گا جس سے معشوق کو کراہت ہو۔ اور اس سے حذر کرے اور جو خیال عشق سے پیدا ہوتا ہے وہ بیان کردہ ان چار احوال سے خالی نہیں ہوتا۔ عشق دین اور دوستی حق تعالیٰ بھی اسی طرح ہے۔

میدان اول

میدانِ اوّل یہ ہے کہ بندہ اپنے بارے میں تفکر کرے تاکہ معلوم کر سکے کہ صفاتِ بد اور افعال ذمیمہ اس میں کون کون سے ہیں تاکہ ان سے خود کو پاک کرے۔ یہ ظاہر کے گناہ اور باطن کی برائیاں ہیں اور یہ بے شمار ہیں۔ کیونکہ ظاہر کے گناہ ہفت اعضاء سے تعلق رکھتے ہیں جیسے زبان، آنکھ، پاؤں، ہاتھ وغیرہ بعض کا تعلق تمام بدن سے ہے۔ دل کی برائیاں بھی اسی طور پر ہیں۔

اطوارِ تفکر

ہر ایک تفکر کے تین طور ہوتے ہیں ایک یہ کہ فلاں کام اور فلاں صفت مکروہ ہے یا نہیں۔ یہ بات سب جگہ ظہور میں نہیں آتی اور صرف تفکر سے اس کو شناخت کیا جا سکتا ہے۔ دوسرا طور یہ کہ یہ بات سب جگہ ظہور میں نہیں آتی اور صرف تفکر سے اس کو شناخت کیا جا سکتا ہے۔ بھی بغیر تفکر کے دشوار ہے۔ تیسرا طور یہ کہ ہیں جو اس صفت بد سے موصوف ہوں تو اس سے چھوٹنے کی کیا تدبیر ہے۔ پس ہر روز صبح کے وقت چاہیے کہ ایک ساعت کے لئے سب سے پہلے زبان کے ظاہری گناہوں کے بارے میں اندیشہ کرے کہ آج کے دن

کون سی بات میں زبان مبتلا ہوگی۔ ممکن ہے کہ غیبت یا جھوٹ میں گرفتار ہو تو اس سے بچنے کی کیا تدبیر ہے اسی طرح اگر یہ خطرہ ہو کہ لقمہ حرام اس کو چکھنا ہوگا تو اس سے چھوٹنے کی تدبیر کرے۔ علیٰ ھذا القیاس اپنے تمام اعضاء کا حال دریافت کرے اور اسی طرح تمام طاعات میں بھی فکر کرے اور جب طاعات سے فراغت حاصل ہو تو فضائل اعمال میں اندیشہ کرے اور سب کو بجالائے۔ مثلاً کہے کہ زبان کو ذکر الٰہی اور مسلمانوں کو راحت پہونچانے کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور میں فلاں ذکر کر سکتا ہوں اور فلاں عمدہ بات کہہ سکتا ہوں تاکہ دوسرے شخص کا دل خوش ہو۔ کہے کہ آنکھ کو اس لئے پیدا کیا گیا ہے کہ دین کا دام بن جائے تاکہ سعادت کو شکار کر سکوں۔ فلاں عالم کو نظر توقیر سے دیکھوں اور فاسق کو حقارت کے ساتھ دیکھوں تاکہ آنکھوں کا حق ادا ہو سکے اور مال مسلمانوں کی راحت کے لئے ہے تو میں فلاں کو مال صدقہ کے طور پر دوں گا اور اگر مجھے ضرورت پڑی تو دوسرے کو دے دوں گا اور خود صبر کروں گا۔ یعنی ایثار سے کام لوں گا اسی طرح کی مثالوں پر ہر روز غور کرے ممکن ہے کہ کسی وقت کی فکر میں ایسا خطرہ آجائے جو تمام عمر اس کو گناہوں سے باز رکھے۔ پس اس وجہ سے ایک ساعت کا تفکر سال بھر کی عبادت سے افضل قرار پایا ہے کیونکہ اس کا فائدہ تمام عمر باقی رہتا ہے۔ جب ظاہری طاعات و معاصی کے تفکر سے خالی ہو تو مہلکات کی طرف توجہ کرے کہ اس میں برے اخلاق کون کون سے اس کے باطن میں موجود ہیں اور منجیات یعنی اخلاق پسندیدہ میں سے وہ کیا نہیں رکھتا تاکہ اس کے حصول کی کوشش کرے اس کی تفصیل بھی طویل ہے لیکن اصل مہلکات دس ہیں: اگر آدمی ان سے بچے تو وہ کفایت کریں گے: دس مہلکات یہ ہیں:۔ بخل[۱]، تکبر[۲]، عجب[۳]، ریا[۴]، حسد[۵]، غضہ[۶]، حرص طعام[۷]، حرص سخن[۸]، دوستی مال[۹] حب جاہ[۱۰]۔ اصل میں منجیات بھی دس ہیں: توبہ[۱]، صبر[۲]، رضا بالقضا[۳]، شکر نعمت[۴]، خوف[۵]، رجا[۶]، زہد یعنی ترک دنیا، اخلاص طاعات[۸] مخلوق کے ساتھ خلق خوب[۹]، محبت الٰہی[۱۰]۔ ان صفات میں سے ہر صفت میں تفکر کی بڑی گنجائش ہے اور یہ راہ اس شخص کو ملے گی جو ان صفات کے علوم کو جو ہم نے اس کتاب میں ذکر کئے ہیں پہچانے" اور انسان کو چاہیئے کہ ایسا جریدہ (دفتر) تیار کرے جس پر یہ صفات تحریر ہوں۔ جب ایک صفت میں تفکر سے فارغ ہو جائے تو اس پر خط کھینچ دے پھر دوسری صفت کی طرف مشغول ہو اور ممکن ہے کہ کسی کو ان تفکرات میں کوئی تفکر اہم معلوم ہو کہ اس کو اس سے کام پڑا ہے مثلاً کوئی عالم پرہیزگار ہے جو ان بُرے اخلاق سے رستگاری پاچکا ہے لیکن وہ اپنے علم پر عُجب و غرور کرتا ہے اور اپنا علم دوسروں کو جتلا کے اپنی بزرگی و ناموری تلاش کرتا ہے اپنی عبادت اور صورت کو سنوار کے لوگوں کو بتاتا ہے[۱]۔ اور مخلوق میں مقبول ہونے پر خوش ہوتا ہے اگر کوئی شخص اس کی عیب جوئی کرے تو دل میں اس سے بغض و کینہ رکھتا ہے اور جب موقع

---

[۱] جس طرح آج کل خود اپنے قلم سے اپنے نام سے پہلے "علامہ" لکھتے ہیں۔ بالوں میں خوب تیل ڈال کر سنہرے فریم کا چشمہ آنکھوں پر لگالیتے ہیں حالانکہ بینائی میں قطعی کوئی کمزوری نہیں ہوتی۔

ملتا ہے تو اس سے انتقام لیتا ہے۔ یہ تمام باتیں چھپی ہوئی خباثتیں ہیں۔ یہ آدمی کے دین میں خلل ڈالنے والی ہیں پس چاہیئے کہ ہر روز اس معاملہ میں فکر کرے کہ اس برائی سے کس طرح بچ سکتا ہے اور اس کے نزدیک مخلوق کا ہونا یا نہ ہونا برابر ہو جائے پس اس کی نظر صرف خدا کی طرف ہو۔ اس باب میں فکر کی بہت گنجائش ہے۔ ہماری اس توضیح سے یہ بات ظاہر ہو گئی ہو گی کہ اپنے مہلکات و منجیات کے بارے میں انسان کا تفکر کوئی حد و نہایت نہیں رکھتا ہے یہاں اس کی تفصیل بیان نہیں ہو سکتی۔

میدان دوم

حق تعالیٰ کے لئے تفکر

باری تعالیٰ کے باب میں تفکر یا تو اس ذات و صفات کے بارے میں ہو گا۔ یا اس کے افعال و مصنوعات کے سلسلہ میں ہو گا۔ اس تفکر کا بڑا مقام ہے۔ جو ذات و صفات باری سے علاقہ رکھتا ہے۔ لیکن عوام کو اس کی طاقت نہیں کو رعقل کی وہاں رسائی ہو نہیں سکتی۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے کہ ذات باری میں تفکر مت کرو کیونکہ یہ بات تمہاری طاقت سے باہر ہے اس دشواری کا سبب یہ نہیں ہے کہ حق تعالیٰ کی ذات پوشیدہ ہے بلکہ اس کی عظمت اسقدر روشن اور تاباں ہے کہ انسان کی بصیرت اس کی تاب نہیں لا سکتی اور وہ بے خود و متحیر ہو جائے گا۔ مثلاً چمگادڑ دن کو اڑ نہیں سکتی کیونکہ اس کی آنکھ ضعیف ہے آفتاب کے نور کی تاب نہیں لا سکتی ہے۔ رات کو جب نور کم ہوتا ہے تو دیکھ سکتی ہے۔ عوام الناس کی بھی یہی مثال ہے لیکن صدیقین اور بزرگان جلالی حق کا مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ لیکن ہمیشہ دیکھنے کی ضرورت میں بھی نہیں ہے۔ مثلاً کوئی شخص آفتاب کو دیکھ سکتا ہے لیکن ایسا شخص اگر مدام دیکھے گا تو اندیشہ ہے کہ اس کی بصارت ختم ہو جائے گی اسی طرح جمال الہٰی کے مشاہدہ میں دیوانگی اور بے ہوشی کا اندیشہ ہے پس صفات الہٰی کے اسرار جو بزرگوں کے علم میں ہیں۔ مخلوق سے ان کو بیان کرنے کی اجازت اور رخصت نہیں ہے۔ مگر ایسے الفاظ جو بندوں کی اپنی صفات سے قریب ہوں مثلاً تم کہو کہ حق تعالیٰ عالم، مرید، متکلم ہے ان الفاظ سے انسان کچھ چیز سمجھ سکتا ہے جو اس کی صفتوں کی مانند ہو۔ اس کو تشبیہ کہتے ہیں لیکن اگر صرف اتنا کہا جائے کہ خدا کا کلام انسان کے کلام کی طرح نہیں ہے جو حرف و صوت رکھتا ہے اور اس کا سلسلہ کبھی رہتا ہے کبھی ٹوٹ جاتا ہے۔ جب تم اتنا کہو گے تو شاید اس کی سمجھ میں نہ آئے اور انکار کرے اور کہے کہ خدا کا کلام بے حرف و صوت کیسا ہو گا۔ یا تو تم اس سے کہو کہ خدا کی ذات تیری ذات کی طرح نہیں ہے۔ نہ وہ جوہر ہے نہ عرض۔ نہ کسی جگہ ہے نہ جہت میں۔ نہ عالم سے متصل ہے نہ منفصل، نہ عالم سے

باہر ہے نہ عالم کے اندر۔ اس کا بھی وہ انکار کرے گا اور کہے گا یہ کیوں کر ہو سکتا ہے۔ اس انکار کی وجہ یہ ہو گی کہ وہ خدا تعالیٰ کی اپنی مانند سمجھتا ہے جو ایک تخت پر جلوہ افروز ہے اور خدم و غلام اس کے سامنے کھڑے رہتے ہیں۔ حق تعالیٰ کے باب میں اسی طرح خیال کر کے کہتا ہے کہ ضروری ہے کہ خداوند تعالیٰ کے بھی ہاتھ، پاؤں، آنکھ منہ اور زبان ہو۔ جب بندہ اپنے وجود میں یہ اعضاء دیکھتا ہے۔ تو خیال کرتا ہے۔ کہ اگر یہ خدا کی ذات میں نہ ہوں تو نقصان کا موجب ہو گا ایسی عقل اگر مکھی کو بھی ہوتی تو کہتی کہ میرے خالق کے بھی ضرور پر و بال ہوں گے کیونکہ اس نے میری قدرت و توانائی کے باعث ہی مجھے یہ چیز دی ہے پس وہ آپ بھی یہ رکھتا ہو گا۔ یہی حال انسان کا ہے اپنے اوپر اس کی ہستی کا قیاس کر رہا ہے۔ اسی وجہ سے خدا کی ذات و صفات میں تفکر کرنا شرع میں درست نہیں۔ اسی طرح بزرگانِ سلف نے علم الکلام پڑھنے سے منع کیا ہے کہ ان کے نزدیک یہ جائز نہیں کہ باری تعالیٰ نہ عالم کے باہر ہے اور نہ عالم میں ہے نہ متصل ہے نہ منفصل بلکہ وہ صرف اس بات پر قناعت کرتے ہیں (کافی سمجھتے ہیں) کہ لیس کمثلہ شیئی یعنی نہ وہ کسی سے مشابہت رکھتا ہے اور نہ کوئی اس کے مشابہ اور مانند ہو گی اس بات کو بغیر تفصیل کے مجمل کہہ دینا کافی ہے کہ ان کے مذہب میں تفصیل بدعت ہے۔

کیونکہ اکثر و بیشتر مخلوق کا فہم یہاں قاصر ہے (اکثر لوگ کم فہم ہیں) اس لئے ایک نبی پر وحی نازل ہوئی اور حکم دیا گیا کہ بندوں سے میری صفات کا حال (اور کنہہ) بیان مت کرو کیونکہ یہ اس کا انکار کریں گے۔ پس ایسی بات ہی کہنا جو ان کی عقل میں آسکے پس اولیٰ یہ ہے کہ اس بارے میں ہرگز گفتگو اور تفکر نہ کریں۔ ہاں ایسا شخص جو کامل ہو وہ اس باب میں تفکر کرے لیکن آخر کار اس کو بھی دہشت اور حیرت سے دوچار ہونا پڑے گا۔ پس سزاوار یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی عظمت عجائب صنعت سے معلوم کریں۔ ہر ایک جو عالم وجود میں آئی ہے اس کی قدرت اور عظمت کے انوار سے ایک نور ہے کیونکہ اگر کوئی آفتاب دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتا ہے تو وہ اس کے نور کو جو زمین پر پڑ رہا ہے ضرور دیکھ سکتا ہے۔

میدان سوم

عجائب مخلوقات میں تفکر

اس میدان میں اس تفکر کا بیان ہے جو عجائب مخلوقات میں کریں اے عزیز معلوم ہونا چاہیے کہ جو کچھ عالم میں موجود ہے خداوند تعالیٰ کی عجیب و غریب صفت ہے آسمان و زمین کا ہر ایک ذرّہ زبان حال سے خداوند تعالیٰ کی پاکی، اس کی قدرت کاملہ اور

علم بے حد کو بیان کر رہا ہے اور یہ عجائب مخلوقات بے شمار ہیں ان کی تفصیل نہیں ہو سکتی۔ اگر سات سمندر سیاہی بن جائیں اور تمام درختوں کی شاخوں کے قلم بن جائیں اور سارے بندے کاتب بن کر زمانہ دراز تک لکھیں تب بھی کلمات الٰہی جن سے مراد عجائب قدرت ہیں تمام نہیں ہو سکتے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ قل لوکان البحر مدادا لکلمت ربی: فرما دیجئے کہ میرے رب کے کلمات تحریر کرنے کے لئے اگر تمام سمندر روشنائی بن جائیں۔ لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربی ولوجئنا بمثلہ مددا: تو سمندر خشک ہو جائیں قبل اس کے کہ وہ میرے رب کے کلمات کو تحریر کر پائیں اگر اس کے مثل وہ اور روشنائی کیوں نہ لے آئیں۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ مخلوقات کی دو قسمیں ہیں: ایک قسم وہ ہے جن کی ہم کو خبر نہیں پھر اس میں تفکر کیونکر کیا جاسکتا ہے جس طرح کہ خداوند تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا یَعْلَمُوْنَ ۝

پاکی ہے اُسے جس نے سب جوڑے بنائے ان چیزوں سے جنہیں زمین اُگاتی ہے اور خود ان سے اور ان چیزوں سے جن کی انہیں خبر نہیں ہے۔

دوسری قسم مخلوقات کی وہ ہے جن کی ہم کو خبر حاصل ہے۔ ایسی مخلوق دو قسم کی ہے ایک وہ ان کو ہم آنکھ سے دیکھ نہیں سکتے جیسے عرش و کرسی، فرشتے، جن، پری، ان میں تفکر کے اطوار بہ سبب طوالت اس مختصر میں لکھنا دشوار ہے۔ فقط ان چیزوں کے بیان پر اکتفا کرتے ہیں جو دیکھی جاتی ہیں۔ یعنی آسمان، زمین، آفتاب، ماہتاب، ستارے اور جو کچھ زمین کے اوپر ہے جیسے پہاڑ، جنگل، سات سمندر اور بستیاں اور وہ چیزیں جو پہاڑوں کے اندر موجود ہیں۔ یعنی جواہر اور دوسری کانیں۔ نباتات کی قسم سے جو چیزیں زمین کے اوپر ہوتی ہیں قسم قسم کے صحرائی اور دریائی جانور اور انسان کیونکہ وہ سب سے عجیب تر ہے۔ اسی طرح جو کچھ آسمان اور زمین کے درمیان (جوّیات) ہے جیسے ابر، بارش برف، ژالہ، رعد، بجلی، قوس قزح اور وہ دوسرے آثار جو ہوا کے درمیان پیدا ہوتے ہیں ہر ایک میں تفکر کی گنجائش ہے اور یہ سب کے سب صنعت الٰہی کے عجائب ہیں۔ ان میں سے بعض کا ہم کچھ بیان کریں گے، خداوند تعالیٰ نے قرآن پاک میں اپنی صنعت (آیات) کی نشانیاں بیان فرمائی ہیں تاکہ تم ان میں غور و فکر کرو۔ چنانچہ ارشاد فرمایا ہے:

وَكَاَیِّنْ مِّنْ اٰیَةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَمُرُّوْنَ عَلَیْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ۝

وہ آسمانوں اور زمین کے عجیب نشانوں کو دیکھتے ہیں لیکن ان پر توجہ نہیں کرتے ۝

اور ارشاد فرمایا ہے۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ۝

بے شک آسمانوں اور زمین کی آفرینش میں اور دن رات کے اختلاف میں ارباب بصیرت کے لئے نشانی ہے۔

اور ایسی نشانیاں بہت سی ہیں پس بندہ ان نشانیوں میں فکر کرے۔ سب سے پہلی نشانی جو تم سے قریب ترین ہے خود تمہاری ہی ذات ہے اور دنیا میں کوئی چیز تم سے (وجود انسانی) عجیب تر نہیں۔ لیکن تم خود اپنے وجود سے غافل ہو حالانکہ بارگاہِ الٰہی سے ندا آتی ہے کہ اے بندہ! تو اپنی ذات میں غور کر تاکہ ہماری قدرت اور عظمت تجھ پر ظاہر ہو چنانچہ ارشاد فرمایا۔ وفی انفسکم افلا تبصرون (ہماری نشانیاں تمہارے نفسوں میں موجود ہیں مگر تم غور نہیں کرتے) پہلے تم اپنی ابتدائے خلقت کا خیال کرو کہ کہاں سے تم آئے ہو کیونکہ خداوند تعالیٰ نے تم کو ایک بوند پانی سے پیدا فرمایا ہے۔ اس پانی کو پہلے باپ کی پشت میں اس کے بعد رحم مادر میں جگہ دی غرض اس قطرۂ آب کو تمہاری پیدائش کا تخم بنایا اور ماں باپ پر شہوت کو موکل بنایا۔ ماں کے رحم کو اس کی زمین اور باپ کے نطفہ کو تخم بنایا اور ہر ایک میں یہ شوق پیدا کیا کہ وہ بیج زمین میں بویا جائے۔ اس تخم کو خونِ حیض سے پیدا کیا۔ نطفہ کو پہلے خونِ بستہ کی شکل دی (علقہ) اس کے بعد اس کو مضغہ (لوتھڑا) بنایا پھر اس میں جان ڈالی اور ایک صفت والے خون سے تمہارے اندر قسم قسم کی چیزیں پیدا کیں۔ جیسے گوشت، پوست، رگیں، پٹھے، ہڈیاں، پھر ان سب چیزوں سے تمہارے اعضاء بنائے، سر کو گول بنایا، دو لمبے لمبے ہاتھ اور پاؤں بنائے جن میں سے ہر ایک کی پانچ پانچ انگلیاں ہیں۔ پھر بیرونی اعضاء میں آنکھ ناک، کان منہ، اور زبان بنائی اور دوسرے اعضاء بنائے۔ باطن میں معدہ، جگر، گردے، تلّی، پتّا رحم، مثانہ اور آنتیں پیدا کیں۔ ہر ایک کو الگ الگ شکل عطا فرمائی اور جدا جدا صفتیں، ہر ایک کی مقدار الگ الگ رکھی۔ ہر ایک کے کتنے ہی حصے کئے، ہر انگلی کی پوریں بنائیں، ہر ایک عضو کو پوست، رگ و پٹھے اور استخواں سے ترکیب دی۔ اپنی آنکھ ہی کو دیکھ لو مقدار میں ایک اخروٹ سے زیادہ نہیں اس کے سات طبقے (پردے) بنائے ہر ایک طبقہ کی صفت الگ الگ رکھی، اگر ان میں سے ایک پردہ بھی بگڑ جائے۔ آنکھ کی بصارت ختم ہو جائے۔ اگر صرف آنکھ کے عجائب کی شرح بیان کی جائے تو ایک دفتر تحریر کرنا پڑے۔ اب ذرا اپنی ہڈیوں پر غور کرو کیا مستحکم اور سخت جسم رقیق منی سے پیدا فرمایا اس کا ہر ایک ٹکڑا الگ الگ ساخت اور مقدار رکھتا ہے کوئی گول ہے اور کوئی لابنا اور کوئی چوڑا، کوئی کھوکھلا (جوف دار) اور کوئی بھرا ہوا اور یہ ساری ہڈیاں، ایک دوسرے سے جڑی ہوئی ہیں جن کی تعداد اور بناوٹ میں بہت سی حکمتیں پوشیدہ ہیں استخوان کو تمہارے بدن کا ستون بنایا اور تمام اعضا کی بنیاد اس ستون پر رکھی اگر وہ ستون ایک ہی ٹکڑا ہوتا تو پشت کا خم کرنا ناممکن ہوتا اور اگر جدا جدا ہوتا تو پیٹھ سیدھی کرنا اور کھڑا رہنا دشوار ہوتا۔ ہڈیوں کے مہرے (فقرات) بنائے تاکہ پشت خم ہو سکے اس کے بعد ان کو ایک دوسرے سے جوڑ کر رگوں اور پٹھوں کو ان پر لپیٹ کر خوب مضبوط کر دیا تاکہ وہ ایک ٹکڑے کی مانند کھڑی رہے۔ ہر ایک مہرے کے سروں کو نر و مادہ کی طرح بنایا کہ ایک دوسرے کے ساتھ پیوست ہو جائیں مضبوطی کے ساتھ مہروں کے چاروں طرف پہلو بنائے تاکہ کمزور پٹھے جو اس پر لپیٹے گئے ہیں مضبوط رہیں۔ اور ایک دوسرے

پر سہارا لے سکیں۔ سر کو دیکھو کہ پچپن ہڈیوں سے بنایا گیا ہے اور باریک ریشوں سے ان ٹکڑوں کو جوڑا ہے کہ اگر ایک گوشہ کو صدمہ پہونچے تو دوسرا سلامت رہے اور سب کے سب یک بارگی نہ ٹوٹ جائیں دانتوں کو دیکھو بعض کے سر چوڑے ہیں تاکہ وہ لقمہ کو چبائیں۔ بعض کے سر باریک اور تیز رکھے تاکہ نوالہ کو ریزہ ریزہ کر کے (پچھلے دانتوں کی) چکی میں ڈال دیں۔ گردن پر غور کرو اس کو سات مہروں سے بنایا ہے۔ ان مہروں پر رگیں اور پٹھے لپیٹ دیئے ہیں اور اس طرح اس کو خوب مضبوط کر دیا ہے اور سر کو اس کے اوپر رکھ دیا ہے۔ پیٹھ کو چوبیس مہروں (فقرات) سے بنا کر گردن کو اس پر رکھ دیا ہے۔ سینہ کی ہڈیاں ان مہروں کی عرض میں بنائی ہیں اسی طرح اور دوسری ہڈیاں بنائی ہیں جن کی شرح بہت طولانی ہے۔ الغرض خداوند تعالیٰ نے ترے بدن میں کل دو سو سینتالیس ہڈیاں بنائی ہیں ان میں سے ہر ایک کا فائدہ الگ الگ ہے حالانکہ ان سب کی خلقت پانی کی اسی ایک بوند سے ہوئی ہے۔ اگر ان ہڈیوں میں سے ایک ہڈی بھی کم ہو جائے تو تمہارا کام رک جائے اور ایک بھی زیادہ ہو جائے تو تمہارے آرام میں خلل پڑ جائے۔ جب تمہارے جسم کو تمام اعضا اور استخواں کے ملانے کی ضرورت ہوتی تو تمہارے بدن میں پانچ سو ستائیس (۵۲۷) پٹھے (عضلات) پیدا کئے۔ ہر ایک عضلہ مچھلی کی طرح درمیان میں موٹا اور باریک سر کا بنایا۔ بعض عضلات چھوٹے اور بعض بڑے بنائے۔ ہر عضلہ کی ترکیب گوشت ریشہ (عصب) اور پردہ سے کی جو غلاف کی مانند اس پر پڑا رہتا ہے۔ ان پانچسو ستائیس عضلات میں چوبیس عضلات صرف اس لئے ہیں کہ تم آنکھ اور پلک کو ہر طرف حرکت دے سکو۔ دوسرے اعضا کی حرکات کا اسی پر قیاس کر لو کہ سب کی شرح بہت طولانی ہے۔

علاوہ ازیں تمہارے جسم میں تین حوض بنائے ہیں۔ ان حوضوں سے سارے بدن میں نہریں جاری کیں ان میں سے ایک حوض دماغ کا ہے۔ جس سے اعصاب کی نہریں تمام بدن کو پہونچتی ہیں تاکہ قدرت اور حس و حرکت کا فیض جاری ہو۔ ان نہروں میں سے ایک نہر کو پیٹھ کے گریوں کے اندر رکھا تاکہ اعصاب، مغز سے دور نہ رہیں ورنہ وہ سوکھ جاتے دوسرا حوض جگر کا ہے اس سے رگوں کو ہفت اندام تک پھیلایا تاکہ اس راستہ سے ان کو غذا پہونچے۔ تیسرا حوض دل کا ہے اس سے تمام بدن میں خون کی رگیں (شرائین) پھیلائیں تاکہ روح کا فیض ہر جگہ جاری و ساری ہو اور روح سے ہفت اندام تک پہونچے پس غور کرو کہ تمہارے ایک ایک عضو کو خداوند تعالیٰ نے کس حکمت و صنعت سے بنایا ہے اور کس کس کام کے لئے بنایا ہے۔ آنکھ پر غور کرو اس کو سات طبقات (پردوں) سے پیدا کیا اور ایسے انداز اور طرز پر بنایا جس سے بہتر ہونا ناممکن تھا۔ پلک کے چھڑے (پپوٹے) کو بنایا تاکہ گرد و غبار سے آنکھ کو محفوظ رکھے۔ سیاہ اور سیدھی پلکیں حسن و جمال اور قوت بصارت کے لئے پیدا فرمائیں تاکہ غبار کے وقت آنکھ کو ان سے ڈھک دو اور آنکھ محفوظ رہے لیکن ان کے درمیان سے تم دیکھ بھی سکو۔ جب گرد و غبار اور خاشاک اوپر سے گرے تو یہ پلکیں رکاوٹ بن جائیں اور اس کو آنکھ کے اندر نہ آنے دیں گویا آنکھ کی نگہبان بن جائیں اور ان تمام باتوں سے عجیب تر

بات یہ کہ آنکھ کا گھر باوجود یہ کہ اتنا چھوٹا ہے آسمان اور زمین کی صورت جو اتنی وسیع ہے اس میں نظر آتی ہے۔ جب تم آنکھ کھولتے ہو تو ایک پل میں آسمان اتنی دوری کے باوجود نظر آتا ہے اگر نظر کے عجائب اور دوربین کی کیفیت اور نظارگی کی تفصیل بیان کریں تو کئی دفتر درکار ہوں گے۔ کان کو دیکھو اس میں قدرت نے ایک کڑوا میل پیدا کیا تاکہ کوئی کیڑا اس میں نہ جانے پائے۔ پھر کان کا گھونگا بنا دیا تاکہ آوازوں کو جمع کر کے کان کے سوراخ میں پہونچا دے اس راستہ کو بہت ہی پُرپیچ بنایا ہے اور اس میں بھی حکمت ہے کہ جب تم سوجاؤ اور چیونٹی کان میں جانا چاہے تو اس کو دور دراز راستہ طے کرنا پڑے اور پھرنے لگے اور تم جاگ جاؤ اور اس لدو) اسی طرح اگر منہ اور ناک اور دوسرے اعضاء کی تشریح بیان کی جائے تو بیان بہت طویل ہو جائیگا۔ مقصود اس گفتگو سے یہ ہے کہ تم کو اس کی حقیقت معلوم ہو جائے اور ہر ایک عضو کی حقیقت پر غور کرو کہ اس میں کیا کیا فائدے ہیں۔ اس کے بعد تو خداوند تعالیٰ کی حکمت اور عظمت، لطف و رحمت اور علم و قدرت سے آگاہ ہو سکے کہ تیرے سر سے پیر تک ہزار ہا عجائب موجود ہیں۔ باطن کے عجائب، دماغ کے خزانے اور حس و ادراک کی قوتیں جو اس میں رکھی گئی ہیں سب سے عجیب تر ہیں بلکہ جو فوائد شکم اور سینہ کے اندر ہیں ان کا احوال بھی نادر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے معدہ کو ایک ایسی دیگ کی طرح بنایا ہے۔ جو جوش مار رہی ہے تاکہ کھانا اس میں پکے اور جگر اس پکے ہوئے کھانے کا خون بنائے اور رگیں اس خون کو ہفت اندام تک پہنچا دیں۔ پتہ اس خون کے جھاگ (کف) کو جسے صفرا کہتے ہیں لیتا ہے اور تلی (طحال) اس خون کی تلچھٹ کو جو سودا ہے اپنے اندر لے لیتی ہے اور گردے خون سے پانی جدا کر کے اس پانی کو مثانہ کی طرف بھیج دیتے ہیں۔ اسی طرح رحم (بچہ دانی) اعضائے مخصوصہ اور امعاء (آنتوں) کے عجائب بھی اسی طرح ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حواس ظاہری اور باطنی جیسے بصارت، سماعت اور علم و عقل اور ہوش انسان کو عطا کئے ہیں ان کا حال بھی عجیب و غریب ہے۔

اے عزیز! تمہارا حال بھی عجیب ہے کہ اگر کوئی مصور دیوار پر ایک تصویر کھینچ دیتا ہے۔ تو تم اس کی استادی سے متعجب ہو کر اس کی بے حد تعریف کرتے ہیں۔ لیکن تم آفریدگار کی اس صنعت کو دیکھتے ہو کہ اس نے پانی کے ایک قطرہ سے انسان کے ظاہر و باطن کے ایسے عجیب و غریب نقش و نگار بنائے۔ نہ قلم ہے نہ نقاش ہے پھر ایسے صانع حقیقی کی صنعت دیکھ کر تعجب کیوں نہیں کرتے اور اس کے علم و قدرت کا کمال تم کو بے خود کیوں نہیں کرتا اور اس کی شفقت و رحمت کو حسرت کی نظر سے کیوں نہیں دیکھتے۔ اب غور کرو کہ جب تم رحم مادر میں غذا کے محتاج تھے تو اگر وہاں تمہارا منہ کھلتا تو خونِ حیض بے اندازہ تمہارے معدہ میں پہونچتا اور ہلاک

ے۱ کیموس اور کیلوس مترجم

ہوجانے۔ لہٰذا ناف کے راستہ سے تمہاری غذا پہچانے کا بندوبست کیا پھر جب تم رحم مادر سے باہر آئے تو ناف کو بند کر کے تمہارا منہ کھول دیا تاکہ ماں اندازہ کے مطابق تم کو غذا پہونچائے۔ تمہارا بدن اس وقت نازک اور ضعیف تھا اور سخت چیزوں کے کھانے کی تم میں قوت نہیں تھی تو ماں کے دودھ سے تمہاری غذا مقرر کی۔ اور ماں کے سینہ سے پستان پیدا کر کے ان کا سرا تمہارے منہ کے اندازہ کے مطابق بنایا۔ تاکہ دودھ کی نہر سے دودھ حاصل کرنے میں تم کو زور نہ کرنا پڑے اور ایک قدرتی دھوبی کو عورت کے سینہ میں بٹھا دیا تاکہ سرخ رنگ کے خون کو سفید کر کے اس کا دودھ بنائے اور پاک و لطیف کر کے تم تک پہونچا دے۔ تمہاری ماں کے دل میں تمہاری اسقدر مامتا پیدا کی کہ اگر ایک آن کے لئے بھی تم بھوکے سو جاتے تو وہ بے قرار ہو جاتی اور جب شیر خوارگی کے زمانہ میں دانتوں کی حاجت نہیں تھی دانت نہیں دیئے تاکہ ماں کی چھاتی تمہارے دانتوں سے مجروح نہ ہو اور جب کھانا کھانے کی قوت تمہارے اندر پیدا ہوئی تو اس وقت تمہارے دانت اس نے نکالے تاکہ سخت غذا کو تم چبا سکو۔ وہ شخص بڑا ہی احمق اور اندھا ہوگا کہ آفریدگار عالم کی ایسی قدرت دیکھ کر بے خود نہ ہو۔ اور اس کے کمال لطف و مرحمت سے حیران ہو کر جمال و جلال الٰہی کا عاشق و شیفتہ نہ بنے اور جو کوئی ان عجائب پر غور نہ کر کے اور اپنے تن اور احوال کی اس کو خبر نہ ہو تو وہ نرا حیوان اور نادان ہوگا۔ کہ اس نے اپنی عقل کو جو ایک قیمتی گوہر ہے ضائع اور بیکار کر دیا اس کو فقط اتنی ہی خبر ہے کہ جب بھوک لگتی ہے تو وہ کھانا کھا لیتا ہے۔ اور جب غصہ آتا ہے تو کسی پر حملہ کر دیتا ہے بوستان معرفت الٰہی کی سیر سے وہ جانوروں کی طرح محروم رہ گیا۔ انسان کی تنبیہ کے لئے یہاں اتنا ہی کہہ دینا کافی ہوگا۔ یہ باتیں جو ہم نے بیان کی ہیں تمہارے خلقت کے لاکھوں عجائبات میں سے ایک بات ہے۔ عجائب جانوروں میں بھی مچھر سے لے کر ہاتھی تک بے شمار ہیں۔ اور اس کی تفصیل بہت طولانی ہے۔

دوسری نشانی

اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دوسری نشانی زمین ہے۔ اور وہ تمام چیزیں جو اس کے اندر ہیں اور اس کے اوپر موجود ہیں اس میں شامل ہیں اگر تم چاہتے ہو تو کہ اپنے جسم کے عجائب معلوم کر کے آگے قدم رکھو تو زمین پر غور کرو کہ کس طرح اس کو تمہارا بچھونا بنایا ہے اور اس کو اس قدر وسعت دی ہے کہ تم اس کے کنارہ تک نہیں پہونچ سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کی میخیں زمین پر گاڑ دی ہیں تاکہ جنبش نہ کر سکے۔ اور تمہارے قدموں کے نیچے ٹھہری رہے۔ اس نے سخت پتھروں کے نیچے سے پانی نکالا کہ وہ تمام روئے زمین پر جاری ہو۔ پانی بتدریج نکلتا ہے اگر سخت پتھر اس پانی کو نہ روکتا اور پانی یکبارگی جوش مار کر نکل آتا تو دنیا کو غرق کر دیتا یا قبل اس کے کہ کھیتیاں اس سے بتدریج سیراب ہوں پہونچ جاتا اسی طرح موسم بہار کا خیال کرو کہ ساری روئے زمین ایک منجمد خاک ہے۔ جب بارش اس پر ہوتی ہے تو وہ مردہ مٹی کس طرح زندہ ہو جاتی ہے۔ اور گل بوٹوں سے وہ زمین ہفت رنگی اطلس بن جاتی ہے۔ ذرا ان سبزیوں پر خیال کرو جو اس

خاک سے اگتی ہیں ان میں رنگ برنگے پھول اور کلیاں بھی شامل ہیں کہ ہر ایک کا رنگ الگ الگ ہے اور خوبی میں ایک دوسرے سے بہتر ہیں، ذرا ان میوہ دار درختوں کا خیال کرو ان کے حسنِ صورت ذائقہ، بو اور نفع رسانی پر غور کرو صرف یہی نہیں بلکہ ہزاروں سبزیاں جن کے نام و نشان تک تم کو معلوم نہیں اس نے اُگائے اور عجیب و غریب فوائد ان میں رکھے پھر مزہ کے اعتبار سے دیکھو تو کوئی تلخ، کوئی شیریں، کوئی ترش، ایک کی خاصیت یہ کہ بیمار کر دے اور ایک کی منفعت یہ کہ شفا بخشے ایک جان بچائے دوسرا جان لیوا زہر، ایک صفرا کو تحریک دے اور دوسرا اس کو دور کرے، ایک خلط سودا کو دور کرے ایک خلط سودا میں ابھار کرے، کوئی گرم، کوئی سرد، کوئی خشک، کوئی تر ایک خواب آور ہے اور ایک نیند کا قاطع، ایک ایسا کہ مفرح قلب اور ایک کدورت اور طبع کی بدمزگی کا موجب ایک سبزی آدمی کی غذا دوسری جانوروں کی۔ اور ایک ایسی چیز جو پرندوں کی کھاجا۔ اب غور کرو۔ کہ مخلوق کتنے ہزاروں ہیں اور ان میں سے ہر ایک جنس میں کتنے ہزار عجائب ہیں۔ اگر تم غور کرو گے تو تم کو ایک قدرت کاملہ نظر آئے گی جس میں انسان کی عقل دنگ ہے۔ ان چیزوں کا بھی کوئی شمار نہیں۔

تیسری نشانی

تیسری نشانی وہ نفیس اور بیش بہا امانتیں ہیں جن کو خداوند تعالیٰ نے پہاڑوں کے نیچے پوشیدہ رکھا ہے۔ ان کو مُعاونؔ کہتے ہیں۔ بعض ان میں زیب وزینت کے لئے ہیں۔ جیسے سونا، چاندی، لعل، فیروزہ، یاقوت، سنگ یشم، بلور، الماس وغیرہ! بعض ان میں سے چیزوں کے بنانے میں کام آتے ہیں جیسے لوہا، تانبا، سیسہ، قلعی وغیرہ بعض معدنیات دوسرے کاموں میں آتے ہیں نمک، گندھک نفط (مٹی کا تیل) کولتار، ان میں سب سے ادنیٰ نمک ہے جس سے کھانا ہضم ہوتا ہے اور اگر بستی میں دستیاب نہ ہو تو وہاں کے تمام کھانے بے مزہ ہو جائیں گے۔ اور لوگ بیمار پڑ جائیں گے۔ بلکہ ان کی ہلاکت خوف ہے

پس خداوند تعالیٰ کے لطف و کرم پر نظر کرو کہ تمہارا کھانا اگرچہ غذائیت کے اعتبار سے ٹھیک ہے لیکن اس کی لذت کے واسطے ایک چیز درکار تھی خداوند تعالیٰ نے وہ بھی تم سے دریغ نہ رکھی۔ برسات کے پاک پانی سے اس کو بنایا جو زمین میں جمع ہو کر نمک بن جاتا ہے۔ یہ عجائب بھی بے نہایت ہیں ان کا شمار مشکل ہے۔

چوتھی نشانی

زمین پر چوتھی نشانی رہنے والے حیوانات ہیں بعض ان میں چرندے ہیں اور بعض دو۲ پاؤں سے چلنے والے ہیں اور بعض چار پاؤں سے، بعض پیٹ کے بل چلتے ہیں۔ بعض بہت سے پاؤں سے چلنے والے ہیں۔ اب پرندوں اور حشرات الارض کے اقسام پر نظر کرو کہ ہر ایک کی شکل و صورت جداجدا ہے اور ایک دوسرے سے بہتر ہے۔ ہر ایک جانور کو ان میں سے جو چیز ضروری تھی وہ عطا فرمائی اور ہر ایک کو سکھلایا کہ اپنی غذا کس طرح حاصل کرے اور اپنے بچے بڑے ہونے تک ان کی پرورش کس طرح کرے

پرندے اپنا گھونسلہ کس طرز پر بناتی ہیں۔ ذرا چیونٹی کو دیکھو کہ اپنی غذا وقت پر کس طرح سے جمع کرتی ہے۔ جب گیہوں کا دانہ اس کو ملتا ہے تو سمجھتی ہے کہ اگر ثابت رکھوں گی تو ضائع ہو جائے گا۔ پس اس کے دو ٹکڑے کر دیتی ہے تاکہ اس کو کیڑا ضائع نہ کرے۔ دھنیا (کشنیز پختہ) اگر ثابت نہ رہے تو خراب ہو جاتا ہے اس واسطے اس کو ثابت رکھتی ہے۔

مکڑی کو دیکھو کہ وہ اپنا گھر کس طرح بناتی ہے اور اس کی تعمیر میں بہت سے اندازے اور حکمتیں رکھتی ہے چنانچہ اپنے لعاب سے دھاگہ بناتی ہے اور کسی دیوار کے دو کونے تلاش کر لیتی ہے۔ تاکہ ایک جانب سے تار ڈال کر دوسری جانب لے جائے جب تانا ختم ہو جاتا ہے تو بانا (آڑے تار) شروع کرتی ہے اور ان کے اوپر بنتی ہے تاروں کے درمیانی حصہ کو سیدھا رکھتی ہے تاکہ کوئی تار دور اور کوئی نزدیک نہ ہو سکے اور خوشنما نظر آئے۔ اس کے بعد ایک تار پر خود کو لٹکا لیتی ہے اور کسی مکھی کی تلاش میں رہتی ہے۔ تاکہ اس کو اپنی غذا بنائے پس اس پہ حملہ کر کے اس کو شکار کر لیتی ہے اور وہی تار اس کے ہاتھ اور پاؤں پر لپیٹ دیتی ہے تاکہ بھاگ نہ جائے اس کو یہاں رکھ کر دوسری مکھی کی تلاش شروع کر دیتی ہے۔

زنبور عسل یعنی شہد کی مکھی کو دیکھو کہ اپنا گھر شہد کے چھتہ میں ہمیشہ مسدس (شش پہلو) بناتی ہے۔ اگر مربع ☐ بنائے تو چھتہ کی شکل تو مدور ہے اس کے گھر کے کونے خالی رہتے اور ضائع جاتے اور اگر گول بناتی تو جب تمام گول دائروں کو ایک دوسرے سے ملا کر رکھیں تو دونوں طرف کے خرجے (کشادگی) جاتے جاتے اور علم ہندسہ مسلّم ہے۔ کہ مسدس سے زیادہ کوئی شکل مدور سے قریب نہیں ہوتی۔

خداوند ایسے چھوٹے چھوٹے جانوروں پر ایسی عنایت رکھتا ہے کہ اس کو اس الہام سے مشرف فرمایا چنانچہ ارشاد ہے۔ واوحی ربك الی النحل (اور آپ کے رب نے شہد کی مکھی پر وحی بھیجی) اسی طرح مچھر (البشر) کو الہام سے نوازا کہ اس کی غذا خون ہے اور اس کے حصول کے لئے ایک تیز، باریک اور کھوکھلی سونڈ اس کو عطا فرمائی تاکہ اس کو تمہارے بدن میں پیوست کر کے اس سے لہو کھینچے اس کو ایک ایسا ادراک بخشا کہ جب تم اس کے پکڑنے کے لئے ہاتھ ہلاتے ہو تو فوراً آگاہ ہو کر بھاگ جاتا ہے۔ اس کو دو ہلکے پر عنایت فرمائے تاکہ تیز اور جلد اڑ سکے اور جلد واپس آ جائے اگر مچھر کے پاس عقل اور زبان ہوتی تو وہ حق تعالیٰ کا اتنا شکر بجالاتا کہ سب انسان اس سے تعجب کرتے۔ لیکن وہ زبان حال سے خدا کا شکر بجالاتا ہے اور تسبیح ادا کرتا ہے۔ لیکن انسان کو اس کی خبر نہیں ہوتی جیسا کہ فرمایا ہے ولکن لا تفقھون تَسْبِيحَهُمْ (لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے) اس قسم کے عجائب بے شمار ہیں۔ ایسی لاکھوں حکمتوں میں سے ایک حکمت کو پہچاننے اور اس کے بیان کرنے کی کس کو طاقت ہے۔ اب تم غور کرو کہ آیا یہ حیوانات ان عجیب شکلوں، نادر رنگوں، نیک صورتوں، اور درست دراست اعضا کو خود اس نے پیدا کئے ہیں یا تم نے ان کو بنایا ہے۔

سبحان اللہ! خدا کی شان ہے کہ وہ ان آنکھوں کو اس روشنی کے ساتھ ہی نابینا کر سکتا ہے۔ تاکہ نہ دیکھیں اور دلوں کو تفکر سے غافل رکھ سکتا ہے۔ لوگ چشم سر سے تو دیکھتے ہیں لیکن دل کی آنکھوں سے دیکھ کر عبرت حاصل نہیں کرتے ان کے کان ان باتوں کے سننے سے بہرے ہو گئے ہیں یہاں تک کہ جانوروں کی طرح سوائے آواز کے کچھ اور نہیں سنتے اور پرندوں کی بولیوں کو جن میں حرف و صوت کو دخل نہیں۔ نہیں پہچانتے۔ ان کی آنکھیں اشیائے دینی سے اندھی ہیں یہاں تک کہ اس خط کے سوا جو حروف اور رقوم سیاہی سے سفید کاغذ پر لکھے جائیں اور کچھ نہیں دیکھتے اور ان خطوط سے جن میں نہ حرف ہیں اور نہ رقم اور ان کے خداوند دو عالم نے ذرات جہاں کے ظاہر و باطن پر قلم قدرت سے تحریر کر دیا ہے مستفید نہیں ہوتے۔ تم چیونٹی کے انڈہ پر جو ایک ذرہ کے سر کے برابر ہے ذرا غور کرو اور سنو کہ وہ زبان فصیح سے کہہ رہا ہے کہ اے سادہ لوح انسان اگر کوئی شخص دیوار پر ایک تصویر بناتا ہے تو اس کی نقاشی اور استادی سے تجھے تعجب ہوتا ہے! آ! اور مجھ میں نظر کرتا کہ خداوند عالم کی مصوری تجھے معلوم ہو کہ میں ایک ذرہ سے زیادہ نہیں ہوں جس کو نقاش ازل ابتدائے خلقت میں ایک چیونٹی بنا دے گا پھر میرے بدن کے اجزا پر غور کرتا کہ ان کی تقسیم کس طرح ہے جن کو میرے ہاتھ، پاؤں، دل، سر اور دوسرے اعضا کی شکل عطا کرے گا۔ میرے سر اور دماغ میں کتنے خانے اور غذا نے اس نے رکھے ہیں اور میرے سر کے باہر کتنے منافذ رکھ کر ان پر آنکھ کا نگینہ بنایا ہے۔ پھر ناک اور منہ بنایا جو کھانا اترنے کی جگہ ہے مجھے ہاتھ پاؤں بھی دیئے اور میرے باطن میں ایسی جگہ جہاں غذا ہضم ہو تیار کی اور غذا کا فضلہ نکلنے کی جگہ بھی بنا دی اور اس کے تمام اعضا بنائے پھر میری شکل کیسی بنائی میرے بدن کے تین طبقے بنا کر ان کو ایک دوسرے سے پیوند کر دیا۔ اور دربان کی طرح میری کمر پر خدمت کا پٹکا باندھ دیا۔ اور مجھے کالی قبا پہنا کر اس عالم میں جس کو تو سمجھتا ہے کہ میرے لئے ہی بنا ہے مجھ کو ظاہر کر دیا تاکہ اس کی نعمت میں تیرے ساتھ میں بھی شریک رہوں بلکہ خدا نے تجھ کو میرا مسخر بنایا کیونکہ تم تخم پاشی کر کے رات دن کھیت کو سینچتا ہے۔ جب گیہوں، جو اور دوسرے اناج اور مغزیات کو پیدا کر کے جہاں کہیں تو ان کو چھپاتا ہے لیکن حق تعالیٰ مجھ کو اس کا پتہ دے دیتا ہے یہاں تک کہ میں اپنے بل سے زمین کے نیچے سے اس کی بو سونگھ کر وہاں پہونچ جاتی ہوں۔ ممکن ہے کہ تجھ کو ایک سال کا کھانا اس تمام کدو کاوش کے بعد بھی حاصل نہ ہو سکے لیکن میں ایک سال کا آذوقہ جمع کر کے احتیاط سے رکھتی ہوں اگر میں اپنی غذا سکھانے کے لئے جنگل میں لے جاؤں اور مینھ برسنے کا اندیشہ ہو تو مینھ برسنے سے پہلے ہی میں اپنا غلہ دوسری جگہ منتقل کر دیتی ہوں جہاں مینھ برسنے کا امکان نہیں ہوتا۔ لیکن جب تو اپنا خرمن جنگل میں رکھتا ہے، تو تجھے مینھ اور سیل کی کچھ خبر نہیں ہوتی۔ اس طرح وہ کھلیان سب کا سب ضائع ہو جاتا ہے۔ پھر خدا کا شکر مجھ سے کس طرح ادا ہو جو ایک ذرہ سے میری شکل ایسی تیز و تند اور ستھری بنائی اور تجھے اشرف ہو کر بھی [illegible] میرا مسخر بنایا کہ تو

میرے واسطے بیج بو کے اناج پیدا کرے اور اس کو کاٹے اور اس سلسلہ میں رنج برداشت کرے اور میں فراغت سے بیٹھ کر کھاؤں۔

غرض ہر ایک حیوان خواہ چھوٹا ہو یا بڑا زبان حال سے خدا کی بزرگی بیان کر رہا ہے۔ اور اس کی ثنا میں مصروف ہے حیوانات ہی نہیں بلکہ تمام نباتات اور سارے ذرات عالم سے خواہ وہ ایک پتھر ہی کیوں نہ ہو یہی ندا کر رہا ہے۔ لیکن اکثر و بیشتر لوگ اس ندا پر دھیان نہیں دیتے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ٥ اور وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ ط

پس بے شک وہ سننے سے معزول کر دیئے گئے ہیں (سنتے ہی نہیں) اور کوئی شئے ایسی نہیں ہے جو اس کی حمد کی تسبیح میں مصروف نہ ہو لیکن وہ ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں ہیں۔

پانچویں نشانی

ان عجائب صنعت، کا بھی ایک وسیع عالم ہے جس کا بیان کرنا اور ان کی وضاحت کرنا ناممکن ہے۔

پانچویں نشانی روئے زمین کے سمندر ہیں ہر ایک سمندر اس سمندر اس بحر محیط کا ایک ٹکڑا ہے جو تمام روئے زمین کو گھیرے ہوئے ہے اور تمام روئے زمین ان سمندروں کے مقابلہ میں چند جزیروں سے زیادہ نہیں ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ یہ زمین سمندر کے مقابل میں چند اصطبلوں کے مانند ہے۔

سمندر کے عجائب

جب تم جنگل و صحرا کے عجائب پر غور کر چکے تو اب سمندر کے عجائب و غرائب پر غور کرو۔ سمندر زمین سے کئی گنا بڑا ہے پس جسقدر وہ بڑا ہے اس کے عجائب بھی قدر زیادہ ہیں۔ مردہ جانور جو زمین پر رہتا ہے سمندر میں بھی اس کا نظیر موجود ہے اور اس میں ایسے جانور ہیں جو زمین پر نہیں پائے جاتے۔ یہ سب سمندر میں پیدا ہوتے ہیں۔ ان میں سے بھی ہر ایک کی شکل اور طبیعت الگ الگ ہے اور ایک قسم ایسی بھی ہے جس کو آنکھ دیکھ نہیں سکتی اور ایک قسم اتنی بڑی کہ کشتی اس کے اوپر چڑھ جائے اور لوگ خیال کریں کہ زمین ہے اور جب آگ جلائی جائے تب وہ حرارت اور تپش محسوس کر کے جنبش کرتی ہے۔ اس وقت معلوم ہوتا ہے کہ یہ زمین نہیں بلکہ سمندری جانور ہے۔ دریا کے عجائب کی تفصیل میں لوگوں نے صدہا کتابیں لکھی ہیں جن کی شرح ممکن نہیں۔

غور کرو کہ اللہ تعالیٰ نے سمندر کی گہرائی میں ایک جانور پیدا کیا ہے جس کی پوست یا کھال سیپ ہے۔ قدرتِ الٰہی نے اس کو الہام کیا کہ باران نیساں کے وقت دریا کی سطح پر آجائے اور اپنا منہ کھولے تاکہ باران نیساں کے قطرے جو شیریں ہیں اس کے اندر پہونچ جائیں۔ یہ سمندر کے پانی کی طرح کھاری نہیں ہوتے۔ چند

قطرے اپنے اندر لے کر یہ جانور سمندر کی گہرائی میں آجاتا ہے۔ صدف ان قطروں کی پرورش اپنے شکم میں کرتی ہے بلکہ اسی طرح جیسے نطفہ رحم مادر میں پرورش پاتا ہے وہ جوہر صدفی جس میں مروارید بن جانے صلاحیت موجود ہے ایک مدت دراز تک اس قطرہ میں اس وقت سرایت کرتی ہے۔ جبکہ ہر قطرہ موتی بن جاتا ہے۔ کوئی چھوٹا کوئی بڑا جس کو تم اپنے زیور میں کام میں لاتے ہو۔ اسی طرح سمندر کے اندر ایک سرخ رنگ کا درخت لگایا جو ایک جھاڑ کی شکل کا ہے اس کا جوہر سنگ ہے۔ اس کو مرجان یا مونگا کہتے ہیں۔ سمندر کے جھاگ ساحل پر پھینکتا ہے۔ یہی عنبر[1] ہوتا ہے۔ ان جواہر کے عجائب حیوانی زندگی سے ہٹ کر بھی بے شمار ہیں۔

سمندر میں کشتی کا چلانا، ذرا اس پر غور کرو کہ کشتی کی شکل ایسی بنائی کہ پانی میں غرق نہ ہو اور کشتیبان کو ہدایت کرنا کہ وہ ہوائے مخالف و موافق میں تمیز کر سکے اور ستاروں کا پیدا کرنا کہ جہاں پانی کے سوا کچھ نظر نہیں آتا وہ ستارے اس کی رہنمائی کریں سب سے زیادہ عجیب ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ پانی کی صورت اس کی لطافت، روشنی اور اتصال اجزاء کے ساتھ بنائی اور تمام حیوانات اور نباتات کی زندگی کو اس سے وابستہ کیا کتنی عجیب بات ہے کہ اگر تم کو ایک گھونٹ پانی کی ضرورت ہو اور وہ نہ ملے تو تم اپنی ساری دولت دے کر بضرورت اس کو حاصل کرو گے اور پینے کے بعد بھی پانی تمہارے مثانہ سے بول بن کر نہ نکلے تو اس بلاو مصیبت سے نجات پانے کے لئے اپنا سارا مال خرچ کر دو گے۔ مختصر یہ کہ پانی اور سمندروں کے عجائب بھی بے شمار ہیں۔

چھٹی نشانی

قدرت الٰہی کی چھٹی نشانی ہوا ہے۔ اور وہ چیزیں بھی جو اس ہوا یا خلا میں پائی جاتی ہیں غور کرو تو معلوم ہو گا کہ ہوا بھی ایک موجزن سمندر ہے، ہوا کا چلنا اس سمندر کا موجیں مارنا ہے۔ ہوا کا جسم اس قدر لطیف ہے کہ آنکھ اس کو دیکھ نہیں سکتی اور نہ وہ بینائی کے لئے حجاب ہے۔ زندگی کا سرمایہ بھی کیونکہ کھانے پینے کی حاجت تو دن بھر میں دو ایک مرتبہ ہوتی ہے۔ لیکن اگر ذرا سی دیر کے لئے بھی ہوا نہ ملے تو فوراً ہلاکت ہے لیکن تم اس بات سے بے خبر ہو۔

ہوا کے خواص میں سے ایک یہ ہے کہ کشتیوں کو قائم رکھتی ہے اور غرق ہونے سے بچاتی ہے۔ اس کی پوری پوری تشریح دشوار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے اس ہوا میں کیا کیا چیزیں پیدا کی ہیں۔ جیسے ابر، بارش، رعد، برق، برف ژالہ۔ ذرا اس کثیف ابر پر پہاڑوں سے بخار کے طور پر یا نفس ہوا سے پیدا ہوتا ہے۔ (باشد کہ از زمین برخیزد و آب برگیرد و باشد کہ سبیل بخار از کوہ ہا پدید آمد و باشد کہ از نفس ہوا پدید آمد کیمیائے سعادت رکن چہارم) اور ان مقامات پر جو

---

[1] ہر سمندر کا جھاگ عنبر نہیں ہوتا۔ بلکہ ایک مخصوص خاصیت رکھنے والا جھاگ عنبر بن جاتا ہے۔

پہاڑ دریا اور چشموں سے دور ہیں اس کثیف ابر سے پانی برستا ہے۔قطرہ قطرہ بن کر ایک کے بعد ایک اور بطریہ کہ ہر قطرہ بخط مستقیم اس جگہ گرتا ہے۔جو تقدیر الٰہی سے اس کے اترنے (گرنے) کے لئے مقرر کردی گئی ہے۔تاکہ فلاں بیابان سیراب ہو اور فلاں سبزہ جو سوکھنے والا ہے۔سرسبزہ ہو جائے اور جس بیج کو پانی کی ضرورت ہے اس کو پانی پہونچ جائے۔فلاں میوہ پھل اور فلاں ڈالی جو سوکھنے والی ہے تازگی پہونچ جائے چونکہ اس مقصد کے لئے ضرورت تھی کہ پانی جڑ سے اس کے تنوں کے درمیان سرایت کرے اور ان عروق کے ذریعہ جو بالوں سے زیادہ باریک ہیں ان تک پہونچ جاتا ہے اور ہر میوہ تر و تازہ ہو جاتا ہے تم خدا کے اس لطف و کرم سے بیخبر رہ کر اس میوہ کو کھاتے ہو۔بارش کے ہر قطرہ پر تحریر ہے کہ فلاں جگہ اترتا ہے۔اور فلاں کی روزی ہوتا ہے۔اگر تمام مخلوقات جمع ہو کر قطروں کا شمار کریں تب بھی ان کا شمار نہ ہو سکے۔اگر بارش ایک مرتبہ ہو کر پھر نہ ہوتی تو نباتات کو بتدریج پانی پہونچتا اس موسم سرما اور سردی کو اس پر مسلط کر دیا اور برف بنا دیا ایسا سفید برف (پالا) جیسے دھنکی ہوئی روئی اس سے تھوڑا تھوڑا پانی بہتا ہے (اور نباتات کو بتدریج پہونچتا ہے) پہاڑوں کو اس برف کا خزانہ بنا دیا وہاں جمع ہوتا رہتا ہے چونکہ وہاں کی ہوا سرد ہوتی ہے۔اس لئے جمع شدہ برف جلد نہیں پگھلتی بلکہ جب پہاڑ پر گرمی پیدا ہوتی ہے۔تو رفتہ رفتہ گل کر ضرورت کے مطابق بہتا ہے اور اس سے نہریں جاری ہو جاتی ہیں تاکہ پورے موسم گرما میں بتدریج زراعت کو پانی ملتا ہے۔اگر اس کے برخلاف بارش ہمیشہ ہوتی رہتی تو اس سے بڑا نقصان ہوتا۔اور اگر ایکبار برس کے موقوف ہو جاتا تو تمام سال نباتات خشک رہتے۔پس برف میں بھی خدا کی رحمتیں موجود ہیں۔اور کوئی چیز اس کی رحمت و عنایت سے خالی نہیں بلکہ تمام اجزائے زمین و آسمان کو اس نے حکمت و عدل سے پیدا کیا ہے۔چنانچہ ارشاد فرمایا۔ وما خلقنا السموٰت والارض وما بینھما لٰعبین o ما خلقنٰھما الا بالحق ولکن اکثرھم لا یعلمون o ہم نے آسمان و زمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے عبث پیدا نہیں کیا ہے۔بلکہ حق کے ساتھ پیدا کیا ہے۔لیکن ان میں اکثر ایسے ہیں جو جانتے نہیں ہیں۔

ساتویں نشانی

ساتویں نشانی آسمان اور ستاروں کی بادشاہت ہے اور اس کے عجائب یہ ہیں کہ زمین اور اس کے اوپر جو کچھ ہے) آسمان کے مقابلہ میں بہت چھوٹی ہے قرآن پاک میں آسمان اور ستاروں کے عجائب میں نظر اور فکر کرنے کے بارے میں کئی جگہ ارشاد ہوا ہے۔چنانچہ ارشاد فرمایا ہے۔

وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا وَّهُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ o

ہم نے آسمان کو محفوظ چھت کی طرح بنایا ہے۔اور وہ ہماری نشانیوں سے روگرداں ہیں۔

اور فرمایا:-

لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ o

آسمانوں اور زمین کی تخلیق انسان کی آفرینش سے بزرگ تر ہے لیکن اکثر لوگ اس بات کو جانتے نہیں ہیں۔

تم کو آسمان کی بادشاہت کے عجائب پر غور و فکر کرنے کا حکم اس لئے نہیں دیا گیا کہ تم آسمانوں کے نیلے پن ستاروں کی سفیدی کو آنکھ کھول کر دیکھو کہ اتنا تو تمام جانور بھی دیکھ سکتے ہیں جب تم اپنے نفس ہی کو اور ان عجائب کو جو تمہارے جسم میں ہیں اور آسمان زمین کے عجائب میں ہیں اور آسمان کو کس طرح ادراک کر سکو گے۔ تم کو لازم ہے کہ بتدریج آگے بڑھو اول اپنے آپ کو پہچانو اس کے بعد زمین، نباتات حیوانات اور جمادات پر غور کرو۔ اس کے بعد ہوا ابر اور ان کے عجائب کو پہچانو من بعد آسمان و کواکب پھر کرسی اور اس کے بعد عرش رب العلمین میں تفکر کرو۔ پھر عالم اجسام سے نکل کر عالم ارواح کی سیر و اس سیر سے فراغت کے بعد ملائکہ کو پہچانو پھر شیاطین اور جنات میں غور کرو۔ اس کے بعد تفکر کے لئے فرشتوں کے درجات، ان کے مختلف مقامات معلوم کرو۔ پس آسمان اور زمین ستارے میں ان کی گردش، ان کے مشارق و مغارب یعنی طلوع و غروب کی جگہوں میں تفکر کرو اور دیکھو کہ یہ کیا ہیں اور کس واسطے پیدا کئے گئے ہیں۔ ستاروں کی بہتات اور کثرت کو دیکھو کہ کسی انسان کو ان کی تعداد سے آگاہی نہیں ہے۔ ہر ایک کا رنگ الگ الگ ہے کوئی سرخ ہے تو کوئی سفید اور کوئی سیماب جیسا کوئی چھوٹا ہے کوئی بڑا۔ ان کے جمگھٹوں سے جدا جدا شکلیں بنتی ہیں[ف۱]۔ کوئی بکری کی شکل ہے۔ اور کوئی بیل جیسی۔ کوئی بچھو کی ہئیت پر ہے اور بہت سی شکلیں اسی پر قیاس کرنا چاہیئے بلکہ ہر ایک صورت جو روئے زمین پر نظر آتی ہے آسمان پر ستاروں کی اشکال میں اس کی مثال موجود ہے۔ پھر ستاروں کی گردش کا اختلاف دیکھو کہ کوئی ایک ہفتہ میں کوئی ایک مہینہ میں سارے آسمان کو طے کرتا ہے۔ کوئی برس بھر میں۔ کوئی بارہ برس میں اور کوئی تیس سال میں یہ گردش پوری کرتا ہے بعض ایسے ہیں کہ تیس ہزار سال میں آسمان کو طے کرتے ہیں (تا آنکہ بہ سی ہزار سال فلک گذارد) بشرطیکہ آسمان رہے اور قیامت نہ آئے۔

الغرض ملکوت آسمان کے عجائب علوم بے نہایت ہیں جبکہ تم نے زمین کے کچھ عجائب معلوم کر لیے ہیں تو اب سمجھو کہ عجائب کا یہ تفاوت ہر ایک کی شکل کے تفاوت کے مطابق ہوگا۔ کیونکہ زمین اتنی وسیع ہے کہ کوئی اس کی نہایت کو نہیں پہونچ سکتا اور آفتاب تو زمین سے ایک سو ساٹھ گنا بڑا ہے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس کی مسافت کس قدر ہوگی جو ہم کو اس قدر چھوٹا نظر آتا ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی ظاہر ہوگا۔ کہ اس کی حرکت میں کتنی تیزی ہوگی۔ جبکہ نصف گھنٹہ میں آفتاب کا تمام دائرہ زمین سے نکلتا ہے تو اس کی سرعت رفتار کا کیا عالم ہوگا۔ اسی باعث ایک دن سرور کونین ﷺ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کیا آفتاب کا زوال ہوگیا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے جواب میں پہلے لا کہا پھر نعم، کہا۔ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کیا بات ہوئی! تو جبرئیل علیہ السلام نے کہا جتنی دیر میں میں نے لا اور پھر نعم کہا آفتاب نے پانچسو برس کی راہ کا فاصلہ طے کر لیا تھا ایک اور ستارہ آسمان پر جس کی جسامت زمین سے سو گنا ہے

ف۱ دب اکبر، نسر طائر۔ کہکشاں۔ بنات النعش وغیرہ

اور بلندی کے سبب سے بہت ہی چھوٹا نظر آتا ہے۔ جب ایک ستارہ کا یہ حال ہے تو تمام آسمان کا قیاس کرو کہ کس قدر بڑا ہوگا۔ اور ایسے بڑے آسمان کی شکل تیری چھوٹی سی آنکھ میں نظر آتی ہے تاکہ تم اس سے حق تعالیٰ کی عظمت وقدرت کو پہچان سکو۔ پس ہر ایک ستارہ میں ایک حکمت ہے۔ اور اس کے ثبات، سیر، رجوع، استقامت اور طلوع وغروب میں بہت سی حکمتیں ہیں۔ آفتاب کی حکمت تو سب سے زیادہ آشکار ہے کہ اس کے فلک کو فلک البروج کے ساتھ کے ایک رابطہ بخشا گیا ہے تاکہ ایک فصل میں وہ تم سے نزدیک ہو اور ایک فصل میں دور ہو تاکہ ہوا کا حال مختلف ہو کبھی طویل اور کبھی کوتاہ اور کبھی معتدل ہو۔ اسی سے شب و روز میں اختلاف ہوتا ہے کبھی طویل اور کبھی کوتاہ۔ اگر یہ تمام امور لکھے جائیں تو بڑی طوالت کا موجب ہوگا۔

حق تعالیٰ نے جو کچھ علوم اس تھوڑی سی عمر میں ہم کو عطا کئے ہیں اگر ہم اس کا بیان کریں تو ایک مدت مدید درکار ہوگی۔ اور ہمارا علم انبیاؑ اور اولیاؒ کے علم کی بہ نسبت بہت ہی مختصر ہے۔ علماء اور اولیاء کا علم تفصیل خلقت کے باب میں انبیاء کے علم سے کمتر ہے اور انبیاؑ کا علم مقرب فرشتوں کے آگے تھوڑا سا ہے اور ان سب کی آگاہی اور واقفیت علم الٰہی کے مقابلہ میں اتنی کم ہے کہ اس علم کو علم کہنا بھی سزاوار نہیں ہے۔ سبحان اللہ! کیا شان ہے اس ذات پاک کی جو اس کے باوصف کہ بندوں کو علم سے بہرور فرمایا اور نادانی کا داغ ان پر لگایا اور فرمایا وما اوتیتم من العلم الاقلیلا۔ (اور تم کو بہت تھوڑا سا علم عطا کیا گیا ہے) یہ ایک نمونہ تھا جو تفکر کے اطوار کے باب میں بیان کیا گیا تاکہ تم اس کے ذریعہ اپنی غفلت کا اندازہ کر سکو۔ لیکن جب تم کسی امیر کے گھر جاتے ہو جو نقش و نگار اور گچ سے آراسته کیا گیا ہو تو اس کی تعریف کرتے ہو اور اس کی خوبی سے دنگ رہ جاتے ہو اور خدا کے گھر میں تو تم ہمیشہ بستے ہو اور اس پر تعجب نہیں کرتے۔ یہ عالم اجسام خدا ہی کا تو گھر ہے جس کا فرش زمین ہے اور آسمان اس کی چھت ہے۔ جبکہ یہ چھت بغیر کسی ستون کے قائم ہے تو سب سے عجیب بات ہوئی۔ اس کا خزانہ پہاڑ ہیں اور سمندر اس کا گنجینہ ہیں اور اس گھر کا سامان یا متاع خانہ یہ حیوانات اور نباتات ہیں۔ چاند اس گھر کا چراغ ہے اور آفتاب اس گھر کی مشعل ہے۔ ستارے اس کی قندیلیں ہیں (اور) فرشتے اس کے مشعلچی ہیں لیکن تم ایسے عجیب گھر کے عجائب سے بے خبر ہو۔ سبب اس کا یہ ہے کہ یہ گھر بہت ہی بڑا ہے اور تمہاری آنکھ چھوٹی ہے اس کو دیکھ نہیں سکتی تمہاری مثال اس چیونٹی کی ہے۔ جس کا بادشاہ کے محل میں ایک سوراخ ہے (بل) وہ اپنے گھر، غذا اور اپنے ساتھیوں کے سوا کچھ خبر نہیں رکھتی قصر شاہی کی رونق، غلاموں کی کثرت، اور تخت شاہی کی زیب و زینت سے بالکل واقف نہیں پس اگر تم چیونٹی کے درجہ پر قناعت کرنا چاہتے ہو تو کر لو اجالا لیکن تم کو معرفت الٰہی کے گلستان کی سیر اور تماشا دیکھنے کا راستہ بتا دیا ہے پس باہر نکل کر آنکھ کھولو تاکہ عجائب صنعت تم کو نظر آئیں اور تم متحیر و مدہوش ہو جاؤ۔

اصلِ ہشتم

توحید و توکل

توکل کا مرتبہ اور اس کی شناخت

اے عزیز معلوم ہونا چاہیے کہ توکل کی صفت مقربین کے مقامات میں داخل ہے اور اس کا بڑا درجہ ہے لیکن توکل کی شناخت اور اس پر عمل کرنا دشوار ہے۔ اور اس کی دشواری کا باعث یہ ہے کہ جو شخص یہ سمجھے کہ دنیا کے کاموں میں حق تعالیٰ کے سوا کسی اور کا دخل ہے تو اس کو پختہ اور کامل موحد نہیں کہا جا سکتا اور اگر وہ تمام اسباب کو ختم کر دے تو اس طرح اس نے شرع کے خلاف کیا اور اگر ظاہری اسباب کا مسبب اس کو نظر نہ آئے تو گویا اس نے عقل کے خلاف کیا اور اگر اس نے مسبب پر نظر ڈالی تو احتمال یہ ہے کہ اسباب ظاہری میں سے کسی سبب پر وہ توکل کرے اس صورت میں بھی اس کو موحد کامل نہیں کہیں گے۔ پس توکل کا بیان اس طور پر کہ عقل و شرع و توحید کے مطابق ہو اور ان میں سے کسی کے خلاف نہ ہو دشوار ہے۔ ہر کوئی اس کو نہیں پہچان سکتا۔ پس ہم پہلے توکل کی فضیلت اس کے بعد اس کی حقیقت پھر اس کے احوال اور عمل کو بیان کریں گے۔

توکل کی فضیلت

خداوند بزرگ و برتر نے تمام بندوں کو توکل کا حکم دے کر اس کو ایمان کی شرط ٹھہرایا ہے اور ارشاد فرمایا ہے۔ وعلی اللہ فتوکلوا ان کنتم مومنین (اور اللہ پر توکل کرو اگر تم ایمان والے ہو) اور ارشاد فرمایا: ان اللہ یحب المتوکلین (بے شک اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے) اور فرمایا ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ (یعنی جو شخص خداوند تعالیٰ پر بھروسہ کرے اللہ تعالیٰ اس کو بس ہے) اور فرمایا: الیس اللہ بکافٍ عبدہ (کیا خداوند تعالیٰ بندوں کے لئے

کافی نہیں ہے) اس قسم کی آیتیں بہت ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ایک بار امتوں کو مجھ پر ظاہر کیا گیا اپنی امت کو کوہ وبیابان میں ٹھہرا ہوا پایا ان کی کثرت کو دیکھ کے مجھے تعجب ہوا اور مجھے مسرت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا کہ اس کثرت سے آپ خوش ہوئے۔ میں نے کہا ہاں اے خداوند عالم! اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کے ستر ہزار آدمی بغیر حساب کتاب کے بہشت میں جائیں گے! صحابۂ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین نے دریافت کیا۔ یارسول اللہ! (صلے اللہ علیہ وسلم) وہ کون لوگ ہیں حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو سحر، داغ اور فال پر عمل نہیں کرتے۔ بلکہ خداوند تعالیٰ کے سوا کسی پر بھروسہ نہیں کرتے۔ تب حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ اُٹھے اور کہا یارسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس جماعت میں داخل فرمایئے آپ نے دعا فرمائی۔ خدایا تو عکاشہ کو ان لوگوں میں داخل فرما دے۔ اس کے بعد ایک اور صحابی نے اُٹھ کر اسی دعا کے لئے التماس کیا حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سبقك بها عكاشة (عکاشہ نے تم پر سبقت حاصل کر لی)

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم خدا پر ایسا توکل کرو گے جیسا توکل کا حق ہے تو وہ تمہارا رزق تم کو پہونچا دے گا۔ اسی طرح جیسے پرندوں کو پہونچاتا ہے جو صبح کو بھوکے اڑ کر جاتے ہیں اور سیر ہوا تے ہیں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو شخص خدا کی پناہ میں جائے گا حق تعالیٰ اس کے سب کاموں کو سربراہی فرمائے گا اور اس کی روزی ایسی جگہ سے پہونچا دے گا۔ جو وہ نہیں جانتا ہے۔ اور جو شخص دنیاوی اسباب پر بھروسہ کرے گا۔ حق تعالیٰ اس کو دنیا کے ساتھ چھوڑ دے گا۔

جب حضرت ابراہیم خلیل اللہ (علیہ السلام) کو د۔روں نے منجنیق میں بٹھا کر ا۔ں میں ڈالا تو آپ نے فرمایا۔ حسبی اللہ ونعم الوکیل (آپ اس وقت فضا میں تھے) حضرت جبریل علیہ السلام نے اس وقت آپ سے دریافت کیا کہ کیا آپ کو مجھ سے کچھ حاجت ہے؟ انہوں نے فرمایا مجھے تم سے کچھ کام نہیں ہے۔ اسی لئے انھوں نے حسبی اللہ ونعم الوکیل کہا تھا۔ اس قول کو پورا کر۔، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی وفاداری کو سراہا اور فرمایا وابراهيم الذى وفى (اور ابراہیم جس نے اپنے عہد کو پورا کیا)

حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ اے داؤد (علیہم السلام) جب کوئی بندہ سب کو چھوڑ کر میری پناہ لے گا۔ اگرچہ زمین وآسمان کی خلقت مکروفریب سے اس پر حملہ کرے میں اس کی مشکل کو آسان کردوں گا۔ حضرت سعید بن جبیر رضؓ نے فرمایا کہ ایک بار مجھے بچھو نے ڈنگ مارا۔ ۔۔۔ وال۔ ۔نے مجھے قسم دی کہ تم اپنا ہاتھ سیدھا کرو تاکہ میں منتر پڑھ دوں میں نے دوسرا ہاتھ جو نیش زدہ نہیں تھا آگے ۔۔۔یھا دیا کیونکہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا کہ جو کوئی اور داغ پر بھروسا کرے وہ متوکل نہیں ہے۔

شیخ ابراہیم ادہمؒ فرماتے ہیں کہ ایک راہب سے میں نے دریافت کیا۔ کہ تو روزی کہاں سے کھاتا ہے۔ اس نے جواب دیا روزی دینے والے سے پوچھو کہ کہاں سے بھیجتا ہے کیونکہ مجھے اس بات کا علم نہیں ہے لوگوں نے ایک عابد سے پوچھا کہ تم تو ہمیشہ عبادت میں مشغول رہتے ہو روزی کس طرح حاصل کرتے ہو انہوں نے دانتوں کی طرف اشارہ کر کے کہا جس نے چکی پیدا کی ہے وہی اناج بھیجتا ہے۔ ہرم بن حیان نے حضرت اویس قرنیؓ سے پوچھا میں کس ملک میں قیام کروں کہا شام میں۔ انہوں نے کہا روزی وہاں کس طرح ملے گی حضرت اویسؓ نے جواب دیا۔ اُفٍّ لھذاہ القلوب قد خالطھا الشك ولا ینفعھا الموعظة (تف ہے ایسے دل والوں پر جو شک میں رہا کرتے ہیں اور نصیحت انہیں نفع نہیں دیتی ہے)۔

توحید کی حقیقت جس پر توکل موقوف ہے

اے عزیز معلوم ہونا چاہئے کہ توکل دل کی وہ حالت ہے جس کا ثمرہ ایمان ہے اور ایمان کے بہت سے ابواب ہیں لیکن از انجملہ توکل کی بنیاد دو چیزوں کے ماننے پر ہے ایک یہ کہ توحید پر ایمان لائے دوسرے یہ کہ کمال لطف و رحمت پر اس کا ایمان ہو۔ توحید کی شرح بہت دراز ہے۔ اور علم توحید تمام علوم میں عظیم تر ہے ہم یہاں صرف ان باتوں ہی کو بیان کریں گے جن پر توکل کی بنیاد ہے۔ پس معلوم ہونا چاہئے کہ توحید کے چار درجے ہیں اور توحید کا ایک مغز ہے۔ اور اس مغز کا بھی ایک مغز ہے۔ اسی طرح توحید کا ایک پوست ہے اس پوست کا بھی ایک پوست ہے۔ پس اس طرح توحید کے دو مغز اور دو پوست ہوتے اس کی مثال خام اخروٹ کی ہے کہ ایک مغز اور دو پوست ہوتے ہیں اور اس کا روغن مغز کے مغز کا حکم رکھتا ہے

توحید کی پہلی صورت

توحید کا پہلا درجہ یا صورت یہ ہے کہ بندہ زبان سے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہے اور دل میں اس بات کا عقیدہ نہ رکھے تو یہ توحید منافق کی توحید ہے (کہ زبان سے کہتا ہے اور دل میں یقین نہیں رکھتا) دوسرا درجہ توحید کا یا اس کی صورت یہ ہے کہ دل میں توحید کا اعتقاد تقلیداً رکھے جیسے عوام عقیدہ رکھتے ہیں یا ایک دلیل کے اعتبار سے متکلمین کی توحید ہے۔ تیسرا درجہ یا صورت یہ ہے کہ مشاہدہ سے اس بات کو جانے کہ سب کاموں کا فاعل حقیقی خداوند تعالیٰ ہے اور دوسرے کو کسی کام کی

طاقت نہیں ہے۔

جب بندہ کے دل میں نورالہیٰ پیدا ہوتا ہے تو اس کی روشنی میں مشاہدہ حاصل ہوتا ہے اور یہ بات عوام اور یہ بات عوام اور متکلمین کے عقیدہ جیسی نہیں ہے۔ کیونکہ ان کا عقیدہ ایک قید ہے جو دل پر تقلید یا دلیل کے حیلے سے لگائی جائے اور ہم نے جس مشاہدہ کا ذکر کیا یہ دل کی کشائش ہے جو قید سے آزاد ہے جیسے ایک شخص نے اعتقاد کیا کہ فلاں شخص نے بتایا ہے یہ عوام کے تقلید کی مثال ہے کیونکہ وہ اپنے ماں باپ سے یہ سنتے ہیں کہ خدا ایک ہے۔

ایک دوسرا شخص ایک شخص کے گھر میں موجود ہونے کے پر اس بات سے استدلال کرتا ہے کہ گھوڑا اور نوکر چاکر سب دروازہ پر موجود ہیں۔ متکلمین کے اعتقاد کی مثال یہی ہے اور تیسرا شخص وہ ہے۔ جو صاحبِ خانہ کو اپنی آنکھ سے دیکھتا ہے۔ عارفوں کے توحید کی مثال یہی ہے۔ ظاہر ہے کہ ان تینوں میں بڑا فرق ہے۔ تیسرے درجہ کی توحید اگرچہ عظیم ہے یہ موحد اس توحید میں خلق کو دیکھتا ہے اور خالق کو بھی۔ اور سمجھتا ہے کہ خلق خالق سے ہے پس وہ کثرت اور جہات میں گرفتار ہو گیا اور جب تک یہ دو چیزیں اس کی نظر میں ہیں وہ تفرقہ میں گرفتار ہے اس کو جمع حاصل نہیں ہے اور اس کو توحید کا کمال حاصل نہیں ہوا ہے۔ چوتھا درجہ یہ ہے کہ سوائے ایک کے دوسرے کو نہ دیکھے بس ایک ہی کو دیکھے اور ایک ہی کو سمجھے۔ اس مشاہدہ میں تفرقہ کا دخل نہیں ہے۔ حضرات صوفیہ اس کے فنا فی التوحید کہتے ہیں۔ چنانچہ حسین حلاج بن منصور نے جو صحرا و بیابان میں پھرتے پھرتے شیخ خواص کو دیکھا ان سے پوچھا کہ تم کس شغل میں ہو انہوں نے کہا کہ دنیا توکل کے راستہ میں درست کر رہا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ تم نے اپنی تمام عمر تو باطن کے آباد کرنے میں گذار دی پس تم نیستی سے نکل کر توحید میں کب پہونچو گے؟ اب معلوم ہو گیا ہو گا کہ توحید کے چار مقام ہیں اوّل توحید منافق ہے وہ پوست کے پوست کی طرح ہو گی اور جس طرح تم اگر اخروٹ کا چھلکا کھاؤ گے تو نقصان کرے گا اگرچہ بظاہر وہ سبز ہے پر اس کا باطن اچھا نہیں ہے۔ اگر تم اس کو جلاؤ گے تو اس سے دھواں اٹھے گا اور آگ بجھ جائے گی اور اگر اس کو گھر میں ڈال دو گے تو کچھ کام نہ آئے گا اور جگہ کو گھیرے گا۔ اور جگہ تنگ ہو گی اور کسی کام نہ آئے گی اگر اس پوست کو اخروٹ پر چند روز کے لئے چھوڑ دیں تو وہ اندر کے پوست کو تازہ رکھے گا اور اس کی حفاظت کرے گا۔ منافق کی توحید بھی اسی طرح کی ہے فقط اس کا فائدہ صرف اتنا ہوا کہ اس نے پوست کو تلوار سے بچا لیا یعنی اس کا پوست اس کا بدن ہے۔ اس توحید کے سبب اس نے خود کو تلوار سے بچا لیا۔ لیکن جب تن فنا ہوا اور جان (روح) باقی رہے تو وہ توحید کچھ کام نہ آئے گی جس طرح اخروٹ کا اندرونی پوست جلانے کے لائق ہے لیکن اس کو مغز کے لئے چھوڑ دینا چاہیئے تاکہ وہ اس کی حفاظت کرے اور بگڑنے نہ دے اگرچہ وہ مغز کے مقابلہ میں ہیچ ہے۔ عوام اور متکلمین کی توحید کا یہی فائدہ ہے کہ وہ ان کو آتش دوزخ سے بچائے گی اگرچہ

اس میں ایک نوع کی منفعت ہے لیکن مغز اور روغن جیسی لطافت اس میں کہاں ہے۔ اخروٹ کا مغز اگرچہ مرغوب ہے۔ اور پسند کیا جاتا ہے لیکن جب روغن کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ ثفل یعنی کھلی سے خالی نہیں ہے اور وہ فی نفسہٖ کمال صفا کو نہیں پہونچتا ہے۔

توحید کا تیسرا اور چوتھا درجہ

توحید کا تیسرا درجہ بھی کثرت اور تفرقہ سے خالی نہیں ہے چوتھا درجہ کمال صفوت کو پہونچتا ہے کہ اس میں حق تعالیٰ کے سوا کسی بشر کا لحاظ و اعتبار نہیں ہوتا اور بندہ اس میں سوائے ایک ذات کے کسی اور کو نہیں دیکھتا۔ وہ حق تعالیٰ کے دیدار میں خود کو فراموش کر کے خود اپنے دیدار سے بھی غافل ہو جاتا ہے۔ جس طرح دوسری اشیاء دیدارِ حق میں نیست ہیں۔

تم کہو گے کہ توحید کے درجات مشکل ہیں لہذا اس کی تشریح ضروری ہے۔ تاکہ سب کو معلوم ہو سکے کہ سب کو ایک ہی کیونکر دیکھوں جبکہ میں بہت سے اسباب کو دیکھ رہا ہوں پس ان تمام اسباب کو ایک سبب کیوں کر سمجھوں جبکہ میں آسمان، زمین اور خلق کو دیکھتا ہوں یہ سب ایک نہیں ہیں۔

اے عزیز معلوم ہونا چاہیئے کہ منافق کی توحید زبانی ہے اور عوام الناس کی اعتقادی، متکلمین کی توحید استدلال ہے۔ ان تینوں کو تو سمجھ سکتا ہے لیکن چوتھی توحید کے سمجھنے میں تجھے مشکل ہے اگرچہ توکل کے واسطے چوتھی توحید کی حاجت نہیں توکل کے لئے تیسری توحید کافی ہے۔ اس توحید چہارم کی شرح اس شخص سے جو مقام چہارم تک نہیں پہونچا ہے بیان کرنا مشکل ہے لیکن فی الجملہ اتنا معلوم کرنا جائز ہے کہ چیزیں خواہ بہت سی ہوں لیکن ان سب چیزوں کے باہمی ارتباط سے سب مل کر ایک ہو جاتی ہیں۔ جب عارف کی نظر میں یہ صورت جلوہ گر ہو تو سب کو ایک ہی دیکھے گا۔ جیسا کہ آدمی میں بہت سی چیزیں ہیں (بہت سے اعضا سے مل کر بنا ہے) مثلاً گوشت، پوست، سر، پاؤں، معدہ اور جگر۔ لیکن حقیقت میں آدمی ایک ہی چیز ہے ممکن ہے کہ ایک شخص انسان کے اعضاء کی تفصیل یاد نہ رکھے اور وہ انسان کو ایک چیز سمجھے اب اگر اس سے دریافت کیا جائے کہ تو نے کیا دیکھا تو وہ یہی کہے گا کہ ایک چیز کو دیکھا ہے یعنی انسان کو دیکھا ہے پھر اگر اس سے دریافت کیا جائے کہ تیرے خیال میں کیا چیز ہے تو وہ کہے گا کہ مجھے ایک ہی چیز کا خیال ہے یعنی اپنے محبوب کا۔ پس اس کا سراپا محبوب ہی ہوگا اسی طرح معرفت و سلوک میں ایک مقام ہے جب آدمی وہاں تک پہونچ جاتا ہے تو سمجھتا ہے کہ موجودات یک دگر مربوط ہیں اور سب مل کر ایک حیوان کی مانند ہیں اور اجزائے عالم یعنی آسمان زمین اور ستاروں کی نسبت بایگدگر ایسی ہے جیسے ایک حیوان کے کل اعضاء کی نسبت اس حیوان کے ساتھ اور سارے عالم کی مدبرین عالم کے ساتھ ایک اعتبار سے حیوانی بدن کی مملکت جیسی ہے۔ اس عقل و روح کے ساتھ جو اس کی مدبر ہے اور جب تک ان اللہ خلق آدم علی صورتہٖ (حق تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر بنایا) کا راز نہ جان سکے یہ نازک بات اس کے فہم میں نہیں آئے گی۔ کتاب کے عنوان (مقدمہ) میں ہم نے اس بات کی طرف کچھ

اشارات کیے ہیں۔ پس اس مقام میں خاموشی زیادہ بہتر ہے کیونکہ یہ بات دیوانوں کو چھیڑتی ہے اور ہر ایک کو اس کے سمجھنے کا حوصلہ نہیں۔ لیکن تیسری توحید کو جسے توحید فعلی کہتے ہیں اپنی کتاب احیاء العلوم میں ہم نے تفصیل سے بیان کیا ہے اگر فہم رکھتے ہو تو وہاں اس کا مطالعہ کرو۔

ہم نے شکر کی اصل میں جو نکتہ بیان کیا ہے اس جگہ اس کا جاننا کافی ہوگا یعنی سورج چاند، ستارے، بادل، بارش اور ہوا وغیرہ جن کو تم اسباب فاعل سمجھتے ہو۔ یہ سب کے سب مسخّر ہیں اس طرح جیسے قلم کاتب کے ہاتھ میں مسخر ہے۔ ان میں سے کوئی خود بخود حرکت نہیں کرتا۔ بلکہ ان کو بروقت (ضرورت) بقدر ضرورت حرکت دینے والا حرکت دیتا ہے پس ہر ایک کام کو ان کے حوالہ کرنا غلطی ہے جس طرح خلعت شاہی عنایت ہونے پر شاہی دستخط کو قلم دکاغذ کے حوالہ کرنا غلطی ہے ہاں وہ مقام جہاں تمہاری حرکت رکے گی حیوانات کا اختیار ہے کیونکہ تم سمجھتے ہو کہ آدمی فی الجملہ اختیار رکھتا ہے یہ غلطی ہے کیونکہ انسان فی نفسہٖ مجبور محض ہے جیسا کہ ہم نے پہلے کہا ہے۔ کہ اس کا کام قدرت کے اختیار میں ہے اور قدرت ارادہ کی مسخّرہ ہے جیسا ارادہ ہو ویسا ہی انسان کرے گا۔ لیکن جب حق تعالیٰ ارادہ کو پیدا کرے تب یہ ہو سکتا ہے انسان اس وقت خواہ مخواہ جانے گا۔ پس جب قدرت ارادہ کی مسخر ہوئی اور ارادہ اس کے اختیار میں نہیں تو مجبور محض ہوا۔ جب تم کو یہ بات معلوم ہو جائے گی کہ انسان کے افعال تین قسم کے ہیں تو تم اچھی طرح یہ بات سمجھ لو گے۔ افعال انسانی کے اقسام میں ایک یہ ہے۔ کہ اگر مثلاً پاؤں پانی پر رکھا اور پاؤں اندر چلا گیا تو کہتے ہیں کہ اس نے پانی کو چیر کر اس کے اجزا کو ایک دوسرے سے جدا کیا اس کو فعل طبعی کہتے ہیں دوسرے یہ کہ وہ سانس لے اس کو فعل ارادی کہتے ہیں تیسرا یہ کہ اس نے کلام کیا یا چلا اس کو فعل اختیاری کہا جاتا ہے۔ کیونکہ جب انسان پانی پر چلا تو ضرور ہے کہ اس کے وزن سے پانی پھٹ جائے اور یہ بات اس کے اختیار سے نہیں تھی۔ خواہ مخواہ ایسا ہوگا (پانی کی طبیعت کا خاصہ ہے) تم ایک پتھر پانی پر پھینکو وہ یقیناً پانی میں ڈوب جائے گا یہ پانی کے اندر اترنا پتھر کا فعل نہیں ہے۔ کیونکہ پتھر کے بھاری پن کے باعث ایسا ہونا ضروری تھا۔

انسان کا فعلِ ارادی

انسان کا فعل ارادی جیسے سانس لینا وغیرہ اس کا بھی یہی حال ہے کیونکہ دم کا روکنا اس سے ممکن نہیں اس کی پیدائش بھی اس انداز پر ہوئی ہے کہ دم اور سانس لینے کا ارادہ اس سے خود بخود ہوتا ہے۔ جب کوئی شخص قصد کرے کہ دوسرے کسی کی آنکھ میں سوئی مارے تو وہ شخص فوراً آنکھ بند کر لیتا ہے۔ وہ آنکھ بند نہ کرنے کے ارادہ پر اس وقت قادر نہیں ہے کیونکہ اس کی خلقت ہی اس طور پر ہوئی ہے کہ وہ یہ ارادہ بالضرور اس میں پیدا ہوگا[۱] جیسے اس کی خلقت اس بات کی متقاضی ہے کہ اگر

---

[۱] ایسے فعل کو فعل اضطراری بھی کہا جاتا ہے۔

وہ پانی پر کھڑا رہا تو ڈوب جائے گا پس ان دو افعال میں انسان کی مجبوری ثابت ہو گئی لیکن اس کا چلنا جو فعل اختیاری ہے مثلاً چلنا، بولنا وغیرہ اس میں کوئی اشکال نہیں ہے اگر انسان چاہے تو کرے نہ چاہے نہ کرے لیکن تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ انسان ہر ایک کام کا ارادہ اسی وقت کرے گا۔ کہ اس کی عقل حکم دے کہ اس کام میں تمہارے لیے بھلائی ہے ممکن ہے کہ کسی کام کے کرنے میں تامل کی حاجت ہو اس صورت میں یہ ارادہ ضرور پیدا ہوتا ہے اور انسان اپنے اعضاء کو ہلاتا ہے۔ مثلاً جب سوئی دور سے لگتی ہوئی معلوم ہوئی تو اس نے آنکھ فوراً بند کر لی لیکن جب اس بات کا علم ہو کہ سوئی سے آنکھ کو نقصان پہونچے گا اور آنکھ بند تامل کی ضرورت نہیں کیونکہ بغیر غور و فکر کے سمجھتا ہے کہ آنکھ بند کر لینا بہتر ہے پس جب اس نے اپنے لئے خیر اور بہتری کو مان لیا تو بالضرور ارادہ سے قدرت حرکت میں آئے گی۔ اس موقع پر جب تامل کی ضرورت باقی نہیں رہی۔

جان لینا چاہیئے کہ ارادہ عقل کے حکم کے تابع ہے جو یہ بتاتی ہے کہ یہ کام کرنے کے لائق اور بہتر ہے چنانچہ جب کوئی شخص اپنے آپ کو مارنا چاہتا ہے تو مار نہیں سکتا۔ ہر چند کہ ہاتھ اور چاقو موجود ہے کیونکہ ہاتھ کی قدرت ارادہ کی قید میں ہے اور ارادہ عقل کا تابع ہے جو یہ بتاتی ہے کہ یہ کام اچھا ہے اور موزوں ہے اور اس معاملہ میں عقل بھی مجبور ہے۔ کیونکہ وہ آئینہ کی مانند روشن ہے جو کام مفید ہوتا ہے اس کی صورت اس میں جلوہ گر ہوتی ہے چونکہ خود کو قتل کرنا بُرا ہے پس اس کی صورت آئینہ عقل میں پیدا صرف اس وقت ہوتی ہے۔ جبکہ وہ کسی مصیبت میں گرفتار ہو اور اس کے اٹھانے کی طاقت نہ رکھتا ہو اور مرنے کو اس بلا سے اپنے حق میں بہتر سمجھتا ہو پس اس کو فعل اختیاری اس وجہ سے کہا گیا کہ اس فعل کا اچھا ہونا سمجھ میں آنے والا نہیں تھا۔ ورنہ یہ بات سانس لینے اور پلک مارنے کی طرح ظہور میں آتی۔ پس یہ اسباب ایک دوسرے سے وابستہ ہیں۔ ان اسباب کی زنجیروں کے حلقے بے شمار ہیں۔ ہم نے ان کا بیان تفصیل سے کتاب احیاء العلوم میں کیا ہے۔ انسان کو جو قدرت دی گئی ہے وہ اسی زنجیر کا حلقہ ہے۔ اس سبب سے وہ خیال کرنے لگا ہے کہ اس کا بھی کچھ اختیار ہے۔ یہ خیال کرنا اور یوں سمجھنا محض غلطی ہے آدمی سے اس کا تعلق صرف اس قدر ہے کہ وہ اس قدرت کا مظہر یا محل ظہور ہے۔ پس انسان قدرت کا محل اختیار ہے جو اس میں پیدا کرنے والا پیدا کرتا ہے۔ گویا اس درخت کی طرح جو ہوا سے ہلتا ہے نہ اس کے پاس ارادہ ہے نہ قدرت ہے اور آج تک درخت کو کسی نے قدرت و ارادہ کا محل نہیں سمجھا ہے اور اس کے ہلنے کو محض فعل اضطراری کہتے ہیں۔ جب خداوند تعالیٰ کی قدرت ہر ایک کام میں کسی چیز کی قید میں نہیں ہے یعنی مطلق ہے اسی کو اختراع کہتے ہیں اور جب انسان کا حال نہ درخت کا سا ہے اور نہ خداوند تعالیٰ کے مانند، کیونکہ انسان کا ارادہ اور اس کی قدرت ایسے اسباب سے تعلق رکھتی ہے جو اس کے اختیار میں نہیں ہے تو آدمی کا فعل حق تعالیٰ کے فعل کے مانند نہ ہو گا کہ اس کو بھی ہم خلق و اختراع سے موسوم کر سکیں اور جب انسان محل ظہور قدرت و ارادت ہے جو بغیر اس کی خواہش اور طلب کے اس کے جسم میں

پیدا کی گئی ہے تو اس کا حال درخت جیسا بھی نہ ہوگا کہ اس کے فعل کو ہم فعل اضطراری کہہ سکیں بلکہ یہ ایک دوسری قسم ہے لہٰذا دوسرا نام تجویز کیا گیا یعنی اس کو کسب سے موسوم کیا گیا۔

اس تمام وضاحت سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اگرچہ انسان کا فعل بظاہر اس کے اختیار سے ہوتا ہے لیکن وہ نفس اختیار میں مجبور ہے خواہ چاہے یا نہ چاہے اس کا صدور اس سے ہو کر رہے گا۔ تو اس صورت میں فی الحقیقت اس کا کچھ بھی اختیار نہ رہا۔

ثواب و عذاب کیوں ہے؟

ممکن ہے کہ اس موقع پر تم کہو کہ اگر یہ بات ہے (کہ فی الحقیقت بندہ کا کچھ اختیار نہیں ہے) تو پھر ثواب و عذاب کس لئے ہے؟ اور شریعت کا قیام کیوں؟ جب انسان کو تو کچھ اختیار ہی نہیں ہے۔ اے عزیز معلوم ہونا چاہیئے کہ اس مقام کو "توحید در شرع و شرع در توحید" کہتے ہیں اس کے درمیان کمزور ایمان والے بہت سے غرق ہوئے ہیں۔ اس کے تہلکہ سے ایسا ہی شخص محفوظ رہے گا جو پانی پر چل سکے اگر چل نہیں سکتا۔ تو کم از کم وہ پیر ہی سکے اور بہت سے لوگ اس سبب سے سلامت رہے ہیں کہ وہ اس دریا میں نہیں اترے تا کہ غرق نہ ہو جائیں۔ عوام الناس اس بات سے بے خبر ہیں۔ ان کے حال پر مہربانی بھی ہو سکتی ہے۔ کہ ان کو اس دریا کے کنارہ تک نہ آنے دیں ورنہ اچانک ڈوب جائیں گے۔ بہت سے لوگ جنہوں نے دریائے توحید کی سیر کی اور ڈوبے۔ ان کے ڈوبنے کا سبب یہ تھا کہ وہ تیرنا نہیں جانتے تھے۔ اور نہ اس کو سیکھنے کی ان میں صلاحیت تھی یا خود اپنے فہم پر غلط اعتبار کر کے اس پر غور کیا اور اس کے سیکھنے کی طلب نہیں کی۔ اور اس دریا میں غرق ہو گئے ان لوگوں کا قول یہ ہے کہ ہمارا اختیار کچھ نہیں ہے سب کام اللہ تعالٰے کے ہیں جو شخص ازل سے شقی ہے کوشش اس کو کچھ فائدہ نہیں دے گی۔ اور جس کے مقدر میں سعادت لکھی ہے اس کو جد وجہد کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔ ایسا عقیدہ رکھنا نادانی ہے اور ضلالت کی نشانی ہے۔ اور ہلاکت کا باعث ہے۔ اگرچہ اس بات کا اس کتاب (کیمیائے سعادت) میں لکھنا کچھ مناسب نہ تھا۔ لیکن چونکہ بات یہاں تک پہنچ گئی تھی۔ اس لئے کچھ بیان کرنا ضروری سا ہو گیا۔

ثواب و عذاب کیوں ہے؟ اس کا جواب

اے عزیز! تم نے جو یہ کہا کہ جب یہ صورت حال ہے تو ثواب و عذاب کیوں ہے؟ اس کا جواب سنو! عذاب اس واسطے نہیں ہے کہ تمہارے برا کام کرنے سے کوئی تم پر ناراض ہو کر اس کے بدلہ میں تم کو سزا دینا چاہتا ہے یا تمہارے نیک اعمال سے خوش ہو کر اس کے بدلہ میں تم کو خلعت عطا فرماتا ہے کیونکہ یہ باتیں شان الوہیت کے لائق نہیں ہیں جبکہ خون یا صفرا یا اور کوئی خلطِ غالب ہو کر بدحالی پیدا کرتی ہے تو اس کو بیماری کا نام دیا جاتا ہے اور جب دوا اور علاج سے پہلی جیسی حالت بدن میں پیدا ہو تو اس کو صحت کہا جاتا ہے۔ اسی طرح جب شہوت اور خشم تم پر غلبہ کرتے ہیں۔ اور تم ان کے اس ہو جاؤ تو اس سے ایک ایسی آگ پیدا ہوتی ہے جو جان کو جلا ڈالتی ہے۔ اور اس سے تمہاری ہلاکت واقع ہوتی ہے

چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا الغضب قطعۃ من النار (غصہ آگ کا ایک ٹکڑا ہے) اور جس طرح عقل کا نور جب قوی ہوتا ہے۔ تو شہوت اور غضب کی آگ کو بجھا دیتا ہے۔ اسی طرح نور ایمان دوزخ کی آگ کو بجھا دیتا ہے۔ اور دوزخ سے آواز آتی ہے۔ جز یا مومن فان نورک اطفأ ناری یعنی اے مومن سرک جا تیرے ایمان کے نور نے میری آگ کو سرد کر دیا۔ دیکھو دوزخ ایمان سے فریاد کر رہی ہے۔ بات چیت درمیان میں نہیں ہے بلکہ دوزخ کو اس نور کے دیکھنے کی طاقت نہیں۔ اس سے بھاگ جانا چاہتا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے مچھر ہوا سے بھاگتا ہے۔ اسی طرح شہوت کی آگ بھی عقل کے نور کے سامنے آنے سے گریز کرتی ہے پس تمہارے عذاب کے لئے کسی دوسری جگہ سے کوئی چیز نہیں لائی جاتی۔ تمہاری چیز تم ہی کو دے دی جاتی ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ انما ھی اعمالکم ترد الیکم (بے شک یہ دوزخ) تمہارے اعمال ہی ہیں جو تمہاری طرف لوٹا دیے جاتے ہیں) پس آتش دوزخ کی اصل تمہاری شہوت اور غضب ہی ہے اور یہ تمہارے ساتھ ساتھ تمہارے باطن میں موجود ہیں اگر تم کو علم الیقین حاصل ہوتا تو بیشک تم اس کو دیکھ لیتے۔ چنانچہ خداوند عالم نے ارشاد فرمایا کلا لو تعلمون علم الیقین لترون الجحیم ہاں ہاں اگر یقین کا جاننا جانتے تو مال کی محبت نہ رکھتے۔ بے شک ضرور جہنم کو دیکھو گے پس معلوم ہونا چاہیئے کہ جس طرح زہر کھانا انسان کو بیمار کرتا ہے اور پھر وہ بیماری قبر میں اس کو لے جاتی ہے۔ اس میں نہ کسی کا غصہ ہے اور نہ کوئی تم سے انتقام لے رہا ہے اسی طرح معصیت اور شہوت آدمی کے دل کو بیمار کرتی ہے۔ اور وہ بیماری آگ بن جاتی ہے۔ اور یہ آگ دوزخ کی آگ کی ایک قسم ہے۔ وہ دنیا کی آگ کی طرح نہیں ہے۔ جس طرح مقناطیس، لوہے کو اپنی طرف کھینچتا ہے اسی طرح دوزخ دوزخی کو اپنی طرف کھینچتا ہے اس میں نہ کسی کا غصہ ہے نہ غضب یہ جو کہا تھا کہ شریعت اور رسولوں کے بھیجنے کی اس صورت میں کیا ضرورت تھی (جبکہ ہمارا کوئی فعل ہمارے اختیار سے نہیں ہے) تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بھی ایک قسم کا قہر و جبر ہے تاکہ بندوں کو جبراً و قہراً بہشت میں لے جاتے ہیں۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے العجب من قوم الی الجنۃ بالسلاسل۔ اسی طرح کمند قہر کا خیال رکھ دوزخ میں نہ لے جائیں ارشاد فرمایا انتم تتھافتون علی النار وانا اٰخذ بحجزکم تم پروانوں کی طرح خود کو آگ پر گراتے ہو اور میں تم کو تمہاری کمر پکڑ کر کھینچنے والا ہوں۔ گرنے نہیں دیتا۔

معلوم ہونا چاہیے کہ پیغمبروں کی نصیحت، خداوند کریم کی جباری کی زنجیر کا ایک حلقہ ہوا جس سے فہم پیدا ہوا تاکہ ہدایت و گمراہی میں تمیز ہو سکے اور پیغمبروں کے ڈرانے سے دل میں خوف پیدا ہو اور یہ معرفت اور خوف عقل کے آئینہ سے گرد و غبار کو دفع کر دے تاکہ یہ حکم اس آئینہ میں نمایاں ہو جائے کہ آخرت کی راہ اختیار کرنا دنیا طلب کرنے سے بہتر ہے۔ اور اس سے راہ آخرت (طے کرنے کا) ارادہ پیدا ہوا اور ارادہ کے باعث اعضا خواہ نخواہ حرکت میں آئیں کہ وہ ارادہ کے تابع ہیں۔ اور اس زنجیر سے تم کو دوزخ سے بچا کر بہشت میں لے جائیں۔ انبیاء علیہم السلام کی مثال اس شبان (چرواہے) سی ہے۔

جس کے پاس بکریوں کا ایک ریوڑ ہے اس چرواہے کے سیدھے ہاتھ کی طرف ایک سرسبز چراگاہ ہے اور بائیں طرف ایک عظیم غار ہے جہاں بہت سے بھیڑیے موجود ہیں پس یہ نگاہبان غار کے کنارہ پر کھڑا ہوا اپنے عصا کو ہلایا رہا ہے تاکہ ریوڑ عصا کے خوف سے اس غار کی طرف نہ آئیں بلکہ سرسبز چراگاہ میں جائیں۔ پیغمبروں کے بھیجنے کے یہی معنی ہیں۔

تم یہ جو کہتے ہو کہ اگر شقاوت کا حکم ہو چکا ہے۔ تو پھر کوشش سے کیا فائدہ؟ یہ بات ایک اعتبار سے درست ہے۔ اور ایک اعتبار سے غلط ہے۔ یہ اعتبار درست تو ہلاکت کا سبب ہے کیونکہ کسی کی شقاوت کا حکم ہونے کی علامت یہ ہے کہ ایسی بات اس کے دل میں ڈالے کہ وہ کوشش سے باز رہے۔ تخم نہ بوئے لہذا دروبی نہ کرے۔ (نہ بیج ڈالے نہ کھیتی کاٹے) اور اس بات کی علامت کہ حق تعالیٰ نے کسی کی موت کا حکم اس طرح کیا ہو کہ وہ بھوک سے مرجائے یہ ہے کہ اس کے دل میں یہ بات ڈالی کہ جب ازل میں یہ حکم ہو چکا ہے کہ میں فاقہ سے مرجاؤں روٹی کھانے سے مجھے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ پس وہ روٹی کو ہاتھ بھی نہ لگائے اور بالکل ہی نہ کھائے تو یقیناً وہ مرجائے گا۔ یا کوئی کہے کہ مقدر میں اگر مفلسی لکھدی ہے تو بیج بونے سے کیا فائدہ ہوگا۔ پس یہ خیال کر کے نہ وہ بوئے گا اور نہ کاٹے گا۔

حق تعالیٰ نے جس کی سعادت کا حکم کیا ہے اس کو بتایا ہے کہ جس شخص کو تو انگری اور زندگی کا حکم دیا گیا ہے اس کو تونگری اور زندگی کے اسباب فراہم کرنا بھی بتایا ہے کہ زراعت کرے اور غذا فراہم کرے پس یہ حکم بے فائدہ نہیں ہے اس میں اسباب کا تعلق ہے پس جس کو کسی کام کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ اس کو اس کام کے اسباب بھی مہیا کر دیئے ہیں ایسا نہیں ہے کہ اس کو بغیر سبب اور واسطہ کے اس کام تک پہونچا دیا جائے۔ چنانچہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ اعملوا فکل میسّرٌ لما خلق لہٗ (عمل کرو اکہ ہر شخص پر جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے وہ کام آسان ہے)۔

اے عزیز! تم ان احوال واعمال سے جو جبراً قہراً تم سے کروائے جاتے ہیں اپنے انجام و عاقبت کی بشارت حاصل کرو۔ جب حصول علم کے لئے سعی و کوشش کا تم پر غلبہ ہو تو سمجھ لو کہ یہ اس بات کی بشارت ہے کہ تمہارے لئے سعادت امامت اور خلافت کا حکم کیا گیا ہے۔ بشرطیکہ تم اس راہ میں پوری کوشش کرو اور اگر تم پر سستی اور کاہلی کا غلبہ ہے تو اس وقت یہ بات تمہارے دل میں پیدا ہوگی کہ ازل کے دن میری جہالت (جاہل رہنے) کا حکم کیا گیا ہے۔ اب علم کی تکرار اور اس کا یاد کرنا کیا فائدہ دے گا۔ اس سے تم اپنی جہالت کا اندازہ کرلو۔ اور جان لو کہ یہ بات اس پر دلالت کرتی ہے کہ تم ہرگز درجۂ امامت کو نہ پہونچ سکو گے۔

الغرض آخرت کے کاموں کو دنیا کے کاموں پر قیاس کرنا چاہیے۔ چنانچہ فرمایا گیا ہے۔ ماخلقکم ولا بعثکم الا کنفس واحدۃ و سواءٌ محیاھم ومماتھم (تمہاری آفرنیش اور تمہاری اٹھان مثل ایک تن کے ہے۔ اور ان کا جینا

اور ہر نا برابر ہے) جب تم نے ان حقائق کو پہچان لیا تو سمجھ لو کہ تمہارے تینوں اشکال رفع ہو گئے اور توحید ثابت ہو گئی اور معلوم ہو گیا کہ جس کو حق تعالیٰ معرفت اور بصیرت عطا فرمائے وہ جان جائے گا۔ کہ شریعت، عقل اور توحید میں کچھ تناقص نہیں ہے۔ یہاں ہم اور کچھ زیادہ لکھنا نہیں چاہتے کہ اس کتاب میں تفصیل کی گنجائش نہیں ہے۔

وہ دوسرا ایمان جس پر توکل کی بنا ہے پیدا کرنا

اس سے قبل ہم بیان کر چکے ہیں کہ توکل دو ایمانوں کا نتیجہ ہے ایک توحید جس کی شرح ہم کر چکے ہیں کہ توکل ایمان یہ کہ تم اس بات کا یقین کرو کہ خداوند تعالیٰ عالم کا خالق ہے۔ اور سب کو اسی نے پیدا کیا ہے وہ سب پر رحیم، حکیم اور مہربان ہے اور اس کی مہربانی ایک چیونٹی اور مچھر سے لے کر آدمی تک ماں کی اس محبت و شفقت سے زیادہ ہے جو اس کو اپنے بچہ سے ہوتی ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ کہ حق تعالیٰ نے عالم اور سارے موجودات کو کمال و جمال اور لطف و حکمت سے اس طور پر پیدا کیا ہے کہ اس سے بہتر ہونا ممکن نہیں۔ اور سمجھو کہ کسی چیز سے وہ اپنی لطف و مہربانی کی نظر نہیں اٹھاتا اس کی مہربانی ہر چیز کے شامل حال ہے اور ہر چیز کو جیسی ضرورت تھی ویسا ہی بنایا ہے۔ اگر روئے زمین کے تمام دانشور جمع ہو جائیں اور ان کو کمال عقل و زیرکی عطا ہو اور وہ کوشش کریں کہ ایک سر مو اور پر پشہ الیسا ال جائے کہ ویسا ہونا سزاوار نہ ہو یا چھوٹا بڑا ہو یا جو ہے۔ اس سے بہتر ہو سکتا تھا تو نہیں پا سکتے اور یہی کہیں گے۔ کہ سب مناسب اور موزوں ہے۔ اور جو تم بدصورتی دیکھتے ہو تو اس کا کمال اس بدصورتی میں ہے کہ وہ بدصورت ہو اگر ایسا نہ ہوتا تو اس کی تخلیق ناقص ہوتی اور ایک حکمت باقی رہ جاتی (فوت ہو جاتی) کیونکہ اگر وہ بدصورتی نہ ہوتی تو حسن کی قدر کو کون پہچانتا اور اس سے انبساط حاصل نہ کر سکتا۔ اگر ناقص کا وجود نہ ہوتا تو کامل بھی نظر نہ آتا اور کامل کو اپنے کمال سے مسرت اور نشاط حاصل نہ ہوتی کیونکہ کامل اور ناقص تو نسبت ہی سے معلوم ہوتے ہیں مثلاً جب باپ نہ ہو تو بیٹا نہ ہوگا۔ اگر بیٹا نہ ہو تو باپ بھی نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ چیزیں ایک دوسرے کے مقابل ہیں اور مقابلہ دو چیزوں میں ہوا کرتا ہے جب یہ دوئی درمیان سے اُٹھ جائے تو دو چیزیں ایک بن جائیں اس طرح مقابلہ اور وہ چیز جس پر مقابلہ موقوف ہے باطل ٹھہرے گی معلوم ہونا چاہیئے کہ حق تعالیٰ کا اپنے کاموں کی حکمت بندوں پر پوشیدہ رکھنا جائز ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے کاموں کی حکمت پوشیدہ رکھتا ہے

لیکن اس بات پر ایمان لازم ہے کہ تمام کاموں میں اس نے جو حکم جاری فرمایا ہے۔ وہ بہتر ہے اور ایسا ہی ہونا مناسب تھا۔ پس دنیا میں جو کچھ بیماری، عاجزی، ہلاکت، نقصان اور درد و الم موجود ہے ہر ایک میں خداوند کریم نے حکمت رکھی ہے اور یہی مناسب تھا جس کسی کو درویش بنایا ہے۔ اس واسطے بنایا ہے کہ درویشی ہی میں اس کی خوبی تھی اگر وہ تونگر ہوتا تو خراب ہوتا اور جس کو تونگر بنایا ہے اسی میں اس کی بہتری تھی۔ اگر اس کو فقیر بناتا تو وہ خراب ہوتا۔ اور یہ توحید بھی ایک سمندر ہے۔ بہت سے لوگ اس میں غرق ہوتے ہیں۔ اس میں قضا و قدر کا راز پنہاں ہے۔ اس کو فاش کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ اگر ہم سمندر میں غوّاصی کریں تو بات بہت طویل ہو جائے گی بس یہ سمجھ لو کہ سارے ایمان کا سرّ یہی ہے۔ اور توکل کو اس کی احتیاج ہے۔

توکل کی حقیقت

توکل دل کا ایک حال ہے

اے عزیز معلوم ہونا چاہیئے کہ توکل دل کی حالتوں میں سے ایک حالت ہے اور یہ خداوند کریم کی واحدانیت اور اس کے لطف و کرم پر ایمان لانے کا نتیجہ ہے۔ اس حال (توکل) کے معنی یہ ہیں کہ دل وکیل یعنی کارساز پر اعتماد کرے اور اس سے مطمئن رہے۔ (تذبذب پیدا نہ ہو) اور اپنی روزی کے باب میں فکرمند نہ ہو اور اسباب ظاہری میں خلل پڑنے سے مایوس اور دلگیر نہ ہو بلکہ حق تعالیٰ پر بھروسہ رکھے کہ وہی اس کو روزی پہونچائے گا۔ ایک مثال سے اس کو سمجھو کہ کسی پر مکر و فریب سے دعویٰ باطل کریں تو دوسرا شخص اس مکر کی مدافعت کے لئے ایک وکیل مقرر کرتا ہے اگر اس شخص کو مقرر کردہ وکیل کی ان تین صفتوں پر کامل یقین ہے۔ تو اس کا دل وکیل کی طرف سے مطمئن اور بے فکر رہے گا۔ وہ اچھی طرح جانتا کہ وکیل دغا اور فریب کے داؤں گھات سے خوب واقف ہے۔ دوسرے یہ کہ جو کچھ جانتا ہے اس کے ظاہر کرنے پر دو طریقوں سے قادر ہے ایک دلیری دوسرے فصاحت زبان۔ اس لئے کہ بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ماہر ہوتے ہیں لیکن دلیر نہ ہونے کی اور کم سخنی کے باعث اس کو ظاہر نہیں کرے۔ تیسری صفت یہ کہ وکیل اپنے موکل پر نہایت شفیق اور مہربان ہو تاکہ اس کے حق کو بجا لا سکے جب ان تینوں صفات کا یقین کرے گا تب اس کا دل اس کی طرف سے مطمئن ہو گا۔ اور وکیل پر بھرپور اعتماد کرے گا۔ اور خود کسی حیلہ و تدبیر کے درپے نہ ہو گا۔ اسی طرح جو شخص نعم المولیٰ ونعم الوکیل (اچھا مولیٰ اور اچھی وکالت والا) اچھی طرح سمجھتا ہے۔ اور وہ اس پر ایمان رکھے کہ دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے خدا کے حکم سے ہوتا ہے۔ اور اس کا فاعل کوئی اور دوسرا نہیں ہے سوائے اس کے اور اس پر یقین رکھے کہ خداوند تعالیٰ کی قدرت اور اس کے علم میں کسی طرح کا قصور اور کوتاہی نہیں ہے اور اس کی رحمت و عنایت ایسی بے نہایت و بے غایت ہے

کہ اس سے زیادہ ہونا ممکن ہے تب اس کا دل اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم پر بھروسہ کر کے جملہ وتدبیر ترک کردے گا اور سمجھے گا۔ کہ روزی مقرر ہے وقت پر مجھے ملے گا۔ اور میرے تمام کام اس کے فضل وکرم سے درست ہو جائیں گے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے۔ کہ کوئی شخص ان تینوں صفات پر ایمان لایا ہو لیکن بالطبع دل کا کچا ہو اور ہراساں رہتا ہو کیونکہ یہ لازم نہیں ہے کہ طبیعت ہر یقین کی تابع ہو کبھی وہ وہم کی بھی تابع ہو جاتی ہے حالانکہ وہ یقین کے ساتھ جانتا ہے کہ وہ خطا اور غلطی ہے مثلاً شیرینی کھاتے وقت اگر کوئی شخص اس شیرینی کو نجاست سے تشبیہہ دے تو اس وقت وہ کراہت کے سبب سے اس کو نہیں کھا سکے گا۔ اگرچہ وہ یقین کے ساتھ جانتا ہے کہ یہ تشبیہ دروغ محض ہے اسی طرح مردے کے ساتھ تنہا گھر میں سونا نہیں چاہتا حالانکہ یقین کے ساتھ جانتا ہے کہ مردہ پتھر جیسا ہے اور ہرگز نہ اٹھے گا اس بات سے ظاہر ہے کہ توکل کے لیے یقین کی بھی ضرورت ہے اور دلیری کی بھی۔ جب تک یہ چیزیں نہ ہوں گی وہ اضطراب اور واہمہ دل سے نہیں نکلے گا۔ اور جب تک پورا بھروسہ اور اعتماد نہ ہو متوکل نہیں ہوگا۔ کیونکہ ہر کام میں خداوند تعالیٰ پر دل سے اعتمادِ کلّی کا نام توکل ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایمان اور یقین کامل تھا باینہمہ انہوں نے فرمایا۔ رب ارنی کیف تحی الموتیٰ ہ قال اولم تؤمن ہ قال بلیٰ ولکن لیطمئن قلبی ہ اے میرے رب! مجھے دکھا کہ تو مردوں کو کس طرح زندہ کرتا ہے رب نے فرمایا کیا تم ایمان نہیں لاتے ہو؟ حضرت ابراہیم نے کہا کہ میں ایمان تو رکھتا ہوں لیکن اطمینان قلب کے لئے (دیکھنا) چاہتا ہوں!

حضرت ابراہیمؑ نے کہا کہ یقین تو حاصل ہے لیکن چاہتا ہوں کہ دل کو قرار آ جائے کیونکہ ابتدائے حال میں دل کا چین، خیال اور وہم کا تابع ہوتا ہے جب پورا ایمان ہو تو دل یقین کا تابع ہوگا۔ اور پھر مشاہدہ ظاہری کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔

توکل کے درجے

توکل کے تین درجے

اے عزیز معلوم ہونا چاہیے کہ توکل کے تین درجے ہیں، ایک درجہ یہ ہے کہ متوکل کا حال اس شخص جیسا ہے کہ جھگڑے میں ایسے وکیل کو مقرر کرتا ہے۔ جو چالاک، فصیح البیان، دلیر و بے باک اور شفیق ہو اور اس سے اس کا دل مطمئن ہو۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ اس متوکل کا حال اس بچہ کی طرح ہو جو ہر مصیبت اور آفت میں ماں کے سوا کسی دوسرے کو نہیں جانتا۔ بھوک کی حالت میں اس کو پکارتا ہے۔ خوف کے وقت اسی کی پناہ لیتا ہے اور یہ اس کی سرشت ہے اس میں تکلف کو ذرا بھی دخل نہیں

رہے یہ ایسا متوکل ہے۔ جس کو اپنے توکل کی خبر نہیں ہے۔ اس محویت سے مختلف ہے جو وکیل کے سلسلہ میں پہلے درجہ کے متوکل کی تھی۔ کہ اس کو اپنے توکل کی خبر تھی اور اپنے اختیار سے تکلف کے ساتھ خود کو توکل کے حوالہ کیا تھا۔

تیسرا درجہ یہ ہے کہ متوکل کا حال اس مُردہ کا سا ہے جو غسال کے سامنے ہو متوکل خود کو مردہ سمجھے اور قدرتِ الٰہی سے حرکت کرنے والا خود کو جانے نہ اپنے اختیار سے جس طرح مردہ غسال کے ہلانے سے حرکت کرتا ہے اور اگر کچھ حاجت یا مشکل در پیش ہو تو دعا بھی نہ کرے اس لڑکے کی طرح جو کسی کام کے لئے اپنی ماں کو بلاتا ہے بلکہ یہ متوکل اس ہوشمند لڑکے کی طرح ہوگا جو سمجھتا ہے کہ اگرچہ میں کام کے لئے اپنی ماں کو نہ بلاؤں تب بھی وہ میرے حال اور ضرورت سے خوب واقف ہے وہ میری تدبیر کرے گی۔ پس تیسرے درجہ کے توکل میں انسان کا کچھ اختیار نہیں۔ دوسرے درجہ میں بھی اختیار نہیں ہے مگر دعا اور زاری ضرور موجود ہے اور پہلے درجہ میں اسباب کی تدبیر کا اختیار تھا جو وکیل کی عادات و اطوار سے معلوم ہوئے تھے مثلاً جب اس نے سمجھ لیا کہ وکیل کی عادت یہ ہے کہ جب تک موکل حاضر نہ ہو اور کاغذات پیش نہ کئے جائیں وکیل مقدمہ نہیں لڑتا لہذا وہ ان اسباب کو فراہم کرے گا۔ اس کے بعد وہ کلیۃً وکیل کے فعل کا منتظر رہے گا اور ہر عمل اور ہر حرکت کو وکیل کا عمل سمجھے گا۔ یہاں تک کہ قاضی کی عدالت سے فیصلہ حاصل کرنا بھی اسی کا کام ہوگا۔ کیونکہ یہ بات بھی موکل کو وکیل کے اشارہ ہی سے معلوم ہوئی تھی۔ پس جو شخص توکل میں اس مقام تک پہونچ گیا ہے وہ اپنی تجارت اور زراعت اور اسباب ظاہری کا بھی متوکل ہے۔ کیونکہ وہ اپنی تجارت اور تجارت پر بھروسہ نہیں کرتا بلکہ خداوند تعالیٰ کے فضل و کرم پر اعتماد رکھتا ہے کہ وہ تجارت اور زراعت سے مجھے مقصود کو پہونچا دے گا جس طرح عدالت میں ضروری کام اس سے صادر کرائے اور ان کاموں کو بجالانے کی ہدایت دی۔ پس جو کچھ ان دونوں سے حاصل ہوتا ہے وہ اس کو خدا ہی کی طرف سے سمجھتا ہے ہم اس کی آئندہ تشریح کریں گے اور لاحول ولا قوۃ الا باللہ کے معنی بھی یہی ہیں کیونکہ حول حرکت کو کہتے ہیں اور قوت و قدرت سے جبکہ وہ جانتا ہے کہ حرکت اور قدرت اس کے بس میں نہیں بلکہ خداوند تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے بس وہ جو کچھ دیکھے گا۔ اسی دیکھے کا اس طرح جب کاموں کو اسباب کے سپرد کرنے سے اس کی نظر اٹھ گئی ہے اور ہر کام کو وہ خدا ہی کی طرف سے دیکھتا ہے تو اس کو متوکل کہیں گے۔

توکل کا مقام

توکل کا مقام بہت بلند ہے جیسا کہ ابو یزید بسطامی قدس سرہ نے فرمایا ہے منقول ہے کہ ابو موسیٰ دیلمی نے ابو یزید بسطامی سے دریافت کیا کہ توکل کیا ہے! انہوں نے فرمایا کہ تم اس بارے میں کیا جانتے ہو۔ ابو موسیٰ دیلمی نے کہا کہ بزرگوں نے کہا ہے کہ اگر تیرے داہنے اور بائیں طرف سانپ اور اژدھا ہو۔ اور اس وقت تمہارا دل بالکل نہ گھبرائے تو یہ توکل ہے۔ یہ سن کر ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ تو بہت معمولی سی

بات ہے میرے نزدیک توکل یہ ہے کہ اگر کوئی اہل دوزخ کو عذاب میں اور اہلسنت کو راحت میں دیکھے اور دل سے ان دونوں میں فرق سمجھے تو وہ متوکل نہ ہوگا۔ ابو موسیٰ دیلمیؒ کہتے ہیں کہ توکل کا مقام بہت بلند ہے صرف آفتوں سے حذر کرنا ہی اس کی شرط نہیں کیونکہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، غار (ثور) میں تھے انہوں نے اپنی ایڑی سانپ کے سوراخ پر رکھ دی۔ حالانکہ وہ متوکل تھے۔ اور اس کا جواب یہ ہے کہ ان کو سانپ کا ڈر نہیں تھا بلکہ سانپ کے خالق سے تھا جو اس کو قوت اور حرکت دیتا ہے اور ایسا متوکل لاحول ولا قوۃ الا باللہ کے معنی سب چیزوں میں دیکھتا ہے لیکن حضرت ابو یزید بسطامیؒ کے قول میں اس ایمان کی طرف اشارہ ہے جو اصل توکل ہے۔ ایسا ایمان اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہے یعنی بندہ اللہ تعالیٰ کے عدل و حکمت اور رحمت پر ایمان لا کے سمجھے کہ اس کا کوئی فعل حکمت و مصلحت سے خالی نہیں ہے جب آدمی اس راز کو پالے گا۔ تو محنت اور راحت دونوں اس کی نظر میں برابر ہو جائیں گی۔

توکل کے اعمال

معلوم ہونا چاہیے کہ دین کے تمام مقامات کا مدار تین چیزوں پر ہے۔ علم، حال، عمل اس کے بعد توکل کا علم ہے جس کا حال ہم بیان کر چکے۔ اب عمل کا بیان باقی رہا ہے۔ اس موقع پر شاید کوئی یہ خیال کرے کہ توکل کی شرط یہ ہے کہ انسان اپنے تمام کام خداوند کریم کو تفویض فرما دے اور کسی بات میں اپنا اختیار نہ رکھے اس صورت میں اس کو نہ کسب کی ضرورت ہے اور نہ کل کے واسطے کچھ جمع کر کے رکھنے کی، نہ سانپ بچھو اور شیر سے بچنے کی ضرورت ہے نہ بیماری و دوا دارو کی۔ لیکن یہ تمام باتیں بیجا اور شرع کے خلاف ہیں۔ اور توکل کی بنیاد پر کلیتہً شرع پر ہے پھر توکل مخالف شرع (خلاف شرع) کس طرح ہو سکتا ہے۔ بلکہ مال کے کمانے میں آدمی کا اختیار ہے۔ جو کمایا ہے اس کے صرف کرنے میں اختیار ہوگا یا ایک حضرت مولاحق نہیں ہے اس سے محفوظ رہنا چاہیے گا۔ یا جو بلا لاحق ہوئی ہو اس کو دور کرنا چاہیے گا۔ ان چاروں باتوں میں توکل کرنے کا حکم الگ الگ ہے پس ان چار مقامات کی شرح کرنا ضروری ہے۔

پہلا مقام

پہلا مقام حصول منفعت کا ہے اور اس کے تین درجے ہیں۔ پہلا درجہ یہ کہ عادۃ اللہ اس بات پر جاری ہے کہ بغیر کسب کے اور ہاتھ پاؤں ہلائے بغیر کام نہیں چل سکتا۔ پس ترکِ کسب دیوانہ پن ہے توکل نہیں ہے۔ مثلاً ایک شخص نوالہ اٹھا کر منہ میں نہیں ڈالتا تاکہ حق تعالیٰ بس یونہی اس کو سپرد کر دے یا کھانے میں حرکت پیدا ہو۔ اور نوالہ خود بخود اس کے منہ میں چلا جائے یا کوئی شخص نکاح نہیں کرتا اور نکاح بھی کر لیا تو مباشرت نہیں کرتا اور چاہتا ہے کہ غیب سے بچہ پیدا ہو جائے اور ان باتوں کو وہ توکل سمجھتا ہے (تو یہ دیوانہ پن نہیں ہے تو اور کیا ہے) اسباب دنیاوی جو سب ضروری اور قطعی ہے اس کے ترک کرنے سے توکل نہیں ہوگا بلکہ وہ علم و حالت سے ہے۔ علم کو

یہاں یوں سمجھنا چاہیے کہ ہاتھ طعام، قدرت، حرکت، منہ اور دانت سب خدا کے حکم سے پیدا ہوئے ہیں اور حال یہ ہے کہ دل سے خدا کے فضل و کرم پر بھروسہ رکھے نہ کہ ہاتھ اور کھانے پر۔ کیونکہ ممکن ہے کہ ہاتھ ابھی ابھی شل ہو جائے اور کھانا بھی کوئی دوسرا چھین لے۔ پس لازم ہے کہ اس کی نظر خدا کے فضل پر ہو جس نے غذا پیدا کی اور اس کو محفوظ رکھا اور اپنے زور بازو پر نظر نہ رکھے۔

دوسرا مقام

دوسرا مقام یا درجہ وہ اسباب ہیں جو قطعی نہ ہوں لیکن اکثر ان کے بغیر انسان کی کار برآری نہ ہوتی ہو البتہ یہ ممکن ہے کہ شاذ و نادر ان اسباب کے بغیر مقصد بر آری ہو جائے جیسے سفر کی واسطے توشہ لے جانا، اس کو ترک کرنا بھی شرط توکل نہیں ہے کیونکہ یہ بات حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت اور بزرگان سلف کی روش ہے۔ ہاں متوکل کو چاہیے کہ توشہ پر اعتماد نہ کرے کیونکہ ممکن ہے کہ کوئی اس توشہ کو اڑا لے جائے بلکہ حق تعالیٰ پر نظر رکھے جو خالق اور حافظ ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص بغیر توشہ کے جنگل و بیابان میں جائے تو درست ہے۔ یہ بات اس کے کمال توکل پر دلیل ہوگی اس کی مثال کھانا خود بخود نہ کھانے کی طرح نہیں ہوگی کیونکہ وہ صورت توکل میں داخل نہیں تھی البتہ سفر میں توشہ ساتھ نہ لے جانا ایسے شخص کو سزاوار ہے جس میں یہ دو صفتیں ہوں ایک یہ کہ اس کے بدن میں اتنی طاقت ہو کہ ایک ہفتہ تک بھوک پر صبر کر سکے دوسری صفت یہ کہ گھاس اور پتے کھا کر کچھ گذارہ کر سکے جب اس کا حال ایسا ہو تو اغلب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا رزق جنگل بیابان میں بغیر توشہ کے جاتے لیکن اپنے ساتھ ہمیشہ سوئی (ناخن تراش) رسی اور ڈھول رکھتے تھے کیونکہ یہ چیزیں اسباب قطعی میں داخل ہیں۔ بغیر ڈول اور رسی کے پانی کنوئیں سے حاصل کرنا دشوار ہے اور جنگل میں یہ چیزیں نہیں پائی جاتی ہیں اور جب کپڑے پھٹ جائیں تو سوئی کا کام کوئی اور چیز سے سر انجام نہیں ہو سکتا۔ پس ایسے اسباب میں توکل یہ نہیں کہ ان کو ترک کریں بلکہ توکل یہ ہے کہ دل سے خدا کے فضل پر بھروسہ رکھیں اور ان اسباب پر نہ رکھیں پس اگر کوئی شخص ایسے غار میں جہاں انسان کا گذر نہ ہو اور گھاس پات بھی کھانے کو نہ ملے بیٹھ جائے اور کہے کہ میں نے توکل اختیار کر لیا ہے۔ یہ حرام ہے ایسا شخص خود کو ہلاک کرے گا۔ وہ عادتِ الٰہی سے بے خبر ہے اور اس کی مثال ایسے مؤکل کی ہے جو اپنے مقدمہ میں دعویٰ نامہ وکیل کے پاس نہ لے جائے حالانکہ وہ جانتا تھا کہ بغیر دعویٰ نامہ کے وکیل بات بھی نہیں کرتا ہے۔

منقول ہے کہ زمانہ گذشتہ میں ایک زاہد نے شہر کے باہر ایک غار کو اپنا ٹھکانا بنا لیا تھا اور توکل کر کے بیٹھ رہا تھا کہ روزی غیب سے پہونچے ایک ہفتہ اسی طرح گذر گیا۔ ہلاکت کی نوبت آ پہونچی اور اس کو کھانے کو کچھ بھی نہیں ملا۔ اس زمانہ کے پیغمبر پر وحی نازل ہوئی کہ اس زاہد سے کہدو کہ مجھے اپنی عزت کی قسم جب تک شہر میں واپس جا کر شہر والوں کے ساتھ نہیں اٹھے بیٹھے گا۔ میں تجھے رزق نہیں دوں گا۔ اس پیغام کے بعد جب وہ زاہد شہر میں داخل ہوا تو لوگ اس کے واسطے ہر طرف سے کھانا لانے لگے تب زاہد دل میں رنجیدہ ہوا اس وقت

اس کو الہام ہوا کہ اے بندے! تو چاہتا تھا کہ توکل سے میری حکمت کو باطل کر دے اور تو اتنا نہیں سمجھا کہ کسی آدمی کی روزی اپنے دست قدرت سے پہونچانا بہ نسبت دوسرے بندوں کے ہاتھ سے پہونچانا مجھے زیادہ پسند ہے۔

اسی طرح اگر کوئی شخص شہر میں اپنے گھر کے اندر خلوت نشین ہو جائے اور دروازہ بند کر کے بیٹھ رہے۔ اور متوکل بن جائے تو ایسا توکل حرام ہے۔ کیونکہ اس باب یقینی کا ترک کرنا درست ہے ہاں اگر دروازہ بند نہ کر کے توکل اختیار کرے تو یہ روا ہے۔ بشرطیکہ اس کی آنکھیں اس انتظار میں دروازہ پر نہ لگی رہیں کہ کوئی کھانا لاتا ہوگا۔ اور اس کا دل مخلوق سے متعلق نہ رہے بلکہ اسکو اس صورت میں چاہیے کہ دل کو خدا کے ساتھ لگائے رکھے اور عبادت میں مشغول رہے اور اس بات پر یقین رکھے کہ جب اس نے ترک اسباب نہیں کیا ہے تو وہ روزی سے محروم نہیں رہے گا! اس جگہ یہ مقولہ صادق آئے گا۔ کہ جب کوئی بندہ رہنی روزی سے بھاگتا ہے تو روزی اس کو ڈھونڈتی ہے۔ اگر وہ حق تعالیٰ سے سوال کرے گا۔ کہ اے پروردگار کیا مجھے روزی نہیں دیگا تو حق تعالیٰ فرمائے گا۔ کہ اے نادان! میں تجھے جب پیدا کیا ہے تو کیا رزق نہیں دوں گا۔ اے نادان! ایسا خیال مت کر۔

پس توکل اس طرح ہو کہ آدمی اسباب سے روگردانی نہ کرے مگر روزی کو اسباب ہی پر موقوف نہ سمجھے۔ بلکہ اس کو مسبب الاسباب سے سمجھے کیونکہ سارے عالم کو روزی دینے والا رزاق موجود ہے۔ لیکن بعض اس کو سوال کی ذلت گوارا کر کے اور بعض کوشش و محنت سے روزی پاتے ہیں۔ اور بعض اس سلسلہ میں انتظار کی محنت برداشت کرتے ہیں۔ جیسے تجار اور بعض عزت کے ساتھ زندہ رہتے ہیں جیسے حضرات مدینہ جو خداوند تعالیٰ پر دل قوی رکھتے ہیں اور جو رزق ان کو پہونچتا ہے خدا ہی کی طرف سے سمجھ کر خلق کا واسطہ درمیان سے اٹھا دیتے ہیں۔

تیسرا درجہ

تیسرا درجہ ان اسباب کا ہے جو قطعی نہ ہوں اور اکثر ان کی حاجت بھی نہیں ہوتی بلکہ ان حیلہ اور جستجو جانتے ہیں۔ ان اسباب کو کسب کے ساتھ ہی نسبت ہے جیسے داغ، منتر اور فال کی نسبت بیماری کے ساتھ ہوا کرتی ہے۔ کیونکہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے متوکلین کا وصف اس طرح بیان فرمایا ہے کہ وہ منتر داغ اور فال پر عمل نہیں کرتے ہیں۔ اور آپ نے یہ بھی نہیں فرمایا کہ یہ لوگ کسب نہیں کریں گے اور شہر سے نکل کر جنگلوں میں بھٹکتے پھریں گے۔ پس اس مقام میں توکل کے تین درجے ہیں۔ پہلا درجہ وہ جس کو شیخ ابراہیم خواص نے اختیار کیا تھا کہ وہ جنگل اور بیابان میں بغیر توشہ کے پھرا کرتے تھے۔ اور یہ درجہ سب سے اعلیٰ ہے۔ یہ درجہ اس وقت حاصل ہوگا۔ کہ بھوکا رہے گا۔ یا ساگ پات کھائے۔ اور اگر وہ بھی نہ ملے تو موت کا خوف اس کے دل میں نہ آئے۔ اور وہ سمجھے کہ اس میں اس کی بہتری اور بھلائی ہوگی۔ کیونکہ جو شخص توشہ ساتھ لے گا ممکن ہے۔ کہ چور اس کو چھین لیں اور وہ بھوکا مر جائے جو احتمال نادر ہو وہ بھی ممکن الوقوع ہوگا۔ اور اس سے حذر واجب نہیں ہے۔

دوسرا مرتبہ یہ کہ کسب نہیں کرتا اور جنگل میں بھی نہیں پھرتا بلکہ کسی شہر کی مسجد میں سکونت اختیار کر لی۔ پھر لوگوں سے

توقع نہیں رکھتا بلکہ فضل الٰہی کا امیدوار ہے۔

تیسرا مرتبہ یہ کہ کسب کے لئے باہر نکلتا ہے اور سنت اور آداب شرع کے مطابق جس کا بیان کسب کے باب میں ہم کر چکے ہیں۔ اور کسب کرتا ہے۔ اور حیلہ و جستجو اور تدبیروں اور چالاکی کے ساتھ روزی پیدا کرنے سے حذر کرے اگر کاسب ایسے اسباب میں مشغول ہو گیا۔ تو اس شخص کے مانند ہو گا۔ جو منتر اور داغ پر عمل کرتا ہے۔ توکل اختیار نہیں کرتا، کسب سے باز آنا توکل کی شرط نہیں ہے۔ اس قول پر دلیل یہ ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو متوکل تھے اور توکل کا کوئی پہلو انھوں نے نہیں چھوڑا تو جب آپ نے خلافت کا بار اٹھایا تب بھی کپڑوں کی گٹھری اٹھا کر تجارت کے لئے بازار جاتے تھے لوگوں نے دریافت کیا کہ منصب خلافت کے ساتھ تجارت کرنا کس طرح مناسب ہو گا۔ تو آپ نے فرمایا کہ اگر کسب نہ کروں گا۔ تو اہل وعیال کی پرورش کیسے ہو گی وہ بھوکوں مر جائیں گے۔ دوسرے یہ کہ فقر و فاقہ سے رہ کر رعیا کی دیکھ بھال مجھ سے کس طرح ہو سکے گی پس بیت المال سے آپ کے لئے یومیہ وظیفہ مقرر کر دیا گیا اور آپ خاطر جمعی کے ساتھ خلافت کے کام میں مشغول رہنے لگے۔ پس آپ کا توکل یہ تھا کہ مال و زر کی حرص آپ کو نہ تھی اور جو کچھ حاصل ہوتا۔ اس کو اپنی پونجی نہیں سمجھا کرتے تھے بلکہ اس کو خداوند تعالیٰ کی بخشش خیال فرماتے تھے اور آپ اپنے مال کو مسلمانوں کے مال سے زیادہ عزیز نہیں سمجھتے تھے۔

حاصل کلام یہ کہ توکل زہد کے بغیر نہیں ہو سکتا پس زہد توکل کی شرط ہے۔ اگرچہ زہد کے لئے ایک مرشد کامل کی ضرورت ہے ابو جعفر حداد رحمۃ اللہ علیہ نے جو حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے مرشد جو ایک متوکل بزرگ تھے فرمایا ہے میں نے بیس سال تک اپنے توکل کو پوشیدہ رکھا تھا۔ ہر روز بازار میں ایک دینار کماتا اور اس میں سے ایک پیسہ بچا کر حمام بھی نہیں جا سکتا تھا۔ سب رقم خیرات کر دیا کرتا تھا۔ شیخ جنیدؒ جب ان کے سامنے جاتے تو توکل کے موضوع پر گفتگو نہیں کرتے تھے اور کہتے تھے کہ مجھے شرم آتی ہے کہ مرشد کے سامنے ایسے مقام کے بارے میں گفتگو کروں جو ان کو ہی سزاوار ہے لیکن وہ صوفی حضرات جو خود خانقاہ میں گوشہ نشین ہو جاتے ہیں اور ان کے نوکر چاکر کسب کے لئے باہر جاتے ہیں۔ ان کا توکل ناقص ہے۔ جس طرح کسب کرنے والے کا توکل ضعیف ہوتا ہے۔

کسب کی شرطیں

کسب کی شرائط بہت سی ہیں تاکہ ان پر عمل کر کے توکل درست ہو جائے لیکن اگر کوئی شخص غیب سے فتوح ہونے کی امید پر بیٹھے گا۔ تو یہ توکل کے فریب ہے۔ لیکن اگر یہ جگہ مشہور ہو گئی تو اس کی مثال بازار کی مانند ہو گی اور اس بات کا اندیشہ ہے کہ قلب کو اس سے راحت حاصل ہو۔ ہاں اگر اس کی طرف التفات خاطر نہ ہو تو یہ توکل، کاسب کے توکل کے مانند ہو گا۔ اس بارے میں اصل بات یہ ہے کہ متوکل کی نظر مخلوق پر نہیں ہونا چاہیے اور مسبب الاسباب کے سوا کسی پر اعتماد نہ کرے۔ حضرت جنید رح کہتے ہیں کہ میں نے حضرت خضر علیہ السلام کو دیکھا ہے۔ کہ وہ میری صحبت سے راضی تھے لیکن میں نے خود ان کو چھوڑ دیا تاکہ میرے دل کو ان سے الفت

اورانس نہ پیدا ہو اور میرے توکل میں نقصان نہ واقع ہو"۔

امام احمد حنبل رضی اللہ عنہ نے کسی مزدور سے کام لیا۔ کام لینے کے بعد کسی شاگرد کو فرمایا جاؤ اس کو مقررہ اجرت سے زیادہ اجرت دے دو۔ شاگرد نے زیادہ اجرت دی تو مزدور نے قبول نہیں کی اور چلا گیا جب وہ باہر چلا گیا تو امام صاحب نے اپنے شاگرد سے کہا کہ اب اس کے پیچھے جاؤ اور وہ زیادہ اجرت ادا کرو وہ ضرور لے گا۔ شاگرد نے دریافت کیا اس کا کیا سبب ہے۔؟ آپ نے فرمایا کہ اس وقت اس نے اپنے دل میں پیسہ کی طمع دیکھی تھی اس واسطے اس وقت زیادہ اجرت قبول نہیں کی اب وہ طمع جاتی رہی اس لئے وہ لے لے گا۔ حاصل کلام یہ کہ کاسب کا توکل یہ ہے کہ سرمایہ پر دل سے اعتماد نہ کرے۔ اس کی علامت یہ ہے کہ اگر مال چوری ہو جائے تو رنجیدہ خاطر نہ ہو۔ اسی طرح رزق سے ناامید نہ ہو۔ جب وہ فضل خدا پر بھروسا رکھتا ہے۔ تو سمجھے کہ روزی ایسی جگہ سے جو اس کے خیال میں بھی نہیں ہوگی اللہ تعالیٰ بھیج دیگا اور اگر نہ بھیجے تو سمجھے کہ میرے لئے اس میں کچھ بھلائی تھی۔

مذکورہ حالت کو پیدا کرنیکی تدبیر

اے عزیز معلوم ہو کہ اگر کوئی شخص مال رکھتا ہو اور چور اس کو چرالیں یا اس مال کو نقصان پہونچے تو ایسی حالت میں دل میں تشویش و پریشانی سے بچانا مشکل ہے اگرچہ یہ بات نادر ہے۔ پر محال نہیں اور اس کے حصول کی تدبیر یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ کے فضل وکرم اور اس کی قدرت پر دل سے ایمان لائے یہ خیال کرے کہ وہ بہت سے لوگوں کو روزی بغیر سرمایہ کے پہونچاتا ہے بعض سرمائے ایسے ہوتے ہیں جو اس شخص کی ہلاکت کا سبب بن جاتے ہیں پس ایسی پونجی اور سرمایہ کا نیست ہو جانا میرے حق میں اچھا ہوا۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے! کبھی ایسا ہوتا ہے کہ رات کو بندہ ایک ایسے کام کے بارے میں سوچتا ہے جس میں اس کا نقصان ہو لیکن خداوند تعالیٰ عرش سے اس پر نظر عنایت کرتے ہوئے۔ اس کے دل سے اس کام کا خیال دور کر دیتا ہے۔ صبح کو وہ غمگین ہو کر اٹھتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ یہ کیوں کیا اور کس واسطے ہوا۔ اس نے تصور یہ کیا تھا کہ اس کے پڑوسی یا برادر عم زاد نے یا فلاں شخص نے اس کام میں رخنہ ڈالا حالانکہ وہ خدا کی رحمت تھی جو اس پر نازل ہوئی۔ اسی واسطے حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ مجھے خوف نہیں کہ صبح کو درویش اٹھوں یا توانگر کیونکہ میں نہیں جانتا کہ میری بھلائی کس میں ہے!!

یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ درویشی کا خوف اور بدگمانی شیطان کے وسوسے سے ہے چنانچہ خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے الشیطان یعدکم الفقر (اور شیطان تم کو مفلسی اور فقر سے ڈراتا ہے) خداوند تعالیٰ کی نظر عنایت پر اعتماد رکھنا کمال معرفت ہے۔ خصوصاً جب یہ سمجھے کہ روزی پوشیدہ اسباب سے ہے جس کی کسی کو خبر نہیں ہے (صرف بعض کو خبر ہوتی ہے) الواصل اسباب خفی پر بھی اعتماد نہ رکھنے بلکہ مسبب الاسباب کی ضمانت پر بھروسا کرے۔

منقول ہے کہ ایک عابد نے کہا کہ پڑوسی کا یہودی مجھے ہر روز دو روٹیاں پہونچانے کا کفیل ہوا ہے۔ تب

ایک امام مسجد نے کہا کہ جب ایسی صورت ہے تو کسب کرنا روا ہے۔ یہ سن کر عابد نے کہا کہ اے نوجوان مرد اولیٰ یہ ہے کہ تو امامت نہ کرے کیونکہ تیرے نزدیک یہودی کی ضمانت خدا کی ضمانت سے قوی تر ہے۔

ایک امام مسجد نے کسی شخص سے دریافت کیا کہ تو روٹی کہاں سے کھاتا ہے۔ اس نے کہا ٹھہر جاؤ کہ میں اس نماز کو جو تیرے پیچھے پڑھی ہے قضا کرلوں کیونکہ تو خداوند تعالیٰ کی ضمانت پر ایمان نہیں لایا ہے۔ جن لوگوں نے اس حالت کو دیکھا ہے۔ انہوں نے ایسی جگہوں سے فتوحات حاصل کی ہیں جہاں سے ان کو امید نہیں تھی۔

وَمَا مِنْ دَآبَّۃٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا۔

شیخ طریقت حذیفہ مرعشیؒ سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے ابراہیم ادھم رحمتہ اللہ علیہ سے کیا عجیب بات مشاہدہ کی جو آپ نے ان کی اسقدر مذمت کی۔ انہوں نے جواب دیا۔ کہ مکہ کے سفر میں ہم دونوں بہت بھوکے تھے جب ہم کوفہ میں پہونچے تو بھوک کا اثر مجھ پر ظاہر ہوا شیخ ابراہیم نے مجھ سے پوچھا کہ کیا تم بھوک کے سبب سے بے تاب ہو میں نے کہا ایسی بات ہے۔ ابراہیم نے کہا دوات اور کاغذ لے آؤ میں نے دونوں چیزیں حاضر کردیں۔ انہوں نے یہ عبارت لکھی:۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ اے آنکہ ہمہ مقصود در احوال توئی! واشارت ہمہ بتوست ، من ثنا گوئے وشاکرم برا کرام تو ، ولیکن گرسنہ وتشنہ و برہنہ ام من ایں سہ کہ نصیب من است ضامن آنم ، آں سہ کہ نصیبِ قوتِ توضامنِ من باشی !!

میں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے شروع کرتا ہوں۔ اے وہ جو سب احوال میں تو ہی مقصود ہے۔ اور سب تیری طرف اشارہ کرتے ہیں۔ میں تیرا ثنا گو اور تیرے اکرام پر شکر کرنے والا ہوں۔ لیکن میں بھوکا پیاسا اور ننگا ہوں میں ان تین چیزوں کا (ثنا، ذکر، شکر) جو میرا حق ہیں ضامن ہوں اور جن تین چیزوں (کھانا، پانی اور لباس) کا تجھ سے تعلق ہے تو ضامن رہ۔

یہ رقعہ مجھے دے کر کہا کہ باہر جاؤ اور دل کو کسی اور طرف مشغول نہ کرنا جس کو تم سب سے پہلے دیکھو یہ رقعہ اس کو دے دینا۔ میں باہر نکلا سب سے پہلے میں نے ایک شخص کو دیکھا جو اونٹ پر سوار جا رہا تھا۔ وہ نامہ میں نے اس شتر سوار کو دیدیا۔ اس نے پڑھا اور پڑھ کر رونے لگا اور مجھ سے پوچھا کہ اس رقعہ کا کاتب کہاں ہے۔ میں نے کہا مسجد میں ہیں۔ اس نے چھ سو دینار کی ایک تھیلی مجھے دیدی ایں نے دوسرے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون شخص تھا لوگوں نے بتایا کہ ایک نصرانی ہے۔ میں نے شیخ ابراہیمؒ ادھم کے پاس واپس جا کر یہ تمام ماجرا بیان کیا انہوں نے کہا کہ اس تھیلی کو اب ہاتھ نہ لگانا کوئی دم میں اس کا مالک آیا چاہتا ہے۔ فوراً ہی وہ نصرانی آیا اور ابراہیم ادھمؒ کے قدموں کو بوسہ دیا اور ایمان سے مشرف ہوا۔

شیخ ابو یعقوب بصریؒ نے کہا ہے۔ کہ میں مکّہ میں دس دن بھوکا رہا۔ آخر کار ایک دن بے تاب ہو کر باہر نکلا دیکھا کہ شلغم زمین پر پڑا ہے۔ جب میں نے اس شلغم کو اٹھانا چاہا تو میرے دل سے آواز آئی! دس روز سے تو بھوکا تھا آخر کار سڑا ہوا شلغم تجھے نصیب ہوا۔ میں نے اس کے اٹھا لینے سے فوراً اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور مسجد میں چلا آیا۔ اتنے میں ایک شخص نے طباق بھر کے پھلکے، شکر اور مغز بادام میرے سامنے لاکر رکھ دیئے اور اس نے کہا کہ میں دریائی سفر میں تھا۔ دریا میں طوفان آگیا میں نے نذر مانی کہ اگر ڈوبنے سے بچ جاؤں تو یہ تمام چیزیں اس درویش کی خدمت میں پیش کروں گا جو سب سے پہلے مجھے ملے گا۔ میں نے ہر ایک میں سے ایک ایک میٹھی چیز لے کر اس شخص سے کہا کہ یہ باقی میں تم کو بخشتا ہوں اس کے بعد میں نے اپنے دل سے کہا کہ دریا میں ہوا کو حکم ہوا کہ تیری روزی کا بندوبست کرے اور تو دوسری جگہ ڈھونڈھ رہا ہے۔ ایسی عجیب و غریب حکایتوں کا مطالعہ انسان کے ایمان کو پختہ کرے گا۔ (لہٰذا اس کا مطالعہ کریں)۔

صاحبِ عیال کا توکل

اے عزیز معلوم ہونا چاہیئے کہ عیال دار آدمی کے لئے مناسب نہیں ہے کہ وہ صحرا نوردی اور بیابان گردی کرے اور کسب سے دست بردار ہو جائے بلکہ صاحب عیال کا توکل وہی ہے جس کا ذکر ہم نے تیسرے درجہ کے توکل میں کیا ہے اور وہ توکل کاسب کا ہے۔ جس طرح امیر المومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کرتے تھے کیونکہ جس شخص میں یہ دو صفتیں ہوں توکل اسی کو سزاوار ہے ایک یہ کہ بھوک پر صبر کرے اور جتنا ملتا ہے خواہ وہ سبزی (گھاس پات) ہی کیوں نہ ہو قناعت کرے۔ دوسرے یہ کہ اس بات پر ایمان ہو بھوک اور موت اس کی روزی ہے اور اسی میں اس کی بہتری ہے۔ لیکن اہل و عیال کو اس پر لگانا دشوار ہے۔ بلکہ حقیقت میں اس کا نفس بھی اس کے عیال میں داخل ہے جو بھوک پر صبر نہیں کرتا اور بیقرار ہوتا ہے۔ ایسے شخص کو سزاوار نہیں کہ کسب سے دست بردار ہو کے توکل اختیار کرے۔ اگر اہل و عیال صبر کی طاقت رکھتے ہیں اور وہ توکل پر راضی ہوں تو کسب کا ترک کرنا روا ہے۔ بس فرق یہی ہے کہ شخص نے اپنی بھوک پر جبراً صبر کر لیا تو روا ہے۔ لیکن زن و فرزند کو بھوک کی تکلیف دینا اور اس پر مجبور کرنا درست نہیں ہے۔ جب کسی کا ایمان کامل ہے اور وہ زہد و تقویٰ میں مشغول ہے اور وہ کسب نہ کرے تو اس کی روزی کے اسباب ظاہر ہیں (کہ مفقود ہیں) جس طرح بچہ جو ماں کے شکم میں کسب کرنے سے عاجز ہے تو خدا اس کی روزی اس کی ناف کے ذریعہ سے پہونچاتا ہے۔ جب پیدا ہوتا ہے۔ تو ماں کی چھاتی سے اس کو رزق دیتا ہے۔ جب وہ کھانا کھانے کی عمر کو پہونچتا ہے تو اس کے دانت پیدا کرتا ہے۔ اگر کمسنی میں اس کے ماں باپ مر جائیں اور وہ یتیم ہو جائے تو دوسرے دلوں میں اس کی مہر و محبت بھر دیتا ہے

جس طرح ماں کے دل کو ماماتا سے بھر دیا تھا اور وہ اس کی پرداخت کرتی تھی پہلے تو ایک شفیق ماں تھی۔ جب ماں مرگئی تو ہزار لوگوں کو اس کے حق میں شفیق اور مہربان بنا دیا جب وہ بڑا ہوا تو اس کو کسب کرنے کی قوت بخشی اور اس کی ضروریات سے اس کو آگاہ کر دیا تاکہ وہ اس شفقت کے ذریعہ جو اس کے باب میں اس کو دی گئی ہے خود اپنی غمخواری کرے جس طرح ماں شفقت سے اس کی خدمت گذاری کرتی تھی۔ اگر ان ضرورتوں کو اس سے چھین لیں تاکہ وہ کسب سے دست بردار ہو کر تقویٰ کی طرف متوجہ ہو تب بندوں کے دل میں اس کے لئے شفقت پیدا فرماتا ہے اور وہ یہ کہتے ہیں۔ کہ یہ نیک، آدمی خدا کی عبادت میں مشغول رہتا ہے۔ اس کو پاکیزہ مال دینا چاہئے۔ اس سے پہلے تو وہ خود تنہا اپنے حال پر شفیق تھا اب سب لوگ اس کو یتیم بچہ کی طرح پیار کرتے ہیں لیکن اگر وہ کسب کی قدرت رکھتے ہوئے سستی اور کاہلی اختیار کرے گا۔ تو مخلوق کے دل میں اس کے لئے محبت اور شفقت پیدا نہیں ہوگی۔ ایسے شخص کا توکل اور ترک کسب روا نہیں ہے۔ کیونکہ جب وہ اپنے نفس کے ساتھ مشغول ہے۔ چاہیے کہ اپنی غمخواری آپ کرے۔ اگر وہ اپنے سے غافل ہو کر خدا کی طرف متوجہ ہوگا۔ تو خداوند تعالیٰ بہت سے لوگوں کے دلوں کو اس پر مہربان فرما دے گا۔ یہی سبب ہے۔ کہ ایسا زاہد و متقی کوئی نظر نہیں آیا جو بھوک سے ہلاک ہوا ہو۔

جب کوئی شخص اس بات پر خوب غور و فکر کرے گا کہ خداوند کریم نے ملک و ملکوت کے کاروبار کو کس حکمت اور تدبّر سے محکم کیا ہے بیشک اس کو اس آیت کے معنیٰ معلوم ہو جائیں گے وما من دآبۃ فی الارض الا علے اللہ رزقھا۔ اور وہ جان لے گا۔ کہ بادشاہت کا ایسا اچھا انتظام اس نے کیا ہے۔ کہ کوئی بھی تباہ حال اور برباد نہ ہو سوائے شاذ و نادر کے اور وہ بھی ہیں اس وجہ سے کہ اس کی بہتری اور بھلائی اسی میں تھی۔ اس کی ہلاکت اس وجہ سے نہیں ہوئی کہ اس نے ترک کسب کیا تھا کیونکہ اس شخص کا ضائع اور ہلاک ہونا شاذ ہی ہے جس نے بہت سا سامان جمع کیا ہو۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے اس حال کا مشاہدہ کیا تھا کہتے ہیں کہ اگر سب اہالیان بصرہ مرے عیال ہوں اور گیہوں کے ایک دانہ کی قیمت قحط سالی کے سبب سے ایک دینار ہو تو اس وقت بھی مجھے کچھ فکر نہیں ہوگی۔ ہب رحؒ ابن الورد کا کہنا ہے۔ کہ اگر آسمان لوہے۔ کا اور زمین سیسہ کی ہو جائے اور میں اس حال میں اپنی روزی کے معاملہ میں فکرمند رہوں تو مجھے خوف ہے کہ میں مشرک بن جاؤں گا۔ خداوند تعالیٰ نے روزی حوالہ جو آسمان کے حوالہ کیا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ کسی کو آسمان پر قدرت نہیں ہے۔

نقل ہے کہ کچھ لوگ حضرت خواجہ جنیدؒ بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئے اور کہنے لگے۔ کہ ہم اپنی روزی ڈھونڈ رہے ہیں آپ نے فرمایا اگر تم کو معلوم ہے کہ تمہاری روزی فلاں جگہ ہے تو ضرور تلاش کرو۔ انہوں

نے کہا کہ ہم خدا سے طلب کریں گے انہوں نے کہا کہ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ خداوند تعالیٰ تم کو بھول گیا ہے۔ تو خود اس کو یاد دلاؤ۔ انہوں نے کہا کہ ہم توکل کرکے دیکھیں گے کہ ہماری قسمت میں کیا لکھا ہے انہوں نے کہا کہ آزمائش کے لئے توکل کرنا شک سے خالی نہیں ہے۔ انہوں نے پوچھا کہ پھر ہم کیا تدبیر کریں۔

انہوں نے جواب دیا کہ بے تدبیری ہی اس کی تدبیر ہے۔

پس حقیقت میں خدا کی ضمانت رزق کے بارے میں کافی ہے۔ جس کو روزی کی حاجت ہو اس کو چاہیئے کہ حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو۔

دوسرا مقام

دوسرا مقام یہ ہے کہ متوکل توکل کی حالت میں ذخیرہ کرکے رکھے۔ معلوم ہونا چاہیئے کہ جو کوئی ایک سال کا خرچ اپنے لئے جمع کرکے رکھے گا۔ اس کا توکل ناقابل اعتبار ہے کیونکہ اس نے مسبب الاسباب کو چھوڑ کر اسباب ظاہری پر تکیہ کیا ہے اور یہ بات ہر سال ہوا کرے گی لیکن جو شخص ضرورت کے وقت پیٹ بھر کھانے پر یا اتنے کپڑے پر جس سے تن ڈھک جائے قناعت کرے گا اس کا توکل کامل ہے شیخ ابراہیمؒ خواص نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص چالیس روز کی روزی ذخیرہ کرے گا۔ تو اس کا توکل باطل نہ ہوگا۔ ہاں اگر چالیس روز سے زیادہ ذخیرہ کرے گا تو توکل باقی نہیں رہے گا۔ شیخ طریقت سہل تستریؒ نے کہا ہے کہ ذخیرہ کرنا خواہ وہ جس قدر بھی ہو۔ توکل کو باطل کرتا ہے۔ شیخ ابوطالب مکیؒ کہتے ہیں اگر ذخیرہ پر اس کا اعتماد نہ ہو اس صورت میں چالیس دن سے زیادہ روزی کا ذخیرہ کرنا توکل کو باطل نہیں کرتا ہے۔ حسینؒ مغازلی جو شیخ طریقت بشرؒ حافی کے مرید تھے کہتے ہیں کہ ایک دن ایک درمیانی عمر کا آدمی بشرؒ حافی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شیخ نے مجھے مٹھی بھر کے چاندی دے کر کہا کہ اس سے نفیس اور ستھرا کھانا خرید کرلے آؤ۔ آج تک میں نے ان زبان سے ایسی بات نہیں سنی تھی میں کھانا خرید کر لایا۔ بشرؒ حافی نے اس مہمان کے ساتھ کھانا کھایا۔ آج تک میں نے ان کو کسی کے ساتھ کھانا کھاتے نہیں دیکھا تھا۔ جب یہ دونوں حضرات کھانے سے فارغ ہوگئے تو بہت سا کھانا باقی بچ گیا۔ تب وہ مہمان بچا ہوا کھانا اپنے ساتھ لیکر چلا گیا۔ مجھے اس بات سے بھی سخت تعجب ہوا کہ بغیر اجازت اس نے ایسا کیوں کیا، بشرؒ حافی نے مجھے متعجب دیکھ کر کہا کیا تم کو اس سے تعجب ہوا۔ میں نے کہا ہاں! انہوں نے مجھے بتایا کہ یہ صاحب شیخ فتحؒ موصلی تھے۔ آج وہ موصل سے میری ملاقات کے لئے یہاں آئے تھے اور مجھے آزمانے کے لئے انہوں نے کھانا اٹھا لیا تھا کیونکہ جب توکل درست ہو تو ذخیرہ کرنے سے کچھ خلل واقع نہیں ہوتا۔

پس توکل کی اصل حقیقت یہ ہے کہ امید کو منقطع کرے۔ اور ذخیرہ کرنے کی قباحت اس وقت ہے کہ اپنے واسطے ذخیرہ کرے اور ذخیرہ کرکے اپنے ہاتھ میں مال کو اس طرح سمجھے کہ گویا وہ خدا کے خزانہ میں

ہے اور اس مال پر اعتماد نہ کرے تب توکل باطل نہیں ہوگا۔ لیکن یہ بات تنہا شخص سے علاقہ رکھتی ہے۔ اگر عیال دار شخص سال بھر کی غذا کا ذخیرہ کرے تو اس کا توکل باطل نہیں ہوگا۔ اگر وہ ایک سال سے زیادہ کے لئے جمع کرے گا۔ تو توکل باطل ہو جائے گا۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہل خانہ کی دل کی کمزوری کے سبب ایک سال کی غذا ذخیرہ فرما لیتے تھے لیکن اپنے واسطے صبح سے شام تک کی غذا بھی ذخیرہ نہیں فرماتے تھے۔ اگر کبھی آپ رکھتے بھی تو آپ کے توکل میں نقصان نہ آتا۔ کیونکہ اس کا آپ کے پاس یا غیر کے پاس رہنا یکساں تھا۔ آپ نے خلق کو ان کے ضعف قلب کے باعث یہ تعلیم دی تھی۔

حدیث میں آیا ہے کہ ایک شخص کا اصحاب صفہ میں سے انتقال ہوگیا۔ ان کے کپڑے سے دو دینار برآمد ہوئے۔ یہ دیکھ کر حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ دو داغ تھے۔ اس لفظ داغ میں دو معانی کا احتمال پایا جاتا ہے۔ ایک یہ کہ ان صحابی نے تلبیس سے خود کو مجرد بنایا تھا دیکے آنکہ خویشتن رابمجردی فرانمودہ باشد بہ تلبیس) پس یہ دو داغ سزا کے طور پر آگ کے تھے۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ یہ دو داغ دغا اور فریب کی وجہ سے نہیں تھے لیکن اس جہاں میں ذخیرہ کرنے کے باعث ان کے درجہ میں نقصان پیدا ہوا۔ جس طرح داغ کا نشان حسن کو گھٹا دیتا ہے۔ اسی طرح ان کا ذخیرہ کرنے کے باعث ان کے درجہ اور مرتبہ کو نقصان پہونچا۔

ایک درویش صحابی کا جب انتقال ہوا تو رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب یہ قیامت میں اٹھایا جائے گا۔ تو اس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح حسین ہوگا۔ اور اگر اس میں ایک خصلت نہ ہوتی تو آفتاب کے مانند تاباں ہوتا اور وہ خصلت یہ تھی کہ سردی کا لباس دوسری سردی کے موسم تک اور گرمی کا لباس دوسری گرمی کے موسم تک وہ محفوظ رکھتا تھا۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے بندوں کو دوسری صفات کی بہ نسبت یقین اور صبر کی صفت بہت کم دی ہے یعنی لباس کو بچا کر رکھنا یقین کے نقصان کا سبب ہوگا۔ لیکن اگر چھاگل، دسترخوان گھڑا اور طہارت کا برتن جو ہمیشہ کام آنے والی چیزیں ہیں اگر محفوظ رکھی جائیں تو بغیر اختلاف درست ہے۔ کیونکہ عادۃ اللہ اس بات پر جاری ہوئی کہ ہر سال کھانا اور کپڑا کسی نہ کسی صورت سے بندوں کو پہونچے۔ لیکن ہر وقت اور ہر جگہ یہ اسباب اور برتن میسر نہیں ہوتے اور عادۃ اللہ کے خلاف کرنا جائز اور درست نہیں ہے لیکن گرما کے کپڑے سرما کے کام کے نہیں۔ ان کو رکھ چھوڑنا ضعف یقین کا سبب ہوگیا۔

فصل:

اے عزیز معلوم ہونا چاہیے کہ اگر کوئی شخص ایسا ہے کہ بغیر ذخیرہ کیے اس کے دل کو چین نہ آئے اور وہ

مخلوقات کا دست نگر رہے گا۔ تو اس کے حق میں ذخیرہ کرنا اولیٰ ہے بلکہ اگر ایسا ہے کہ بغیر اس زمین کے جس سے بقدر کفایت حاصل کر سکتا ہو، اس کا دل ذکر و فکر میں مشغول نہیں رہ سکتا تو مناسب یہ ہے کہ وہ بقدر کفایت زمین رکھے کیونکہ ان تمام باتوں سے مقصود دل کی اصلاح ہے۔ تاکہ یاد الٰہی میں مشغول ہو اور شاید ہی کوئی دل والا ایسا ہو گا کہ مال کی موجودگی اس کو عبادت سے باز رکھے اور درویشی میں سکون حاصل ہو اور یہ بڑا مقام اور عظیم درجہ ہے اور کسی کا دل ایسا ہو گا۔ کہ بقدر کفایت مال کے بغیر تسلی حاصل نہ کرے ایسے شخص کے حق میں زمین کا اس کے پاس ہونا اولیٰ تر ہے۔ اور اگر ایسا دل ہے۔ کہ بغیر شوکت اور تجمل کے آرام و سکون نہیں پاتا ایسا شخص دیانت سے بہرہ ور نہیں ہے۔ اور ایسے شخص کا کچھ اعتبار نہیں۔

تیسرا مقام

تیسرا مقام ان اسباب کا ہے جن سے ضرور رفع ہو سکے! اے عزیز! معلوم ہونا چاہیئے کہ توکل میں ہر ایک سبب سے جو قطعی ہو یا غالب ہو۔ حذر کرنا شرط نہیں ہے۔ بلکہ اگر کوئی متوکل اپنے گھر کے دروازے بند کر کے ان کو مقفل کر دے اس لئے کہ چور اس کا مال نہ لے جائیں تو اس کا توکل باطل نہ ہو گا، اور اسی طرح اگر دشمن سے بچنے کے لئے اپنے پاس تلوار رکھے گا۔ یا جبہ پہن لے کہ راستہ میں اس کو ٹھنڈ نہ لگے تب بھی اس کا توکل باطل نہیں ہو گا۔ ہاں اگر پیٹ بھر کے کھایا تاکہ باطن کی حرارت غالب آ کر ٹھنڈ کا اثر کم کر دے تو ایسے اسباب داغ اور منتر کی طرح توکل کو باطل کر دیں گے۔ لیکن جو کچھ اسباب ظاہری سے ہو اس سے باز رہنا توکل کی شرط نہیں ہے۔

ایک اعرابی حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے اس سے دریافت کیا کہ تمہارا اونٹ کا کیا ہوا اس نے کہا کہ میں نے اس کو چھوڑ دیا ہے۔ اور توکل اختیار کر لیا ہے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عقّل و توکل (اس کو باندھ اور توکل کر) اگر کسی شخص سے رنج پہنچے، تو اس کو برداشت کرنا توکل میں داخل ہے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ودع اذاهم وتوکل علے اللّٰہ[1] اور فرمایا وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ[2]

لیکن اگر سانپ، بچھو اور درندوں سے مضرت پہونچے تو صبر نہ کرے بلکہ ان کو دفع کرنا چاہیئے پس جو شخص ایسے حذر کرنے کی خاطر ہتھیار رکھے گا۔ اس کا توکل یوں ہو گا۔ کہ اپنی قوت اور ہتھیاروں پر بھروسا نہ کرے اور جب گھر کا دروازہ بند کیا تو قفل پر اعتماد نہ کرے کیونکہ اکثر اوقات چور قفل کو توڑ لیتے ہیں اور مال لے جاتے ہیں۔ متوکل کی علامت

---

[1] اور ان کی ایذا پر درگذر فرماؤ اور اللہ پہ بھروسہ رکھو۔

[2] اور تم جو ہم کو ستا رہے ہو ہم اس پر صبر کریں گے بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

یہ ہے کہ جب گھر میں آکر اس نے دیکھا کہ چور مال لے گیا ہے۔ تو اپنی تقدیر پر راضی رہے۔ اور بالکل غمگین نہ ہو بلکہ باہر جاتے وقت زبان حال سے کہے کہ الٰہی! میں نے قفل اس لئے نہیں لگایا تھا کہ تقدیر کو روکوں بلکہ مقصد یہ تھا کہ عادۃ اللہ پر چلوں اگر تو کسی کو اس مال پر مسلط کرے گا۔ تو میں تیرے حکم پر راضی ہوں کیونکہ مجھے نہیں معلوم کہ تو نے یہ مال غیر کی روزی کے لئے پیدا کر کے مجھے عاریتاً دیا تھا۔ یا خاص میرے واسطے پیدا کیا تھا پس اگر دروازہ بند کر کے (قفل لگا کے) گیا اور واپس آکر اپنا مال نہ پایا غمگین ہوا۔ اور دروازہ بند کرنے کا یہ فائدہ ہے۔ کہ وہ سمجھے گا۔ کہ دنیا توکل کا نام نہیں اور وہ نفس کا محض ایک فریب تھا۔ جو اس نے دیا تھا۔ لیکن اگر خاموش رہ کے گلہ نہ کرے گا۔ تو اس کو صبر کا درجہ حاصل ہوگا اور اگر اس نے شکایت کی اور چور کو تلاش کرنے کی کوشش کی تو صبر کے اس درجہ سے بھی گرے گا۔ اس کو یقیناً یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ اس طرح نہ وہ صابرین میں داخل ہے اور نہ متوکلین میں۔ اب اس کو چاہیئے کہ آئندہ توکل کا دعوٰی نہ کرے اور یہ ایک بڑا فائدہ ہے جو اس کو چور سے حاصل ہوا

سوال:۔

اگر کوئی شخص کہے کہ اگر آدمی اس مال کا محتاج نہ ہوتا تو دروازہ بند نہ کرتا جب اس نے حاجت و ضرورت کی خاطر یہ تدبیر کی اور آخر کار چور اس کا مال لے گیا۔ تو اس کا غمگین نہ ہونا کس طرح ممکن ہے (یقیناً وہ غمگین اور دل گیر ہوگا) جواب اس کا یہ ہے کہ اس کا غمگین نہ ہونا ممکن تھا۔ کیونکہ جب وہ چیز اس کو خداوند تعالٰی نے مرحمت فرمائیں اور وہ اس کے پاس تھی اسی میں اس کی بھلائی تھی اور اب اس کی خوبی اس بات میں تھی کہ وہ مال اس کے پاس نہ رہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حق تعالٰی نے اس کا مال اس سے لے لیا پس دونوں حال میں اپنی بھلائی کا خیال کر کے خوش رہے اور اس بات پر ایمان لائے کہ حق تعالٰی وہی کرتا ہے۔ جو اس کے حق میں بھلا ہو۔ بندہ نہیں جانتا کہ اس کی بھلائی کس چیز میں ہے۔ خداوند عالم ہی بہتر جانتا ہے۔ جیسے وہ بیمار جس کا باپ طبیب مشفق ہو اور وہ اس کو گوشت اور غذا دیتا ہے تو مریض خوش ہو کر کہتا ہے۔ کہ میرا باپ مجھ میں تندرستی کے آثار نہ دیکھتا تو مجھے یہ چیزیں کھانے کو نہ دیتا اور گوشت کھانے سے اس کو منع کرے تب بھی وہ خوش ہو کر کہتا ہے۔ کہ چونکہ میرا باپ اس میں میرا نقصان دیکھ رہا ہو اس لئے اس نے منع کر دیا۔ پس جب تک خدا پر بندہ کا ایمان ایسا نہ ہو توکل کا دعوٰی بے جا اور بالکل اصل ہوگا۔

متوکل کے آداب

معلوم ہو کہ جب متوکل کا مال چوری ہو جائے تو چھ قسم کے آداب بجا لائے۔ پہلا ادب یہ ہے کہ دروازہ

کو بند کرنے میں زیادہ مبالغہ نہ کرے (کہ ہر وقت دروازہ کو بند رکھے) بہت سی گرہیں نہ لگائے اور پڑوسیوں سے نگرانی کا سوال نہ کرے۔ نقل ہے کہ مالکؒ دینار اپنے گھر کے دروازہ کو دھاگے سے باندھ کر کہتے کہ اگر کتے کے اندر داخل ہونے کا ڈر نہ ہوتا تو میں یہ دھاگا بھی نہ باندھتا۔ دوسرا ادب یہ کہ جو چیز قیمتی اور چور کے مطلب کی ہو اس گھر میں نہ رکھے۔ کیونکہ اس سے چور کو چوری کرنے کی تحریک ہوتی ہے۔ نقل ہے کہ مغیرہ بن مالک دینار کو زکوٰۃ کی رقم بھیجی گئی انھوں نے وہ رقم لوٹا دی اور کہا کہ شیطان میرے دل میں وسوسہ پیدا کر رہا ہے۔ کہ چور اس کو چرا کر لے جائے گا۔ پس انھوں نے یہ پسند نہیں کیا۔ کہ وسوسہ میں مبتلا ہوں اور چور بھی معصیت میں مبتلا ہو۔ جب شیخ ابو سلیمان دارانی نے یہ بات سنی تو کہا کہ یہ بات صوفی کی خامی کی دلیل ہے۔ اس کو دنیا سے کیا مطلب ؟ اگر چور اس مال کو لے جائے تو اس کو کیا پروا یہ بات صوفی کے کمال کی نشانی ہے۔ تیسرا ادب یہ ہے کہ جب گھر کے باہر جائے تو دل میں نیت کرے کہ اگر اس مال کو چور لے جائے تو میں اس کو بخش دوں گا۔ شاید وہ مفلس ضرورت مند ہو اور اس مال سے اس کی حاجت پوری ہو جائے اور اگر وہ تونگر ہے تو اس طرح ایک مسلمان بھائی پر شفقت کا اظہار ہوا اور سمجھے کہ اس نیت سے جو تقدیر کی بات ہے وہی ہوگی۔ اس طرح اس کی خیرات کا ثواب ملے گا۔ یعنی ایک درہم کے عوض سات درہم خواہ وہ چور لے جائے یا نہ لے جائے اس نے ایسی نیت کرلی ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے۔ کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی سے مجامعت کرے اور عزل نہ کرے اور نطفہ رحم میں پہونچا دے تو فرزند پیدا ہو یا نہ ہو اس کو ایک ایسے غلام کا ثواب ملے گا جو رہِ الٰہی میں جنگ کر کے مارا جائے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ وہ اپنے عمل سے عہدہ برآ ہوا۔ اگر فرزند پیدا ہوا ہوتا تو اس کی پیدائش اور اس کا وجود باپ سے علاقہ رکھتا ہے۔ اور اس کا ثواب و عذاب اس کے فعل پر ہوتا ہے۔ چوتھا ادب یہ ہے کہ مال چوری ہو جانے پر غمگین نہ ہو اور سمجھے کہ مال لے جانے میں اس کی بہتری اور بھلائی تھی۔ اگر اس نے یہ نیت کی ہے۔ اور کہا تھا کہ میں نے اس مال کو فی سبیل اللہ وقف کر دیا ہے تو پھر اس کی طلب نہ کرے۔ اگر کوئی لے جانے والا اس کو پھیرے بھی تو قبول نہ کرے اگر اس نے لے لیا تو اس کی ملک ہے کیونکہ محض نیت کر لینے سے اس کی ملک سے نہیں نکلے گا۔ (جب تک دوسرے کے قبضہ میں نہ جائے) مقام توکل میں یہ بات سزاوار نہیں ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا ایک اونٹ چوری ہو گیا۔ انھوں نے تلاش کیا۔ آخرکار تلاش سے تھک کر کہا "فی سبیل اللہ" یہ کہہ کر مسجد میں آکر نماز میں مشغول ہو گئے۔ ایک شخص نے ان سے آکر کہا کہ اونٹ فلاں جگہ ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ سن کر میں اسکو تلاش کرنے کی خاطر اٹھا۔ جوتے پہنے لیکن پھر میں نے استغفار کی اور کہا کہ میں نے تو "فی سبیل اللہ" کہہ دیا تھا۔ اب میں اس کا نام بھی نہیں لوں گا۔

کسی بزرگ کا ارشاد ہے کہ میں نے خواب میں ایک مسلمان بھائی کو بہشت میں دیکھا۔ مگر وہ غمگین تھا۔ میں نے پوچھا تم یہاں دل گیر کیوں ہو۔ اس نے جواب دیا کہ یہ غم قیامت تک میرے ساتھ رہے گا۔ کیونکہ مجھے علیین میں بلند مقامات دکھائے گئے کہ ایسے مقامات تمام جنت میں نہیں تھے۔ میں نے خوش ہو کر وہاں جانے کا قصد کیا تو ندا آئی کہ اس شخص کو یہاں سے دور رکھو کیونکہ یہ مقام اس شخص کے لئے ہے۔ جو سبیل پر قائم رہا۔ میں نے کہا کہ فی سبیل اللہ پر قائم رہنا کس کو کہتے ہیں۔ فرشتہ نے جواب دیا کہ تو نے کہا تھا کہ فی سبیل اللہ فلاح چیز ہے۔ اگر تو اس بات کی حفاظت کرتا تو یہ سب مقامات تجھے دے دیئے جاتے لیکن تو نے اس کی حفاظت نہیں کی۔ ایک اور شخص مکہ کا رہنے والا بہند سے جب بیدار ہوا تو پیسوں کی ہمیانی گم پائی۔ اس نے وہاں کے ایک بڑے عابد پر چوری کی تہمت لگائی۔ عابد نے ہمیانی والے کو گھر کے اندر لے جا کر پوچھا کہ ہمیانی میں کتنی رقم تھی جتنی رقم اس نے بتائی عابد نے اس کے حوالہ کر دی۔ جب ہمیانی والا وہاں سے باہر نکلا تو اس کو معلوم ہوا کہ اس کا ایک دوست از راہِ مزاح اس کی ہمیانی لے گیا تھا۔ یہ سن کر وہ شخص واپس ہوا اور عابد کی دی ہوئی رقم ہر چند اس نے واپس کرنا چاہی لیکن عابد نے قبول نہیں کیا اور کہا کہ میں نے اس مال کو دیتے وقت "فی سبیل اللہ" کی نیت کی تھی۔ آخر کار عابد نے کہا کہ یہ مال فقیروں کو دے دو۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔

اسی طرح اگر کوئی شخص فقیر کو روٹی دینے کے لئے جائے اور فقیر دروازہ سے چلا جائے تو روٹی کو گھر میں واپس لے جانا اور خود کھانا بزرگانِ سلف کے نزدیک مکروہ ہے بلکہ وہ دوسرے فقیر کو تلاش کر کے دیتے تھے۔ پانچواں ادب یہ ہے کہ چور اور ظالم کو بددعا نہ دے اگر ایسا کیا گیا تو توکل باقی نہ رہا۔ اور زہد بھی باطل ہو جائے گا۔ کیونکہ جو شخص ایک حادثہ پر تاسف کرے وہ زاہد نہیں ہے۔

منقول ہے کہ ربیع ابن خیثمؒ کا گھوڑا جو چند ہزار درہم کا تھا چور لے گیا وہ کہتے ہیں۔ کہ جب چور اس کو چرا کر لئے جا رہا تھا تو میں دیکھ رہا تھا کسی نے پوچھا کہ پھر آپ نے چور کو چھوڑ کیوں دیا انہوں نے کہا کہ اس وقت میں جس شغل میں تھا وہ اس سے بہتر تھا۔ (یعنی نماز میں تھا) یہ سن کر لوگ چور کو بددعا دینے لگے تو انہوں نے کہا کہ ایسا نہ کہو میں نے اپنا گھوڑا چور کو بخش دیا۔ اور اُسے خیرات کر دیا۔

نقل ہے کہ کسی شخص نے ایک مظلوم شخص سے کہا کہ تو اپنے ستمگر کو بددعا دے۔ اس نے جواب دیا کہ ظالم نے مجھ پر ظلم کر کے اپنے اوپر ظلم کیا ہے مجھ پر نہیں۔ اتنی ہی بلا اس پر کافی ہے میں کیوں اور زیادہ کروں۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ اپنے ظالم کو اس قدر بددعا کر اور برا کہہ کہ اس کا بدلہ پورا ہو جائے کہ ظالم کا حق اس پر فاضل ہوتا ہے۔

چھٹا ادب یہ ہے کہ چور کے لئے غمگین ہو اور اس پر ترحم کرے کیونکہ اس سے ایک معصیت سرزد ہوئی

کیونکہ اگر کسی شخص کا دل ایسے شخص پر جس نے معصیت کو حلال سمجھا ہو۔ ترس نہ کھائے تو وہ خلائق کی غم خواری اور دلسوزی سے گویا دست بردار ہو گیا۔ شیخ فضیلؒ نے اپنے فرزند علیؒ کو دیکھا کہ وہ رو رہے تھے چور ان کا مال چرا کر لے گیا تھا شیخ فضیلؒ نے پوچھا کیا تم مال کے زیاں پر رو رہے ہو۔ انہوں نے کہا نہیں بلکہ اس چور بیچارے پر رو رہا ہوں جس نے ایسا بُرا کام کیا اور قیامت میں اس کا عذر پذیرا نہ ہو گا۔

چوتھا مقام

چوتھا مقام بیماری کے علاج اور مضرت کو دفع کرنے کا طریقہ ہے۔ معلوم ہونا چاہیئے کہ علاج تین طریقوں سے ہوتا ہے ایک علاج قطعی ہے۔ جیسے بھوک کا علاج کھانے سے اور پیاس کا علاج پانی پینے سے ہے۔ یا کہیں آگ لگی ہے۔ تو اس کا علاج یہ ہے کہ اس پر تم پانی ڈالو۔ ایسی تدابیر سے دست بردار ہونا توکل کے لئے ضروری نہیں ہے۔ بلکہ حرام ہے۔ دوسرا علاج نہ قطعی ہے۔ نہ ظنی۔ لیکن اسمیں تاثیر کا احتمال ہے جیسا کہ منتر، داغ اور فال سے دستبردار ہونا توکل کی شرط ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ کہ منتر وغیرہ پر کار بند ہونا، اس باب میں بھرپور کوشش کرنا اور ان پر بھروسہ کرنے کی علامت ہے۔ اور داغ ان میں قوی تر ہے اس کے بعد افسوں ہے اور فال جس کو طیرہ کہتے ہیں ان سب سے ضعیف تر ہے۔

تیسرا علاج ان دونوں (افراط و تفریط) میں متوسط ہے یعنی قطعی نہیں پر اس کے اثر کا ظن و گمان ہے جیسے فصد لینا سینگی لگوانا، جلاب لینا، گرمی کا علاج سردی سے اور سردی کا علاج گرمی سے کرنا۔ ایسی تدابیر سے باز آنا حرام تو نہیں لیکن توکل کی شرط بھی نہیں۔ بعض حالات میں اس کا کرنا نہ کرنے سے اولیٰ ہے! اور بعض اوقات میں نہ کرنا اولیٰ ہو گا۔ اور اس بات کی دلیل کہ اس کو ترک کرنا توکل کے لئے ضروری نہیں یہ ہے کہ حضور پر نور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول و فعل ہے۔ سرورِ کونین صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اے بندگانِ الٰہی ! دوا کرو۔ اور فرمایا ہے کہ موت کے سوا کوئی ایسی بیماری نہیں جس کی دوا نہ ہو۔ لیکن احتمال یہ ہے کہ لوگ اس کو معلوم کریں نہ کریں۔ صحابۂ اکرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ آیا دوا اور افسوں تقدیر کو بدل سکتے ہیں۔ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ تدبیر بھی تقدیر الٰہی سے ہے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میں فرشتوں کی جس جماعت سے بھی گذرا انہوں نے مجھ سے کہا کہ آپ اپنی امت کو سینگی لگانے کا حکم کیجئے۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مہینہ کی سترہویں، انیسویں، اور اکیسویں کو سینگی لگواؤ۔ ایسا نہ ہو کہ خون کا غلبہ تمہاری ہلاکت کا سبب ہو۔

آپ ارشاد فرمایا ہے خون فرمان الٰہی سے ہلاکت کا سبب ہے۔ اور خون بدن سے کم کرنے میں اور پیراہن سے اور گھر سے آگ دفع کرنے میں کوئی فرق نہیں (تینوں باتیں یکساں ہیں) کیونکہ یہ سب ہلاکت کے اسباب ہیں اور ان کو ترک کرنا توکل کی شرط نہیں۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ آنے والے منگل کو جو کسی کو بھی مہینہ کی سترہویں تاریخ کو آئے سینگی لگوانا۔ ایک سال کی بیماری کو دور کرتا ہے یہ روایت حدیث منقطع میں آئی ہے۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو فصد کھلوانے کا حکم دیا۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آشوب چشم لاحق ہوا تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا خرما مت کھاؤ، اور چقندر جو کے آش میں پکا کر کھاؤ۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم کھجور کھاتے ہو۔ حالانکہ درد چشم میں مبتلا ہو انہوں نے (مزاحاً) عرض کیا کہ میں منھ کے دوسری جانب سے کھاتا ہوں۔ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسّم فرمایا اس طرح کہ دندان مقدس کی سفیدی نظر آنے لگی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول شریف تھا کہ آپ ہر شب سرمہ لگاتے تھے۔ اور ہر مہینہ سینگی لگواتے اور ہر سال دوا کھاتے۔ جب آپ پر وحی کا نزول ہوتا تو آپ کے سر میں درد پیدا ہو جاتا تھا تو آپ سر اقدس پر مہندی باندھتے تھے۔ اور جب کسی عضو پر زخم لگتا تب بھی مہندی باندھتے تھے اور لگاتے تھے اور لگاتے تھے اور اکثر زخم پر مٹی ڈالدیتے تھے۔

طب النبی (صلے اللہ علیہ وسلم) ایک کتاب ہے جس کو علماء نے مرتب کیا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کو ایک بیماری لاحق ہوئی تھی بنی اسرائیل نے کہا کہ فلاں چیز اس کی دوا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں دوا نہیں کھاؤں گا۔ حق تعالےٰ شفا بخشے گا۔ اس بیماری نے طول کھینچا۔ تب بنی اسرائیل نے پھر کہا کہ وہ دوا مشہور اور مجرب ہے۔ اس کے کھاتے ہی آپ کو صحت ہوگی۔ آپ نے پھر کہا میں نہیں کھاؤں گا۔ خواہ بیماری باقی رہے۔ حق تعالیٰ نے آپ پر وحی بھیجی کہ مجھے اپنی عزت کی قسم جب تک تم دوا نہ کھاؤ گے میں صحت نہ بخشوں گا۔ تب موسیٰ علیہ السلام نے دوا کھائی اور آپ کی طبیعت ٹھیک ہوئی لیکن موسیٰ علیہ السلام غمگین ہوئے تب وحی نازل ہوئی کہ تم کیا توکل سے میری حکمت کو باطل کرنا چاہتے ہو۔ دوا کی تاثیر اور اس کا فائدہ میرے ہی حکم سے ہے۔

روایت ہے کہ زمانہ پیشیں میں ایک بنی تھے انہوں نے خداوند تعالیٰ سے اپنے ضعف کی شکایت کی وحی نازل ہوئی کہ گوشت کھاؤ اور دودھ پیو۔ ایک امت نے اپنے نبی سے اپنے بچوں کی بدصورتی کا شکوہ کیا۔ ان رسول پر وحی نازل ہوئی کہ ان لوگوں سے کہدو کہ ان کی بیویاں زمانہ حمل میں گوشت کھایا کریں بچے خوبصورت پیدا ہوں گے۔ وہ عورتیں حمل میں بھی اور ایام نفاس (زچگی) میں تر خرمے کھانے لگیں۔ پس ان تمام باتوں سے معلوم ہوا کہ دوا شفا کا سبب ہے۔ جس طرح کھانا اور پانی بھوک اور پیاس کو دور کرتے ہیں اور ان کی تاثیر مسبب الاسباب کی تدبیر سے ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے خداوند تعالیٰ سے دریافت کیا کہ بیماری اور شفا کس سے ہے؟ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ مرض اور صحت دونوں میرے حکم سے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی پھر طبیب کی کیا حاجت ہے؟ حق تعالیٰ نے فرمایا اطباء، اس واسطے ہیں کہ علاج کے ذریعہ روزی کمائیں اور میرے بندوں کا (صحت سے) دل خوش

کریں۔ پس توکل اس باب میں بھی علم اور احوال سے درست ہوگا۔ یعنی خداوند تعالیٰ پر جو مؤثر حقیقی ہے۔ بھروسہ کرے نہ دوا پر۔ کیونکہ بہت سے لوگوں نے دوا کھائی اور بیماری سے مر گئے۔

فصل :۔

اے عزیز! معلوم ہونا چاہیئے کہ بعض لوگوں کی عادت یہ ہے کہ مرض کے دفع کرنے کے لئے داغتے ہیں۔ لیکن اس عمل سے توکل باطل ہوتا ہے۔ بلکہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے داغنے سے منع فرمایا ہے۔ لیکن منتر سے منع نہیں فرمایا کیونکہ آگ سے جلانے کا زخم خطرناک ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ جلد سے اندر سرایت کر جائے اس کا حال فصد اور سینگی کی طرح نہیں ہے۔ اور یوں داغ کا فائدہ بھی کچھ ظاہر نہیں ہے جس طرح سینگی لگوانے کا فائدہ سو داغ کے عوض اور کوئی عمل نہیں ہے جو اس کا قائم مقام بن سکے۔

منقول ہے کہ عمران بن الحصین کو ایک بیماری لاحق ہوئی لوگوں نے کہا کہ ہم داغ دیں گے لیکن انہوں نے اس کو قبول نہیں کیا۔ جب بہت مجبور ہو گئے تو چار و ناچار قبول کر لیا۔ پھر کہا کہ اب سے پہلے میں ایک نور دیکھتا تھا۔ اور ایک آواز سنتا تھا۔ ملائکہ مجھ پر سلام بھیجتے تھے جب سے میں نے داغ لگوایا ہے یہ تمام باتیں جاتی رہیں۔ پھر جب انہوں نے اس تقصیر سے توبہ کی تب انہوں نے مطرب بن عبداللہ سے کہا کہ بہت دنوں کے بعد مجھ کو خدا نے پھر وہی بزرگی دی ہے۔

بعض احوال میں دوا نہ کھانا اولیٰ ہے اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے عمل سے مخالف نہیں ہے

اے عزیز! معلوم ہونا چاہیئے کہ بہت سے بزرگان دین نے اپنی بیماری میں دوا نہیں کھائی ہے ممکن ہے کہ اس موقع پر کوئی یہ اعتراض کرے کہ اگر علاج میں خوبی نہ ہوتی تو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم بھی دوا نہ کھاتے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ یہ اعتراض اس وقت دفع ہوگا۔ کہ جب تم کو یہ معلوم ہو جائے کہ دوا نہ کھانے کے بعض سبب ہوتے ہیں پہلا سبب یہ ہے کہ وہ شخص کشف سے یہ سمجھا ہو کہ اس کی موت کا وقت آگیا ہے۔

چنانچہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جب بیمار ہوئے تو احباب نے آپ سے کہا کہ طبیب کو بلوا لیجئے تو مناسب

ہوگا۔ آپ نے جواب دیا کہ طبیب نے مجھے دیکھا ہے اور اس نے کہا ہے۔ اِنِّیْ اَفْعَلُ مَا اُرِیْدُ (جو میرا ارادہ ہے وہ میں کروں گا)۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ بیمار خوفِ آخرت کے خیال میں رہے اور علاج کا ارادہ نہ کرے چنانچہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے لوگوں نے دریافت کیا کہ آپ بیماری میں روتے کیوں ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ اپنے گناہوں کے غم سے روتا ہوں۔ لوگوں نے پھر پوچھا کہ آپ کیا چاہتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا خدا کی رحمت چاہتا ہوں لوگوں نے پھر کہا کہ آپ فرمائیں تو ہم طبیب کو لے آئیں۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے طبیب ہی نے بیمار ڈالا ہے۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی آنکھ میں درد تھا۔ لوگوں نے آپ سے کہا کہ آپ اس کا علاج کیوں نہیں کرتے؟ تو انہوں نے کہا کہ میرے لئے اس سے بڑا اور کوئی شغل نہیں ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی شخص کو پکڑ کر بادشاہ کے پاس لے جا رہے تھے تاکہ اس کی گردن مار دی جائے۔ کسی شخص نے اس مجرم سے پوچھا کیا تم روٹی نہیں کھاؤ گے؟ تو اس نے جواب دیا۔ کہ اس حال میں) مجھے بھوک کی پرواہ نہیں ہے۔ ایسا کہنا اس شخص کے حق میں روٹی کھانے سے طعن نہیں ہے۔ اور نہ اس کی مخالفت ہے۔ ایسا استغراق رکھنے والا" سہل رضی اللہ عنہ کی طرح ہے کہ جب لوگوں نے ان سے کہا کہ قوت کہاں ہے تو انہوں نے فرمایا کہ حیی و قیوم کا ذکر۔ پھر دریافت کیا کہ ہم ایسی چیز کے بارے میں پوچھ رہے ہیں جو دین و دنیا میں کام آئے تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ علم ہے۔ پھر پوچھا کہ غذا کیا ہے؟ تو فرمایا کہ ذکر الٰہی غذا ہے! پھر پوچھا کہ جسم کے لئے غذا کون سی ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ اے عزیز! جسم سے دستبردار ہو اور اس کو خالق کے حوالہ کر دے!

تیسرا سبب یہ کہ وہ بیماری دیر میں جانیوالی ہو اور بیمار کے خیال میں اس کی دوا افسوں ہو جس کی منفعت نادر ہے اور جو شخص علم طب سے ناواقف ہے وہ اکثر دواؤں کو اسی طرح سمجھے گا۔ شیخ ربیع ابن خُثَیْم نے کہا ہے کہ میں نے اپنی بیماری کے علاج کا ارادہ کیا لیکن پھر میں نے یہ خیال کیا کہ عاد و ثمود کی قوم ختم ہو گئی باوجود یہ کہ ان قوموں میں بہت سے حاذق اطبا موجود تھے۔ اور طب نے ان کو نفع نہیں پہونچایا۔

بظاہر اس قول سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ شیخ ربیع طب کو اسباب ظاہری سے نہیں سمجھتے تھے۔

چوتھا سبب یہ کہ بیمار نہیں چاہتا کہ اس کی بیماری دور ہو تاکہ بیماری کا ثواب اس کو حاصل رہے اور وہ صبر کرنے میں اپنا امتحان کرے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کو بیماری میں آزماتا ہے جس طرح کوئی شخص سونے کو آگ میں تپائے (تاکہ کھرا کھوٹا معلوم ہو جائے) کوئی بندہ اس امتحان میں کامل نکلتا ہے۔ اور کوئی ناقص۔ شیخ سہل تستری رح دوسروں کو دوا کھانے کا حکم دیتے اور خود دوا نہیں کھاتے تھے اور فرماتے کہ بیماری میں راضی برضا رہ کر بیٹھ کر نماز پڑھنا تندرستی کے ساتھ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے افضل ہے۔

پانچواں سبب یہ کہ بہت سے گناہ اس شخص کی گردن پر ہوں اور بیمار چاہتا ہے کہ وہ بیماری اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے حدیث شریف میں آیا ہے کہ بخار بندہ سے اس وقت تک جدا نہیں ہوتا جب تک اس کو گناہ سے پاک نہ کر دے یہاں تک کہ کوئی گناہ باقی نہیں رہتا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہے جو شخص عسرت، علالت اور مال کی آفت پر گناہوں کا کفارہ ہونے کی نیت سے خوش نہ ہو وہ عالم نہیں ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک بیمار کو دیکھ کر خداوند بزرگ و برتر کے حضور میں عرض کیا یا الٰہی! اس پر رحمت فرما۔

باری تعالیٰ کی جانب سے خطاب ہوا کہ اور دوسری رحمت کون سی ہوگی کہ میں اس بیماری سے اس پر رحم ہی کرنا چاہتا ہوں۔ یعنی اس بیماری اور اس مرض کو اس کے گناہوں کا کفّارہ بنانا چاہتا ہوں اور پھر اس کے درجہ کو بلند کروں گا۔

چھٹا سبب یہ ہے کہ صحت کو انسان اپنی غفلت، سستی اور سرکشی کا سبب جانتا ہو اس لئے چاہتا ہے۔ کہ اس کی بیماری باقی رہے (اور صحت یاب نہ ہو) کہ دل پھر غفلت کا شکار نہ ہو۔

خداوند تعالیٰ جس کی بہتری چاہتا ہے اس کو ہمیشہ بلا اور بیماری کے ذریعہ تنبیہ کرتا ہے اسی بنا پر بزرگوں نے کہا ہے کہ دین ان تین باتوں سے کبھی خالی نہیں ہوگا۔ مفلسی، بیماری، اور ذلت و خواری"۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ بیماری میری قید اور درویشی میرا قید خانہ ہے۔ جس کو میں دوست رکھتا ہوں اس کو قید اور قید خانہ میں داخل کرتا ہوں۔ پس جب صحت کے عالم میں لوگ معصیت میں گرفتار ہوتے ہیں تو بیماری ان کے حق میں عافیت کا باعث ہوگی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک قوم کے بہت سے افراد کو آراستہ اور زیب و زینت سے مزین دیکھ کر فرمایا کہ یہ سب کیا ہے؟ ان لوگوں نے جواب دیا کہ آج ہماری عید ہے۔ آپ نے فرمایا ہماری عید اُس دن ہوتی ہے جس دن ہم کوئی گناہ نہ کریں۔

ایک بزرگ نے کسی شخص سے اس کی خیریت دریافت کی۔ اس نے جواب میں کہا کہ جی ہاں! خیریت ہے! ان بزرگ نے فرمایا عافیت اور خیریت اس دن ہوگی جس روز تم کوئی گناہ نہیں کرو گے اور اگر تم سے گناہ سرزد ہوگا تو اس سے سخت تر کوئی بیماری نہیں ہوگی بزرگ نے فرمایا کہ فرعون علیہ اللعنۃ کی عمر چار سو برس کی تھی اس مدت میں نہ اس کو کبھی درد سر لاحق ہوا اور نہ کبھی بخار آیا۔ چنانچہ اس نے خدائی کا دعویٰ کیا۔ اگر وہ ایک ساعت کیلئے بھی درد سر میں مبتلا ہو جاتا تو اس سے یہ قصور اور بے ادبی سرزد نہ ہوتی۔

بزرگوں کا ارشاد ہے کہ جب بندہ ایک دن کیلئے بیمار ہوتا ہے۔ اور توبہ نہیں کرتا تو ملک الموت کہتے ہیں۔ کہ میں نے کئی مرتبہ قاصدوں کو بھیجا لیکن کچھ فائدہ نہیں ہوا۔ بزرگانِ دین فرماتے ہیں کہ بندۂ مومن کو چالیس دن میں

ان چار آفتوں سے خالی نہیں ہونا چاہیئے (کوئی نہ کوئی آفت سے دوچار رہنا چاہیئے) اور وہ یہ ہیں رنج، بیماری ڈر اور نقصان"۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک خاتون سے نکاح کا ارادہ فرمایا۔ صحابہ کرام نے اس خاتون کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ وہ کبھی بیمار نہیں ہوئی ہے (ایسی اچھی صحت ہے) حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تب تو وہ میرے لئے مناسب نہیں ہے۔ ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم درد سر کی فضیلت بیان فرما رہے تھے تو ایک اعرابی نے کہا کہ میں تو آج تک کسی بیماری میں مبتلا نہیں ہوا ہوں۔ یہ سن کر حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ مجھ سے دور رہو پھر فرمایا کہ اگر کوئی شخص دوزخی شخص کو دیکھنا چاہے تو اس کو دیکھ لے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) شہدا کا درجہ کس کو حاصل ہے آپ نے فرمایا جو شخص ایک دن میں بیس مرتبہ موت کو یاد کرے گا۔ اس کو یہ درجہ ملے گا۔ اور شک نہیں کہ بیمار موت کو ہر آن یاد کرتا ہے۔ پس بعض حضرات ان وجوہ کی بنا پر بیماری میں علاج کے طلب گار نہیں ہوئے۔ اور حضرت رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم کو ان اسباب کی احتیاج نہیں تھی آپ اس لئے علاج کیا کرتے تھے۔

الحاصل اسباب ظاہری سے حذر کرنا توکل کے خلاف نہیں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ملک شام کے سفر پر تشریف لے جانا چاہتے تھے کہ آپ کو خبر پہنچی کہ وہاں طاعون پھیلا ہوا ہے ایک جماعت نے کہا کہ ہم کو نہیں جانا چاہیئے اور کچھ لوگوں نے کہا کہ قضا و قدر سے حذر کرنا درست نہیں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہم خداوند تعالیٰ کی تقدیر سے اس کی تقدیر ہی کی طرف بھاگیں گے۔ پھر فرمایا کہ اگر کسی شخص کے پاس دو چراگاہیں ہوں ایک خشک اور ایک سرسبز اور وہ شخص ان دو وادیوں میں سے جس وادی میں بھی اپنے ریوڑ کو لے جائے وہ تقدیر الہیٰ سے ہے۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف رضی اللہ عنہ کو بلایا تاکہ اس معاملہ کو ان سے حل کرایا جائے (ان کی رائے دریافت کی جائے) انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ جب تم سنو کہ فلاں جگہ وبا ہے تو وہاں مت جاؤ اور جب تم ایسی جگہ ہو جہاں وبا پھیل جائے تو وہاں سے مت بھاگو۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا الحمد للہ میری رائے حدیث شریف کے موافق نکلی۔ دوسرے صحابہؓ نے بھی اس بات پر اتفاق کیا۔ باہر نکلنے سے جو منع کیا گیا ہے اس کی مصلحت یہ ہے۔ کہ اگر تندرست لوگ (ایسے مقام سے) چلے جائیں تو بیمار ہلاک ہو جائیں (ان کی تیمارداری کون کرے گا) اور بیماروں کو ساتھ لے کر نکلنا بھی ممکن نہیں ہے جبکہ وبا باطن میں سرایت کر چکی تو باہر نکلنا بے فائدہ ہے۔

بعض حدیث میں آیا ہے۔ کہ وہاں سے بھاگنا ایسا ہے۔ جیسے کوئی کافر کی جنگ سے بھاگ گیا۔ اس تمثیل کا مقصد یہ ہے کہ جس طرح کافروں کی جنگ سے بھاگ جانے سے دوسری سپاہ کا دل ٹوٹتا ہے اسی طرح وبا میں تندرستوں کے چلے جانے سے بیماروں کا دل ٹوٹ جائے گا۔ (وہ دل شکستہ تر ہو جائیں گے) اور پھر کوئی بھی ایسا نہ ہوگا۔ جوان

کو کھانا دے پس وہ بھوک سے ہلاک ہو جائیں گے۔ اور بھاگنے والے کا بچنا مشکوک ہے۔

فصل:۔

اے عزیز! معلوم ہونا چاہیے کہ بیماری کا چھپانا شرط توکل ہے۔ بلکہ گلہ، شکوہ اور اظہار مکروہ ہے مگر یہ کہ کوئی عذر ہو مثلاً طبیب سے حال کہنا ہو یا چاہتا ہے کہ اپنی مجبوری یا عجز کا اظہار کرے مگر اس میں رعونت اور چالاکی کو اپنے نفس سے خارج کر دے۔

منقول ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ علیل تھے لوگوں نے آپ سے حال دریافت کیا کہ آپ اچھے اور بخیریت ہیں آپ نے فرمایا نہیں! آپ کے اس جواب پر لوگ ایک دوسرے کو دیکھنے لگے اور متعجب ہوئے۔ تب حضرت امیر المومنین نے فرمایا کہ میں خداوند تعالیٰ کو اپنی شجاعت اور جوانمردی جتلاؤں! ایسا فرمانا آپ ہی کو زیبا تھا کہ باوجود قوت و مردانگی کے اپنے عجز کا اظہار فرماتے تھے اسی واسطے آپ نے دعا مانگی کہ الٰہی مجھے صبر عطا فرما!

حضرت رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے خدا سے عافیت طلب کرو۔ بلا مت مانگو" پس اگر کوئی شخص بغیر ضرورت شکایت کے طور پر اپنی بیماری کو ظاہر کرے گا۔ تو یہ حرام ہے۔ اگر اظہار بغیر شکایت کے ہو تو روا ہے۔ لیکن اولیٰ یہ ہے کہ بالکل اظہار نہ کرے کہ شاید اس میں کوئی زیادہ بات زبان سے نکل جائے اور سننے والا یہ گمان کرے کہ یہ شکوہ (خدا تعالیٰ) کر رہا ہے۔

علماء کرام فرماتے ہیں کہ بیمار اگر گریہ و زاری کرے تو اس کو معصیت میں لکھا جاتا ہے۔ کیونکہ اس میں اپنے مرض کو ظاہر کرنا ہے۔ ابلیس لعین نے حضرت ایوب علیہ السلام سے نالہ و فریاد کے سوا اور کچھ نہیں دیکھا۔

حضرت فضیل بن عیاض، شیخ بشر حافی اور وہب ابن الورد جو بزرگان دین میں سے تھے جب بیمار ہوتے تو گھر کا دروازہ بند کر دیتے تھے تاکہ کسی کو ان کی بیماری کی خبر نہ ہو اور وہ فرماتے کہ ہم اس طرح بیمار رہنا چاہتے ہیں کہ کوئی ہماری عیادت نہ کرے۔

اصل نہم

محبت الٰہی اور شوق و رضا

اے عزیز! معلوم ہونا چاہیے کہ حق تعالیٰ کی محبت تمام مقامات سے عالی اور بلند و بالا ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے۔ کہ تمام مقامات کے حاصل کرنے سے مقصود یہی محبت ہے چاروں مہلکات سے غرض یہی ہے کہ سالک کے دل کو ایسی چیزوں سے بچایا جائے جو محبت الٰہی سے محروم رکھتے ہیں اور جملہ منجیات جو اس سے قبل مذکور ہو چکے ہیں۔ اسی محبت کے مقدمات ہیں مثلاً توبہ، صبر و شکر، زہد اور خوف وغیرہ ؛ اور دوسرے مقامات جو ان کے بعد ہیں وہ اسی کا نتیجہ اور ثمرہ ہیں جیسے شوق اور رضا وغیرہ بندہ کا کمال اس بات میں ہے کہ خداوند تعالیٰ کی محبت اس کے دل پر ایسی غالب ہو کہ اس میں مستغرق ہو جائے اور اگر اتنا کمال حاصل نہ کر سکے تو کم از کم اتنا تو ہو کہ دوسری چیزوں کی محبت پر محبتِ الٰہی کا غلبہ حاصل رہے۔

محبت کی حقیقت

محبت کی حقیقت کا جاننا چنداں دشوار نہیں ہے۔ کہ متکلمین کے اس قول کو قبول کر لیا جائے کہ جو ذات ہماری جنس سے نہیں ہے۔ اس سے محبت کیونکر ہو سکتی ہے، محبت الٰہی کے معنی یہ ہیں کہ بندہ اس کا حکم بجا لائے۔ پس جس گروہ کا یہ تصور ہو وہ دین کی اصل سے بالکل بے خبر ہے۔ اس لئے محبت الٰہی کا مطلب یہاں بیان کرنا ضروری ہے لہٰذا ہم پہلے محبت الٰہی کو ثابت کرنے والے شرعی دلائل کو پیش کرتے ہیں اس کے بعد اسکی حقیقت اور اس کے احکام بیان کریں گے۔

محبت الٰہی کی فضیلت

معلوم ہونا چاہیئے کہ تمام علمائے اسلام اس بات پر متفق ہیں کہ خداوند تعالیٰ سے محبت کرنا فرض ہے۔ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔ یحبّھم ویحبّونہ اور سرور کونین صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب تک بندہ خدا اور رسول کو ہر چیز سے زیادہ دوست اور عزیز نہیں رکھے گا، اس کا ایمان کامل نہیں ہوگا، حضور سرور کونین صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ ایمان کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ایمان یہ ہے۔ کہ بندہ اللہ اور اس کے رسول کو ماسوی اللہ سے زیادہ دوست رکھے،، حضرت رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ جب تک بندہ خدا اور رسول کو اپنے مال، اہل و عیال اور تمامی خلائق سے زیادہ دوست نہ رکھے اس وقت تک وہ مومن نہ ہوگا۔ حق تعالیٰ نے از روئے تنبیہ فرمایا ہے۔ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ۣاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ط

ایک شخص نے حضرت رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں آپ کو دوست رکھتا ہوں آپ نے فرمایا

سو پھر درویشی کے لئے تیار رہ، اس نے پھر کہا کہ میں خدا کو دوست رکھتا ہوں آپ نے فرمایا کہ آفت وبلا کے لئے تیار رہ، ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ جب ملک الموت نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی روح قبض کرنا چاہی تو آپ نے ملک الموت سے کہا کبھی تم نے یہ دیکھا ہے کہ دوست دوست کی جان لے لے۔ تب آپ پر وحی نازل ہوئی کہ اے ابراہیم کبھی تم نے دیکھا ہے کہ کوئی دوست اپنے دوست کے دیدار سے بیزار ہو۔ تب آپ نے ملک الموت سے کہا کہ میں اجازت دیتا ہوں تم میری روح قبض کرلو۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا

حضور سرور کونین صلے اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگا کرتے تھے۔

اللھم ارزقنی حبك وحب من احبك وحب ما یقربنی الی حبك واجعل حبك احب الی من الماء البارد ::

الٰہی مجھے اپنی محبت اور اپنے دوستوں کی دوستی اور محبت اور اس چیز کی محبت جو تیری محبت کا سبب ہو روزی فرما۔ اور ایسا ہو کہ تیری محبت مجھے ٹھنڈے پانی سے زیادہ عزیز ہو۔

منقول ہے کہ ایک اعرابی حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور دریافت کیا یا رسول اللہ قیامت کب آئے گی آپ نے فرمایا کہ تو نے اس دن کے لئے کیا تیاری کی ہے اس نے کہا یا رسول اللہ نماز اور روزہ میرے پاس کم ہے (بہت نہیں ہے) البتہ خداوند تعالیٰ اور اس کے رسول کو میں دوست رکھتا ہوں! آپ نے فرمایا کل قیامت کے دن ہر شخص اس کے ساتھ ہوگا جس کو وہ دوست رکھتا تھا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس نے حق تعالیٰ کی محبت کا شربت چکھا ہے۔ وہ دنیا سے بیزار اور خلق سے متنفر ہوگا۔ اور حضرت خواجہ حسن بصریؒ نے کہا ہے جو شخص خدا کو پہچانے اس کو دوست رکھے اور جس پر دنیا کی حقیقت آشکارا ہو جائے تو وہ دنیا سے بیزار رہے گا اور بندۂ مومن جب تک دنیا سے غافل نہ ہو گا۔ اور جب فکر کرے گا غمگین ہوگا۔ روایت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کچھ لوگوں کو دیکھا جو بہت لاغر اور کمزور تھے آپ نے ان لوگوں سے پوچھا کہ تم پر کیا آفت نازل ہوئی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم عذاب آخرت کے خوف سے گھل گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے تم کو عذاب آخرت سے نجات دے۔ انہوں نے ایک اور جماعت کو دیکھا تو بہت زیادہ لاغر اور کمزور تھے آپ نے پوچھا کہ تم کو کیا ہوا ہے۔ انہوں نے کہا کہ بہشت کی آرزو میں ہم اس طرح گھل گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ اپنے کرم سے تم کو تمہاری مراد پر پہنچا دے گا۔ یہاں سے جب آگے بڑھے تو ایک اور جماعت کو دیکھا کہ جو پہلے لوگوں سے بھی زیادہ کمزور اور نحیف تھے اور ان کے چہرے آئینہ کی طرح دمکتے تھے آپ نے ان سے بھی وہی سوال کیا انہوں نے جواب دیا۔

کہ ا۔ اللہ تعالیٰ کے عشق نے ہم کو اس طرح گھُلا دیا ہے۔ یہ سن کر آپ ان کے پاس بیٹھ گئے اور فرمایا کہ تم مقربین بارگاہِ الٰہی ہو۔ مجھے حکم ہوا ہے کہ میں تمہاری صحبت میں رہا کروں۔

شیخ طریقت سری سقطیؒ نے فرمایا ہے کہ کل (قیامت میں) ہر ایک امت کو اس کے نبیؐ کے ساتھ پکارا جائے گا۔ جیسے اے امت موسیٰ، اے امت عیسیٰ، اے امت محمد (علیہم السلام) مگر جو لوگ خداوند تعالیٰ کے دوست ہیں ان کو یوں پکارا جائے گا۔ اے دوستانِ خدا۔ تم خدا کے پاس آؤ۔ یہ سن کر ان کا دل خوش اور مسرت سے معمور ہو جائے گا۔ صحف سماوی میں سے کسی صحیفہ میں مذکور ہے کہ :۔

اے بندہ ا۔ میں تجھے دوست رکھتا ہوں تیرے اس حق
کی بنا پر جو تیرا مجھ پر ہے یعنی تو مجھے دوست رکھتا تھا!

محبت الٰہی کی حقیقت

اے عزیز! معلوم ہونا چاہیئے کہ حق تعالیٰ کی دوستی اور محبت کا سمجھنا ایسا مشکل ہے کہ بعض لوگوں نے اس بات کا صاف انکار کر دیا اور کہا کہ خدا کے ساتھ دوستی رکھنا محال ہے پس اس نکتہ کی شرح کرنا ضروری ہے۔ اگرچہ وہ ہر ایک کے فہم میں نہیں آسکتی باوجود اس کے مثالوں کے ذریعہ ہم اس کو ایسا واضح کر دیں گے کہ جو کوئی اس پر غور کرے تو یقیناً اس کو یقین آجائے گا۔ سب سے پہلے تو یہ سمجھنا چاہیئے کہ دوستی کیا چیز ہے؟ معلوم ہونا چاہیئے کہ دوستی عبارت ہے طبیعت کی اس رغبت سے جو ایک خوش آئند شئے کی طرف ہو۔ اگر یہ رغبت بہت قوی ہے تو اس کو عشق کہتے ہیں۔ دشمنی نام ہے طبیعت کی نفرت کا جو ناپسند چیز سے ہو۔ جب کسی چیز میں خوبی یا برائی نہ ہو۔ وہاں دوستی یا دشمنی نہیں پائی جاتی۔

اب ہم خوبی اور عمدگی کی تفصیل بیان کرتے ہیں۔ مطلقاً اشیاء طبیعت انسانی کے باب میں تین قسم کی ہیں ایک قسم وہ ہے کہ کوئی چیز موافق طبع ہو اور طبیعت خود اس کی خواہش کرے پس اس موافق طبع شئے کو خوش آئند (پسندیدہ) کہا جاتا ہے۔ دوسری قسم یہ ہے کہ وہ شئے ناموافق طبع اور خواہش دل کے برخلاف ہو اس کو ناپسند کہتے ہیں۔ تیسری قسم وہ ہے جو نہ موافق طبع ہو اور نہ مخالف طبع پس نہ وہ پسندیدہ ہے اور نہ ناپسندیدہ اب یہ بات سمجھنا ضروری ہے کہ جب تک کسی چیز سے آگاہی نہ ہو کوئی چیز بھلی یا بُری نظر نہیں آئے گی!

چیزوں کی معرفت ہم کو حواس اور عقل کے توسط سے حاصل ہوتی ہے۔ حواس پانچ ہیں۔ ہر ایک کی لذت مقرر ہے کہ اس لذت کے سبب سے انسان اس شے کو پسند کرتا ہے یعنی طبیعت اس طرف راغب ہوتی ہے۔ مثلاً قوت باصرہ کی لذت

اچھی صورتوں کے دیکھنے، سبزے یا بہتے پانی کے دیکھنے میں ہے پس آنکھ ایسی چیز کو دیکھنا پسند کرتی ہے۔ سماعت کی لذت اچھی آوازوں کے سننے میں ہے۔ قوت شامہ کی لذت خوشبوؤں سے ہے اور حسِ ذائقہ کی لذت لذیذ کھانوں میں ہے۔ حس لامسہ کی لذت لذت نرم ونازک چیزوں کے چھونے میں ہے۔ یہ تمام چیزوں محبوب ہیں۔ یعنی طبیعت ان کی طرف مائل رہتی ہے۔

یہ تمام حواس جانوروں کو بھی حاصل ہیں اور وہ بھی لذت حاصل کرتے ہیں معلوم ہونا چاہیے کہ انسان کے دل میں ایک چھٹی حس ہے جس کو عقل کہتے ہیں (اکنوں بداں کہ حساسہ ششم ہست در دلِ آدمی کہ آں را عقل گویند و نور گویند و بصیرت گویند۔ کیمیائے سعادت مطبوعہ ایران ص ۸۳۱) اسے بصیرت اور نور بھی کہتے ہیں۔ اس کے لئے جو لفظ چاہو استعمال کرو انسان اور حیوان میں فرق اسی کا ہے (حیوان اس سے محروم ہے) اس عقل کے بھی مدرکات ہوتے ہیں جو اس کو پسند آئیں بالکل اسی طرح جیسے حواس خمسہ کو دوسری لذتیں محبوب ہیں۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ دنیا سے مجھے تین چیزیں محبوب ہیں، عورتیں خوشبو اور میری آنکھ کی روشنی نماز = یہاں آپ نے نماز کا درجہ بڑھا دیا ہے۔ پس جو شخص جانور کی طرح ہو اور دل سے بے خبر رہے اور حواس خمسہ کی لذتوں کے سوا کچھ اور نہ جانے ہرگز اس بات پر یقین نہیں کرے گا کہ نماز میں ایک حلاوت ہے اور وہ جانوروں کی صف سے نکل آیا ہو اپنے باطن کی آنکھ سے جمالِ الہٰی اور اس کی صنعت کے عجائب اور صفاتِ باری کے جلال و کمال کا مشاہدہ اس کو بہت زیادہ پسند ہوگا۔ بمقابلہ اس کے کہ اس کی ظاہری آنکھ خوبصورت چہروں سبزہ اور آب رواں کا مشاہدہ کرے۔ جب الوہیت کا جمال اس کو نظر آنے لگے گا تو دنیا کی خوبصورت اور اچھی چیزیں اس کی نظر میں بے قدر ہو جائیں گے۔

دوستی کے اسباب

وہ اسباب جن سے معلوم ہو کہ خدا کے سوا کوئی اور محبت کے لائق نہیں ہے

اے عزیز! معلوم ہونا چاہیے کہ دوستی اور محبت کے یہ پانچ اسباب ہوتے ہیں۔ پہلا سبب تو یہ ہے کہ آدمی اپنی زندگی اور اپنی خوبی کو دوست رکھتا ہے اپنی بربادی اور ہلاکت پر راضی نہیں ہے خواہ اس کا نہ ہونا رنج و الم کے بغیر ہو۔ جب طبیعت ایک چیز کے ساتھ موافق ہے تو وہ ضرور اس کو دوست رکھے گا اور ظاہر ہے اس کی حیات اور زندگی دوام اور

کمال صفات سے زیادہ کوئی اور چیز موافق طبع نہ ہوگی (جو ذات خداوندی کے سوا کسی اور میں موجود نہیں) اور اپنی موت اور اپنے صفات کمال کی نیستی اور عدم سے زیادہ دوسری کوئی شے اس کی طبع کے مخالف نہ ہوگی۔ اسی بنا پر آدمی اپنے بچہ کو بھی عزیز اور دوست رکھتا ہے کہ وہ اس کی زندگی کو اپنی زندگی سمجھتا ہے اور چونکہ وہ اپنے بقائے دائمی پر قدرت نہیں رکھتا اس لئے اپنے بچہ کو جو ایک جہت سے اس کی ہستی سے مشابہت رکھتا ہے اس طرح حقیقت میں وہ اپنے آپ ہی کو دوست رکھتا ہے۔ اس طرح وہ اپنے مال کو بھی دوست رکھتا ہے۔ کہ مال اس کی زندگی کی آسائش و تزئین میں کام آتا ہے وہ اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کو بھی دوست رکھتا ہے کہ وہ اس کے لئے بمنزلہ قوتِ بازو کے ہیں اور ان کے باعث وہ مطمئن رہتا ہے (کہ وقت پر کام آئیں گے)

دوسرا سبب

دوسرا سبب بھلائی ہے کہ جو شخص کسی کے ساتھ نیکی کرتا ہے تو وہ شخص بھی (جس کے ساتھ نیکی کی گئی ہے) اس کو دل سے چاہتا ہے۔ اسی بنا پر کہا گیا ہے الانسان عبد الاحسان یعنی انسان احسان کا بندہ ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہ الٰہی میں مناجات فرماتے تھے کہ" یاالٰہی کسی فاجر اور گناہ گار کو یہ قدرت نہ دے کہ وہ مجھ پر احسان کرے کہ اس وقت میرا دل بھی اس کو دوست رکھے گا۔

یعنی یہ بات مقتضائے طبع ہے بہ تکلف نہیں ہے (کہ بندہ اپنے محسن کو دوست رکھتا ہے) اور اس کی حقیقت بھی بالکل وہی ہے کہ خود کو اس نے دوست رکھا۔ کیونکہ احسان کے معنی یہ ہیں کہ انسان ایسا کام کرے جو اس کی زندگی کا سبب اور خوبی کا موجب ہو، اسی طرح انسان صحت و تندرستی کو دوست رکھتا ہے۔ جس کا کوئی سبب نہیں ہے۔ لیکن تندرستی کے باعث وہ طبیب کو دوست رکھتا ہے گویا اس طرح وہ بغیر کسی سبب کے خود کو دوست رکھتا ہے اور جس شخص نے اس کے ساتھ احسان کیا ہے اس کو بھی دوست رکھتا ہے محض اس کے احسان کے سبب سے۔

تیسرا سبب

تیسرا سبب یہ ہے کہ وہ نیک شخص کو دوست رکھتا ہے اگرچہ اس نے اس کے ساتھ احسان نہیں کیا ہے۔ مثلاً وہ سنتا ہے کہ ملک مغرب میں ایک سلطان بڑا عادل و عاقل ہے اور رعیت اس کی ذات سے آرام میں ہے تو بغیر سبب کے دل اس کی طرف مائل ہوگا۔ اگرچہ اس کو اس بات کا یقین ہے کہ خود وہ اس ملک میں کبھی نہ جائے گا! اور اس کے احسان سے بہرہ مند نہیں ہوگا۔

چوتھا سبب

چوتھا سبب یہ کہ کسی خوبصورت و خوبرو کو دوست رکھے۔ اس لئے نہیں کہ اس سے کچھ حاصل کرے بلکہ صرف اس کے حسن و جمال کے باعث کہ جمال خود یہ نفسہ محبوب اور پیارا ہوتا ہے اور جائز ہے کہ کوئی شخص کسی کی اچھی صورت کو دوست رکھے بشرطیکہ اس میں شہوت اور غرض کا شائبہ نہ

ہو بالکل اسی طرح جیسے سبزہ و آبِ رواں کو پسند کرتا ہے نہ اس لئے کہ اس کو کھائے یا پیئے لیکن آنکھوں کو اس کے دیدار سے ایک لذت حاصل ہوتی ہے۔ اسی طرح حسن و جمال بھی پیارا ہوتا ہے۔ اگر حق تعالیٰ کا جمال نظر آ سکتا تو عقل میں آ نا کر اس کو دوست رکھا جائے۔ جمال کے معنی ہم آئندہ اسی بحث میں بیان کریں گے۔

پانچواں سبب

دوستی کا پانچواں سبب وہ مناسبت ہے جو طبائع میں باہم پائی جاتی ہے۔ بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ ایک کی طبیعت دوسرے کے ساتھ موافق ہوتی ہے اور وہ اس کو دوست رکھتا ہے حالانکہ کچھ خوبی اس میں موجود نہیں ہوتی۔ یہ مناسبت کبھی ظاہر و آشکارا ہوتی ہے جیسے ایک کم سن لڑکے کو لڑکے سے اور ایک بازاری شخص کو دوسرے بازاری شخص سے اور ایک عالم کو دوسرے عالم سے ہوتی ہے اسی طرح ہر ایک اپنے ہم جنس سے محبت کرتا ہے۔ کبھی یہی مناسبت مخفی اور پوشیدہ ہوتی ہے۔ اصل خلقت اور ان فطری اسباب میں جو تولد کے وقت غالب ہوتے ہیں اس مقام میں ایک ایسی مناسبت ہے جس کو کوئی انسان نہیں جانتا۔ چنانچہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس امر کی جانب اشارہ فرماتے ہوئے ارشاد کیا ہے۔ الارواح جنود مجندۃ فما تعارف منہا ائتلف وما تناکر منہا اختلف ٥

پس جب اصل خلقت میں دوستی اور آشنائی واقع ہوئی ہو تو یقیناً وہ ایک دوسرے سے الفت و محبت رکھیں گے اس آشنائی سے مراد یہی مناسبت ہے جس کا مذکور ہوا۔ اس کی اور تفصیل نہیں ہو سکتی۔

حقیقت حسن و خوبی

حسن و جمال کے بارے میں مختلف خیالات

معلوم ہونا چاہیئے کہ جو کوئی ظاہری بصارت اور جانوروں کی سیرت رکھتا ہے اور بصیرت سے بے بہرہ۔ ہے وہ کہے گا کہ چہرہ کی سرخی اور سفیدی، اعضاء کے تناسب کے سوا اور کسی چیز میں حسن کا ہونا مہمل بات ہے حسن و جمال شکل اور رنگ پر موقوف ہے۔ جس چیز میں یہ دو باتیں نہ ہوں اس کو حسن سے کوئی تعلق نہیں، ایسا کہنا خطا اور غلطی ہے۔ کیونکہ ذی فہم حضرات روز مرّہ کی گفتگو میں کہتے ہیں کہ یہ خط اچھا ہے۔ یہ آواز اچھی ہے، یہ گھوڑا اچھا ہے، گھر اچھا ہے باغ اچھا ہے وغیرہ۔ پس خوبی اور عمدگی کے معنی ہر ایک شئی میں اس سے ہیں اس کا وہ کمال ہے جو اس چیز کے لائق ہو اور اس شئی کے اعتبار سے اس میں کسی بات کی کمی نہ ہو۔ ہر ایک شئی کمال جدا جدا ہوتا ہے مثلاً خط کا کمال یہ ہے کہ حروف میں باہمی تناسب اس کی کرسی اور جوڑ درست ہوں۔ دائروں کی گردش ٹھیک ہو۔ اچھے خط اور اچھے گھر کے دیکھنے سے انسان کو ایک حظ حاصل ہوتا ہے۔ پس حسن صرف چہرہ سے مخصوص

نہیں ہے اور یہ تمام چیزیں ظاہری آنکھ سے نظر آتی ہیں۔ ممکن ہے کہ کوئی شخص اس بات کا اقرار کرکے کہے کہ یہ درست ہے لیکن جو چیز چشم ظاہر سے دیکھی نہیں جاسکتی اس کا حسن عقل میں کیونکر آسکتا ہے۔ ایسا کہنا بھی نادانی کی علامت ہے کیونکہ ہم ہر وقت کہتے اور بولتے ہیں کہ فلاں شخص اچھا ہے وہ اچھے اخلاق کا مالک ہے اور اچھی مروت والا ہے، ہم کہتے ہیں جو علم زہد کے ساتھ ہو وہ بہت اچھا ہے اور شجاعت سخاوت کے ساتھ بہت خوب ہے بے طمعی اور قناعت سب سے خوب چیز ہے ایسی بہت سی باتیں کی جاتی ہیں اور ان تمام صفات (خوب) کو ہم چشم ظاہر سے نہیں دیکھ سکتے بلکہ بصیرت عقل سے معلوم کرتے ہیں۔ ہم نے اپنی کتاب "ریاضۃ النفس" میں لکھا ہے کہ صورتیں دو قسم کی ہوتی ہیں ایک صورت ظاہری اور ایک صورت باطنی۔ نیک اخلاق باطن کی صورت ہے اور دل کو پسند ہے۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ ایک شخص حضرت ادریس شافعی رضی اللہ عنہ کو دوست رکھتا ہے۔ اور ایک شخص حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو دوست رکھتا ہے یہ بات محال نہیں ہے اور محال ہو بھی کس طرح کہ کوئی شخص ایسا ہے کہ اس محبت میں اپنی جان اور مال خرچ کرتا ہے یہ دوستی شکل وصورت کے اعتبار سے تو نہیں ہے کیونکہ اس شخص نے ان بزرگوں کو نہیں دیکھا ہے اور ان کی ظاہری صورت خاک میں چھپ چکی ہے۔ بلکہ اس شخص میں ان کی یہ دوستی ان کے باطنی کمالات کے باعث ہے جس سے مراد ان حضرات کا علم، زہد وتقویٰ اور دینی انتظام ہے۔ پیغمبروں (علیہم السلام) کو بھی اسی سبب سے لوگ دوست رکھتے ہیں۔

جو شخص حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے محبت کرتا ہے وہ ان کو اسی صورت کے ساتھ جو اُن کی تھی چاہتا ہے۔ صدق اور علم حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ذات کی صفت ہے اور یہ صفت وہ ہے جس کو جزو لا یتجزی (ایسا جزو جس کا کوئی جزو مزید نہ ہو سکے) کہتے ہیں۔ نہ اس کو شکل کہا جاتا ہے نہ رنگ۔ جزو لایتجزیٰ فلاسفہ اور حکما کے نزدیک ثابت نہیں ہے اس کی جو کچھ بھی کیفیت ہو بہرحال وہ شکل اور رنگ نہیں ہے اور مخلوق کو وہی صفت محبوب ہے نہ کہ آپکا ظاہری جسم (گوشت وپوست) پس جو عقل سے بہرہ ور ہے وہ باطن کے جمال کا انکار نہیں کرسکتا اور وہ جمال ظاہری سے زیادہ اس کو دوست رکھے گا۔ کیونکہ ایک شخص اس صورت کو جو دیوار پر نقش کی گئی ہے دوست رکھتا ہے اور ایک شخص حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو دوست رکھتا ہے ظاہر ہے کہ ان دونوں میں بڑا فرق ہے بلکہ جب چاہتے ہیں کہ کوئی شخص کسی لڑکے کو محبوب اور دوست رکھے تو اس لڑکے کے ابرو، مژگان اور چشم کی تعریف اس کے روبرو نہیں کرتے ہیں بلکہ اس کی سخاوت، علم اور لیاقت کی تعریف کرتے ہیں (صفات کا بیان کرتے ہیں) اور جب یہ منظور ہوتا ہے کہ اس لڑکے کو ناپسند کیا جائے تو اس کی بد باطنی اور بد اطواری کی صفات بیان کرتے ہیں۔ اس کی صورت کی برائی بیان نہیں کرتے۔

اسی واسطے لوگ صحابہ کرامؓ سے محبت کرتے ہیں (پسندیدہ اوصاف کے باعث) اور ابوجہل سے عداوت۔

اس تقریر سے ظاہر ہو گیا ہو گا کہ حسن و جمال دو قسم کے ہیں ایک ظاہری اور دوسرا باطنی ، باطنی صورت کا جمال ، ظاہری صورت کے جمال سے ایسے شخص کے نزدیک زیادہ محبوب ہو گا جو کچھ بھی عقل رکھتا ہے۔

حق تعالیٰ کے سوا اور کوئی محبت کے لائق نہیں

اے عزیز ! معلوم ہونا چاہیئے کہ فی الحقیقت دوستی اور محبت کے لائق حق تعالےٰ کے سوا کوئی اور نہیں ہے جو کوئی حق تعالیٰ کے سوا دوسرے کو دوست رکھے گا اس نے حق تعالیٰ کو نہیں پہچانا ہاں اگر کسی شخص نے کسی دوسرے شخص کو اس بنا پر دوست رکھا کہ اس کو خداوند تعالیٰ کے ساتھ ایک علاقہ ہے جیسے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت ، خداوند تعالیٰ کی محبت ہے کیونکہ جب کوئی شخص کسی کو دل سے چاہیگا تو وہ اس کے محبوب اور رسول کو دوست رکھے گا اس صورت میں علماء اور اہل تقویٰ کی محبت بھی خدا کی محبت ہو گی۔ جب انسان دوستی کے ان اسباب پر غور کرے تو اس کو یہ بات بخوبی واضح ہو جائے گی۔

دوستی کے اسباب

دوستی اور محبت کا پہلا سبب یہ ہے کہ انسان خود کو اور اپنے کمال کو دوست رکھتا ہے تو اس دوستی کو لازم ہے کہ وہ خدا کو دوست رکھے کیونکہ انسان کا وجود اور اس کا کمال صنعت حق تعالیٰ کی ہستی اور اس کی قدرت کاملہ سے ہے اگر اس کا فضل نہ ہوتا تو کوئی مخلوق پردۂ عدم سے عالم وجود میں نہ آتی اور اگر وہ اپنے فضل سے محافظت نہ کرتا تو انسان باقی نہ رہتا اور اگر حق تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے انسان کو ہاتھ پاؤں اور دوسرے اعضا عطا فرما کر کامل نہ بناتا تو کوئی مخلوق اس سے زیادہ ناقص نہ ہوتی۔

یہ بات کس قدر عجیب ہو گی کہ کوئی شخص دھوپ سے بے چین ہو کر کسی درخت کے سایہ میں جائے لیکن اس درخت کو جس سے وہ سایہ قائم ہے پسند نہ کرے وہ یقیناً اس بات کو جانتا ہو گا کہ جس طرح سایہ کا وجود درخت سے ہے اسی طرح انسان کی ذات وصفات کا وجود حق تعالیٰ کے فیض سے ہے۔ پس اس صورت میں وہ خداوند تعالیٰ کو کس طرح دوست نہیں رکھے گا کیونکہ خداوند تعالیٰ کی محبت اس کے پہچاننے پر موقوف ہو گی۔ دوسرا سبب یہ کہ انسان ایسے شخص کو دوست رکھتا ہے جو اس کے ساتھ بھلائی کرے۔ اس بنا پر وہ خدا کے سوا کسی اور

محسن کو دوست رکھے گا وہ بالکل نادان ہے کیونکہ اس کے ساتھ خدا کے سوا اور کوئی احسان کرنے والا نہیں ہے نہ احسان کیا ہے۔ اور خداوند تعالیٰ کے احسانات بندوں پر بے حد و بے شمار ہیں۔ ہم تشکر و تفکر کے سلسلہ میں اس بات کو بیان کر چکے ہیں۔ پس جان لو اگر تم کسی احسان کو کسی مخلوق کی طرف منسوب کرو تم تمہاری نادانی ہے کیونکہ کوئی شخص تم کو خود کوئی چیز نہیں دے سکتا جب تک حق تعالیٰ اس پر ایک زبردست موکل بھیج کر اس کے دل میں یہ بات نہ ڈالے کر دین و دنیا میں اے شخص تیرا بھلا اسی میں ہے کہ وہ کچھ دے تاکہ لینے والا اپنی مراد کو پہونچے پس دینے والے نے جو کچھ دیا ہے وہ خود اپنے لئے دیا ہے جس کو تو سبب ٹھہراتا ہے حالانکہ وہ آخرت میں ثواب پائے گا۔ دنیا میں نیک نامی اور تعریف حاصل کرے گا۔ چیز دینے والا حقیقت میں خداوند تعالیٰ ہے کہ حق تعالیٰ نے بغیر عرض کے اس پر ایک موکل متعین کیا اور اس کو اس اعتقاد پر لایا۔ یہاں تک کہ وہ چیز اس نے تم کو دے دی۔ شکر کے تحت ہم اس بات کو تفصیل سے بیان کر چکے ہیں۔

تیسرا سبب یہ ہے کہ انسان کسی محسن کو دوست رکھتا ہے اگرچہ وہ اس کے ساتھ احسان نہیں کرتا۔ مثلاً کسی شخص نے سنا کہ مغرب میں ایک بادشاہ عادل اور رعیت پر بہت مہربان ہے وہ اپنا خزانہ درویشوں پر صرف کرتا ہے۔ اپنے ملک میں ظلم و ستم کرنے کی کسی کو اجازت نہیں دیتا تو لازماً ہر شخص اس کو دوست رکھے گا اگرچہ وہ جانتا ہے کہ کبھی اس عادل بادشاہ سے اس کی ملاقات نہ ہوگی اور نہ اس سے کچھ نفع حاصل ہونے کی امید ہے اس اعتبار سے بھی خدا کے سوا کسی کو دوست رکھنا نادانی ہوگی کیونکہ احسان بھی اس کے سوا کسی غیر سے نہیں ہو سکتا اور جو کوئی دنیا میں کسی پر احسان کرتا ہے خداوند تعالیٰ کے حکم اور اس کی توفیق سے کرتا ہے اور مخلوق کے ہاتھ سے جو نعمتیں ملتی ہیں وہ بہت کم ہیں احسان تو وہ ہے کہ تمام مخلوق کو پیدا کیا اور جس کو جس چیز کی ضرورت تھی وہ اس کو عطا کی بلکہ ایسی چیزیں بھی دیں جن کی حاجت نہ تھی لیکن ان سے زیب و زینت اور آرائش کرانا مقصود تھی۔ جب تم آسمان و زمین کی بادشاہت نباتات وحیوانات کے احوال میں غور کرو گے تو اس کے عجائب، احسان اور انعام بے انتہا تم کو نظر آئیں گے۔

چوتھا سبب

چوتھا سبب یہ کہ کسی کو اس کے حسن باطن کے سبب سے دوست رکھتا ہے۔ جس طرح امام ابو حنیفہ، امام شافعی، اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو دوست رکھتا ہے اور بعض ایسے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو دوست رکھتے ہیں بعض ان سب حضرات کو دوست رکھتے ہیں۔ اور پیغمبروں کو بھی دوست رکھتا ہے اور اس کا سبب ان بزرگوں کے باطن کی خوبی اور ان حضرات کے اوصاف پسندیدہ ہیں اس جگہ جب تم غور سے دیکھو گے تو تم کو معلوم ہوگا کہ اس جمال باطنی کا حاصل ان تین چیزوں سے ہے ایک علم کی خوبی ہے کیونکہ علم اور عمل دونوں ہی محبوب ہیں اس لئے کہ وہ بذات خود محمود اور شریف تر ہیں اور جس قدر یہ علم زیادہ ہوگا اور معلوم بزرگ تر ہو گا جمال بھی زیادہ ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ تمام علوم سے شریف تر خدا کی معرفت ہے اور اس کی بارگاہ کی معرفت

ہے اور اس کی بارگاہ کی معرفت جو ملائکہ، کتب و رُسل اور انبیا علیہم السلام کی شریعتیں اور ملک وملکوت کی تدبیر پر شامل ہے اور انبیا علیہم السلام اور اولیائے کرام ان علوم میں کمال رکھنے کے سبب سے محبوب ہوئے ہیں۔

دوسری خوبی

دوسری خوبی قدرت کی ہے یعنی وہ قدرت وقوت جو اصلاح نفس اور بندگانِ الٰہی کے سدھانے ان کی سیاست اور دنیا کی بادشاہی کے انتظام اور حقیقت دین کے بندوبست پر مشتمل ہے پھر تیسری خوبی عیب ونقصان سے پاک رہنے اور باطن کو برے اخلاق سے بچانے کی ہے۔ اور یہ صفتیں بھی محبوب ہیں، نہ ان کے افعال کیونکہ جو فعل ان صفات سے بلکل خالی ہوگا۔ وہ محمود نہیں۔ مثلاً جب اتفاق سے بغیر ارادہ کے ایک اچھا کام سرزد ہو تو اس کو فعل محمود نہیں کہا جائے گا۔ پس جو شخص ان صفات میں کامل تر ہوگا اس کی محبت دوسرے سے اتنی ہی زیادہ ہوگی۔ اسی بنا پر لوگ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو حضرت شافعی اور حضرت ابوحنیفہ رضی اللہ عنہما سے زیادہ دوست رکھتے ہیں اور پیغمبروں کو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے زیادہ چاہتے ہیں اور محبوب رکھتے ہیں اب تم ان تینوں صفات میں غور کر کے دیکھو تاکہ معلوم ہو جائے کہ خداوند تعالیٰ میں یہ تینوں صفات موجود ہیں اور وہ دوستی کا سب سے زیادہ مستحق ہے کیونکہ ہر ایک سادہ لوح جانتا ہے کہ فرشتوں اور انسانوں کا علم اولین وآخرین خداوند تعالیٰ کے علم کے آگے ہیچ ہے اور اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں سے خطاب کیا ہے۔ وما اوتیتم من العلم الا قلیلا۰ (تم کو علم سے بہت تھوڑا سا بہرہ دیا گیا ہے) بلکہ اگر مخلوق یہ چاہے کہ چیونٹی اور مچھر میں عجائب علم الٰہی اور اس کی حکمت کے راز معلوم کر لیں تو ممکن نہیں اور جو کچھ بھی اس سلسلہ میں (جزوی طور پر) ان کو معلوم ہوگا۔ وہ بھی اسی کی عنایت سے ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا ہے:۔ خلق الانسان علمہ البیان (انسان کو پیدا اور اس کو بیان سکھایا)

دوسری بات یہ ہے کہ مخلوق کے علم کی نہایت ہے لیکن ہر چیز کی نسبت اللہ تعالیٰ کے علم کی نہایت نہیں ہے۔ اور خلق کا جو کچھ علم ہے وہ اس کا عطیہ ہے۔ پس سب علم اسی کا ہوا اور اس کا یہ علم خلق کا دیا ہوا نہیں ہے۔ علم کے بعد جب تم قدرت کے بارے میں غور وفکر کرو گے تو معلوم ہوگا۔ تو قدرت بھی محبوب چیز ہے اسی واسطے لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شجاعت اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سیادت کو دوست رکھتے ہیں۔ یہ دونوں باتیں بھی قدرت کے اقسام میں سے ہیں لیکن تمام مخلوق کی قدرت، اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سامنے ہیچ ہے بلکہ سب اس کے سامنے عاجز ہیں پس وہ اتنی ہی قدرت رکھتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا کی ہے جب مکھی ان سے کوئی چیز چھین کر لے جائے تو خداوند تعالیٰ نے ان کو اس بات سے عاجز کر دیا ہے کہ وہ اس کو مکھی سے واپس لے سکیں پس خداوند تعالیٰ کی قدرت بے نہایت ہے کیونکہ آسمان وزمین اور جو کچھ اس میں ہے جن وانس، حیوانات ونباتات سب اسی کی قدرت سے پیدا ہوئے ہیں۔ اس طرح کی لاکھوں چیزیں بلکہ بے نہایت اشیاء کے پیدا کرنے پر وہ قادر ہے پھر یہ کس طرح درست ہوگا۔ کہ قدرت کے سبب کی بنا پر کسی دوسرے کو دوست رکھیں، انسان اپنے کمال کے ساتھ

عیوب سے منزہ اور پاک ہونے کی صفت سے بے بہرہ ہے (اس کا کمال بے عیب نہیں ہے) اس کا پہلا نقصان تو یہ ہے کہ وہ بندہ ہے اور اس کی ہستی اس سے نہیں ہے بلکہ وہ مخلوق ہے۔ اس سے بڑھ کر نقصان اور کیا ہو سکتا ہے علاوہ ازیں انسان اپنے باطن کے احوال سے بے خبر ہے دوسرے کے باطن کو کیا جان سکے گا۔ اگر اس کے دماغ کی ایک رگ ٹیڑھی ہو جائے تو وہ دیوانہ اور مجنوں ہو جاتا ہے اور نہیں جان سکتا کہ اس کا سبب کیا ہے؟ اور ممکن ہے کہ اس کی دوا اس کے سامنے رکھی ہو اور وہ یہ بھی نہ جان سکے۔ اس صورت میں جب آدمی کی عاجزی اور نادانی کا اندازہ کریں تو معلوم ہوگا۔ کہ وہ جو کچھ علم وقدرت رکھتا ہے وہ اس کے عجز و نادانی میں پوشیدہ ہو جائے پس عیوب سے پاک وہی خالق ہے جس کے علم کی نہایت نہیں اور جو جہل سے پاک ہے اور اس کی قدرت کامل ہے۔ کہ یہ ساتویں آسمان اور زمین اس کے دست قدرت میں ہیں اگر وہ سب کو ہلاک کر دے تب بھی اس کی بزرگی اور بادشاہی میں کچھ نقصان نہ ہوگا۔ اور وہ ایک آن میں ایسے ایک لاکھ عالم پیدا کر سکتا ہے اور اس سے ایک ذرہ برابر بھی اس کی بزرگی میں اضافہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس کی بزرگی میں بیشی کی گنجائش نہیں ہے۔ وہ سب عیبوں سے پاک ہے وہ ایسا ہے کہ نیستی اس کی ذات وصفات کی طرف نہیں جا سکتی کسی قسم کا نقصان اس کے باب میں ممکن نہیں ہے پس جو کوئی اس کو دوست نہ رکھے یہ اس کی نادانائی ہے اور یہ محبت اس محبت سے کامل تر ہوگی جس کا سبب محرک احسان ہو کیونکہ نعمت کی کمی اور بیشی کے سبب سے اس محبت میں افزونی یا کمی پائی جائے گی اور جہاں حق تعالیٰ کی محبت کا سبب اس کی بزرگی اور اس کا تقدس ہو تو تمام احوال میں بندہ اپنے مولیٰ سے بہت زیادہ عشق رکھے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ عذاب کے ڈر اور نعمت کے لالچ سے میری بندگی نہ کرے بلکہ وہ صرف میری خداوندی کا حق بجا لائے۔ زبور مقدس میں مرقوم ہے کہ "اس سے بڑا ظلم کون ہوگا۔ جو بہشت کی آرزو اور دوزخ کے ڈر سے میری عبادت کرے۔ اگر میں جنت اور جہنم پیدا نہ کرتا تو اطاعت و بندگی کا کیا مستحق نہ تھا۔

پانچواں سبب دوستی کی مناسبت ہے۔ انسان کو بھی خداوند تعالیٰ کے ساتھ ایک خاص مناسبت ہے۔ فرمایا ہے قل الروح من امر ربی۔ اور حدیث شریف میں آیا ہے۔ ان اللہ خلق آدم علی صورتہ سے اسی نکتہ کی طرف اشارہ ہے۔

ایک حدیث میں فرمایا میرا بندہ مجھ سے تقرب ڈھونڈتا ہے تاکہ اس کو میں اپنا دوست بناؤں جب میں اس کو اپنا دوست بنا لیتا ہوں تو میں اس کے کان بن جاتا ہوں، اس کی آنکھ بن جاتا ہوں اور اس زبان بن جاتا ہوں اور ارشاد فرمایا مرضت فلم تعدنی یا موسیٰ (اے موسیٰ میں بیمار ہوا تم نے میری عیادت نہیں کی) موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ تو سب کا مالک ہے تو کیوں بیمار ہوگا۔ حق تعالیٰ نے فرمایا میرا فلاں بندہ

بیمار تھا۔ اگر تم اس کی بیمار پرسی کرتے تو گویا وہ میری عیادت ہوتی۔

حق تعالیٰ کے ساتھ صورت کی مناسبت کی حدیث اس سلسلہ میں لکھی جا چکی ہے۔ اس قسم کی اور بہت سی باتیں ہیں جن کا بیان مناسب نہیں کہ وہ عوام کے فہم میں نہیں آسکتی ہیں بلکہ بہت سے دانشوروں سے بھی اسی مقام پر لغزشیں ہوئی ہیں اور وہ تشبیہ کے قائل ہو گئے۔ وہ یوں سمجھے کہ اس صورت سے مراد ظاہری صورت ہے۔ اور بعض حلول واتحاد کے قائل ہو گئے۔ لیکن اصل حقیقت کا سمجھنا دشوار ہے کہ جب تم دوستی کے اسباب کو سمجھ گئے تو اب یہ سمجھو کہ خداوند تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کو دوست رکھنا نادانی کی علامت ہے اور یہاں پر اس متکلم (علم الکلام کا جاننے والا اور عقیدہ رکھنے والا) کی سادہ لوحی کا پتہ چلتا ہے جو کہتا ہے کہ اپنے ہم جنس کے سوا کسی دوسرے کو کس طرح دوست رکھا جا سکتا ہے جبکہ خداوند تعالیٰ ہماری جنس سے نہیں ہے پس اس کی دوستی ممکن نہیں ہے اس لئے دوستی کے معنی صرف فرمانبرداری کے ہیں۔

یہ بیچارا متکلم نادان دوستی کے معنی شہوت سمجھتا ہے جس کے باعث عورت کو دوست رکھتے ہیں۔ بے شک یہ شہوت ہم جنسی کی متقاضی ہے لیکن وہ دوستی جس کی شرح ہم نے کی ہے جمال وکمال کے معنی کی مقتضی ہے اس سے صورت میں جنس کا ہونا لازم نہیں آتا۔ مثلاً وہ شخص جو پیغمبر (علیہ السلام) کو دوست رکھتا ہے اس کا سبب یہ نہیں کہ وہ محبت کرنے والے کی مانند چہرہ، سر اور ہاتھ پاؤں رکھتے ہیں بلکہ اس لئے دوست رکھتا ہے کہ پیغمبر علیہ السلام کو اس شخص کے ساتھ معنوی مناسبت ہے کیونکہ وہ بھی اس محبت کی طرح زندہ، عالم مرید، متکلم اور سمیع وبصیر ہیں لیکن پیغمبر ان صفات میں اس سے کامل تر نہیں ہوگا۔ اصل مناسبت اس شخص میں بھی پائی جاتی ہے لیکن کمال صفات میں دونوں میں بڑا فرق ہے اور وہ فرق جو کمال کی برتری سے ہوتا ہے دوستی کو بڑھاتا ہے لیکن اصل دوستی کو جو مناسبت پر موقوف تھی کم نہیں کرتا اور تمام دانشور اسی کے قائل ہیں اور اس کو سمجھتے ہیں۔ اگرچہ اس مناسبت کی حقیقت ہر ایک کو معلوم نہیں ہے لیکن ان اللہ خلق ادم علی صورتہ اس بات کی دلیل ہے۔

دیدارِ الٰہی میں جو لذت ہے وہ کسی چیز میں نہیں ہے

اے عزیز! معلوم ہونا چاہیئے کہ تمام مسلمانوں کا مذہب یہ ہے کہ دیدار الٰہی کی حلاوت اور لذت تمام حلاوتوں اور لذتوں پر فائق ہے۔ سب لوگ زبان سے اس کے قائل ہیں اگر کوئی شخص دل میں یہ خیال کرے کہ اس چیز کا دیدار جو نہ جہت رکھتی ہو نہ رنگ وصورت کس طرح لذت بخش ہو سکتا ہے۔ یہ حقیقت اس کو معلوم نہیں ہے لیکن اس خوف سے کہ شریعت میں اس کا بیان آیا ہے وہ زبان سے اقرار کرتا ہے لیکن ایسے شخص کے دل میں اس کا ذوق وشوق پیدا نہیں ہوگا۔ وجہ یہ ہے کہ جو شخص کسی چیز کو جانتا ہی نہیں اس کا وہ کس طرح مشتاق ہوگا۔ اس راز پر تفصیلی طور پر کچھ لکھنا اس کتاب میں مشکل ہے۔ ہم صرف یہاں ایک اشارہ پر اکتفا کرتے ہیں۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ امر چار اصل پر موقوف ہے ایک یہ کہ معلوم کرے کہ خداوند تعالیٰ کا دیدار اس کی معرفت سے زیادہ خوشگوار ہے۔ دوسری اصل یہ کہ خدا کی معرفت غیر حق کی معرفت سے خوش تر ہے۔ تیسری اصل یہ کہ دل کو علم اور معرفت میں ایک راحت خاص حاصل ہوتی ہے۔ بغیر اس کے کہ آنکھ یا جسم کو اس میں داخل ہو۔ چوتھی اصل یہ کہ مسرّت جو دل کی خاصیت ہے ہر ایک خوشی سے جو تمام حواس کا حصہ ہے خوش تر اور بہتر ہے۔ پس جس نے ان باتوں کو سمجھ لیا اس کو یقیناً یہ معلوم ہوگا کہ دیدار الٰہی سے بڑھ کر کوئی اور چیز نہیں ہے۔

اصلِ اوّل

دل کی راحت معرفت میں ہے اور جسم کو اس لذت میں دخل نہیں ہے

معلوم ہونا چاہیئے کہ خداوند تعالیٰ نے انسان میں بہت سی قوتیں پیدا کی ہیں اور ہر قوت کو کسی نہ کسی کام کے لئے بنایا ہے ایسا کام جو اس کی طبیعت کے لئے متقاضی ہو کہ اس کی لذت اس کی طبیعت کے اقتضا ہی میں ہے۔ مثلاً قوت غضب کو غلبہ اور انتقام کے لئے پیدا کیا ہے۔ اس کی لذت اسی میں ہے (عفو و درگزر میں نہیں ہے) مباشرت کی لذت، غیظ وغضب کی قوت کے بالکل مختلف ہے اور قوتوں کے مابین بھی فرق ہے اسی طرح قوت سامعہ، قوت باصرہ اور دوسری قوتوں کا قیاس کرنا چاہیئے۔ ہر قوت ایک جداگانہ لذت رکھتی ہے۔ اور ہر لذت مختلف ہے۔ مثلاً جماع کی لذت غصہ کی لذت سے جداگانہ ہے۔ یہ تمام لذتیں قوتوں کے لحاظ سے مابین فرق رکھتی ہیں۔ بعض قوی تر ہیں اور بعض ضعیف ہیں مثلاً لذتِ بصر جو اچھی صورتوں کے دیکھنے سے پیدا ہوتی ہے ناک کی اس لذت سے جو خوشبوئی

سے حاصل ہوتی ہے قوی تر اور غالب تر ہے اسی طرح انسان کے دل میں بھی ایک قوت پیدا کی گئی ہے
جس کا نام عقل اور نور ہے اس کو ان چیزوں کی معرفت کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ جو حس اور خیال میں نہیں آتیں
یہی معرفت عقل کی طبیعت کی متقاضی ہے اور اس کی لذت اسی میں ہے۔ تاکہ انسان عقل سے معلوم کرے
یہ عالم پیدا ہوا ہے اس کو ہمیشہ ایک مدبر حکیم اور قادر کی ضرورت ہے اور وہ ایسے صانع کی صنعتوں اور مصنوعات
میں اس کی حکمت پہچانے۔ یہ باتیں حس اور خیال میں نہیں آتیں۔ اسی قوت سے نازک اور باریک علوم و فنون
کو انسان پہچانے اور ان کو اخذ و استنباط کرے جس طرح لغت وضع کرنا۔ دقیق علوم کا ایجاد کرنا۔ اس
کو ان تمام علوم سے حلاوت حاصل ہوتی ہے اور یہاں تک کہ اگر کسی معمولی چیز کی مہارت سے اس کی تعریف
کریں تو وہ خوش ہوتا ہے اگر اسکو ناواقف کہیں تو ناخوش ہوتا ہے کیونکہ علم کو وہ کمال سمجھتا ہے یہاں تک کہ اگر شطرنج
کی محفل میں بیٹھے اور اس کے ساتھ بہت سی شرطیں لگائی جائیں تو وہ اس علم خسیس کی خوشی اور لذت سے باغ باغ ہوتا
ہے۔ اور اس پر تفاخر کرتا ہے۔ علم خدا کی صفت ہے۔ انسان کو اس سے خوشی اور اس سے تفاخر کیوں نہ ہوگا۔
اس کمال سے اور بہتر کیا چیز ہوگی۔ اور کون سا کمال اس کمال سے جو خدا کی صفات سے حاصل ہوا اس کے نزدیک
افضل اور برتر ہوگا اس سے ظاہر ہوا کہ دل کو بہر طور معرفت سے لذت ملتی ہے بغیر اس بات کے کہ آنکھ اور جسم کو اس میں
کسی قسم کا دخل ہو۔

دوسری اصل

علم و معرفت کی لذت عام لذتوں سے زیادہ ہے

اے عزیز معلوم ہونا چاہیے کہ جب کوئی شخص شطرنج کھیلتا ہے اور اس
شغل میں سارا دن کھانا نہیں کھاتا اور اگر اس سے کھانا کھانے کو کہا جائے
تو بات نہیں مانتا اس سے معلوم ہوا کہ مات دینے اور غالب آنے میں جو
لذت میں زیادہ ہے اس بنا پر اس نے شطرنج کو کھانا کھانے سے بہتر خیال کیا! پس کسی لذت کی خوبی اس طرح
سے معلوم کی جاسکتی ہے۔ کہ جب کسی میں دو قوتیں جمع ہوں تو ان دونوں میں سے وہ کسی ایک کو ترجیح دے پس
جو شخص دانا اور ذی فہم ہوگا اس کو باطن کی قوتوں کی لذت زیادہ پسند آئے گی کیونکہ اگر کسی عاقل کو ہم یہ اختیار دیں کہ
وہ حلوہ اور مرغ بریاں کھائے یا ایسا کام کرے جس سے دشمن مغلوب ہو اور ریاست و سرداری حاصل ہو تو وہ ریاست
و سرداری کو اختیار کرے گا۔ اور اگر اس میں عقل کامل نہیں ہے جیسے لڑکا دیوانہ تو دوسری صورت ہے۔ اگر وہ
شخص جس میں کھانے کا بھی شوق ہو اور ریاست وجاہ کا بھی آرزو مند ہو تو وہ یقیناً ریاست وجاہ کی لذت کو

پسند کرے گا۔ اس بات سے پتہ چلتا ہے کہ علم و معرفت کی لذت دوسری لذتوں سے بہتر ہے۔ اسی طرح ایک عالم جو علم حساب و ہندسہ یا طب یا شریعت کا علم پڑھتا ہے تو اس کو اس علم میں ایک لذت حاصل ہوتی ہے اور جب وہ اس علم میں کمال کو پہونچ جائے گا۔ تو اس کی یہ لذت تمام لذتوں پر فائق ہوگی بلکہ وہ ریاست حکومت پر بھی اس کو ترجیح دے گا۔ اور اگر علم میں ناقص ہے اور اس علم کی لذتوں کو اچھی طرح حاصل نہیں کیا ہے تو یہ اور بات ہے۔

پس اس توضیح سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ تو علم و معرفت کی لذت دوسری سب لذتوں سے کہیں زیادہ ہے بشرطیکہ وہ علم و معرفت میں ناقص نہ ہو اور اس میں دونوں قوتیں یعنی قوت معرفت اور قوت شہوت دونوں پیدا کی گئی ہوں۔ اگر کوئی کمسن بچہ گلی ڈنڈے (گوے باری) یا گیند اچھالنے کی لذت کو مباشرت یا ریاست کی لذت پر مقدم کرے گا۔ تو یہ اس کی نادانی اور کوتاہی عقل و دانش ہے کیونکہ وہ مباشرت اور ریاست کا مزہ ہی نہیں جانتا۔ اس دلیل سے کہ جب دونوں شہوتیں جمع ہوں تو ایک کو مقدم کرے۔

تیسری اصل

یہ کہ حق تعالیٰ کی معرفت تمام معرفتوں سے بہتر ہے۔ جب یہ معلوم ہوا کہ علم و معرفت بہترین ہیں اور اس میں شک نہیں کہ ایک علم دوسرے علم سے بہتر ہے۔ یہ مسلّمہ ہے کہ جس قدر معلوم اعلیٰ اور شریف ہوگا۔ اس کا علم بھی اعلیٰ اور خوب تر ہوگا۔ ظاہر ہے کہ شطرنج وضع کرنے کا علم شطرنج کھیلنے سے بہتر ہے اور ملک رانی کا علم زراعت و خیاطی کے علم سے بہتر ہے اسی طرح حقائق شریعت اور اس کے اسرار کا علم علم نجوم اور لغت سے اور وزیر کے لئے وزارت کے اسرار کا جاننا، بازاروں کے اسرار سے اور بادشاہوں کے اسرار سے آگاہی وزیر کے اسرار کے جاننے سے بہتر ہے اور برتر ہے۔ پس ثابت ہوا کہ معلوم جس قدر شریف تر ہوگا۔ اس کا علم بھی شریف تر اور لذیز تر ہوگا۔ اب غور کرنا چاہیئے کہ خداوند عالم سے جو ہر طرح کے کمال اور جمال کا خالق ہے دنیا میں کوئی چیز شریف تر اور بزرگ تر نہیں ہے۔ نہ کسی بادشاہ کی تدبیر اپنی بادشاہت میں آسمان و زمین کی بادشاہت اور دنیا و آخرت کے کاموں میں تدبیر اپنی بادشاہت نہیں ہے اور کوئی دربار اس کے دربار سے کامل تر اور خوب تر نہیں ہے۔ اگر کسی کو حضرت الٰہی کے نظارہ کرنے کی آنکھ میسر ہے اور وہ اس کی مملکت کے اسرار کو اس دنیا کی مملکت کے اسرار سے بہتر اور پسندیدہ سمجھتا ہے وہ کس طرح اس کے حضور کا نظارہ چھوڑ کر دوسری چیز کا نظارہ کرے گا۔

پس ان باتوں سے معلوم ہوا کہ خداوند تعالیٰ کی ذات و صفات، اس کی بادشاہت اور اسرار خداوندی کی معرفت تمام معرفتوں سے بہتر ہے کیونکہ یہ معلوم شریف تر معلوم ہے بلکہ شریف تر کہنا ہی غلطی ہے کیونکہ دوسری چیز کو اس کے مقابلہ میں لا کر دیکھا جائے۔ تو اس مقابل کی چیز کو شریف ہی نہیں کہا جا سکتا۔ پس شریف تر کہنے

کی گنجائش کہاں پیدا ہو سکتی ہے۔ پس دنیا میں عارف ایسی بہشت میں رہتا ہے جس کی صفت یہ ہے عرضہا کعرض السماء والارض (اس کی وسعت زمین اور آسمان کی وسعتوں سے زیادہ ہے) بلکہ اس کی وسعت اس سے بھی زیادہ ہے کیونکہ زمین اور آسمان کی وسعت کی حد مقرر ہے اور میدان معرفت کا کوئی اور چھور نہیں ہے۔ وہ باغ جو عارف کی تماشہ گاہ ہے نہیں نہیں ہے نہ اس باغ کے میووں کی خوشہ چینی سے کوئی منع کر سکتا ہے اور نہ اس کے میوے سڑنے گلنے لگتے ہیں بلکہ ہمیشہ میسر آتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد ہے قطوفہا دانیۃ (جھکے خوشے جھکے ہوئے) کیونکہ جو چیز عارف کے دل میں ہو اس سے زیادہ نزدیک اور کیا چیز ہو سکتی ہے اس بہشت میں کینہ و حسد کا دخل نہیں ہے اور نہ مزاحمت و ممانعت ہے کیونکہ جتنا زیادہ عارف ہوگا۔ اتنی ہی النسبت اس کو حاصل ہوگی اور یہ بہشت معرفت الٰہی کی بہشت ہے کہ رہنے والوں کی کثرت سے تنگ نہیں ہوتی بلکہ وسعت اور بڑھتی ہے۔

نظر کی لذت معرفت کی لذت سے زیادہ ہے

دو قسم کا علم

معلوم ہونا چاہیئے کہ علم دو قسم کا ہے ایک وہ ہے جو صرف خیال میں آئے جیسے رنگ اور شکل اور دوسرا وہ ہے جو عقل میں آئے اور خیال میں نہ آئے جیسے حق تعالیٰ اور اس کی صفات بلکہ تمہاری بعض صفات بھی خیال میں نہیں آتیں جیسے قدرت، ارادہ اور حیات کیونکہ اس میں چگونگی (کیفیت) نہیں ہے غصہ، عشق، شہوت، درد، راحت بھی چگونگی (کیفیت) نہیں رکھتی ہیں لیکن عقل ان سب کو معلوم کرتی ہے، جو چیز خیال میں آتی ہے انسان ان کا ادراک دو طرح سے ہوتا ہے ایک یہ کہ وہ خیال کے روبرو ہے گویا اس کو دیکھ رہا ہے۔ اور یہ ناقص ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ نظر آئے اور یہ اول سے کامل تر ہے یہی وجہ ہے کہ دیدار محبوب کی لذت دید اس کے خیال کی لذت سے زیادہ ہے۔ اس کا سبب یہ نہیں ہے کہ دیدار میں صورت سامنے ہے اور خیال میں کچھ اور بلکہ صورت تو ایک ہی ہے پر وہ دیدار میں واضح تر ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ اگر تم اپنے محبوب کو دن چڑھے دیکھو تو اس دیدار کی لذت طلوع آفتاب کے وقت دیکھنے سے زیادہ ہوگی اس کا سبب یہ نہیں ہے کہ صورت متغیر ہو گئی ہے بلکہ اس وجہ سے ہے کہ روشن تر ہوگی۔ اس طرح جو

چیز خیال میں نہیں آتی اور عقل اس کا ادراک کرتی ہے۔ اس کی بھی دو قسمیں ہیں ایک معرفت ہے۔ اس کے سوا ایک اور درجہ ہے جس کو رویت اور مشاہدہ کہتے ہیں اور کمال انکشاف ہیں معرفت ہے۔ اس کے سوا ایک اور درجہ ہے۔ جس کو رویت اور مشاہدہ کہتے ہیں اور کمال انکشاف ہیں معرفت کے ساتھ اس کی نسبت خیال کے ساتھ دیدار کی نسبت ہے اور جس طرح پلک کا بند کرنا آنکھ کا تو پردہ ہے لیکن خیال کا پردہ نہیں ہے۔ جب تک یہ حجاب دور نہ ہوگا۔ (حجاب مژگاں) نہیں اٹھے گا۔ دیدار حاصل نہیں ہوگا۔ اسی طرح انسان کا تعلق اس جسم کے ساتھ ہے جس کا تعمیر آب و گل سے ہوئی ہے۔ پس اس کی مشغولیت دنیاوی شہوات میں مشاہدہ کے لئے حجاب ہیں معرفت کے لئے نہیں۔ جب تک یہ علاقہ باقی ہے مشاہدہ ممکن نہیں ہے۔ اسی بنا پر خداوند تعالی نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا۔ لن ترانی جب یہ مشاہدہ کامل تر اور روشن تر ہو ضروری ہے۔ کہ اس کی لذت بیشتر ہوگی۔ جس طرح خیال کی بہ نسبت دیدار میں زیادہ لذت ملتی ہے۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ یہی معرفت کل قیامت کے دن ایک اور صفت حاصل کرے گی۔ جس کو پہلی معرفت سے کچھ نسبت نہ ہوگی۔ جس طرح نطفہ حقیقت میں آدمی ہوتا ہے اسی طرح مشاہدہ اور دیدار ہے۔ دیدار کمال ادراک سے پیدا ہوتا ہے۔ اور مشاہدہ اس ادراک کا کمال ہے۔ اسی واسطے مشاہدہ کے لئے جہت ضروری نہیں ہے پس دیدار کا تخم معرفت ہے اور جس کا یہ معرفت حاصل نہیں وہ ابدالآباد تک اس سے محروم رہے گا۔ کیونکہ جس شخص کے پاس بیج ہی نہیں وہ زراعت کیا کر سکتا ہے اسی طرح جو بڑا اور عظیم عارف ہوگا اس کا دیکھنا بھی کامل تر ہوگا۔ یہ خیال مت کرو کہ دیدار اور لذت دیدار میں سب لوگ یکساں ہیں بلکہ ہر ایک کے لئے دیدار اس کی معرفت کے مطابق ہوگا۔ حدیث شریف میں جو یہ آیا ہے ان اللہ یتجلیٰ للناس عامۃ ولابی بکر خاصۃ کے یہی معنی ہیں۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، خداوند تعالی کو اکیلے دیکھیں گے اور دوسرے لوگ باہم مل کر دیکھیں گے بلکہ معنی یہ ہیں کہ جو دیدار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، کو نصیب ہوگا۔ دوسروں کو نصیب نہ ہوگا وہ دیدار ان ہی سے مخصوص ہے کہ اس خصوصیت کا سبب کمالِ معرفت ہے جس سے دوسرے لوگ محروم ہیں۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

"ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) کی فضیلت تمام اصحاب پر
نماز و روزہ کے باعث نہیں ہے بلکہ ایک راز کے سبب
سے ہے جو ان کے دل میں قرار پائے ہوئے ہے"

اس ارشاد میں اس معرفت کی طرف اشارہ ہے جو دیدار الہی کا سبب ہوگی اور علے الخصوص حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو میسر آئے گی۔

پس باوجود اس کے کہ حق تعالیٰ کی ذات ایک ہے اس کا دیدار خلائق کی نسبت سے مختلف ہے جیسا کہ مختلف آئینوں میں ایک صورت سے کتنی مختلف صورتیں چھوٹی، بڑی، تاریک اور روشن، ٹیڑھی اور سیدھی نظر آتی ہیں بعض کا ٹیڑھا پن تو اس قدر ہوتا ہے کہ بھلی صورت بھی بُری معلوم ہوتی ہے۔ مثلاً ایک اچھی تلوار کو عرض میں آئینہ کے سامنے رکھ دیا جائے تو باوجود اچھی ہونے کے وہ آئینہ میں بری نظر آئے گی۔ پس جو کوئی اپنے دل کا آئینہ اس صورت میں لے جائے گا کہ وہ سیاہ ہو یا اس میں کجی ہو تو جو بات دوسروں کے لئے باعث راحت ہوگی وہ بعینہٖ اس کے لئے موجب رنج و ملال ہوگی لہٰذا یہ خیال مت کرو کہ وہ لذت جو دیدار الٰہی سے پیغمبروں کو حاصل ہوگی دوسروں کو حاصل ہوگی یا جو لذت علماء پائیں گے وہ عوام بھی حاصل کریں گے اور جو لذت پرہیزگار اور محبت کرنے والے عالموں کو میّسر ہوگی وہی دوسرے عالموں کو ہوگی۔

ایک ایسا عارف ہے جو خداوند تعالیٰ کی محبت میں مستغرق ہے ایک دوسرا عارف ہے جو محبت میں مستغرق نہیں ہے ان دونوں ایک ہی ذات کا مشاہدہ کریں گے کیونکہ دیدار کا تخم معرفت ہے اور معرفت میں یہ دونوں برابر ہیں۔ ان دونوں عارفوں کی مثال اس شخص کی سی ہوگی جن کی نظر محبوب کے دیکھنے میں یکساں ہے۔ لیکن ان میں سے ایک زیادہ صاحب عشق ہوگا تو اس صورت میں یقیناً عاشق کی لذت زیادہ ہوگی اور اگر ایک ان میں سے زیادہ صاحب عشق ہوگا تو اس کی لذت بھی دوسرے کے مقابلے میں زیادہ ہوگی پس جب تک معرفت الٰہی کے ساتھ محبت شریک نہ ہو پوری سعادت کا حصول اس سے نہیں ہوگا۔ جب انسان کے دل میں سے دنیا کی محبت رفع ہو جاتی ہے تو خدا کی محبت بڑھ جاتی ہے اور یہ امر زہد و تقویٰ پر منحصر ہے پس اس عارف کو پوری لذت حاصل ہوتی ہے جو زاہد اور محب ہو۔

فصل :-

شاید اس مقام پر تم کہو کہ اگر دیدار کی لذت معرفت، معرفت کی لذت کی جنس سے نہیں ہے۔ تو وہ کوئی لذت نہیں۔ یہ اشکال یوں سامنے آئی کہ تم کو لذت معرفت کی خبر نہیں ہے بلکہ اس سلسلہ میں شاید چند باتوں کو کسی کتاب سے پڑھ کر یاد کر لیا ہے یا کسی سے سن کر سیکھ لیا ہے اور اس کا نام معرفت رکھ لیا ہے تو واقعی اس سے کبھی لذت نہیں پاؤ گے۔ اگر کوئی شخص ساگ بھاجی کا نام حلوائے بادام رکھ لے اور اس کو کھائے تو اس سے مٹھائی کا ذائقہ کب حاصل ہو سکتا ہے۔ لیکن جس کو بہشت دی جائے تو وہ اس معرفت کو اس بہشت سے زیادہ دوست رکھتا ہے۔

اگرچہ معرفت کی لذت ایک بڑی لذت ہے لیکن آخرت کے دیدار کی لذت کے مقابل میں کچھ بھی نہیں ہے اس بات کو ایک مثال کے ذریعہ سمجھنا چاہیئے ایک عاشق کو فرض کرو کہ صبح کے وقت جو ابھی خوب

نمودار نہیں ہوتی ہے (اور وہ ایسے حال میں ہے کہ اس کا عشق ضعیف اور شوق ناقص ہے۔ اور اس کے کپڑے میں بھڑیں اور بچھو ہیں جو اس کو کاٹ رہے ہیں اور اس کے سوا اس کے دوسرے کاموں میں مشغول ہے اور اس کو ہر چیز کا ڈر ہے) وہ اپنے محبوب کو دیکھتا ہے تو اس صورت میں کوئی شک نہیں ہے۔ کہ اس کی لذت ضعیف ہوگی اگر آفتاب یکایک نکل آئے اور بہت روشن ہو اور اس کا عشق اور شوق بھی غالب ہو کچھ دنیوی مشاغل اور خوف اس کے دل میں نہ ہو۔ زنبور اور کژدم کی اذیت سے بھی وہ چھوٹ گیا ہو تو اس حال میں دیدار یار میں وہ بڑی لذت پائے گا جس کے آگے پہلے لذت کو کوئی نسبت نہیں ہے۔

عارف کا حال

عارف کا حال بھی دنیا میں اسی طرح پر ہے۔ اندھیرا ضعیف معرفت کی مثال ہے اور اس جہاں میں وہ پردہ کے پیچھے سے دیکھتا ہے۔ اور انسان کو نقصان ضعیف عشق کی وجہ سے ہوا ہے کہ جب تک وہ دنیا میں رہتا ہے ناقص ہے اور اس کا عشق درجۂ کمال کو نہیں پہنچتا اور زنبور و کژدم، شہوت و غم و غصہ اور دوسرے رنج و ملال کی مثال ہیں کیونکہ ان سب سے لذت معرفت میں کمی واقع ہوتی ہے۔ مشاغل اور خوف معاش اور کسب روزی کی مثالیں ہیں۔ یہ سب باتیں موت سے ختم ہو جاتی ہیں۔ شوق اور عشق دیدار کامل ہو جاتا ہے۔ اور ہر ایک بات جو اب تک مخفی تھی آشکار ہو جاتی ہے۔ غم، فکر اور دنیاوی شغل باقی نہیں رہتا اس وجہ سے وہ لذت کامل ہوتی ہے۔ اگرچہ بقدر مقدار معرفت ہوگی۔ مثلاً وہ لذت جو ایک بھوکا شخص کھانے کی بو سے پاتا ہے اس لذت سے جو کھانا کھانے سے حاصل ہوتی ہے کوئی نسبت نہیں رکھتی ہے۔

شاید تم کہو کہ معرفت کا تعلق دل سے ہے اور دیدار آنکھ سے متعلق ہے تو پھر دیدار کی لذت کس طرح زیادہ ہوگی۔ اے عزیز معلوم ہونا چاہیے کہ دیدار کو دیدار اس لئے کہتے ہیں کہ وہ بصر سے نکل کر دل میں جاگزیں ہو جاتا ہے۔ اس لئے نہیں کہ وہ آنکھ میں ہے اگر دیدار کو پیشانی میں ہی پیدا کیا جاتا تب بھی اس کا نام دیدار ہی ہوتا پس دیدار کو آنکھ کی قید سے مقید کرنا بیکار سی بات ہے بلکہ جب دیدار کا لفظ شریعت میں وارد ہوا ہے۔ اور وہ چشم ظاہر سے ہوتا ہے تو یہ اعتقاد کرنا چاہیئے کہ دیدار آخرت میں چشم کو دخل ہے۔ اور یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ آخرت کی آنکھ دنیا کی آنکھ کے مانند نہ ہوگی کیونکہ دنیاوی آنکھ بغیر جہت (طرف) کے دیکھ نہیں سکتی اور آخرت کی آنکھ بغیر جہت کے دیکھے گی ایک عامی کو اس سے زیادہ بحث و تکرار اس میں نہیں کرنا چاہیئے اس فہم قاصر سے۔ سنجاری ایک بوزنہ نہیں کر سکتا بلکہ جس شخص نے برسوں تک علم الکلام پڑھا ہے وہ بھی اس مقدمہ میں عامی کی طرح ہے کیونکہ علم کلام کا عالم عامی کے اعتقاد کا نگہبان ہوتا ہے یعنی عامی نے جو کچھ اعتقاد کیا متکلم اس کو اپنے کلام سے دیکھتا ہے اور بدعتی کے فساد سے اس کو محفوظ رکھتا ہے اور اس کے رد کا طریقہ علم جدل میں مبتلا

ہے لیکن معرفت فی الحقیقت کچھ اور چیز ہے اور اہلِ معرفت اور لوگ ہیں چونکہ یہ نکتہ اس کتاب کے لائق نہیں ہے لہذا سکوت بہتر ہے۔

ہاں تم یہ اعتراض کرو گے کہ ایسی لذت جس سے جنت کی لذت کو بھول جائیں میری عقل میں نہیں آتی اگرچہ اس سلسلہ میں علمائے نے بہت کچھ کہا ہے اور اسکی تدبیر بتلائی ہے کہ اگر بالغرض محال وہ لذت حاصل نہ ہو تب بھی ہم اس پر ایمان لاسکیں معلوم ہونا چاہیئے کہ اس کی تدبیر ان چار چیزوں سے ہے ایک یہ کہ وہ باتیں جو ہم نے اوپر ذکر کی ہیں ان میں بہت زیادہ غور وخوض کیا جائے تاکہ مطلب خوب اچھی طرح واضح ہو جائے کیونکہ جو بات ایکبار سنی جاتی ہے دل میں اثر نہیں کرتی ہے۔ دوسری بات یہ کہ معلوم کرے کہ انسان کی سرشت اس طرح نہیں ہوئی ہے کہ لذت وشہوت کی صفت اس میں یکبارگی پائی جائے کیونکہ بچہ کھانے کی لذت کے سوا اور کچھ نہیں جانتا۔ جب سات برس کا ہوتا ہے تو کھیل کا شوق اس کے دل میں پیدا ہوتا ہے۔ کہ کھانا چھوڑ کے کھیل میں سرگرم رہتا ہے اور جب دس برس کا ہوتا ہے تو آرائش اور اچھی پوشاک کا شوق اس کے اندر اتنا پیدا ہوتا ہے کہ اس کی تمنا میں کھیل اور بازی سے بھی دستبردار ہو جاتا ہے اور جب پندرہ سال کا ہوتا ہے تو عورت کی خواہش اور لذت اس کی دل میں پیدا ہوتی ہے یہاں تک کہ اس کے شوق میں وہ سب کچھ نثار کر دیتا ہے اور جب اس کی عمر بیس سال کی ہوتی ہے تو ریاست اور حکمرانی کا شوق، تفاخر اور مال وجاہ کی تمنا اس کے دل میں پیدا ہوتی ہے۔ دنیا کی تمام لذتوں میں اس لذت کا آخری درجہ ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے:۔

انما الحیٰوۃ الدنیا لعب ولھو وزینۃ وتفاخر بینکم وتکاثر فی الاموال والاولاد ہ

پھر اس سے آگے بڑھ کر دنیا کی محبت نے اس کے باطن کو بالکل تباہ وبرباد نہیں کیا ہے اور دلکو اپنا گرفتار نہیں بنایا ہے تو خالق عالم کی معرفت اور ملک وملکوت کے اسرار سے آگہی کا شوق اس کے دل میں آپ پیدا ہوتا ہے (اور جیسا کہ ان لذتوں میں سے ہر ایک لذت دوسری لذت کے مقابل میں ہیچ ہے اس طرح) تو مال وجاہ کی لذت بھی اس معرفت کے سامنے ہیچ وبے قدر نظر آئے گی۔ اور بہشت کی لذت بھی ایسی ہی ہے۔ کہ اس میں پیٹ، فرج اور آنکھ کا حظ ہے کہ وہ چمن (بہشت) کی سیر کرتا ہے۔ مزید ار کھانے کھاتا ہے۔ سبزہ لب آب رواں سے اور زرنگاہ حوریں ہیں اور یہ وہ لذت ہے کہ اس جہان میں سرداری اور حکومت کی لذت اس کے مقابل میں ہیچ ہے اور حقیر نظر آتی ہے۔ پھر معرفت کی لذت کے آگے یہ کیوں کر ناچیز اور حقیر نہ ہوگی۔ دیکھو راہب صومعہ کو اپنے اوپر ایک قیدخانہ بنالیتا ہے ہر روز اس کی خوراک صرف ایک نوالہ ہوتی ہے تاکہ وہ مخلوق میں قبولیت کا درجہ حاصل کرے اس طرح اس نے جاہ وقبولیت کی لذت کو بہشت سے عزیز تر جانا کیونکہ وہ بہشت کی لذت کو شکم وفرج اور آنکھ کی لذت سمجھتا ہے۔ بس اس طرح جاہ کی لذت

بھی جس کے سامنے اور دوسرے تمام مزے دار لذتیں ہیچ ہیں معرفت کی لذت کے آگے ہیچ ہو گی اور تم اس بات کے قائل ہوں گے کیونکہ تم لذت جاہ تک پہونچ چکے ہیں لیکن ایک بچہ جو ابھی لذت جاہ کے مزہ سے واقف نہیں ہے ان باتوں کا قائل نہ ہو گا۔ اگر تم چاہو کہ تم کو ریاست اور جاہ کی لذت کے بارے میں کچھ بتائے تو دشوار ہے بالکل اسی طرح عارف ہے۔ تم نابینا کو عرفان کے بارے میں سمجھانے سے قاصر ہو لیکن اگر تم کچھ عقل و دانش سے کام لو اور غور کرو تو یہ بات تم پر ظاہر ہو جائے گی (عرفاں شناس بن سکتے ہو)

تیسری تدبیر یا تیسرا علاج یہ ہے کہ تم عارفوں کا حال مشاہدہ کیا کرو اور ان کی باتیں سنا کرو کیونکہ مخنث اور نامرد اگرچہ شہوت جماع اور اس کی لذت سے بے خبر ہے لیکن جب وہ مردوں کو دیکھیں گے کہ وہ اپنا سرمایہ اس کی طلب میں خرچ کرتے ہیں تو یقیناً ان کو معلوم ہو گا کہ انہیں ایک ایسی شہوت اور لذت حاصل ہے جو ہم کو حاصل نہیں ہے۔ حضرت رابعہ بصریہؒ جو ایک پارسا خاتون تھیں لوگ انکے سامنے بہشت کا ذکر کرنے لگے تو انھوں نے کہا کہ الجار ثم الدار یعنی صاحب زمانہ کو دیکھو پھر گھر کو دیکھو۔ شیخ ابو سلیمان دارانیؒ نے فرمایا ہے کہ بہت تھوڑے بندے ایسے ہیں جن کو دوزخ کا ڈر ہو سکتا ہے حضرت معروف کرخیؒ سے کسی شخص نے دریافت کیا کہ وہ چیز جس نے آپ کو خلق اور دنیا سے بیزار کر کے عبادت و خلوت میں مشغول کیا ہے کیا وہ موت کا ڈر ہے؟ یا دوزخ کا خوف یا بہشت کی لبید۔ انہوں نے جواب دیا کہ اگر تجھ کو اس بادشاہ کی دوستی حاصل ہو جائے جس کے دست قدرت میں یہ تمام چیزیں ہیں تو پھر ان چیزوں کا کیا حساب؟ تو ان سب کو بھول جائے گا، اور اگر تجھے اس کی معرفت اور دوستی حاصل ہو جائے تو تجھے ان تمام چیزوں سے شرم و عار ہو گی۔

حضرت بشر حافیؒ کو کسی شخص نے خواب میں دیکھا تو ان سے پوچھا کہ ابو نصر تمارؒ اور عبد الوہاب وراق کا کیا حال ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ابھی ابھی ان کو میں نے بہشت میں دیکھا ہے کہ وہ کھانا کھا رہے تھے۔ اس شخص نے پھر پوچھا کہ اور آپ کا کیا حال ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ مجھے کھانے پینے کی رغبت نہیں ہے الحمدللہ اس نے مجھے اپنے دولت دیدار سے نوازا ہے۔ شیخ علی بن موفق نے کہا ہے کہ میں نے خواب میں بہشت کی سیر کی وہاں بہت سے لوگ کھانا کھا رہے تھے اور فرشتے وہ لذیذ کھانے ان کے سامنے رکھ رہے تھے لیکن ایک شخص کو میں نے دیکھا کہ بارگاہ الٰہی میں اس کی آنکھیں سر سے گری ہوئی ہیں اور وہ مدہوش شخص کی طرح دیکھ رہا ہے۔ میں نے ایک فرشتہ سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ اس نے جواب دیا۔ کہ شیخ معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو دوزخ کے ڈر اور بہشت کی امید پر عبادت نہیں کرتے تھے۔ اس لئے اب ان کو دولت دیدار سے سرفراز کیا گیا ہے۔

شیخ ابو سلیمان دارانیؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص آج اپنے کام میں مشغول ہے کل بھی اسی کام میں مشغول رہے گا اور جو آج خدا کی یاد میں سرگرم ہے کل اس کا یہی حال ہوگا۔ (اسی حال میں ہوگا) اور شیخ یحییٰ بن معاذ رازی نے فرمایا ہے کہ میں نے ایک رات بایزید بسطامی کو دیکھا کہ وہ عشاء سے صبح تک پاؤں کی انگلیوں پر ایڑیاں اٹھائے ہوئے بیٹھے رہے ان کی آنکھیں تنی ہوئی اور حیران و مبہوت شخص کا سا حال بنا ہوا تھا آخر کار ایک سجدہ کر کے بہت دیر تک کھڑے رہے پھر سر اٹھا کر کہا کہ بار الہا۔ ایک جماعت نے تجھ کو طلب کیا تو نے ان کو کرامتیں عطا کیں یہاں تک کہ وہ پانی پر چلے اور ہوا میں اڑے ہیں ان باتوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں ایک قوم کو تو نے زمین کے خزانے عطا فرما دیے اور دوسروں کو یہ قوت دی کہ ایک رات میں انھوں نے طویل مسافت طے کر لی اور وہ اس سے راضی ہوئے لیکن میں ان چیزوں سے بھی تیری پناہ مانگتا ہوں۔ اس کے بعد بایزید بسطامیؒ نے پلٹ کر دیکھا اور مجھے دیکھا تو فرمایا اے یحییٰ، کیا تم یہاں موجود ہو؟ میں نے جواب دیا ہاں! انہوں نے دریافت کیا کہ تم یہاں کتنی دیر سے ہو۔ میں نے عرض کیا کہ میں بہت دیر سے ہوں۔ پھر میں نے ان سے کہا کہ مجھے بھی اس احوال سے کچھ آگاہ کیجئے۔ انہوں نے کہا کہ تم کو جو باتیں سنانے کے لائق ہیں وہ تم سے کہتا ہوں! سنو! مجھے عالم ملکوت اعلیٰ اور ملکوت سفلی: تمام سموات اور سب بہشتوں کی سیر کرائی گئی۔ پھر خداوند تعالیٰ نے فرمایا ان چیزوں میں سے تم جو چاہتے ہو وہ مانگو۔ میں تم کو دوں گا میں نے کہا الٰہی مجھے کچھ درکار نہیں تب حق تعالیٰ نے فرمایا تو میرا سچا خاص بندہ ہے۔

شیخ ابو تراب بخشی کا ایک خاص مرید اپنے شغل میں مصروف و مستغرق رہتا تھا ایک دن شیخ ابو تراب نے اس سے کہا کہ تمہارے لئے مناسب ہے کہ تم شیخ بایزیدؒ کو دیکھو۔ مرید نے کہا کہ میں بایزیدؒ سے بے نیاز ہوں! ابو تراب نے اپنے مرید سے کئی بار یہی کہا تب مرید نے کہا کہ میں بایزیدؒ کو دیکھ کر کیا کروں؟ میں تو خدائے بایزید کو دیکھ رہا ہوں۔ ابو تراب بخشیؒ نے فرمایا کہ ایک بار بایزید کو تیرا دیکھنا خدا کو ستر بار دیکھنے سے افضل ہے۔ یہ سن کر وہ مرید بہت حیران ہوا اور کہا کہ یہ کیا بات ہے۔ مرشد نے کہا کہ اے نادان تو خدا کو صرف اپنے حوصلہ کے مطابق اپنے نزدیک دیکھتا ہے اور بایزید کو خداوند تعالیٰ کے نزدیک اس کے مرتبہ کے مطابق دیکھے گا۔ مرید اس نازک بات کو سمجھ گیا اور کہا کہ چلئے! ابو تراب بخشی فرماتے ہیں کہ ہم دونوں بایزید کے پاس گئے اس وقت وہ صحرا نشین تھے۔ جب بایزید میرے مرید کے سامنے اُلٹی پوستین پہنے ہوئے باہر نکلے تو مرید نے ان کو دیکھ کر ایک نعرہ مارا اور گر کر مر گیا۔ میں نے بایزید سے کہا کہ اے شیخ کیا آپ کو ایک نظر دیکھنے سے کوئی شخص واجب المقتل ہو جاتا ہے۔ انہوں نے کہا ایسا نہیں ہو تمہارا وہ مرید صادق تھا اور اس میں ایک راز تھا جو اس کی قوت و طاقت سے آشکارا نہیں ہوتا تھا۔ لیکن جب اس نے مجھ کو دیکھا تو

وہ راز اس پر ظاہر ہو گیا اور اپنے ضعف کے باعث وہ اس کو برداشت نہ کر سکا اور بے تاب ہو کر مر گیا۔ پھر بایزید نے مجھ سے فرمایا کہ اے ابو تراب! اگر تم کو خلّت ابراہیمی، مناجات موسوی اور روحانیت عیسوی تب بھی اس سے روگرداں نہ ہو کیونکہ ان کے سوا بھی دوسرے معاملات ہیں۔

بایزید بسطامی کا ایک دوست تھا بہت پاک باطن اور صاف دل! ایک دن اس نے بایزید سے کہا کہ میں تیس برس سے رات کو نماز پڑھتا ہوں اور دن کو روزہ رکھتا ہوں اور ان احوال سے جو آپ کہتے ہیں مجھ پر کوئی حال بھی ظاہر نہیں ہوا اس کا کیا سبب ہے؟

خودی کی شکست

بایزید بسطامی نے جواب دیا کہ تم اپنی خودی کے سبب سے محجوب ہو۔ مرید نے کہا کہ پھر اس کا کوئی علاج بھی ہے۔ شیخ نے کہا کہ ہے لیکن تم اس کو کر نہیں سکو گے۔ اس دوست نے کہا کہ آپ فرماتے ہیں میں علاج کروں گا انہوں نے کہا نہیں! تم نہیں کر سکو گے اس دوست نے کہا کہ آپ فرماتے ہیں میں علاج کروں گا۔ شیخ نے کہا کہ تم ابھی حجام کے پاس جا کر داڑھی منڈاؤ اور تن پر سوائے ایک لنگ کے اور کچھ باقی نہ رکھو (تمام کپڑے اتار دو) ایک توبڑے میں اخروٹ بھر کر گردن میں لٹکا لو اس کے بعد بازار میں نکلو اور آواز لگاؤ جو کوئی میرے ایک دھپ (گردن پر مکا) لگائے گا اس کے میں ایک اخروٹ دوں گا اس کے بعد قاضی شہر اور اہل شریعت کے پاس جاؤ۔

یہ سن کر اس مرید نے کہا کہ اے سبحان اللہ! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ بایزید نے کہا کہ اس طرح سبحان اللہ کہنے سے تو تم مشرک ہو گئے کیونکہ تم نے یہ اپنی عزت و تعظیم کی رو سے کہا ہے۔ اس مرید نے کہا کہ آپ کوئی اور علاج بتلائیے یہ تو مجھ سے نہیں ہو سکتا۔ بایزید نے کہا کہ یہ تو پہلا نسخہ (علاج) تھا۔ میں نے کہا تھا نا! کہ تجھ سے اس کا علاج نہیں ہو سکے گا۔ بایزید نے اس مرید کے لئے جو یہ علاج تجویز کیا شاید اس کا سبب یہ ہو کہ اس شخص میں جُست وجاہ اور تکبر کی صفت موجود تھی تو اس بیماری کا علاج یہی ہے "حدیث شریف میں آیا ہے کہ عیسٰی علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی کہ جب میں بندہ کے دل پر نظر کرتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ وہ دنیا کا طالب ہے اور نہ آخرت پر اس کی نظر ہے بلکہ صرف میری دوستی وہاں موجود ہے تو میں اس کا حافظ و نگہبان بن جاتا ہوں۔"

حضرت ابراہیم ادہم نے مناجات کی بار الہا! تو جانتا ہے کہ تو نے جو محبت مجھے بخشی ہے۔ اور وہ انسیت جو تو نے مجھے عطا کی ہے۔ اس کے مقابل بہشت میری نظر میں پشہ کے برابر بھی نہیں ہے۔ بی بی رابعہ بصریؒ سے لوگوں نے دریافت کیا کہ آپ کو رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دوستی کتنی حاصل ہے۔ انہوں نے کہا کہ تم نے یہ بڑا مشکل سوال کیا ہے۔ پھر اس کا جواب یہ ہے کہ!۔ مجھے خدا کی دوستی مخلوق کی دوستی سے باز رکھتی ہے۔

لوگوں نے حضرت عیسٰی علیہ السلام سے دریافت کیا کہ کون سا عمل تمام اعمال سے افضل ہے حضرت

عیسٰی علیہ السلام نے فرمایا "خدا کی دوستی اور اس کے حکم پر راضی رہنا" الغرض اس قسم کے اخبار و حکایات بے شمار ہیں۔ تم عارفوں کے احوال سے اس کا اندازہ لگا سکتے ہو کہ خدا کی دوستی اور معرفت کی لذت ان کی نظر میں جنت سے بہتر ہے۔ تم اس پر غور کرو۔

فصل

معرفت الٰہی کی پوشیدگی کا سبب

اے عزیز! معلوم ہونا چاہیئے کہ کسی چیز کے معلوم ہونے کے دو سبب ہوتے ہیں ایک یہ کہ وہ چیز اس طرح پوشیدہ ہو کہ ظاہر نہ ہو سکے۔ دوسرے یہ کہ اس قدر ظاہر ہو کہ آنکھ اس کو دیکھ نہ سکے۔ یہی وجہ ہے کہ چمگادڑ رات کے وقت دیکھتی ہے دن کو نہیں دیکھ سکتی۔ اس کا سبب یہ نہیں ہے۔ کہ رات کے وقت اشیاء ظاہر ہوتی ہیں (اور دن میں نہیں) بلکہ اشیاء دن میں بہت ظاہر ہوتی ہیں اور اس کی آنکھ کمزور ہے۔ پس اس کمال ظہور کی بنا پر وہ چیزیں اس کو نظر نہیں آتیں۔ اسی طرح خداوند تعالیٰ کی معرفت کمال درجہ روشن ہے اور دلوں کو اس کے معرفت کی قوت نہیں اس لئے وہ ان کے لئے دشوار بن گئی۔ خداوند تعالیٰ کا ظہور اس مثال پر قیاس کرو کہ اگر تم لکھا ہوا خط یا سیا ہوا کپڑا دیکھو تو اس وقت تمہاری نظر میں کوئی چیز کاتب اور درزی کی قوت علم، حیات اور اس کے ارادہ سے زیادہ روشن تر تم کو نظر نہیں آئے گی (تم فوراً ان صفات کو جان لو گے) کیونکہ اس کا یہ فعل ان صفات کا مظہر ہے۔ اور البسار وشن کہ علم یقینی ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر خداوند تعالیٰ دنیا میں صرف ایک پرندہ پیدا فرماتا یا کوئی نبات اگاتا اور اس سے زیادہ پیدا نہ فرماتا جب بھی جو شخص اس کو دیکھتا اس کو صانع کے کمال قدرت، کمال علم اور عظمت و جلال کی معرفت ضرور حاصل ہو جاتی کیونکہ مصنوع اپنے صانع کی ذات پر دلالت کرتا ہے۔ اور زمین و آسمان، حیوانات نباتات اور پتھر و مٹی کے ڈلے جو کچھ بھی موجود ہے ہر ایک مخلوق بلکہ جو کچھ بھی ہمارے وہم و خیال میں ہے سب یک زبان ہو کر صانع کی بزرگی پر گواہی دے رہے ہیں۔ ولائل اپنی کثرت اور انتہائی روشنی کے (ظہور) کے سبب سے نظر سے پوشیدہ ہوتے ہیں۔ بر جستہ کوئی صفت کسی دوسرے کا فعل ہوتا تو اس وقت بظاہر ہوتے۔ چونکہ سب ایک صانع کے مصنوع ہیں لہٰذا پوشیدہ ہوئے۔

اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی نور، نور آفتاب سے زیادہ روشن نہیں ہے کیونکہ تمام اشیاء اسی کی روشنی سے ظاہر ہوتی ہیں لیکن آفتاب اگر شب کے وقت غروب نہ ہوتا یا سائے کے سبب سے محجوب

نہ ہوتا تو کسی کو معلوم نہ ہوتا کہ زمین پر ایک ایسا نور ہے۔ اور سوائے سفید رنگ کے دوسرا رنگ نظر آتا اور یہی کہا جاتا کہ اس کے سوائے کوئی اور نور نہیں ہے پس نور کو دوسرے رنگوں سے الگ کر کے یہ سمجھے اور معلوم کیا کہ مختلف رنگ نور سے پیدا ہوتے ہیں اور اس کا سبب یہ ہے کہ رات کو سب رنگ چھپ جاتے ہیں اور سایہ میں وہ آفتاب سے زیادہ پوشیدہ ہوتے ہیں پس اس کی ضد ہی سے یعنی ظلمت سے نور کو پہچانا۔ اسی طرح اگر خداوند تعالیٰ سے غیبت اور عدم ممکن ہوتا تو آسمان و زمین درہم برہم ہو کر فنا ہوتے۔ تب لوگ اس کو ضرور معلوم کر لیتے۔ لیکن یہ تمام موجودات ایک صانع کی شہادت ہیں۔ اور یہ شہادت ہمیشہ روشن تر رہے گی۔ پس اسی شہادت کی روشنی سے خدا کی معرفت پوشیدہ ہو گئی۔

دوسرا سبب یہ کہ بچپن ہی سے یہ چیزیں نظر میں سما گئی ہیں اور اس وقت اس کمسن بچہ کی عقل ناقص تھی۔ اس لیے وہ اس گواہی کو معلوم نہ کر سکا۔ جب اس کو ان چیزوں کے مشاہدہ کی عادت ہو گئی اور وہ صاحب شعور (بڑا) ہو گیا تو وہ ان مشاہدات کی شہادت سے آگاہ نہیں ہوا۔ البتہ جب اس نے نادر اور انوکھا جانور دیکھا یا کوئی عجیب و غریب نباتات دیکھی تو بے اختیار اس کی زبان سے کلمہ "سبحان اللہ" جاری ہو گیا اس لئے کہ وہ دل میں اس شہادت سے آگاہ ہوا پس جس کی بصارت کمزور نہیں ہے وہ ہر چیز اس لئے دیکھتا ہے کہ وہ صنعت الٰہی کا نمونہ ہے اسے اس چیز کا دیکھنا مقصود نہیں ہوتا۔ کیونکہ جو شخص زمین و آسمان کو دیکھتا ہے وہ اسی نقطۂ نظر سے دیکھتا ہے کہ وہ خدا کی صنعت نمونہ ہیں جس طرح کوئی شخص خط کو اس لئے نہیں دیکھتا کہ وہ سیاہی اور کاغذ ہے۔ ایسا تو وہی شخص دیکھے گا۔ جو خط کی حقیقت سے واقف نہ ہو۔ بلکہ خط کا ناظر خط کو اس جہت (اعتبار) سے دیکھتا ہے کہ خط آراستہ و پیراستہ ہے۔ پھر وہ کاتب پر نظر ڈالتا ہے (اس خط میں خط لکھنے والا اس کو نظر آتا ہے) جس طرح تصنیف میں مصنف نظر آتا ہے۔ قاری خط کو نہیں دیکھتا۔ جبکہ یہ بات ثابت ہو گئی اور تم اس حقیقت کو جان گئے تو پھر جس شئے کو تم دیکھو گے اس میں خدا کو دیکھو گے کیونکہ دنیا میں کوئی چیز اس کی صنعت سے خارج نہیں ہے بلکہ یہ سارا عالم خداوند تعالیٰ کی صنعت اور اس کی تصنیف ہے۔ اگر آدمی کسی ایسی چیز کو دیکھنا چاہے جو خدا کی مخلوق نہ ہو اور اس کی ذات بھی نہ ہو تو ایسی چیز وہ نہیں دیکھ سکتا (کہ ایسی چیز کا وجود ہی نہیں ہے) یہ تمام چیزیں زبان حال سے جو ایک زبان فصیح ہے۔ خداوند تعالیٰ یعنی اپنے صانع کے کمال قدرت اور جلال و عظمت پر گواہی دے رہی ہیں اور اس سے زیادہ دنیا میں اور کوئی بات (چیز) روشن تر نہیں ہے لیکن اپنے ضعف بصارت کے باعث لوگ اس کی معرفت سے عاجز و قاصر ہیں۔

تدبیر محبت الٰہی

اے عزیز! معلوم ہونا چاہیے کہ محبت کا مقام تمام مقامات میں بزرگ ترمقام ہے۔ اور اس کی تدبیر معلوم کرنا ضروری ہے۔ پس جو شخص چاہتا ہے کہ ایک محبوب پر عاشق ہو اس کو چاہیئے کہ پہلے ہر چیز سے جو غیر معشوق ہے اپنا منہ پھیرے اور ہمیشہ بس اسی کو دیکھا کرے اور عاشق اگر اس کا منہ دیکھنا چاہتا ہے اور معشوق کے اعضاء پردے میں چھپے ہیں اور یہ پردے بھی بہت خوبصورت ہیں (جن میں محبوب چھپا ہے) تو پہلے ان کو دیکھنے کی کوشش کرے کیونکہ ایک جمال کے مشاہدہ سے رغبت میں اضافہ ہوتا ہے۔ جب عاشق اس پر مداومت کرے گا۔ تو اس کے اندر ضرور کچھ نہ کچھ رغبت یا زیادہ رغبت پیدا ہوگی پس خداوند تعالیٰ کی محبت کا یہی حال ہے

شرائط محبت الٰہی

محبت الٰہی کی پہلی شرط یہ ہے کہ آدمی دنیا سے روگردانی کرے اس کی دوستی کے نور سے دل کو منور کرے اس لئے کہ غیر حق کی دوستی انسان کو حق کی دوستی سے باز رکھتی ہے اور یہ ایسا ہی ہے جس طرح زمین کو خس و خاشاک سے پاک وصاف کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد اس کی معرفت کی طلب کرے کیونکہ جو اس کو جانتا ہی نہیں وہ اس کو کیا دوست رکھے گا۔ یا یوں کہو کہ جو اس کو دوست نہیں رکھتا وہ اس کو جانتا ہی نہیں۔ ورنہ جمال و کمال تو بالطبع محبوب ہیں۔ یہاں تک کہ جو شخص (حضرت) ابوبکر صدیق اور (حضرت) عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو جانتا ہے۔ ناممکن ہے۔ کہ وہ ان کو دوست نہ رکھے۔ کیونکہ اوصاف حمیدہ بالطبع انسان کو محبوب ہوتے ہیں۔

معرفت حاصل کرنا زمین میں بیج بونے کی طرح ہے اس کے بعد اس کو ذکر و فکر میں مداومت کرنی چاہیئے کہ ایسا کرنا بیج بو کر زمین کو پانی دینے کی مانند ہے۔ جب کسی دوست کو بہت زیادہ یاد کیا جاتا ہے۔ تو یقیناً اس کے ساتھ اُنس پیدا ہو جاتا ہے۔

اے عزیز! معلوم ہونا چاہیے کہ کوئی مومن اصل محبت سے غافل نہیں ہے۔ لیکن اس میں تفاوت ہے اور اس تفاوت کے تین سبب ہیں ایک یہ ہے۔ کہ دنیا کی دوستی اور مشغولی میں ان کے درمیان تفاوت ہو اور ایک چیز کی دوستی دوسری چیز کی دوستی میں نقصان پیدا کرتی ہے۔ دوسرا سبب یہ کہ معرفت میں فرق رکھتے ہوں کیونکہ ایک عام شخص حضرت شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو اس لئے دوست رکھتا ہے کہ بس وہ اتنا جانتا ہے کہ وہ بڑے عالم تھے لیکن ایک فقیہ جو ان کے بعض علوم کی تفصیلات سے آگاہ ہے ان کو اس عامی آدمی کے مقابلہ میں بہت دوست رکھے گا۔ کہ عامی کی بہ نسبت اس کی معرفت ان کے بارے میں زیادہ ہے اور

محدث مزنی جو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے اور ان کو امام شافعی کے تمام علوم، احوال واخلاق سے آگاہی تھی۔ وہ دوسرے فقہا کی بہ نسبت ان کو زیادہ دوست رکھتے تھے۔ پس جو شخص خدا کی معرفت زیادہ حاصل کرے گا اس کو بہت دوست رکھے گا۔ تیسرا سبب یہ کہ ذکر وعبادات ہیں جو انسیت کے حصول کا سبب ہے لوگ متفاوت ہیں پس محبت کا تفاوت ان اسباب کی بنا پر ہوگا لیکن جو شخص خداوند تعالیٰ کو بالکل دوست نہیں رکھتا اس کا سبب بس یہی ہے کہ وہ خدا کو بالکل نہیں جانتا۔ کیونکہ جس طرح حسین صورت، بالطبع محبوب ہے اسی طرح باطن کا حسن مرغوب ہے۔ پس نتیجہ یہ نکلا کہ محبت معرفت کا نتیجہ ہے اور معرفت کامل حاصل کرنے کے دو طریقے ہیں ایک طریقہ تو صوفیہ کا ہے اور وہ مجاہدہ ہے۔ یعنی باطن کو ذکر کی مداومت سے پاک کرنا یہاں تک کہ خود کو اور غیر حق کو فراموش کر دے تب اس کے باطن میں وہ احوال (معاملات) ظاہر ہوں گے۔ جن سے عظمت الٰہی مشاہدہ کی مانند روشن ہو جائے اس کی مثال شکاری کے جال بچھانے کی مانند ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس میں شکار آ جائے اور ممکن ہے نہ آئے اور مشاہدہ کہ اس دام میں ایک موش آئے یا ایک باز پھنس جائے اس میں ہر ایک کے نصیب کے اعتبار سے تفاوت ہے دوسرا طریقہ علم معرفت کا سیکھنا ہے (دوسرے علوم یا علم الکلام کا سیکھنا نہیں) علم معرفت کی ابتدا یہ ہے کہ مصنوعات الٰہیہ کے عجائبات میں غور وفکر کرے جیسا کہ ہم اصل ہفتم میں بیان کر آئے ہیں۔ پھر اس منزل سے ترقی کر کے جمال وجلال الٰہی میں غور وفکر کرے تاکہ اسمائے صفات کے حقائق سے آشنا ہو۔ ایک عظیم علم ہے ایک ہوشمند مرید، مرشد کامل کی مدد سے اس علم کو حاصل کر سکتا ہے لیکن کم فہم اس کو حاصل نہیں کر سکتا اور علم صیاد کے جال بچھانے کی مانند نہیں کہ اس میں کوئی شکار پھنس جائے اور ممکن ہے نہ پھنسے بلکہ یہ علم تجارت، زراعت اور کسب کی طرح ہے۔ اور اس کی مثال یہ ہے کہ کسی شخص نے نر و مادہ گوسفند کو افزائش نسل کے لئے جوڑے پر لگایا لیکن اچانک بجلی گرنے سے وہ دونوں ہلاک ہو گئے۔

پس جو شخص معرفت کے طریقہ سے ہٹ کر محبت الٰہی کی طلب کرتا ہے۔ وہ ایک محال کی طلب کر رہا ہے۔ اور ہم نے معرفت کے جو دو طریقے بیان کئے ہیں اگر ان سے ہٹ کر معرفت طلب کرے گا۔ وہ کامیاب نہ ہوگا جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ محبت الٰہی کے بغیر آخرت کی سعادت اس کو حاصل ہو جائے گی وہ غلطی پر ہے۔ کیونکہ آخرت کے معنی یہی ہیں کہ تم خدا سے واصل جاؤ اور جب ایک شخص اس مقصد کو پہونچ گیا جس کو وہ اس سے قبل بہت دوست رکھتا تھا اور علائق دنیاوی کے سبب اب تک اس سے محروم رہتا اور ایک مدت اس نے اسی شوق میں بسر کی تھی تو جب وہ موانع دور ہو گئے اور مقصد حاصل ہو گیا تو اس کو حصول لذت حاصل نہیں ہوگی اگر دوست رکھتا تھا لیکن کم تو تھوڑی لذت پائے گا۔ اور اگر خدا

کی پناہ) اپنے باطن میں اس کے سوا اس کی ضد کے ساتھ اس کو الفت اور انسبت تھی تو پھر اس کی جو حالت آخرت میں ہوگی وہ اس کی ہلاکت اور رنج والم کا سبب ہوگی۔ اور وہ چیز جو دوسروں کے حق میں سعادت ہوگی اس کے حق میں شقاوت ہوگی۔ تم اس بات کو اس مثال سے سمجھو کہ ایک خاکروب عطر فروشوں کے بازار میں گیا اور خوشبو سے بے ہوش ہو کر گر پڑا لوگوں نے اس پر مشک و گلاب چھڑ کا لیکن اس سے اس کا حال اور بدتر ہو گیا اتنے میں ایک شخص جو پہلے خاکروبی کر چکا تھا۔ یہاں آنکلا اور اس بے ہوش خاکروب کی حالت کو دیکھ کر تھوڑی سی نجاست لایا اور اس کی ناک تک اس کو پہنچایا تب وہ ہوش میں آگیا اور کہنے لگا ہاں یہ خوشبو ہے۔ پس جو شخص دنیا کی معرفت سے دل لگائے ہے اور وہ دنیا ہی کو اپنا معشوق و محبوب بنائے ہوئے ہے! اس خاکروب کی طرح ہے۔ کہ اس نے عطاروں کے بازار میں نجاست نہ پائی اور وہاں کی ہر چیز اس کی طبیعت کے منافی تھی اور وہ نجاست اس کو وہاں نہیں ملی جس کا وہ خوگر تھا۔ تو اس کی حالت بگڑ گئی اسی طرح عالم آخرت میں دنیاوی لذتیں نہیں ملیں گی۔ جن کا وہ خوگر تھا اور جو چیز وہاں ملے گی اس کی طبیعت کے منافی ہوگی اور اس کے لئے رنج اور شقاوت کا موجب ہوگی۔

عالم آخرت کا حصول

پس آخرت، عالم ارواح اور جمال الٰہی کے ملنے سے پیدا ہوتی ہے اور وہی شخص سعید و نیک بخت ہے۔ جو اپنی طبیعت کو اسی دنیا میں اس عالم سے آشنا کرے تاکہ وہ اس کی طبیعت کے مطابق ہو۔ تمام ریاضتیں اور عبادتیں اور معرفت کے طریقے اسی مناسب طبع کے واسطے مقرر کئے گئے ہیں اور محبت میں تو خود یہ مناسبت موجود ہے جیسا کہ قد افلح من زکٰھا سے ظاہر ہے اور اس کے یہی معنی ہیں۔ دنیا کے تمام تعلقات و خواہشات اور کوتاہیاں اسی مناسبت کی قید ہیں جیسا کہ فرمایا گیا وقد خاب من دسّٰھا یہ اس کی تشریح ہے جو اہل بصیرت ہیں وہ اس بات کے مشاہد ہیں۔ حد تقلید سے گذر کر اس کو پیغمبر علیہ السلام کی راستی کی دلیل سمجھتے ہیں بلکہ انہوں نے صدق رسالت کو بغیر معجزوں کے اس سے اپنے علم الیقین کے بدولت معلوم کیا ہے۔ چنانچہ جو شخص علم طب جانتا ہے۔ جب کسی طبیب کی بات سنتا ہے تو سمجھ لیتا ہے کہ یقیناً یہ طبیب ہے! اور جب ایک بازاری حکیم کی بات سنتا ہے تو سمجھ لیتا ہے کہ یہ بالکل اناڑی اور جاہل ہے۔ پس انسان اسی طریقہ سے نبی صادق اور مدعی نبوت میں جو جھوٹا ہوتا ہے تمیز کر لیتا ہے۔ پھر جو بات اپنی بصیرت سے سمجھ سکتا ہے اس کو اس سچے نبی سے حاصل کرتا ہے اس علم کا نام علم الیقین ہے اور اس علم کی طرح نہیں جو عصا سے اژدھا بن جانے سے پیدا ہو (صدور معجزہ سے) کیونکہ معجزہ

دیکھ کر جو علم حاصل کیا ہے ممکن ہے کہ وہ سامری کے گئو سالہ کی آواز سے باطل ہو جائے (اس کو بھی معجزہ سمجھ لے حالانکہ وہ سحر تھا) پس معجزہ اور سحر میں تمیز کرنا علم الیقین کی مانند آسان بات نہیں ہے۔

علامات محبت الٰہی

خداوند تعالیٰ کی محبت ایک گوہر نادر ہے۔ محبت الٰہی کا دعویٰ کرنا آسان نہیں ہے پس انسان کو اپنے آپ کو محبوبوں میں شمار کرنا ہی مناسب ہے۔ کیونکہ محبت الٰہی کی جو علامتیں اور دلیلیں ہیں ان کو خود اپنی ذات میں تلاش کرے۔ یہ علامتیں سات ہیں اوّل یہ کہ محبت موت سے بیزار نہ رہے کیونکہ کوئی دوست ایسا نہ ہوگا۔ جو اپنے دوست کی ملاقات سے کراہت کرے۔

رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ جو شخص خدا کے دیدار کو دوست رکھتا ہے خدا بھی اس کے دیدار کو دوست رکھتا ہے۔ بو یطیؒ نے ایک زاہد سے دریافت کیا کہ کیا تم موت کو دوست رکھتے ہو؟ اس نے جواب میں توقف کیا تو بو یطی نے کہا کہ "اگر صادق ہوتے تو موت کو ضرور دوست رکھتے! البتہ یہ بات جائز ہے کہ موت کے جلد آنے کو دوست نہ رکھے لیکن موت کو دوست رکھتا ہو کیونکہ ابھی اس نے زاد آخرت تیار نہ کیا ہوگا۔ بلکہ اس کی تیاری میں مصروف ہے۔ اور اس کی علامت یہ ہے۔ کہ تم ہمیشہ زاد آخرت کی فکر میں لگے رہو۔

دوم یہ کہ اپنے محبوب کو خدا کے محبوب پر نثار کر دے اور جس چیز کو محبوب حقیقی کی قربت کا سبب جانتا ہو اس کو ترک نہ کرے اور جو چیز اس سے دوری کا باعث ہو اس سے گریز کرے۔ یہ کام ایسا شخص ہی کر سکتا ہے جو خدا کو دل سے دوست رکھتا ہو۔ چنانچہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص ایسے آدمی کو دیکھنا چاہتا ہو جو تمام و کمال خدا کو دوست رکھتا ہو تو وہ سالمؓ کو جو حذیفہؓ کے آزاد کردہ غلام ہیں دیکھ لے!

اگر کوئی شخص گناہ پر دلیر ہے تو دلیل اس بات کی نہیں ہے کہ وہ حق کو دوست نہیں رکھتا ہے بلکہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس کی دوستی پورے دل سے نہیں ہے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ جب نعمان پر چند بار شراب پینے کے باعث حد شرعی جاری کی گئی تو ایک شخص نے اس پر لعنت کی۔ حضرت رسالت پناہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس پر لعنت نہ کرو کیونکہ وہ اللہ اور اس کے رسول کو دل سے دوست رکھتا ہے۔ شیخ فضیلؒ نے ایک شخص سے کہا کہ اگر تجھ سے پوچھیں کہ کیا

تو خدا کو دوست رکھتا ہے تو خاموش رہنا کیونکہ اگر تو کہے گا کہ دوست نہیں رکھتا تو کافر ہو جائے گا! ور اگر کہے گا کہ دوست رکھتا ہوں تو تیرا عمل اللہ تعالیٰ کے دوستوں کے عمل سے مشابہہ نہیں ہے۔

سوم یہ کہ اس کا دل ذکر الٰہی میں ہمیشہ مشغول ہوا اور بے تکلف وہ اس بات کا شائق رہے کیونکہ بے تکلف جب کوئی شخص کسی چیز کو دوست رکھتا ہے تو اس کو بہت یاد کرتا ہے پس اگر دوستی کامل ہے تو کبھی اپنے دوست کو نہیں بھولے گا۔ اسی طرح دل کو اگر بہ تکلف ذکر میں مشغول رکھے گا۔ تو اس بات کا خوف اور خدشہ ہے کہ کہیں اس شخص کا محبوب وہی تو نہیں جس کا ذکر اس کے دل پر غالب ہے۔ (بے تکلف اس کو یاد کر رہا ہے) اور خدا کی دوستی دل پر غالب نہیں ہے۔ بلکہ صرف اس کی دوستی کا شوق دل پر غالب ہے۔ کیونکہ اس کو دوست رکھنا چاہتا ہے۔ یوں سمجھ لو کہ دوستی اور چیز ہے اور دوستی کا شوق اور ہے۔

چہارم یہ کہ قرآن شریف کو جو اس کا کلام ہے! ور اس کے رسول (صلے اللہ علیہ وسلم) کو اور ہر اس چیز کو جو اس سے نسبت رکھتی ہے دوست رکھے۔ جب یہ دوستی مستحکم ہو جائے گی تو وہ تمام مخلوق کو دوست رکھے گا۔ کیونکہ سب خدا ہی کے بندے ہیں بلکہ تمام موجودات کو دوست رکھے گا۔ کیونکہ تمام اسی کی مخلوقات ہیں جس طرح آدمی اپنے دوست کی تصنیف اور اس کے خط کو بھی اس کی دوستی کی وجہ سے دوست رکھتا ہے۔

پنجم یہ کہ خلوت و مناجات پر حریص رہے اور رات کے آنے کا منتظر رہے تاکہ علائق دنیا کی زحمت دور ہو اور خلوت میں دوست کے ساتھ مناجات میں مشغول ہو سکے۔ اگر وہ گفتگو کو اور رات دن آرام اور سونے کو دوست رکھے گا۔ تو پھر اس کی دوستی ناقص ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی کہ اے داؤد! خلق سے مانوس نہ ہو کیونکہ دو شخص میری بارگاہ سے محروم رہتے ہیں ایک وہ کہ ثواب کے طلب کرنے میں جلدی کرے اور دیر سے حاصل ہو تو کاہل کا اظہار کرے، دوسرا وہ شخص جو مجھے فراموش کر کے میری درگاہ سے محروم رہے اور اس کی علامت یہ ہے کہ میں اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیتا ہوں اور دنیا میں اس کو حیران رکھتا ہوں۔

پس جب خداوند تعالیٰ کی دوستی کامل ہو تو دوسری چیز کے ساتھ انسیت باقی نہ رہے گی۔ بنی اسرائیل کا ایک عابد راتوں کو ایک جھاڑی کے نیچے جس پر ایک خوشنوا پرندہ چہچہاتا رہتا تھا نماز پڑھا کرتا تھا اس زمانہ کے رسول پر وحی نازل ہوئی کہ اس عابد کو کہہ دو کہ تو ایک مخلوق (پرندہ) کے ساتھ انس رکھتا ہے۔ تیرے تقرب کا ایک درجہ گھٹ گیا جو کسی عمل سے بھی اب تجھ کو حاصل نہیں ہو سکتا۔

بہت تھوڑے لوگ ایسے ہیں جو خداوند تعالیٰ سے انس پیدا کر کے اور مناجات میں مشغول رہ کر

اس درجہ اور مرتبہ پر پہونچے تھے کہ ان کا گھر جلتا رہا اور وہ مناجات میں مشغول رہ کر اس سے بیخبر رہے۔ اسی طرح ایک شخص کا پیر کسی بیماری کے سبب سے نماز میں کاٹا گیا اور اس شخص کو خبر نہ ہوئی۔ حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی کہ جو شخص تمام رات سوئے اور پھر میری دوستی کا دم بھرے وہ جھوٹا ہے۔ کیا دوست دیدار دوست کا متمنی نہیں ہوگا۔ اور جو شخص مجھ کو خوش کرتا ہے میں اس کے ساتھ ہوں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا الٰہی؟ تو کہاں ہے تاکہ میں تجھ کو تلاش کروں۔ خداوند تعالیٰ نے فرمایا جب تو نے مجھے ڈھونڈنے کا قصد کیا تو گویا مجھ پالیا۔

ششم یہ کہ عبادت کرنا اس پر گراں نہ ہو بلکہ بہت آسان ہو کسی عابد نے کہا ہے کہ میں بیس برس تک محنت اور تکلف کے ساتھ رات کو نماز ادا کرتا رہا پھر بیس برس آرام کے ساتھ جب دوستی مستحکم ہو جاتی ہے تو کوئی لذت عبادت کی لذت سے بڑھ کر نہیں ہوتی۔ پھر دوستی استوار کس طرح ہو سکتی ہے۔

ہفتم یہ کہ خداوند تعالیٰ کے تمام فرمانبردار بندوں کو دوست رکھے اور سب پر مہربان رہے البتہ عاصیوں اور کافروں سے عداوت رکھے۔ چنانچہ خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اشداء علی الکفار رحماء بینھم کسی پیغمبر (علیہ السلام) نے خداوند تعالیٰ سے پوچھا کہ بار الٰہا! تیرے دوست کون ہیں؟ جواب ملا کہ وہ لوگ ہیں جو میرے اسی طرح شیفتہ ہیں جیسے بچہ اپنی ماں کا والا و شیفتہ ہوتا ہے۔ اور جس طرح پرندہ اپنے گھونسلہ میں پناہ لیتا ہے۔ وہ بھی میرے ذکر سے پناہ لیں اور جس طرح غصہ میں بھرا ہوا شیر کسی سے نہیں ڈرتا تو وہ لوگ بھی جب کسی بندہ سے معصیت کا صدور دیکھتے ہیں تو شیر کی مانند غصہ میں آجاتے ہیں (اور پھر کسی سے نہیں ڈرتے) الغرض اس قسم کی بہت سی علامتیں ہیں پس جس کی دوستی کامل ہے اس میں یہ سب باتیں پائی جائیں گی اور جس میں ان علامتوں میں سے بعض علامتیں ہوں اس کی دوستی ناقص ہے۔

شوق خدا طلبی

معلوم ہونا چاہئے کہ جو کوئی محبت الٰہی کا منکر ہے وہ شوق دیدار کا بھی منکر ہوگا۔ اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم یوں دعا فرماتے تھے۔ اسئلک الشوق الی لقائک ولذۃ ولذۃ النظرالی وجھک الکریم اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا طال شوق الابرار الی لقائی وانا لقائھم لاشد شوقاً (حدیث قدسی) یعنی نیک بندے میرے دیدار کے بہت شائق ہیں اور میں ان سے زیادہ ان کے دیدار کا مشتاق ہوں: پس اس مقام پر تم کو شوق کے معنی معلوم ہونا چاہیے لیکن جس کو جانتے ہی اس کا مشتاق ہونا ممکن نہیں۔ اگر اس کو جانتے بھی ہوں اور وہ روبرو

موجود بھی ہو پھر بھی شوق نہ پایا جائے۔ شوق ایسی چیز کے ساتھ پیدا ہوتا ہے۔ جو ایک اعتبار سے موجود ہو اور ایک اعتبار سے غائب ہو جس طرح معشوق کہ خیال میں موجود ہو اور نظر سے غائب، تو ایسی ہستی کا شوق دل میں رہتا ہے۔

شوق کے معنیٰ یہ ہیں کہ اپنے محبوب کو تلاش کرے تاکہ وہ آنکھوں کے سامنے آئے! ورادراک تمام ہو اس تشریح سے تم سمجھ گئے ہو گے کہ دنیا میں خدا کے شوق سے اس کو پہچاننا ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ حق تعالیٰ معرفت میں ظاہر اور مشاہدہ سے غائب ہے۔ اور مشاہدہ کمال معرفت ہے جس طرح کمال خیال ہے اور یہ شوق موت تک موقوف نہ ہوگا۔ البتہ ایک قسم کا شوق باقی رہتا ہے۔ جو آخرت میں بھی موقوف نہ ہوگا کیونکہ ادراک کا نقص اس جہاں میں دو سبب سے ہے ایک یہ کہ معرفت اس دیدار کی طرح ہے جو ایک باریک پردہ کے پیچھے سے ہو یا اس دیدار کی مانند ہے جو صبح صادق کی روشنی میں آفتاب نکلنے سے پہلے ہو (کہ صورت واضح نظر نہیں آتی ہے) ہاں یہ دیدار آخرت میں خوب روشن اور واضح ہوگا۔ اور یہ شوق موقوف اور منقطع ہو جائے گا۔

دوسرا سبب یہ کہ کسی کا ایک محبوب جس کی صورت تو وہ دیکھ چکا ہے لیکن اس کے بال اور دوسرے اعضاء نہیں دیکھے ہیں لیکن قیاس کرتا ہے کہ تمام اعضاء معشوق کے خوب صورت اور سڈول ہوں پیدا ہوگا اس طرح (تشبیہ وتمثیل)

خداوند تعالیٰ کے جمال کی بھی نہایت نہیں۔ اگرچہ کسی شخص نے انتہائی معرفت حاصل کرلی ہے پھر جو کچھ باقی ہے حقیقت میں اس سے کہیں زیادہ ہے کیونکہ تجلیاتِ الٰہی کی حد نہیں ہے۔

اور جب تک تم ان سب کو معلوم نہ کرلو حضرت الوہیت کے جمال کامل کا تم ادراک نہیں کرسکتے اور ان سب کا معلوم کرنا نہ اس جہان میں آدمی سے ممکن ہے اور نہ اُس جہان میں۔ کیونکہ انسان کا علم متناہی ہے۔ پس جس قدر آخرت میں دیدار الٰہی زیادہ ہوگا۔ اسی قدر لذت زیادہ ہوگی اور وہ بے نہایت ہے۔

انس کیا ہے

جب دل کی نظر کسی حاضر چیز پر ہو اور اس کی حالت یہ ہو کہ دیدار معشوق سے پوری شادمانی اور فرحت حاصل کرتا رہے اس کا نام انس (انسیت) ہے۔ اور جب دل کی نظر اس طرف رہے جو کچھ دیدار سے باقی رہ گیا ہے تو وہ اس کی جستجو کرے گا۔ اس کا نام شوق ہے۔ اس انس اور اس شوق کی انتہا نہیں نہ دنیا میں اور نہ آخرت میں۔ اور بندے ہمیشہ آخرت میں یہ استدعا کرتے ہیں کہ جو کچھ جمالِ الٰہی آشکارا ہوتا ہے وہ سب نور کے پردوں میں ہوتا ہے اور بندوں کو اس کے اتمام کی طلب رہتی ہے لیکن وہ اس کی انتہا کو نہیں پہنچ سکتے کیونکہ کوئی بشر حق تعالیٰ کو تمام و کمال معلوم نہیں کرسکتا۔ تو جب

اے پروردگار ہمارے لئے اس نور کو کامل کردے (تمام نور سے مشرف فرما)

بندہ اس کو تمام وکمال پہچان ہی نہیں سکا تو اس کا یہ تمام وکمال دیدار کس طرح کر سکے گا۔ لیکن مشتاقانِ دیدارِ الٰہی کی کی راہ کشادہ ہے اور ان کا یہ کشف اور دیدار زیادہ ہوتا رہے گا۔ اور بہشت میں جو لذت بے نہایت حاصل ہوگی اس کی یہی حقیقت ہے۔ اگر اس کی یہ حقیقت نہ ہوتی تو شاید لذت کی آگاہی حاصل ہونے سے لذت کم ہو جاتی کیونکہ جو چیز ہمیشہ ملتی رہے۔ اور دل اس کا عادی ہو جائے تو پھر اس سے حلاوت اور لذت حاصل نہیں ہوتی البتہ تازگی میں لذت ہے۔ پس اہل جنت کی لذت روز بروز تازہ سے تازہ تر ہوتی ہے۔ جہاں تک کہ حلاوت کا تصور کیا جا سکتا ہے۔ وہ اس کو اس لذت کے آگے کم سمجھے گا۔ تم اس اصل سے انس کے معنی سمجھ گئے ہوگے۔ کیونکہ انسیت دل کے اس تعلق کو کہتے ہیں جو حاضر وموجود چیز کے ساتھ پیدا ہو بشرطیکہ جو باقی اور آئندہ ہے اس کی طرف التفات نہ کرے اگر باقی کی طرف ملتفت ہوگا تو اس کو انس نہیں بلکہ شوق کہیں گے۔ پس دوستانِ الٰہی دنیا اور آخرت میں انس وشوق کے درمیان پھر رہے ہیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے احوال میں مذکور ہے کہ حق تعالیٰ نے ان سے فرمایا کہ اے داؤد تم اہلِ زمین کو خبردار کر دو کہ میں اس شخص کو دوست رکھوں گا جو مجھے دوست رکھے گا۔ اور جو شخص خلوت میں بیٹھے تو میں اس کا ہم نشین ہوتا ہوں اور جو میری یاد سے انس کرے گا۔ میں اس کا مونس ہوں اور جو میرا رفیق ہے میں اس کا رفیق ہوں اور جو مجھے پسند کرے میں اس کو پسند کرتا ہوں اور جو میرا فرمانبردار ہو (فرمانبردار آنم کہ مرا فرمانبردار بود۔ کیمیائے سعادت نولکشوری نسخہ صد ۵۴۱) میں اس کی بات مانتا ہوں اور جو بندہ مجھ کو دوست رکھتا ہے اور میں نے مشاہدہ کیا کہ اس کی یہ دوستی دل سے ہے تو بے شک میں اس کو دوسروں پر مقدم کروں گا۔ اور جو شخص مجھ کو تلاش کرے گا ضرور پائے گا۔ اور جو دوسرے کو ڈھونڈے گا۔ البتہ مجھے نہ پائے گا۔ اے زمین والو! تم جس کے کاموں میں شیفتہ ہو اس پر تامل کرو۔ میری صحبت اور مجالست اور موانست کی طرف ملتفت ہو جاؤ اور میرے ساتھ انس رکھو تاکہ میں تم سے انس رکھوں۔ میں نے اپنے دوستوں کی سرشت کو اپنے خلیل ابراہیمؑ اپنے ہمراز موسیٰؑ اور اپنے رسول مقبول محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی طینت سے پیدا کیا ہے۔ اور میں اپنے مشتاقوں کے دل کو اپنے نور سے بنا کے اپنے جلال سے اس کی پرورش کی ہے۔

ایک نبی پر اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ میرے بندوں میں بعض ایسے ہیں جو مجھ کو دوست رکھتے ہیں اور میں ان کو دوست رکھتا ہوں وہ میرے مشتاق ہیں اور میں ان کا مشتاق ہوں وہ میری یاد میں مصروف ہیں اور میں ان کو یاد کرتا ہوں۔ ان کی نظر مجھ پر ہے اور میری نظر ان پہ ہے اگر تم بھی میرے ان بندوں کی روش اختیار کرو گے تو میں تم کو بھی دوست رکھوں گا۔ اور اگر ان کی روش تم نے اختیار نہ کی تو میں تم سے راضی نہ ہوں گا۔

اس قسم کے بہت سے اخبار محبت الٰہی اور شوق وانس کے بارے میں آئے ہیں یہاں ہم صرف اتنا بیان کرنا ہی کافی سمجھتے ہیں۔

رضا کی فضیلت

معلوم ہونا چاہیے کہ قضائے الٰہی پر قائم رہنا ایک بڑا مقام ہے بلکہ کوئی مقام اس سے برتر نہیں ہے۔ کیونکہ محبت الٰہی کا جو بلند مقام ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ خدا کے کام سے راضی رہے۔ ہر ایک محبت کا ایسا ہی اثر ہوتا ہے۔ بلکہ جب محبت کامل ہوگی تو اس کا ثمرہ بھی ہوگا۔ اسی بنا پر حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ الرضاء بالقضاء باب اللہ الاعظم یعنی خداوند تعالیٰ کی بارگاہ کا باب عظیم اس کی قضا (حکم) پر راضی رہنا ہے۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے جب ایک جماعت سے دریافت کیا کہ تمہارے ایمان کی علامت کیا ہے، تو انہوں نے کہا کہ ہم بلا پر صبر کرتے ہیں اور نعمت پر شکر بجالاتے ہیں اور قضائے الٰہی پر راضی ہیں۔ یہ سن کر حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ لوگ حکماء اور علماء ہیں اگر یہ لوگ اپنے کمال علم کے باعث انبیاء ہو جائیں تو عجب نہیں۔ حضور پُرنور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جب قیامت آئے گی تو میری امت کے ایک گروہ کو پر وبال دیے جائیں گے اور وہ بہشت کی طرف پرواز کریں گے فرشتے اس گروہ سے پوچھیں گے کہ تم حساب و میزان اور صراط سے فارغ ہو چکے؟ وہ لوگ کہیں گے کہ ہم کو ان چیزوں سے کام نہیں!! فرشتے دریافت کریں گے تم کون لوگ ہو وہ جواب دیں گے ہم محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہیں ملائکہ دریافت کریں گے تمہارا عمل کیا ہے جو تم کو اتنی بزرگی ملی ہے، وہ کہیں گے ہماری دو خصلتیں تھیں ایک یہ کہ ہم خلوت میں خداوند تعالیٰ سے شرما کے گناہ نہیں کرتے تھے دوسرے یہ کہ تھوڑے رزق پر جو خدا ہم کو دیتا تھا ہم راضی رہتے تھے تب ملائکہ کہیں گے سبحان اللہ! تم اسی درجہ اور مرتبہ کے مستحق ہو۔

ایک گروہ نے موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا کہ آپ خداوند تعالیٰ سے پوچھئے کہ وہ کیا چیز ہے؟ جس سے تیری رضا حاصل ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی (ان سے کہدو کہ) میرے حکم پر تم راضی رہو میں تم سے راضی رہوں گا۔ حضرت داؤد علیہ السلام پر خداوند تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ میرے دوستوں کو دنیا کے غم سے کیا کام ہے کہ وہ مناجات کی لذت کو ان کے دل سے دور کر دیگا۔

اے داؤد (علیہ السلام) میں اپنے دوستوں سے یہ چاہتا ہوں کہ وہ روحانی رہیں اور کسی چیز کا غم نہ کریں اور دنیا میں کسی چیز سے دل نہ لگائیں۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں وہ خدا ہوں کہ میرے سوا کوئی خدا نہیں جو شخص میری بلا پر صبر نہ کرلے اور میری نعمت پر شکر نہ کرے اور میرے حکم پر راضی نہ رہے۔ تو پھر وہ دوسرے خدا کو پیدا کرے۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے کہ خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے میں اس سے راضی ہوں جو مجھ سے راضی ہے اور جو شخص مجھ سے راضی نہ ہوگا میں اس سے بیزار ہوں اور قیامت تک یہی حال رہے گا۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے خیر و شر کو پیدا کیا۔ نیک بخت شخص وہ ہوگا جس کو نیکی کے واسطے پیدا کیا ہے اور نیکی کو اس کے ہاتھ پر آسان کر دیا ہے اور بد بخت وہ ہے جس کو میں نے بدی کے واسطے پیدا کیا ہے۔ اور بدی کو اس کے ہاتھ پر آسان کر دیا ہے اور خرابی ہے۔ اس کے لئے جو حکمِ الٰہی پر چون وچرا کرے۔

منقول ہے کہ ایک نبی بیس سال تک بھوک، برہنگی اور مصیبت میں گرفتار رہے اور ان کی دعا قبول نہیں ہوتی تھی۔ پس وحی آئی کہ زمین و آسمان کو پیدا کرنے سے پہلے تمہاری سرنوشت (قسمت) ایسی تھی کیا تم چاہتے ہو کہ تمہارے لئے زمین و آسمان کی خلقت اور مملکت کی تدبیر کو بدل دوں! اور حکم کر چکا ہوں اس کو پھیر دوں! تاکہ تمہارے کام تمہارے ارادہ کے مطابق سرانجام ہوں اور میری مرضی کے موافق نہ ہوں۔ اور کام اس طرح ہوں جس میں تمہاری خوشی ہو۔ میری خوشی نہ ہو۔ میری عزت وجلال کی قسم! اگر پھر ایسا خیال تمہارے دل میں آئے گا۔ تو انبیاء کے دفتر سے تمہارا نام مٹا دوں گا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بیس برس تک میں نے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی جو کام میں نے کیا آپ نے اس کے بارے میں کبھی ارشاد نہیں فرمایا کہ یہ کام کیوں نہیں کیا۔ البتہ جب حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت میں سے کوئی مجھ پر میرے کام پر خفا ہوتا تو آپ فرماتے اس کو معاف کر دو۔ اگر تقدیر میں ہوتا تو یہ کام ٹھیک سرانجام ہوتا۔

خداوند تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ اے داؤد (علیہ السلام) تم ایک کام چاہتے ہو اور میں دوسرا اور کام وہی ہوگا۔ جو میں چاہتا ہوں۔ اگر تم میرے ارادہ پر راضی رہو گے تو جو تم چاہتے ہو وہ تم کو عطا کر دوں گا۔ اور اگر تم میرے ارادہ پر راضی نہ ہو گے تو تمہاری خواہش میں تم کو غمگین کر دوں گا۔ اور پھر وہی کام ہوگا۔ جو میرا ارادہ ہوگا۔ حضرت عمر ابن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ

کہتے ہیں کہ میری خوشی اسی میں ہے کہ جو تقدیر ہو۔ آپ سے کسی نے دریافت کیا کہ آپ کیا چاہتے ہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ جو خدا کا حکم ہے وہی چاہتا ہوں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ انگارے دہکانا میرے نزدیک اس بات سے زیادہ پسندیدہ ہے کہ میں اس راحت کی خواہش کروں جو میری قسمت میں نہیں یا جو مصیبت اور تکلیف قسمت میں ہے۔ اس کے بارے میں کہوں کاش یہ نہ ہوتی۔

نقل ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک عابد تھا۔ بہت دن تک عبادت میں محنت کی۔ ایک شب خواب میں کسی نے اس کو بتلایا کہ فلاں عورت بہشت میں تیری رفیق ہوگی۔ اس عابد نے اس کی تلاش کی تاکہ اس کی عبادت کا حال معلوم کرے۔ اس عابد نے اس عورت کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ نہ رات کو نفل پڑھتی ہے اور نہ دن کو وہ روزہ رکھتی ہے مگر فرائض بجالاتی تھی۔ عابد نے اس سے پوچھا کہ بہترین خصلت کیا ہے؟ اس نے کہا کہ بس یہی جو کچھ تم نے دیکھا۔ عابد نے بہت اصرار کیا تو وہ یاد کر کے بولی کہاں مجھ میں ایک صفت ہے کہ اگر خدا کبھی مجھے بیماری دیتا ہے تو میں صحت نہیں چاہتی اور اگر وہ دھوپ میں رکھے تو میں سایہ کی خواہش نہیں کرتی۔ خداوند تعالیٰ کے حکم پر دل سے راضی رہتی ہوں۔ عابد نے یہ سن کر کہا یہ معمولی صفت نہیں ہے بلکہ بہت بڑی صفت ہے۔

رضا کی حقیقت

بعض علماء کا اس سلسلہ میں کہنا ہے کہ بلا میں اور خلاف طبع بات میں راضی رہنا کسی سے ممکن نہیں بلکہ اس پر صبر کرنا بھی ناممکن ہے لیکن ایسا کہنا مبنی برخطا ہے۔ بلکہ جب محبت الٰہی کامل ہوگی تو ایسی بات پر جو خلاف طبع ہو راضی رہنا دو وجوہ سے ممکن ہے۔ ایک یہ کہ آدمی عشق میں اسقدر مستغرق ہو کہ درد اور دکھ کی اس کو خبر بھی نہ ہو۔ چنانچہ لڑائی کے وقت انسان کو اس قدر غصہ آتا ہے کہ جب تک وہ اپنی آنکھ سے اپنے زخم سے خون بہتا ہوا نہ دیکھ لے زخم کی تکلیف کا اس کو احساس بھی نہیں ہوتا۔ دل جب کسی طرف مشغول ہوتا ہے۔ تو بھوک اور پیاس کی خبر نہیں ہوتی جبکہ مخلوق کے عشق اور دنیا کی حرص میں یہ بات بھی ممکن ہے تو خدا کے عشق اور آخرت کی محبت میں اس بات کا پایا جانا کس طرح دشوار ہو سکتا ہے! دانشور جانتا ہے کہ باطن کی صفت خوبی، ظاہر کی خوبی سے کہیں بہتر ہے کیونکہ ظاہری جمال کی مثال حقیقت میں ایسی ہے کہ براز کو چمڑے سے ڈھانک دیا ہو، بصیرت کی آنکھ جو جمال باطن کا مشاہدہ کرتی ہے۔ ظاہری آنکھ سے بہت زیادہ روشن ہے کیونکہ چشم ظاہر سے بے شمار غلطیاں ہوتی ہیں کبھی وہ بڑی چیز کو چھوٹا اور دور کو نزدیک دیکھتی ہے۔

دوسری وجہ یہ کہ درد محسوس کرے لیکن جب صاحب درد یہ سمجھتا ہے کہ دوست کی رضا اسی

میں ہے۔ تو اس سے وہ آپ ہی راضی ہو گا۔ مثلاً اگر دوست اس کو حکم دے کہ بدن سے خون نکال یا کڑوی دوا پی لے تو وہ اس اذیت پر راضی ہو گا تاکہ اس تدبیر سے دوست کی رضا حاصل ہو پس جو کوئی سمجھے گا کہ حق تعالیٰ کی رضامندی اس میں ہے کہ آدمی اس کے حکم پر راضی رہے تو وہ مفلسی، بیماری، اور محنت و بلا میں بھی راضی رہے گا۔ جس طرح حریص دنیادار سفر کی صعوبت اور دریا کا خطرہ اور بہت سی تکلیفوں پر راضی رہتا ہے۔ پس بہت سے محبانِ الٰہی اس درجہ پر پہونچے ہیں۔ منقول ہے کہ شیخ فتح موصلیؒ کی بیوی کا ناخن ٹوٹ کر گر پڑا وہ ہنسنے لگیں۔ ان سے پوچھا گیا تمہیں تکلیف نہیں ہو رہی ہے انہوں نے جواب دیا کہ ثواب کی خوشی اس قدر ہے کہ مجھے درد کی خبر بھی نہیں ہے۔

شیخ سہلؒ تستری کو کوئی بیماری تھی وہ اس کا علاج نہیں کرتے تھے کسی نے ان سے پوچھا کہ آپ دوا کیوں نہیں کرتے۔ انہوں نے جواب دیا کہ اے عزیز! کیا تم کو معلوم نہیں کہ دوست کے پہونچائے ہوئے زخم سے درد نہیں ہوتا ہے۔ اور خواجہ جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ میں نے شیخ سری سقطی سے دریافت کیا کہ جو کوئی محب ہے کیا وہ بلا سے غمگین ہو گا۔ انہوں نے فرمایا نہیں۔ میں نے کہا کہ اگر تلوار سے اس کو قتل کریں تب؟ تو انہوں نے فرمایا کہ اگر تلوار کے ستّر زخم بھی آ سکے آئیں!! (جب بھی دردمند نہ ہو گا) ایک محب خدا نے فرمایا کہ جس چیز میں خداوند تعالیٰ کی خوشی ہو میں اس سے راضی ہوں اگر وہ چاہتا ہے کہ میں دوزخ میں جاؤں تو اس میں بھی میری خوشی ہے۔

بشرؒ حافی فرماتے ہیں کہ ایک شخص کو بہت مارا پیٹا گیا (ہزار ضرب ماری گئی) لیکن اس نے بالکل شور نہیں کیا۔ میں نے اس سے دریافت کیا کہ تو نے شور کیوں نہیں کیا۔ اس نے کہا کہ میرا معشوق میرے سامنے تھا۔ اور اس مار کو وہ دیکھ رہا تھا (اس لئے شور کرتے مجھے شرم آئی) میں نے پوچھا اگر تو معشوق حقیقی کو دیکھتا تو کیا کرتا یہ سنتے ہی اس نے ایک نعرہ مارا اور جاں بحق تسلیم کر دی! یہی بشرؒ حافی فرماتے ہیں کہ میں اپنے سلوک کے ابتدائی زمانہ میں شہر عباداں (ابادان) جا رہا تھا۔ راستہ میں میں نے ایک مجذوب اور دیوانہ شخص کو دیکھا کہ زمین پر پڑا تھا۔ اور چیونٹے اس کا گوشت کھا رہے تھے۔ میں نے اس کا سر اپنی گود میں لے کر اس کی تیمارداری کی۔ جب وہ بزرگ ہوش میں آئے تو فرمایا کہ کون فضول شخص ہے۔ جس نے میرے اور میرے خداوند کے معاملہ میں مداخلت کی۔

قرآن پاک میں مذکور ہے کہ جب عورتوں نے یوسف علیہ السلام کو دیکھا تو ان کے حسن سے مبہوت اور بے خود ہو کر اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے اور جب مصر میں قحط عظیم پڑا تو جو لوگ بھوکے ہوتے تھے وہ حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر ان کے دیدار کی حلاوت سے بھوک بھول جاتے تھے۔ جب ایک مخلوق کے

حسن کی تاثیر کا یہ عالم ہو تو اگر کسی کو خالق حقیقی کا جمال نظر آتے اور مصیبت و بلا سے وہ بے خبر رہے تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔

منقول ہے کہ ایک شخص جنگل میں رہتا تھا اور راضی برضا ہو کر ہر بات پر کہتا تھا کہ خیر اسی میں ہے۔ ایک کتّا اس کے سامان کا پاسبان تھا۔ اور گدھا باربرداری کے لئے اس کے پاس موجود تھا۔ اس کا ایک مرغ بھی تھا جو صبح بانگ دے کر اس کو بیدار کیا کرتا تھا۔ ناگہاں ایک بھیڑیے نے اس کے گدھے کا پیٹ پھاڑ ڈالا (اور وہ مر گیا) تو اس شخص نے کہا کہ خیر اسی میں ہے۔ مرغ کو بھی مار ڈالا تو اس نے کہا کہ خیر اسی میں ہے۔ کسی سبب سے اس کا کتا بھی مر گیا جب بھی اس نے یہی کہا کہ خیر اسی میں ہے۔ اس کے گھر کے لوگ اس نقصان پر بڑے غمگین تھے ان لوگوں نے اس سے کہا کہ تم ہر حادثہ پر یہی کہتے ہو کہ خیر اسی میں ہے۔ اب بتاؤ کہ جو جانور ہمارے کام کے تھے سب مر گئے یہ کیسی بھلائی ہو گی اس نے کہا کہ شاید کوئی بھلائی ہو۔ جب دوسرا دن ہوا تو ڈاکو اس شخص کے پڑوسیوں کو قتل کر کے ان کا مال لوٹ کر لے گئے۔ خروس، سگ، خر کی آواز نہ ہونے سے یہ لوگ بچ گئے (ڈاکوؤں کو معلوم نہیں ہوا کہ اس صحرا میں کوئی اور بھی آباد ہے۔) تب اس شخص نے گھر کے لوگوں سے کہا کہ تم نے دیکھا کہ ہم اس طرح بچ گئے حق تعالیٰ کے کام کی خوبی بس اسی کو معلوم ہے۔

نقل ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک شخص کو دیکھا جو اندھا، کوڑھی تھا اور اس کے بدن کے دونوں حصّے مفلوج تھے اور ہاتھ پاؤں بھی بیکار تھے اور وہ کہہ رہا تھا کہ شکر ہے خدا کا جس نے مجھے ایسی بلا سے جس میں بہت سے لوگ مبتلا تھے نجات بخشی۔ عیسیٰ علیہ السلام نے اس سے پوچھا کہ ایسی کون سی بلا تھی جس سے تو بچا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ میں اس شخص سے زیادہ صحت مند ہوں جس کے دل میں معرفت نہیں ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تم سچ کہتے ہو۔ پھر اپنا ہاتھ اس کے اوپر پھیرا وہ فوراً تندرست ہو کے اُٹھ بیٹھا اور اس کی بینائی بھی واپس آگئی۔

شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کو دیوانہ سمجھ کر پاگل خانہ میں بند کر دیا گیا۔ کچھ لوگ آپ کے پاس آئے۔ آپ نے ان لوگوں سے پوچھا کہ تم کون لوگ ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم آپ کے دوست ہیں۔ یہ سن کر آپ ان کو پتھر مارنے لگے وہ بھاگنے لگے تب شبلیؒ نے فرمایا کہ تم لوگ جھوٹے تھے اگر تم میرے دوست ہوتے تو میری مار سے نہ بھاگتے اور اس پر صبر کرتے۔

رضا کی شرائط بعض علماء نے کہا ہے کہ رضا کی شرط یہ ہے کہ آدمی سوال نہ کرے اور جو چیز اس کے پاس موجود نہیں ہے اس کو خدا سے طلب نہ کرے اور جو چیز اس کے پاس موجود

ہے اس پر قناعت کرے اور چاہیئے کہ فسق وفجور کو دیکھ کر برا نہ مانے کیونکہ وہ بھی قضائے الٰہی سے ہے اور اس شہر سے جس میں گناہوں کی کثرت ہو وبا ہو وہاں سے نہ بھاگے کیونکہ یہ قضا سے بھاگنا ہے۔ لیکن حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم دعا مانگا کرتے تھے اور دعا مانگنے کی ترغیب بھی فرمائی ہے اور ارشاد کیا ہے کہ دعا عبادت کا مغز ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ دعا کے سبب سے دل میں رقت، شکستگی، تقرب اور تواضع اور باری تعالیٰ کے ساتھ التجا کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور یہ سب نیک اور خوب اوصاف ہیں جس طرح پانی پینا تاکہ پیاس دور ہو کھانا کھانا تاکہ بھوک رفع ہو اور لباس پہننا تاکہ سردی کو دفع کرے رضائے الٰہی کے برخلاف نہیں ہے۔ بلکہ جس امر کو خداوند تعالیٰ نے سبب ٹھہرا کر اس کا حکم دیا ہو اس حکم کے خلاف کرنا خداوند تعالیٰ کی رضامندی کے خلاف ہے۔ البتہ گناہ سے راضی رہنا درست نہیں ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے معصیت سے منع فرمایا ہے۔ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ اگر کوئی شخص معصیت سے راضی ہوگا تو گویا وہ اس گناہ میں شریک ہے۔ اور حضور انور (صلے اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ اگر کسی شخص کو ملک مشرق میں قتل کیا جائے اور کوئی دوسرا بندہ مغرب میں ہے اور اس قتل ناحق سے خوش ہو تو گویا وہ اس گناہ میں شریک ہے۔

اگرچہ معصیت خدا کے حکم سے ہوتی ہے۔ لیکن اس کے دو پہلو ہیں ایک کا تعلق بندہ سے ہے کہ گناہ کا کرنا اس کے اختیار میں ہے۔ کہ بندے کی قوت بھی حق کا عطیہ ہے۔ (کہ او ہم قوت حق است کیمیائے سعادت نولکشوری نسخہ صد ۵۵۳) اور دوسرا رخ خداوند تعالیٰ سے تعلق رکھتا ہے۔ جو کچھ ہو وہ اس کی قضا اور تقدیر کی بنا پر ہے۔ (و یکے باحق کہ قضا تقدیر اوست تعلق دارو) اس کے حکم اور تقدیر کو اس میں دخل ہے۔ پس اس وجہ سے کہ خدا کی تقدیر ہے کہ بندے کفر و معصیت سے خالی نہ رہیں گے اس پر راضی رہنا ضروری ہے (پس بداں وجہ کہ قضا کردہ است کہ عالم از کفر و معصیت خالی نباشد بدیں رضا باید کہ دارد) لیکن اس اعتبار سے کہ اللہ تعالیٰ گناہ سے ناراض ہوتا ہے تاکہ اس پر راضی رہنا ضروری نہیں اور ہم نے یہ جو کچھ کہا کہ اس میں تناقض نہیں ہے کیونکہ اگر کسی شخص کا کوئی دشمن مرجائے اور وہ اس کے دشمن کا دشمن ہو تو وہ غمگین ہوگا۔ اور خوش بھی ہوگا۔ اس میں خوشی کا سبب کچھ اور ہے۔ اور غم کا موجب کچھ اور ہے تناقض اس صورت میں ہو تاکہ خوشی اور غم ایک سبب سے ہوں۔ پس ایسی جگہ سے جہاں معصیت ہو بھاگ جانا ضروری ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ربنا اخرجنا من ھذہ القریۃ الظالم اھلھا (یارب ہم کو اس قریہ سے نکال دے جس کے لوگ ظالم ہیں) بزرگان سلف نے ایسی بستی میں مقیم ہونے سے گریز کیا ہے کیونکہ معصیت سرایت کرے گی اور نہ کرے گی تو بلا اور عقوبت

میں گرفتار ہونا ہوگا۔ جیسا کہ ارشاد الہٰی ہے۔ اتقوا فتنۃ لا تصیبن الذین ظلموا منکم خاصۃ (اور اُس فتنہ سے ڈرتے رہو جو تنہا تم میں سے صرف ظالموں ہی کو نہ پہنچے گا۔)
اگر کوئی شخص ایسی جگہ پر ہو جہاں اس کی نظر نامحرم پر پڑتی ہے! اور وہ وہاں سے بھاگ جائے تو اس میں رضائے الہٰی کی مخالفت نہیں ہے۔

اسی طرح اگر کسی شہر میں قحط ہو تو وہاں سے نکل جانا روا اور درست ہے۔ مگر طاعون اور وبا کی جگہ سے نکل جانا (بھاگ جانا) درست نہیں کیونکہ اگر تمام تندرست لوگ چلے جائیں گے تو بیمار تباہ و برباد ہو جائیں گے البتہ دوسری آفتوں کے لئے ایسا حکم نہیں ہے۔ بلکہ حکم کے موافق اس کی تدبیر ضروری ہے پس جب حکم بجالایا لیکن تدبیر سے کوئی فائدہ نہیں ہوا تو پھر تقدیر پر راضی رہے اور سمجھ لے کہ بہتری اور خوبی اسی میں ہے۔

اصل دھم

یادِ مرگ

معلوم ہونا چاہیئے کہ جو کوئی اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ آخر ایک دن مرنا ہے اور قبر میں سونا ہے۔ منکر نکیر کے سوالات اور قیامت برحق ہے اور پھر جنت میں جانا ہوگا یا دوزخ میں۔ ایسا شخص موت کو کبھی نہیں بھولے گا۔ اور اگر دانشمند اور عاقل ہے۔ تو ہمیشہ زادِ آخرت کی تدبیر میں مصروف رہے گا اور دوسری کسی چیز سے واسطہ نہیں رکھے گا۔ چنانچہ سرور کونین صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔
الکیس من دان نفسہ وعمل لما بعد الموت
ہوشیار ہے وہ شخص جس نے اپنے نفس کو روکا اور ایسا عمل کیا جو مرنے کے بعد کام آئے۔
اور جو شخص موت کو بہت یاد کرتا ہے وہ یقیناً اس کے توشہ کی تیاری میں مصروف رہے گا اور اس کی قبر بہشت کے باغوں میں سے ایک باغ بن جائے گی۔ اور جو کوئی موت کو بھول جائے گا۔ ہمیشہ دنیا کے معاملات میں پھنس کر زادِ آخرت سے غافل رہے گا۔ اس کی قبر دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک

گڑھے میں ہوگی اسی واسطے موت کا ذکر کرنا بڑی فضیلت رکھتا ہے۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اکثروا من ذکر ھادم اللذات (لذتوں کو مٹا دینے والی اور ان کو ڈھا دینے والی یعنی موت کو اکثر یاد کیا کرو) مزید فرمایا ہے کہ "اگر چرندے جانور موت کا وہ احوال جانتے ہوتے جو تم جانتے ہو تو ہرگز چکنا گوشت کسی بشر کے کھانے میں نہیں آتا یعنی سب جانور فکر سے لاغر ہو جاتے۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا یا رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کوئی شخص ایسا بھی ہے جس کو (بغیر شہادت کے) شہیدوں کا درجہ ملے۔ آپ نے فرمایا ہاں جو شخص دن بھر میں بیس مرتبہ موت کو یاد کرے۔

منقول ہے کہ حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا گذر ایک قبیلہ پر ہوا جو بلند آواز سے ہنس رہے تھے تو آپ نے فرمایا اے لوگو! تم اپنی مجلس میں اس چیز کا ذکر کرو جو ساری لذتوں کو خفیف کر دیتی ہے۔ انہوں نے دریافت کیا کہ وہ کیا چیز ہے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ موت ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا موت کو اکثر یاد کیا کر کہ وہ تجھے دنیا میں زاہد بنا دے گی۔ اور تیرے گناہ کا کفارہ ہوگی۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کفیٰ بالموت واعظاً یعنی عالم کو نصیحت کرنے کے لئے موت کا ذکر کرنا کافی ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کسی شخص کی تعریف حضور علیہ التحیۃ والثناء کے سامنے کرنے لگے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ! موت کا ذکر اس کے دل پر کیا اثر کرتا ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا موت کی بات تو ہم نے اس کے منہ سے کبھی سنی نہیں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر تو تم اس کو جیسا نیک سمجھتے ہو وہ ویسا نہیں ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں دس اشخاص کے ساتھ حضور پرنور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جماعت انصار میں سے ایک شخص نے حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ سب سے بڑا دانشمند کون ہے آپ نے فرمایا جو موت کو زیادہ یاد کرتا ہو۔ یہی وہ لوگ ہیں جو دین و دنیا کی بزرگی حاصل کئے ہیں۔ جناب ابراہیم تیمی رح نے کہا کہ دو چیزوں نے مجھ سے دنیا کی راحت چھین لی ہے۔ ایک موت کی یاد نے دوسرے خداوند تعالیٰ کے روبرو کھڑا ہونے کے اندیشہ نے۔

حضرت عمر ابن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی عادت تھی کہ ہر شب علماء کو جمع کرتے وہ حضرات قیامت اور موت کا احوال بیان کرتے تو تمام لوگ اس قدر روتے جس طرح اہل ماتم روتے ہیں۔ اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اپنی ہر مجلس میں صرف موت، دوزخ اور آخرت ہی کی بات کیا کرتے تھے۔

منقول ہے کہ ایک عورت ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی اور کہا کہ میرا دل بہت سخت ہے (نرم کرنے کی) کیا تدبیر کروں؟ حضرت ام المومنین نے فرمایا تو موت کو کثرت سے یاد کیا کر۔ تیرا دل نرم ہو جائے گا۔ چنانچہ اس بات پر عمل کرنے سے اس کی سخت دلی جاتی رہی وہ پھر ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آپ کا شکریہ ادا کیا۔

حضرت ربیع ابن خیثم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے گھر میں ایک قبر کھود لی تھی اور ہر روز کئی مرتبہ اس میں جا کر لیٹتے تھے تاکہ موت کا خیال دل میں تازہ رہے۔ ان کا قول تھا کہ اگر ایک دن میں ایک ساعت کے لئے بھی موت کو بھول جاؤں، تو میرا قلب سیاہ پڑ جائے گا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے ایک شخص سے فرمایا موت کو اکثر یاد کیا کرو اس کے دو فائدے ہیں۔ اگر تم محنت و تکلیف میں مبتلا ہو تو اس یاد مرگ سے تم کو تسلی ہوگی اور اگر فراغت و آسودگی حاصل ہے۔ تو موت کا ذکر تمہارے عیش کو تلخ کر دے گا۔

شیخ ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے میں نے اُمّ ہارونؒ سے پوچھا کہ کیا تم موت سے راضی ہو۔ انہوں نے جواب دیا نہیں میں موت نہیں چاہتی۔ انہوں نے پوچھا اس کا سبب کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ اگر میں کسی بندہ کی قصوروار ہوتی ہوں تو اس شخص کو دیکھنا پسند نہیں کرتی اس کے سامنے ٹھہرنے سے شرم کرتی ہوں اور جبکہ میں گناہوں میں غرق ہوں، تو خداوند تعالیٰ کے سامنے کس طرح جا سکوں گی

فصل: موت کو یاد کرنے کے طریقے

اے عزیز موت کی یاد تین طرح سے ہوا کرتی ہے۔ ایک۔ تو اسے غافل دنیاوار کا یاد کرنا ہے۔ کہ موت کا ذکر سے وہ راضی نہیں ہے اس کو اس بات کا ڈر ہے کہ دنیا کے عیش و آرام اس سے چھوٹ جائیں گے۔ پس وہ موت کی شکایت کر کے کہتا ہے کہ یہ بُری بلا سامنے کھڑی ہے۔ افسوس کہ مجھے دنیا اور اس کے عیش و آرام کو چھوڑنا پڑے گا۔ اس طرح موت کا ذکر کرنا۔ اس کو حق تعالیٰ کی درگاہ سے دور کرتا ہے۔ لیکن اگر دنیا کا عیش اس پر کچھ تلخ و ناگوار ہے۔ اور دل دنیا سے بیزار ہے تو موت کا یاد کرنا فائدہ سے خالی نہیں ہوگا۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جس نے گناہوں سے توبہ کر لی ہے وہ موت کو ناپسند نہیں کرتا اور اس کا ذکر ناگوار نہیں گذرتا۔ لیکن اس کے جلد آنے سے کراہت کرتا ہے اس کو اس بات کا ڈر ہوتا ہے کہ مجھے توشۂ آخرت کے بغیر جانا پڑے گا۔ اس سبب سے اگر کوئی شخص موت کو ناگوار محسوس کرے اور اس سے کراہیت کرے تو اس میں کچھ قباحت نہیں ہے۔ تیسرا طریقہ عارف کے یاد کرنے کا ہے۔ اس لئے وہ موت کو یاد کرتا ہے۔ کہ دیدار الٰہی کا وعدہ موت کے بعد ہے۔ وصل دوست کے وعدہ کا وقت کوئی بھی نہیں بھولتا۔ بلکہ ہمیشہ اس کے انتظار میں رہتا ہے

صرف انتظار ہی نہیں بلکہ اس کی آرزو کرتا ہے۔ چنانچہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے دم مرگ فرمایا۔
حبیب جاء علی فاقۃ یعنی دوست درویشی کے وقت آیا ہے۔ پھر انہوں نے مناجات میں اس طرح کہا! خدایا۔ اگر تو اس سے واقف ہے کہ میری نظر میں درویشی تونگری سے، بیماری، تندرستی سے اور موت، زندگی سے بہتر ہے اور پسندیدہ تر ہے تو مجھ پر موت کی سختی کو آسان فرما دے۔ تاکہ میں تیرے دیدار سے لذت اندوز ہو سکوں۔

ان امور کے سوا ایک اور بڑا درجہ ہے جس میں نہ موت سے بیزاری ہے اور نہ اس کی طلب ہے اور نہ تعجیل کی خواہش ہے نہ تاخیر کی آرزو۔ بلکہ حق تعالیٰ کے حکم پر راضی ہونا ہے اپنے تصرف و اختیار کو چھوڑ کر تسلیم و رضا کے بلند ترین مقام پر پہونچنا ہے۔ اور یہ بات اس وقت حاصل ہوگی کہ موت اس کو یاد آئے جبکہ حال یہ ہے کہ موت کا خیال اکثر اس کے دل میں نہیں آتا کیونکہ وہ دنیا میں مشاہدۂ الٰہی میں مستغرق رہتا ہے اور ذکر الٰہی اس کے دل پر غالب ہوتا ہے۔ اس کی نظر میں مرنا اور جینا دونوں ایک ہیں۔ کیونکہ تمام احوال میں خدا کی یاد اور اس کی محبت میں مستغرق رہتا ہے۔

موت کا ذکر دل پر کس طرح موثر ہوتا ہے

معلوم ہونا چاہئے کہ موت ایک امر عظیم اور امر گراں بار ہے اور خطرہ سے خالی نہیں ہے۔ اکثر لوگ موت سے بے خبر ہیں اگر کبھی یاد بھی کرتے ہیں تو ان کے دل پر کچھ اثر نہیں ہوتا۔ کیونکہ دنیا کے کاموں کا ہمیاں اس قدر ہوتا ہے کہ کسی دوسری بات کی وہاں گنجائش ہی نہیں ہوتی اس لئے وہ لوگ خدا کے ذکر سے کبھی حلاوت اور لذت نہیں پاتے۔ پس اس کی تدبیر یہ ہے کہ آدمی گوشہ نشین ہو کر ایک ساعت کے لئے اپنے دل کو دنیاوی خیالات سے الگ تھلگ رکھے اس شخص کی طرح جس کو ایک جنگل طے کرنا ضروری ہوتا ہے۔ تو اس کی تدبیر میں وہ اس طرح منہمک ہوتا ہے۔ کہ دل دوسری چیزوں سے فارغ رہتا ہے۔ پس یہ خلوت نشین اپنے دل میں خیال کرے کہ موت عنقریب آنے والی ہے۔ ممکن ہے کہ میں آج ہی مر جاؤں۔ اگر کوئی شخص تم سے کہے کہ تم اس اندھیرے اور تاریک بالاخانہ پر جاؤ جبکہ تم کو یہ معلوم نہیں کہ راہ میں کوئی غار ہے یا اس کے راستہ میں کوئی پتھر رکھا ہوا ہے یا کچھ خطرہ ہے تو اس صورت میں یقیناً تم ہراساں ہو گے پس اب خیال کرو کہ موت کے بعد تمہارا کیا حال ہوگا اور قبر کی سختی بھی کچھ کم نہیں ہے تو پھر اس بات سے بے فکر رہنا کس طرح بجا ہو سکتا ہے پس مناسب اور بہتر یہی ہے کہ اپنے ان دوست احباب کو یاد کرو جو مر چکے ہیں اور ان کی صورتوں کو پیش نظر رکھو اور خیال کرو کہ دنیا میں کس کروفر سے رہتے تھے اور کس قدر ان کے دل مسرور رہتے تھے اور وہ موت سے کس

بے خبر تھے پس ناگہاں عین بے خبری کے عالم میں موت آئی اور ان کے اعضاء کس طرح گل سڑ گئے ہوں گے اور کیڑوں نے ان کے ناک، کان اور گوشت پوست کو کھالیا ہوگا اور مٹی میں مل گئے ہوں گے۔ اب ان کے ورثاء ان کے مال تقسیم کر کے بڑے مزہ سے کھا رہے ہیں اور ان کی بیویاں دوسرے خاوندوں کے ساتھ عیش کر رہی ہیں اور پہلے شوہروں کو بھول چکی ہیں۔ پس اپنے ہر ایک گذرے ہوئے یار آشنا کو یاد کرے اور ان کی تفریحات، ہنسی، دل لگی اور غفلت اور بڑی بڑی امیدوں اور آرزوؤں میں ان کا مشغول رہنا یاد کرے کہ وہ جن کاموں میں مشغول رہتے تھے وہ بیس بیس سال میں بھی تمام نہیں ہو سکتے تھے اور ان کاموں میں کیسی کیسی تکلیف اٹھاتے تھے ان کا کفن دھوبی کے گھاٹ پر دھویا گیا تھا اور ان کو اس کی بالکل خبر نہیں تھی پس اپنے دل سے کہے کہ میں بھی ان کے مانند ہوں اور میری حرص و غفلت ان سے کچھ کم نہیں یہ تو تمہاری خوش نصیبی ہے کہ یہ لوگ تم سے پہلے مر گئے تاکہ تم کو ان کے حال سے عبرت حاصل ہو۔

بزرگوں نے فرمایا ہے فان السعید من وعظ بغیرہٖ (نیک بخت وہ ہے جو دوسروں سے عبرت حاصل کرے) پس انسان اپنے ہاتھ پاؤں، آنکھ، انگلیوں اور زبان اور دوسرے اعضا کا خیال کرے کہ یہ تمام اعضا ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں گے اور چند روز میں یہ بدن زمین کے کیڑوں کی غذا بن جائے گا۔ پھر تم اپنی اس صورت کا خیال کرو جو قبر میں ہو گی۔ ایک سڑا گلا ہوا مردار بن جائے گی غرض اس قسم کے خیالات دن بھر میں ایک ساعت کے لئے دل میں لائے تاکہ دل موت سے خبردار رہے۔ یوں ظاہر میں سرسری طور پر موت کو یاد کرنا دل پر اثر نہیں کرتا۔ انسان ہمیشہ دیکھتا ہے کہ لوگ جنازہ لے جا رہے ہیں اور یہ بھی سمجھتا ہے کہ اس قسم کے نظارے ہمیشہ ہوتے رہیں گے لیکن خود کو کبھی مردہ کی حالت میں خیال نہیں کرتا۔ جو بات دیکھی نہیں جاتی ہے وہ کبھی خیال میں نہیں آتی ہے۔ اسی واسطے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ میں اس طرح ارشاد فرمایا: سچ بتا! کیا یہ موت ہمارے واسطے نہیں لکھی ہے۔ اور یہ جنازے جو لوگ لے جا رہے ہیں سچ بتا کہ کیا یہ مسافر ہیں جو پھر جلد ہی لوٹ آئیں گے۔ لوگ ان کو خاک میں دفن کر کے ان کی میراث (ترکہ) کھاتے ہیں اور اپنے حال سے غافل رہتے ہیں۔

موت کو یاد نہ کرنے کا سبب اکثر طول امل ہوتا ہے یعنی بڑی بڑی لمبی لمبی آرزوئیں۔ یہ ساری خرابیاں اس سے پیدا ہوتی ہیں۔

آرزوئے کوتاہ کی فضیلت

جو کوئی اپنے دل میں یہ خیال کرے کہ میں مدتوں زندہ رہوں گا اور مدت دراز کے بعد مجھے موت آئے گی ایسے شخص سے دین کا کوئی کام نہیں ہوگا کیونکہ وہ اپنے دل سے کہتا ہے کہ ابھی زندگی کے بہت دن باقی ہیں۔ جب چاہوں گا

فلاں نیک کام کرلوں گا۔ ابھی تو جو دن عیش وعشرت میں گذر رہے ہیں یہ غنیمت ہیں اور جو کوئی اپنی موت کو اپنے قریب سمجھے گا۔ وہ ہر طرح سے زاد آخرت کی تدبیر میں مصروف ہوگا۔ ایسا خیال تمام سعادتوں کا محرک وموجب ہوتا ہے۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے فرمایا: صبح کو جب تو سو کر اُٹھے تو یہ خیال نہ کر کہ رات میں زندہ رہ کر بسر کی (رات میں زندہ رہا) بلکہ اپنی زندگی سے موت کا سامان حاصل کر اور تندرستی سے بیماری کا توشہ بہم پہنچا (بیماری کا خیال کر)۔ تو نہیں جانتا کہ کل تیرا نام حق تعالیٰ کے نزدیک کس گروہ میں داخل ہوگا۔

یہ بھی حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "کہ اے لوگو! تمہارے باب میں کسی چیز سے اتنا اندیشہ ناک نہیں ہوں جتنا تمہاری ان دو خصلتوں سے ڈرتا ہوں کہ تم حرص کی پیروی کروگے اور زندگی دراز کی امید رکھو گے"۔

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے ایک چیز اتنی خریدی کہ ایک ماہ تک کام آئے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو جب یہ معلوم ہوا تو ارشاد فرمایا ان اسامہ لطویل الامل یعنی اسامہ حیات مستعار پر بڑا بھروسہ رکھتا ہے۔ قسم ہے اس پروردگار کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ جب میں آنکھ بند کرتا ہوں تو سمجھتا ہوں کہ آنکھ بند کرنے سے پہلے میری موت آجائے گی اور جو لقمہ منہ میں ڈالتا ہوں۔ سمجھتا ہوں کہ ابھی موت آجائے گی اور وہ حلق میں رہ جائے گا"۔

اے لوگو اگر عقل رکھتے ہو تو خود کو مردہ سمجھو قسم ہے اس پروردگار کی جس کی دستِ قدرت میں میری جان ہے جس چیز کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ وہ آکر رہے گی اور اس سے نہ بچو گے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک مربع کھینچا اور اس کے درمیان ایک سیدھا اور اس خط کے دونوں جانب چھوٹی چھوٹی لکیریں کھینچیں اور اس کے باہر سے ایک خط کھینچ کر فرمانے لگے "یہ خط جو اس مربع کے اندر ہے آدمی کی مثال ہے۔ اور یہ خط مربع اس کی اجل ہے جو اس کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہے اس سے بھاگ نہ سکے گا اور یہ چھوٹی لکیریں جو دونوں طرف ہیں آفتیں اور بلائیں ہیں جو اس کے آگے کھڑی ہیں۔

اگر بالغرض وہ ایک آفت سے بچ جائے تو دوسری آفت سے نجات نہ پائے گا۔ یہاں تک کہ مر جائے اور ایک خط جو مربع کے باہر ہے اس کی آس اور امید ہے کہ آدمی ہمیشہ بڑی بڑی تدبیروں میں لگا رہتا ہے جو خدا کے علم میں ہیں اور اس کی اجل کے بعد پوری ہوں گی۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے کہ انسان ہر روز بوڑھا ہوتا جاتا ہے۔ اور دو چیزیں اس

میں جوان ہوتی جارہی ہیں مال کی حرص اور جینے کی آرزو۔ خبر میں آیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک ضعیف شخص کو دیکھا جو پھاوڑا ہاتھ میں لئے کام کر رہا ہے اور دعا مانگ رہا تھا کہ یاالٰہی حرص کو اس دل سے نکال دے۔ اللہ تعالیٰ نے حرص کو اس کے دل سے نکال دیا۔ وہ ضعیف شخص پھاوڑا ہاتھ سے رکھ کر سو گیا۔ ایک ساعت کے بعد پھر اٹھا اور مناجات کی کہ یاالٰہی اس کو حرص عطا کر تب وہ پیرمرد اٹھ کر پھر کام کرنے لگا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس سے پوچھا کہ یہ کیا بات تھی؟ اس نے جواب دیا۔ کہ میرے دل میں یہ خیال آیا کہ میں محنت کب تک کروں گا۔ بوڑھا ہو گیا ہوں اور اب جلد مرنے والا ہوں اس وجہ سے میں نے پھاوڑا رکھ دیا (کام چھوڑ دیا) پھر دوبارہ یہ خیال دل میں پیدا ہوا کہ موت آنے تک روٹی کھانا (طعام) ضروری ہے (اس لئے دوسری دعا کی)

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے دریافت کیا کیا تم جنت میں جانا چاہتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا۔ جی ہاں! ہم چاہتے ہیں۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، تم حرص کو کم کر دو اور موت کی صورت اپنے سامنے ہمیشہ رکھو اور حق تعالیٰ سے بہت زیادہ شرم کرو! منقول ہے کہ کسی شخص نے اپنے بھائی کو خط لکھا جس میں یہ تحریر تھا کہ دنیا خواب ہے اور آخرت بیداری! اور ان دونوں کے درمیان موت ہے۔ اور جس عالم میں ہم ہیں وہ پریشاں خواب و خیال ہے۔"

٭

حرص کے اسباب

اے عزیز معلوم ہونا چاہیے کہ انسان طویل زندگی کو دو وجہوں سے اپنے دل میں قرار دینا ہے (چاہتا ہے) ایک نادانی اور دوسری وجہ دنیا کی محبت! لیکن جب دنیا کی محبت غالب آئی۔ تو موت نے محبوب دنیا کو اس سے چھین لیا۔ اس وجہ سے انسان موت سے خوش نہیں اور یہ امر (مرنا) اس کی طبیعت کے خلاف ہے۔ اور جو چیز مخالف طبع ہوتی ہے تو انسان ہمیشہ اس سے حذر کرتا ہے اور خود سے بھلاتا ہے اور ہمیشہ اس چیز کے مخالف خیال جماتے رہتا ہے جو اس کی آرزو کے مطابق ہو پس ہمیشہ وہ زندگی، مال و زن، فرزند اور دنیا کے سامان کو سمجھنے لگتا ہے کہ یہ دائمی ہیں اور موت کو جو اس کی تمنا کے برخلاف ہے بھول جاتا ہے۔ اگر کبھی اتفاقاً موت کی یاد بھی آئی تو کہتا ہے کہ ابھی جلدی کیا ہے بہت دن ابھی (زندگانی کے) باقی ہیں آئندہ موت کا توشہ فراہم کر لوں گا۔ بڑھاپے تک صبر کرنا چاہیئے۔ پھر جب بوڑھا ہو جاتا ہے تو کہتا ہے۔ ذرا اور زندگی باقی رہے کہ میری یہ زمین پانی سے سیراب ہو جائے تاکہ دل روزی کی فکر سے فارغ ہو جائے تاکہ عبادت کی لذت حاصل ہو اور فلاں دشمن نے جو سر اٹھایا ہے اس کو ٹھیک کر دوں۔ غرض اس طرح سے ڈھیل دیئے جاتا ہے۔ ایک

شغل سے فارغ ہو کر دس اور کاموں میں مشغول ہو جاتا ہے۔ یہ احمق اتنی بات نہیں سمجھتا کہ دنیا کے کاموں سے کسی نے فراغت حاصل نہیں کی ہے۔ سوائے اس کے کہ دنیا سے دست بردار ہو جائے اور یہ نادان یہ سمجھتا ہے۔ کہ کسی نہ کسی وقت میں اس سے فارغ ہو جاؤں گا۔ اس طرح روز تاخیر کرتا چلا جاتا ہے آخر کار یکایک موت آجاتی ہے۔ اور حسرتیں دل کی دل ہی رہ جاتی ہیں۔ اسی وجہ سے اکثر اہل دوزخ کی فریاد اور پشیمانی اس تاخیر کرنے کے سبب سے ہوگی (کہ انہوں نے عمل خیر میں تاخیر کی) اور اس تاخیر ور ڈھیل کا سبب دنیا کی محبت اور آخرت سے غفلت ہے۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس چیز کو تو چاہتا ہے اس کو دوست رکھ۔ لیکن آخر کار وہ تجھ سے چھین لی جائے گی۔" نادانی کا نتیجہ یہ ہے کہ آدمی اپنی جوانی پر بھروسہ کرے اور اتنا نہ سمجھے کہ بڑھاپے سے پہلے ہی مر جائے گا۔ ہزاروں بچے مر جاتے ہیں۔ شہر میں جو بوڑھے کم نظر آتے ہیں اس کی وجہ یہی ہے کہ بڑھاپے کی عمر کو لوگ بہت کم پہونچتے ہیں۔ اور دوسری بات یہ کہ نادان تندرستی کی حالت میں مرگ مفاجات کو اپنے سے دور سمجھتا ہے۔ اتنا نہیں جانتا کہ اچانک مرجانا تو شاذ و نادر ہے لیکن اچانک بیمار ہونا نادر نہیں کہ تمام بیماریاں اچانک ہی آتی ہیں تو اس بیماری سے بیمار کا مر جانا ممکن ہے پس عقلمند کو چاہئے کہ موت کی صورت ہمیشہ پیش نظر رکھے اس دھوپ کی طرح جو اس پر پڑ رہی ہو اس سایہ کی طرح نہیں جو اس کے آگے چلتا ہے اور یہ اس کو نہیں پا سکتا۔

حرص کا علاج

معلوم ہونا چاہئے کہ کسی چیز کے سبب کو دور کرنے کا ذریعہ ہے۔ اب جبکہ تم یہ تمام باتیں جان چکے تو اب حرص کے دفع کرنے کی تدبیر بھی کرنا چاہئے، جس سبب سے دنیا کی محبت پیدا ہوتی ہے وہ اس کو تدبیر سے دور کیا جا سکتا ہے۔ جس کا ذکر ہم نے "حب دنیا" کی فصل میں کیا ہے۔

یعنی جو کوئی دنیا کی بے ثباتی معلوم کرلے گا وہ ہرگز اس کو دوست نہیں رکھے گا۔ کیونکہ جانتا ہے اس کی لذت چندہ روزہ ہے اور موت کے آنے پر یہ سب ختم ہو جائے گی اور دنیا کا یہ فی الحال عیش بھی کدورت، رنج اور درد سر سے خالی نہیں ہے۔ اور جو کوئی آخرت کی مدت کی درازی اور دنیاوی عمر کی کوتاہی پر غور کرے گا تو سمجھ لے گا۔ آخرت کو دنیا کے عوض فروخت کرنا گویا ایسا ہے کہ کوئی شخص اس درہم کو جو اس نے خواب میں دیکھا اس درہم پر فوقیت دے جو عالم بیداری میں اس کے

ہاتھ میں ہو کیونکہ دنیا خواب ہے حدیث شریف میں آیا ہے۔

الناس نیام فاذا ماتوا فانتبھوا — تمام لوگ سو رہے ہیں جب مر جائیں گے تو بیدار ہوں گے۔

نادانی و غفلت کا علاج اچھے فکر و تامل سے ہوگا۔ یوں سمجھو کہ جب موت کا آنا آدمی کے اختیار میں نہیں ہے تو وہ ایسے وقت پر نہیں آئے گی جس میں اس کی مرضی ہو۔ پھر جوانی، زور اور قوت پر بھروسا کرنا قطعی نادانی ہے۔

حرص کے درجے

حرص کے درجوں اور مرتبوں کے اعتبار سے لوگ مختلف ہیں۔ کوئی تو ایسا ہوگا جو ہمیشہ دنیا میں رہنا چاہتا ہوگا۔ چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ یود احدکم لو یعمر الف سنۃ (تم میں کوئی خواستگار ہے کہ ہزار سال تک جئے) اور کوئی ایسا ہوگا کہ بڑھاپے کی آرزو رکھتا ہے اور کوئی ایسا ہوگا کہ اس کو ایک سال سے زیادہ جینے کی امید نہ ہو اور کل دوسرے برس کی تدبیر نہ کرے کوئی ایسا ہوگا کہ ایک دن سے زیادہ جینے کی امید نہ ہو اور کل کی تدبیر اور فکر نہ کرے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہے کل کی روزی جمع مت کر کیونکہ اگر زندگی باقی ہے تو رزق بھی باقی رہے گا اور حیات باقی نہیں ہے تو دوسروں کی زندگی کے واسطے تم رنج مت اٹھاؤ۔ اور کوئی ایسا ہوگا کہ ایک ساعت بھی زندہ رہنے کی اس کو امید نہ ہو چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پانی موجود ہوتے ہوئے تیمم فرما لیتے کہ مبادا پانی لانے سے قبل ہی موت واقع ہو جائے۔ اور کوئی ایسا ہوگا کہ موت ہر آن اس کی نگاہوں کے سامنے ہو۔ چنانچہ حضور اکرم اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ تمہارے ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ جس چیز سے بہرہ مند ہوا میں نے سمجھ لیا کہ آئندہ پھر اس سے نفع اندوز نہیں ہو سکوں گا حضرت اسود حبشی رضی اللہ عنہ، نماز کے وقت ہر طرف دیکھتے تھے۔ لوگوں نے ان سے دریافت کیا کہ آپ کسے دیکھتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ ملک الموت کو دیکھ رہا ہوں کہ کس طرف سے آئے گا۔

الغرض اس بات میں بندوں کی حالت یکساں نہیں ہے۔ جو کوئی فقط ایک ماہ جینے کی امید رکھتا ہے۔ وہ اس سے افضل ہے جو چالیس دن زندگی کی امید رکھتا ہے اور اس کی مثال اس سے ظاہر ہے۔ کہ ایک شخص کے دو بھائی پردیس میں ہیں ایک بھائی کے ایک ماہ میں واپس آنے کی امید ہے اور دوسرے کی سال بھر۔ ایک ماہ میں جو آنے والا ہے اس کے واسطے بھائی

تیاریاں کرتا ہے اور دوسرے بھائی کے معاملہ میں تاخیر کرتا ہے۔) بس اسی طرح ہر کوئی خود کو حرص وہوا سے دور خیال کرسکتا ہے۔ لیکن ہوا و حرص میں مبتلا نہ رہنے کی علامت یہ ہے کہ انسان اپنے دم کو غنیمت جانے اور کار خیر میں جلدی کرے۔ چنانچہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: اے لوگو! پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت سمجھو! جوانی کو بڑھاپے سے پہلے، تندرستی کو بیماری سے پہلے، توانگری کو مفلسی سے پہلے اطمینان کو پریشانی سے پہلے اور زندگی کو موت سے پہلے۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے۔ کہ دو نعمتیں ایسی ہیں جن کی قدر اکثر لوگوں کو نہیں ہے۔ ایک تندرستی دوسرے جمعیت خاطر۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم جب کبھی کسی صحابی (رضی اللہ عنہم) سے غفلت مشاہدہ فرماتے تو ان سے پکار کر فرماتے موت آتی تو سعادت لائی یا شقاوت لائی ”حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ“ نے فرمایا ہے کہ ہر صبح یہ پکار پکار کر کہتی ہے کہ اے لوگو! الرحیل الرحیل (کوچ درپیش ہے کوچ درپیش ہے) شیخ داؤد طائیؒ کو لوگوں نے دیکھا کہ نماز پڑھنے کے لئے دوڑتے ہوئے جارہے ہیں لوگوں نے پوچھا اتنی جلدی کس لئے ہے۔ انہوں نے فرمایا، لشکری شہر کے دروازے پر میرے منتظر ہیں۔ یعنی قبرستان کے مردے جب تک مجھے نہ لے جائیں یہاں سے نہیں ہٹیں گے

نقل ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؒ اپنی آخیر عمر میں بڑی ریاضت کرتے تھے لوگوں نے کہا کہ اگر آپ اس سخت ریاضت میں کچھ نرمی کردیں تو کیا مضائقہ ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ جب گھوڑے کو آخری معرکہ میں دوڑاتے ہیں تو وہ اپنا تمام زور لگا دیتا ہے۔ اسی طرح یہ وقت میری عمر کا آخری میدان ہے قیامت قریب ہے۔ عبادت میں قصور نہیں کروں گا

سکرات مرگ اور جان کنی

معلوم ہونا چاہئے کہ اگر عقل مند شخص کو سکرات موت کے علاوہ اور کوئی خطرہ درپیش ہوتا تو بھی اس کو لازم تھا کہ سکرات کا خوف دل میں رکھ کر دنیا کے عیش سے بیزار رہتا کیونکہ اس کو اگر اس بات کا ڈر ہو کہ ایک ترک سپاہی اس کے گھر کے اندر گھس کر اس کو کاٹنے والا ہے۔ تو ڈر کے باعث خواب و خور سے جی اچاٹ ہو جاتے گا۔ حالانکہ ترک کا آنا مشکوک و مشتبہ ہے۔ اور ملک الموت کا آنا اور روح قبض کرنا ”یقینیات“ سے ہے (یقینی بات ہے) اور موت کا صدمہ اس ترک کے

گرز کی ضرب سے بہت زیادہ شدید اور مہیب ہو گا لیکن غفلت کے سبب سے لوگ اس سے نہیں ڈرتے۔ تمام بزرگان دین اس بات پر متفق ہیں کہ جان کنی کی تکلیف تلوار سے کسی کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالنے کی اذیت سے زیادہ سخت ہے کیونکہ زخم کی اذیت کا سبب یہ ہوتا ہے کہ جہاں زخم لگتا ہے وہاں کی روح کو اذیت پہونچتی ہے اور ظاہر ہے کہ زخم کی جگہ پر تلوار روح کو نہیں دیکھتی ہے آگ سے جلنے کا درد اس واسطے زیادہ ہوتا ہے۔ کہ اس کی جلن تمام اجزاء میں سرایت کر جاتی ہے اور جان کندنی کی اذیت عین روح میں جو بدن کے تمام اجزا کو گھیرے ہے ظاہر ہوتی ہے۔ اور سکرات کے وقت آدمی بے طاقتی کے سبب سے اس واسطے خاموش رہتا ہے۔ کہ زبان اس کی سختی سے گنگ ہو جاتی ہے اور عقل بجا نہیں رہتی۔ یہ سختی بس وہی معلوم کر سکتا ہے۔ جس نے اس کی اذیت اٹھائی ہے۔ یا نور نبوت کی بدولت اس کے وقوع سے پہلے ہی اس کی اذیت کا علم ہو چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اے حواریو! تم دعا مانگو کہ حق تعالیٰ جاں کنی مجھ پر آسان فرما دے کہ مجھے موت کا اتنا خوف ہے کہ میں اس خوف سے مر جاؤں گا۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس وقت پر یہ دعا مانگی تھی اللھم ھون علے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سکرات الموت (الٰہی محمد صلے اللہ علیہ وسلم) پر سکراتِ موت کو آسان فرما دے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے کہ جس شخص کو سکرات میں آسانی ہو۔ اس کی خوبی (انجام) کی مجھے امید نہیں کیونکہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی سکرات کی سختی میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھی ہے۔ اس وقت آپ فرما رہے تھے" یا الٰہی اس روح کو تو ہڈیوں اور رگوں سے نکال رہا ہے یہ سختی مجھ پر آسان فرما دے اور حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے سکرات و جاں کنی کی تکلیف کا احوال یوں بیان فرمایا ہے۔ کہ سکرات کا عالم تلوار کے تین سو زخم کا سا ہے"۔ یہ بھی آپ نے فرمایا کہ بہت آسان موت کی مثال گوکھرو کے کانٹے جیسی ہے جو پالوں میں چبھ جائے پھر اس کا نکالنا آسانی سے ممکن نہیں ہے۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ایک بیمار کے پاس جو حالت نزع میں تھا تشریف لے گئے اور فرمایا کہ مجھے اس کی سختی کی خبر ہے۔ کوئی رگ بدن میں ایسی نہ ہو گی جس میں الگ الگ درد نہ ہوتا ہو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ، نے فرمایا اے لوگو! جنگ کرو تاکہ دشمن کے ہاتھ سے مارے جاؤ کیونکہ تلوار کے ہزار زخم سکرات کی سختی سے جو بستر علالت پر ہوتی ہے تمہارے اوپر آسان ہیں۔

منقول ہے کہ بنی اسرائیل کی ایک جماعت کا گذر کسی قبرستان پر ہوا۔ ان کی دعا سے حق تعالیٰ نے ایک مردہ کو زندہ کر دیا وہ اٹھا اور بولا! اے لوگو؛ مجھ سے کیا چاہتے ہو۔ میری موت کو پچاس سال گ

چکے ہیں لیکن ابھی تک جاں کنی کی سختی مجھے یاد ہے۔ ایک صحابی رضؓ نے فرمایا کہ جب کسی مومن کے مرتبہ میں کچھ باقی رہ جاتا ہے جیسے وہ اپنے عمل سے حاصل نہیں کرسکا ہوتا ہے تو حق تعالیٰ سکرات موت کو اس پر سخت فرما دیتا ہے۔ تاکہ وہ اس طرح ان درجات کو حاصل کرے اور اگر کسی کافر نے نیکی کی ہے۔ تو اس کی جزا میں سکرات کو اس پر آسان کردیتا ہے۔ تاکہ اس کا کچھ حق خداوند تعالیٰ کے ذمہ نہ رہے۔ اور حدیث شریف میں آیا ہے۔ کہ مرگ مفاجات میں مومن کی راحت اور کافر کی حسرت ہے۔

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کی موت کا وقت آیا تو حق تعالیٰ نے ان سے دریافت کیا کہ اے موسیٰ! سکرات میں تیرا کیا حال ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ ایسی حالت ہے۔ جیسے کسی زندہ پرندہ کو آگ میں بھونتے ہوں جس میں نہ اڑنے کی قدرت ہے اور نہ مرنے کی تاکہ اس سختی سے نجات پائے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کعب الاحبار سے دریافت کیا کہ جاں کنی کی سختی کیسی ہوتی ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ اس کی مثال ایسی ہے کہ کانٹوں سے بھری ہوئی ایک شاخ کو کسی کے بدن میں داخل کردیا جائے اور اس کا ایک کانٹا ایک ایک رگ میں چبھ گیا ہو پھر کوئی بہت طاقتور شخص اس شاخ کو باہر کھینچے۔

جاں کنی کی ہیبت

نزع کے عالم میں تین ہیبتیں انسان کو درپیش ہوتی ہیں ایک یہ کہ ملک الموت کی ڈراونی صورت اسے نظر آتی ہے اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے ملک الموت سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ میں تم کو اس صورت میں دیکھوں جس صورت میں تم گنہ گاروں کی روح قبض کرتے ہو ملک الموت نے کہا کہ آپ کبھی اس کی تاب نہ لاسکیں گے۔ آپ نے کہا نہیں تم مجھے دکھلاؤ تب ملک الموت نے اپنی وہ صورت آپ کے سامنے پیش کی کہ ایک کالا کلوٹا گندے بالوں والا سامنے کھڑا ہے۔ جس کا لباس بھی کالا ہے آگ اور دھنواں اس کے منہ سے نکل رہا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام اس کو دیکھتے ہی بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ جب دوبارہ ہوش میں آئے تو ملک الموت اپنی پہلی شکل میں آپ کے سامنے آئے۔ تب ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا اے ملک الموت اگر گنہ گار کو فقط تیری صورت ہی نظر آجائے تو اس کا عذاب ہی اس کے لئے بہت ہے۔ معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ کے نیک بندے اس ہیبت کا سامنا نہیں کرتے کہ ملک الموت کو وہ اچھی صورت میں دیکھتے ہیں۔ اگر بالغرض وہ اس کے بعد قبر میں کچھ راحت و آرام نہ بھی پائیں تو ملک الموت کی وہ اچھی صورت ان کے لئے کافی ہے۔

منقول ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے ملک الموت سے دریافت کیا کہ تم مخلوق کے معاملہ میں

عدل سے کام کیوں نہیں لیتے۔ کسی کو دنیا سے جلد لے جاتے ہو۔ اور کسی کو بہت مدت تک دنیا میں چھوڑ دیتے ہو۔ انہوں نے کہا کہ یہ بات میرے اختیار میں نہیں ہے۔ ہر ایک کے نام کا اجازت نامہ مجھے دیا جاتا ہے اور میں اس حکم کے مطابق عمل کرتا ہوں۔

حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ ایک دن کسی بادشاہ نے سواری کے ارادہ سے لباس پہننا چاہا۔ نوکروں نے طرح طرح کے لباس حاضر خدمت کئے۔ اس نے ان میں سے سب سے بہتر لباس پہنا۔ بہت سے گھوڑے حاضر کئے گئے تھے ان میں سے ایک بہت اچھا گھوڑا سواری کے لئے انتخاب کیا۔ اس پر سوار ہو کر بڑی شان و شوکت سے باہر نکلا۔ تکبر کے باعث کسی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھتا تھا اس اثنا میں ملک الموت نے ایک میلے لباس والے درویش کی صورت میں اس کے پاس آکر سلام کیا۔ بادشاہ نے جواب نہیں دیا۔ تب درویش نے اس کی لگام پکڑ لی۔ بادشاہ نے کہا اے فقیر لگام چھوڑ دے شاید تجھے معلوم نہیں کہ میں بادشاہ ہوں۔ اس نے کہا مجھے تجھ سے کام ہے۔ بادشاہ نے کہا اچھا ٹھہر میں گھوڑے سے نیچے اتر آؤں۔ درویش نے کہا کہ اترنے کی فرصت نہیں ہے۔ اسی وقت وہ کام چاہتا ہوں۔ بادشاہ نے زچ ہو کر کہا کہ بتا کیا کام ہے۔ تب اس نے بادشاہ کے کان میں کہا کہ میں ملک الموت ہوں اور اس لئے آیا ہوں کہ ابھی تیری روح قبض کروں! یہ سنتے ہی بادشاہ کا رنگ فق ہو گیا اور بات کرنے کی بھی طاقت نہ رہی۔ بمشکل تمام کہا کہ اتنی مہلت مجھے دیدو کہ میں گھر جا کر زن و فرزند سے رخصت ہو لوں۔ ملک الموت نے کہا یہ ممکن نہیں ہے۔ غرض اسی وقت گھوڑے ہی پر بادشاہ کی روح قبض کر لی اور بادشاہ مردہ ہو کر گھوڑے سے گر پڑا اور ملک الموت وہاں سے رخصت ہو گیا۔

راہ میں ایک اور مومن کو دیکھا ملک الموت نے کہا مجھے تم سے ایک راز کی بات کہنی ہے! اپوچھا وہ کیا ہے؟ کہا کہ میں ملک الموت ہوں اس نے جواب دیا مرحبا۔ مرحبا۔ میں تو بہت دنوں سے تمہارے انتظار میں تھا۔ مجھے تمہارا آنا بہت عزیز ہے۔ لو میری جان حاضر ہے قبض کر لو۔ ملک الموت نے کہا کہ اگر تم کو کچھ کام ہے تو پہلے اس کو کر لو۔ مرد مومن نے جواب دیا کہ مجھے اپنے پروردگار کے دیکھنے سے زیادہ کوئی ضروری کام نہیں ہے۔ تب ملک الموت نے کہا اچھا جس حالت میں تمہاری مرضی ہو اس حالت میں تمہاری روح قبض کروں۔ مرد مومن نے جواب دیا ذرا ٹھہر جاؤ۔ وضو کر کے نماز پڑھتا ہوں تم سجدہ کی حالت میں روح قبض کر لینا۔ چنانچہ ملک الموت نے ایسا ہی کیا۔ شیخ وہب بن منبہ نے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ ایک بہت مغرور بادشاہ تھا۔ ملک الموت اس کی روح قبض کر

سے کے آسمان پر لے گئے۔ فرشتوں نے ان سے پوچھا اے ملک الموت کبھی تم کو روح قبض کرتے وقت رحم بھی آیا۔ انہوں نے کہا کہ ہاں! ایک حاملہ عورت جنگل میں تھی۔ اس کے بچہ پیدا ہوا اور مجھے حکم جاری ہوا کہ اس عورت کی روح قبض کروں۔ چنانچہ اس عورت کی روح قبض کر کے بچہ کو تنہا ہی کے عالم میں چھوڑ دیا۔ اس عورت کے مسافر ہونے اور اس بچہ کی تنہائی اور کس مپرسی پر مجھے رحم آگیا ملائکہ نے ملک الموت سے کہا کہ تم نے اس بادشاہ کو بھی دیکھا جس کے مانند کوئی دوسرا بادشاہ اس روئے زمین پر نہیں تھا۔ انہوں نے کہا ہاں! دیکھا ہے۔ ملائکہ نے کہا کہ یہ وہی لڑکا تھا جس کو تم نے صحرا میں بے یار ومددگار چھوڑ دیا تھا۔ ملک الموت نے کہا سبحان اللہ الحق تعالیٰ کس قدر مہربان ہے۔

کسی صحابیؓ سے منقول ہے کہ شعبان کی پندرہ تاریخ کو ملک الموت کے ہاتھ میں ایک نامہ دیا جاتا ہے اور اس سال جس جس کی روح قبض کرنا ہوتی ہے اس پر تحریر ہوتا ہے۔ ان میں کوئی گھر تعمیر کراتا ہوتا ہے۔ اور کوئی شادی کرتا ہے۔ اور کوئی لڑتے جھگڑنے میں مشغول ہوتا ہے۔ ان سب اجل رسیدہ لوگوں کے نام اس میں تحریر ہوتے ہیں۔ اعمشؒ نے کہا ہے کہ ملک الموت حضرت سلیمان علیہ السلام کی محفل میں گئے اور ان کے ندیموں میں سے ایک ندیم کو گھور کر دیکھنے لگے۔ جب وہ باہر گئے تو اس ندیم نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے فرمایا کہ یہ شخص جو مجھے یوں گھور رہا تھا کون تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا یہ ملک الموت تھے۔ ندیم نے عرض کیا کہ شاید وہ میری روح قبض کرنا چاہتے ہیں۔ آپ ہوا کو حکم دیجئے کہ وہ مجھے ہندوستان کی سرزمین میں پہونچا دے۔ جب ملک الموت پھر یہاں آئیں گے تو مجھے موجود نہ پائیں گے۔ سلیمان علیہ السلام نے ندیم کی اس خاطر سے ہوا کو ایسا ہی حکم دیا۔ جب وہ فرشتہ پھر آیا تو سلیمان علیہ السلام نے اس سے کہا کہ تم نے میرے فلاں مصاحب کو گھور کر کیوں دیکھا تھا۔ انہوں نے کہا کہ مجھے بارگاہ الٰہی سے حکم ہوا تھا کہ میں اس کی روح ہندوستان میں قبض کروں اور وہ شخص یہاں (بیت المقدس) موجود تھا۔ میں نے خیال کیا کہ اس ساعت میں یہ شخص ہندوستان کس طرح پہونچ سکے گا لیکن جب میں ہندوستان پہونچا تو میں نے اس کو وہاں موجود پایا میں نہایت متعجب ہوا (اور میں نے اس کی روح قبض کر لی)۔

مقصود ان حکایتوں سے یہ ہے کہ تم کو معلوم ہو کہ ملک الموت سے چھپنا ممکن نہیں ہے۔ دوسری ہیبت ان دو فرشتوں کے دیکھنے کی ہے کہ جو ہر ایک انسان پر موکل ہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ موت کے وقت یہ دونوں فرشتے انسان کو نظر آتے ہیں۔ اگر وہ بندہ نیک ہوتا ہے تو یہ کہتے ہیں۔ لاجزاک اللہ خیر الّتی تیا اکرے ہمارے سامنے تو نے بہت سی بندگی کی ہے اور ہم کو خوش

رکھا ہے۔اور اگر بندہ گنہ گار ہوتا ہے تو کہتے ہیں لا جزاك الله (اللہ تیرا بھلا نہ کرے) تو نے ہمارے سامنے بہت سے گناہ اور بدکاریاں کی ہیں اس وقت مردہ کی آنکھ آسمان کی طرف رہتی ہے اور اس کی پتلیاں نیچے نہیں آتی ہیں (اس ہیبت کی وجہ سے) تیسری ہیبت یہ کہ انسان موت کی وقت اپنی جگہ اور اپنا مقام بہشت میں یا دوزخ میں دیکھتا ہے تب ملک الموت نیک بندہ سے کہتے ہیں کہ اے خدا کے دوست تجھے جنت کی بشارت دیتا ہوں۔اور گنہ گار سے کہتے ہیں اے خدا کے دشمن! تجھے دوزخ کی خبر سناتا ہوں پس اس بات کا غم جاں کنی کی سختی کے سبب ہوتا ہے۔خداوند تعالیٰ سے پناہ مانگو اور ان ہیبتوں سے جو دنیا میں نظر آتی ہیں۔قبر کی مصیبت اور قیامت کی سختی اس سے بھی کہیں زیادہ ہو گی۔"

قبر کا مُردے سے کلام کرنا

حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔کہ جب میت کو قبر میں اتارتے ہیں تو قبر کہتی ہے۔اے ابن آدم! تیرا برا ہو تو کس چیز پر مجھے بھول گیا تھا کیا تو نہیں سمجھا تھا میں محنت کا گھر ہوں اندھیری جگہ اور تنہائی کا مقام ہوں تو کس غفلت میں تھا تیرا گذر قبرستان میں ہوتا تھا حیران ہو کر تو ایک پاؤں آگے رکھتا تھا ایک پیچھے! پس اگر وہ مردہ نیکوکار ہوتا ہے تو کوئی اور اس کو جواب دیتا ہے کہ اے قبر تو یہ کیا کہتی ہے۔یہ شخص صالح تھا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا تھا۔تب قبر کہیں گی اگر ایسا ہے تو میں اس پر "باغ" بن جاؤنگی۔تب اس کا بدن نورانی بن جاتا ہے اور اس کی روح آسمان کی طرف جاتی ہے۔حدیث شریف میں وارد ہے کہ جب مردہ کو قبر میں اتارتے ہیں اور فرشتے عذاب دیتے ہیں تو اس کے آس پاس کے مردے اس سے کہتے ہیں کہ اے ہمارے پیچھے آنیوالے! تو ہم سے پیچھے رہ گیا تھا اور ہم تجھ سے پہلے آتے تھے تو نے ہم کو دیکھ کر عبرت کیوں نہیں حاصل کی؟ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ ہم یہاں آ گئے اور ہمارے اعمال ختم ہو گئے تجھے تو مہلت ملی تھی جو بھلا اور اچھا کام ہم نہیں کر سکے تھے تو نے ویسا کام کیوں نہیں کیا اسی طرح زمین کے تمام گوشوں سے آواز آتے گی اے ظاہر دنیا پر فریفتہ! تو نے ان لوگوں کے حال سے عبرت کیوں حاصل نہیں کی جو تجھ سے پہلے مر گئے تھے اور تیری مانند غافل تھے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب نیک بندہ کو قبر میں اتارتے ہیں اس کے نیک اعمال اس کو گھیر لیتے ہیں اور اس کو عذاب سے بچاتے ہیں۔جب عذاب کے فرشتے بائیں طرف سے آتے ہیں تو نماز سامنے

آ کے کہتی ہے میں تجھے نہیں آنے دونگی کہ یہ شخص اللہ تعالیٰ کے واسطے نمازیں پڑھتا تھا اور جب وہ سر کی طرف سے آتے ہیں روزہ کہتا ہے کہ میں تجھے نہیں آنے دوں گا کہ یہ شخص اللہ کے لئے بہت بھوکا پیاسا رہا ہے اور جب بدن کی طرف سے آتے ہیں تو حج اور جہاد کہتے ہیں ہم تجھے نہیں آنے دیں گے کیونکہ اس نے اپنے جسم پر (اللہ کی راہ میں) بہت تکلیف اٹھائی ہے اور جب ہاتھ کی طرف سے آتے ہیں تو صدقہ و خیرات کہتے ہیں اسے عذاب نہ دو کیونکہ اس ہاتھ سے اس نے بہت صدقہ دیا ہے۔ تب عذاب کے فرشتے کہتے ہیں تجھے مبارک ہو۔ اس کے بعد رحمت کے فرشتے آتے ہیں اور اس کی قبر میں بہشتی فرش لا کے بچھاتے ہیں اور قبر کو اس پر کشادہ کر دیتے ہیں اور جہاں تک نظر جاتی ہے۔ وہاں تک گور کشادہ ہو جاتی ہے پھر وہ بہشت سے ایک قندیل لاتے ہیں جس سے قیامت کے دن تک قبر میں نور رہتا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عبید نے فرمایا ہے۔ کہ حضرت رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ مردہ کو قبر میں اتارتے ہیں تو وہ ان لوگوں کے پاؤں کی آواز کو سنتا ہے۔ جو جنازہ کے ساتھ آتے ہیں اور کوئی اس سے بات نہیں کرتا مگر قبر بولتی ہے اور کہتی ہے۔ کہ اے شخص کیا میرے ہول اور میرے فشار کی خبر تجھ سے لوگ بار بار نہ کہتے تھے تو نے میرے واسطے کیا تیاری کی۔

منکر و نکیر کے سوالات

حضور پر نور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب آدمی مرتا ہے۔ تو دو فرشتے آتے ہیں کالے منہ، آنکھیں نیلگوں، ایک کا نام منکر اور دوسرے کا نکیر ہے۔ پھر یہ میت سے پوچھتے ہیں کہ رسول آخر الزماں کے بارے میں تو کیا کہتا ہے اگر مردہ مومن ہے تو جواب دیتا ہے کہ وہ خدا کے بندہ اور اس کے رسول ہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا ایک ہے اور محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم اس کے رسول ہیں۔ یہ کہتے ہی زمین طول اور عرض میں ستر، ستر گز کشادہ ہو جاتی ہے اور اس کو روشن و پر نور کر کے کہتے ہیں سو جا اس طرح جیسے دولہا سوتا ہے۔ ایسا سو، کہ تجھے کوئی بیدار نہ کر سکے سوائے اس کے جو عزیز قریب ہو۔ اگر مردہ منافق ہے۔ تو کہے گا میں محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کو نہیں جانتا۔ ہاں لوگوں سے سنا تھا وہ ان کے بارے میں کچھ کہتے تھے میں بھی کچھ کہتا تھا پس زمین کو حکم ہوگا کہ اس مردہ کو دبا۔ وہ ایسا دبائے گی کہ اس کی دونوں طرف کی پسلیاں ایک دوسرے سے مل جائیں گی اور وہ اسی طرح قیامت تک عذاب میں رہے گا۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اے عمرؓ! تم خود کو کیسا پاتے

ہو، جبکہ تم مرجاؤ اور تمہارے لئے قبر کھودیں چار گز لمبی، سوا گز چوڑی۔ اس کے بعد تم کو نہلائیں اور کفنائیں اور اس گور میں رکھ کر تم پر مٹی ڈال کے واپس آجائیں۔ قبر کے فتنہ والے منکر نکیر جن کی آوازیں گڑگڑاہٹ ہے اور ان کی آنکھیں بجلی کی مانند روشن، ان کے بال زمین سے لگتے ہوں گے وہ اپنے دانتوں سے قبر کی مٹی تلپٹ کرکے تم کو پکڑتے اور ہلاتے ہوں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! کیا اس وقت میری عقل باقی رہے گی؟ فرمایا ہاں باقی رہے گی! پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا پروا نہیں میں ان کا جواب دوں گا ایک اور حدیث میں ہے کہ دو جانوروں کو کافر کی قبر میں بھیجتے ہیں دونوں بہرے اور اندھے ہوتے ہیں ہر ایک کے ہاتھ میں لوہے کا گرز ہوگا۔ جس کا سرا اتنا بڑا ہوگا جتنا اس ڈول کا جس میں اونٹ کو پانی پلاتے ہیں وہ جانور کافر کو قیامت تک اس گرز سے ماریں گے۔ نہ ان کے آنکھ ہے۔ جس سے دیکھ سکیں اور ان کو رحم آتے اور نہ کان کہ اس کی فریاد سن سکیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قبر ہر ایک میت کو دباتی ہے اگر کوئی شخص اس فشار قبر سے بچتا تو وہ سعد ابن معاذ (رضی اللہ عنہ) ہوتے

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے جب وفات پائی تو حضور نے ان کو قبر میں اتارا۔ آپ کا چہرہ نہایت متغیر ہوا اور جب آپ باہر تشریف لے آئے تو مزاج مبارک بحال ہوئے۔ ہم نے دریافت کیا یارسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) آپ کے تغیر مزاج کا کیا سبب تھا فرمایا کہ میں نے قبر کے فشار اور عذاب کو یاد کیا تھا۔ مجھے غیب سے معلوم ہوا کہ خاتون زینب پر ان کو آسان کر دیا گیا ہے۔ باوجود اس کے اس کی گور نے اس کو اتنا دبایا کہ اس کی آواز تمام جانور سنتے تھے۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ قبر میں کافر کو عذاب اس طرح ہوتا ہے کہ ننانوے (۹۹) اژدھے اس پر بھیجے جاتے ہیں اور ہر ایک اژدھا نو (۹) سر والا ہوتا ہے یہ اس کو کاٹتے ہیں اور اس پر پھنکار مارتے ہیں اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد کیا ہے۔ کہ قبر آخرت کی پہلی منزل ہے اگر آسان گذر جائے تو جو عذاب اس کے بعد ہوگا۔ وہ بھی آسان ہوگا اور اگر یہ منزل کٹھن اور دشوار ہو تو عذاب جو اس کے بعد ہے وہ سخت تر ہوگا۔ اے عزیز معلوم ہونا چاہیئے کہ عذاب قبر کے بعد نفخ صور کی ہیبت، روز قیامت کی ہیبت، روز قیامت کی درازی، اس کی گرمی اور پسینہ میں ڈوب جانا۔ اس کے بعد گناہوں کی پرسش کی ہیبت ہے جو اس کے بعد نامہ اعمال کے باعث ہوتی اس کی

ہیبت ہے۔ اس کے بعد اس کی رسوائی کی ہیبت ہے جو اس نامہ اعمال کی ہیبت ہو گی۔ اس کے بعد میزان کی ہیبت ہے کہ نیکیوں کا پلہ بھاری رہتا ہے یا گناہوں کا۔ اس کے بعد حق داروں اور مدعیوں کے فریاد کی ہیبت ہے اور ان کے سوال وجواب کا دھڑکا ہے۔ پھر پل صراط کی ہیبت ہے۔ پھر دوزخ کی ہیبت ہے۔ اور وہاں کے فرشتوں کی اذیت، طوق وزنجیر، تھوڑ اور سانپ بچھوؤں وغیرہ کے عذابوں کی ہیبت ہے۔ اور یہ عذاب دو طرح کے ہیں ایک جسمانی اور دوسرے روحانی۔ جسمانی عذاب کا بیان احیاء العلوم کے آخر میں تفصیل سے کیا گیا ہے اور جو دلائل اس بارے میں بیان کئے گئے ہیں ہم نے ان کو بیان کیا ہے اور موت کی حقیقت روح کی ماہیت کا احوال جو موت کے بعد ہوتا ہے عنوان قائم کر کے لکھا ہے جو کوئی عذاب جسمانی کی تفصیل معلوم کرنا چاہتا ہے۔ وہ احیاء العلوم میں مطالعہ کرے اور روحانی عذاب کا بیان اس کے عنوان کے تحت کیا گیا ہے۔ اب یہاں دوبارہ ذکر کرنا طوالت کا موجب تھا۔ پس ہم اس پر اکتفا کرتے ہیں۔ اور اس باب کے آخر میں بزرگان دین نے جن مردوں کا احوال خواب میں دیکھا ہے۔ ہم تحریر کریں گے۔ کیونکہ زندوں کو مردوں کا احوال کسب باطن سے معلوم ہوتا ہے۔ خواب میں یا بیداری میں، لیکن حواس ظاہری سے اس کا علم ممکن نہیں ہے کیونکہ مردے ایسے عالم میں گئے ہیں کہ سارے حواس کو ان کا حال معلوم کرنے کی طاقت نہیں ہے۔ جس طرح کان رنگ سے بے خبر ہیں اور آنکھ آواز سے بے خبر ہے۔ آدمی میں ایک خاصا ہے۔ جس سے عالم بقا کے مسافروں کو دیکھ سکتا ہے۔ لیکن جو اس ظاہری اور مشغلہ دنیا کے سبب سے وہ خاصیت مخفی رہتی ہے۔ جب نیند کے غالب ہو جانے سے انسان اشغال دنیوی سے آزادی پاتا ہے۔ اور مردوں کی مانند ہو جاتا ہے۔ تو ان کا احوال ان پر ظاہر ومکشوف ہو جاتا ہے۔ ان حضرات کی اسی خاصیت کے سبب سے مردوں کو ہماری خبر ہوتی ہے کہ وہ ہمارے نیک اعمال سے شاد اور ہمارے گناہوں سے غمگین ہوتے ہیں۔

یہ بات احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ان کو ہماری خبر اور ان کی خبر ہم کو لوح محفوظ کے واسطہ سے ہوتی ہے۔ کیونکہ ہمارا اور ان کا حال لوح محفوظ میں تحریر ہے۔ جب آدمی کے دل کو لوح محفوظ کے ساتھ ایک نسبت پیدا ہو جاتی ہے۔ تو وہ خواب میں مردوں کا حال لوح محفوظ کے ذریعہ سے معلوم کرتا ہے اور جب مردے صاحب نسبت ہوں تو وہ ہمارا حال معلوم کرتے ہیں۔

لوح محفوظ کی مثال ایک آئینہ کی سی ہے۔ جس میں تمام اشیاء کی صورتیں جلوہ گر ہوتی ہیں۔ آدمی کی روح بھی آئینہ کی طرح ہے۔ اور مردے کی روح بھی اسی طرح ہے۔ پس جس طرح ایک آئینہ میں

دوسرے آئینہ کا عکس پڑتا ہے۔ اسی طرح لوح محفوظ پر لکھی ہوئی بات ہمارے اور مردوں کے آئینہ ہائے دل پر جلوہ گر ہوتی ہے۔

تم یہ نہ سمجھ لینا کہ لوح محفوظ ایک جسم ہے جو مربع لکڑی یا بانس یا اور کسی چیز کا بنا ہوا ہے۔ جس کو ظاہر کی آنکھ سے دیکھ سکتے ہیں اور وہ احوال جو اس میں تحریر ہیں ان کو پڑھ سکیں۔ اگر تم اس کی مثال معلوم کرنا چاہتے ہو تو اس کو اپنے باطن میں تلاش کرو کہ حق تعالےٰ نے تم میں ساری مخلوق کا نمونہ پیدا کیا ہے۔ تاکہ اس کے ذریعہ سے تم ساری کائنات کو معلوم کرسکو جبکہ تم خود اپنی ذات سے بے خبر ہو دوسرے کو کس طرح پہچانو گے۔ لوح محفوظ کا نمونہ قاری کا دماغ ہے جس کو سارا قرآن ازبر ہے۔ گویا اس میں تحریر ہے۔ وہ اس میں قرآن کو اس کی سطور کو اور حروف کو دیکھتا ہے۔ (اور پڑھتا چلا جاتا ہے) اب اگر کوئی شخص ایسے دماغ کو ریزہ ریزہ کرکے چشم ظاہر سے اس کو دیکھے تو اس کو اس میں کہیں بھی قرآن تحریر کیا ہوا نظر نہیں آئے گا۔ پس لوح محفوظ میں اسی طرح سے چیزیں تحریر ہیں چونکہ اس میں بے نہایت و شمار اشیاء تحریر ہیں اور منقوش ہیں اور چشم کی بصارت محدود ہے ظاہر ہے کہ نامتناہی کو متناہی میں کس طرح محسوس نقوش میں تحریر کیا جاسکتا ہے۔ پس اس کا خط اور اس کی تختی، اس کا قلم اور لکھنے والا ہاتھ ان سب میں کوئی بھی تمہارے عضو کے مانند نہیں ہے جس طرح اس کا کاتب تم سے مشابہ نہیں ہے۔ بلکہ یہاں تو یہ معاملہ ہے کہ "گھر کا جو کچھ بھی ہے سامان، مالک سے ہے مشابہ"، اس تمام گفتگو سے مقصود یہ ہے کہ مردوں کو ہمارے حال کی اور ہم کو ان کی خبر ہوتی ہے۔ اس کو تم محال مت سمجھو۔

مردوں کو اچھے اور برے حال میں دیکھنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ جیتے ہیں۔ راحت میں ہیں یا عذاب میں دنیا سے جو گذر گئے وہ نیست نہیں ہوئے ہیں اور مرے نہیں ہیں جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۙ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ (سورۃ فتح)	اور تم ان کو مردہ گمان نہ کرو جو راہ خدا میں مارے گئے بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے پروردگار کے پاس اور انکو روزی دی جاتی ہے اور اس پر شاداں ہیں جو کچھ ان کے رب نے اپنے فضل سے عطا کیا ہے۔

❊ ❊ ❊

مُردوں کے احوال

جو خواب میں مکشوف ہوئے

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے ۔ جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے مجھے دیکھا کیونکہ شیطان میری صورت میں نہیں آسکتا ۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے خواب میں دیکھا کہ مجھ سے ناخوش ہیں میں نے دریافت کیا کہ حضور اس ناخوشی کا موجب کیا ہے ۔ تو حضور علیہ التحیۃ والثنا نے فرمایا کہ کیا تو روزہ کی حالت میں اپنی بیوی کے بوسے لینے سے پرہیز نہیں کرسکتا تھا (نتوانی کہ در روزہ اہل خود بوسہ نہ دہی : کیمیائے سعادت نولکشوری نسخہ ص ۵۶۴ سطر) پھر کبھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایسا نہیں کیا۔ اگرچہ یہ بوسہ حرام نہیں لیکن اس کا نہ کرنا ہی اولیٰ ہے ۔ لیکن ایسے دقائق میں صدیقوں کو صاف نہیں کیا جاتا ہے ۔ اگرچہ دوسروں کو معاف کردیا جاتا ہو۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بڑی محبت تھی آپ کی وفات کے بعد میں نے چاہا کہ آپ کو خواب میں دیکھوں ۔ ایک سال کے بعد میں نے آپ کو خواب میں دیکھا ۔ آپ اپنی آنکھیں مل رہے تھے ۔ فرمایا کہ میں ابھی حساب سے فارغ ہوا ہوں اگر حق تعالےٰ کریم نہ ہوتا تو بہت مشکل آپڑی تھی

حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے ابولہب کو خواب میں دیکھا آگ میں جل رہا تھا ۔ میں نے پوچھا تیرا کیا حال ہے ؟ کہا کہ ہمیشہ سے عذاب میں گرفتار ہوں ۔ صرف پیر کی شب عذاب نہیں ہوتا جس میں رسول اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے تھے تو جب میں نے یہ بشارت ولادت سنی تو ایک کنیز کو خوشی سے آزاد کردیا تھا اس کی جزا میں پیر کی رات کو مجھ پر عذاب نہیں ہوتا۔

حضرت عمر ابن عبد العزیز رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ حضرات ابوبکر و عمر (رضی اللہ عنہما) کے ساتھ تشریف فرما ہیں ۔ میں بھی اس مجلس میں بیٹھ گیا یکایک امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو لایا گیا دونوں کو حضور علیہ التحیۃ الثناء کو گھر کے اندر بھیج دیا اور دروازہ بند کردیا ۔ تب میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا گھر سے باہر

اگر وہ فرمانے لگے قضنی لی ورب الکعبہ یعنی واللہ ۔ مجھے میراحق دلوادیا گیا اس وقت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ باہر آئے اور کہا غفرلی ورب الکعبہ یعنی واللہ مجھے بخش دیا گیا۔

نقل ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک دن حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت سے قبل نیند سے اٹھ کر انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ لوگ کہنے لگے کیا حادثہ ہو گیا انہوں نے کہا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو دشمنوں نے شہید کر دیا۔ لوگوں نے پوچھا آپ کو کیسے معلوم ہو گیا؟ توانہوں نے کہا کہ میں نے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ کے ساتھ ایک آبگینہ خون سے بھرا ہوا ہے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ تو نے دیکھا کہ میری امت کے لوگوں نے میرے ساتھ کیا سلوک کیا۔ میرے فرزند کو ناحق مار ڈالا یہ اس کا اور اس کے رفیقوں کا خون ہے۔ اس کو حق تعالیٰ کے پاس داد خواہی کے لئے لے کر جا رہا ہوں۔ اس خواب کے چوبیس دن کے بعد حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے شہادت کی خبر آگئی۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو کسی شخص نے خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ آپ ہمیشہ زبان کی طرف اشارہ کر کے کہتے تھے میرے سامنے بہت سے کام رکھے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہاں اس زبان سے لا الہ الا اللہ کہا تھا تو بہشت میرے سامنے رکھی گئی ہے (بہشت عطا کی گئی ہے) شیخ یوسف بن الحسین کو کسی نے خواب میں دیکھا اور دریافت کیا کہ حق تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا۔ کہا اس نے رحمت سے نوازا۔ پوچھا کس عمل کے باعث؟ انہوں نے کہا کہ صرف اس بات سے کہ میں نے سچائی میں کبھی مزاح کو شامل نہیں کیا۔

شیخ منصور بن اسمعیل فرماتے ہیں کہ میں نے شیخ عبد اللہ بزاز کو خواب میں دیکھا تو ان سے دریافت کیا کہ حق تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا۔ انہوں نے کہا میں نے ہر ایک گناہ کا اقرار کیا اس کو معاف کر دیا گیا۔ ایک گناہ کا اقرار کرنے اس کے حضور مجھے شرم آئی۔ مجھے ایسے کھڑا کیا گیا کہ میرے منہ کا تمام گوشت گل کر زمین پر گر پڑا۔ میں نے پوچھا وہ کونسا گناہ تھا جس کی یہ سزا ہے انہوں نے کہا کہ ایک خوبصورت غلام کو میں نے بنظر شہوت دیکھا تھا۔ شیخ ابو جعفر صدلان کہتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا تھا۔ ایک گروہ درویشوں یعنی صوفیوں کا ساتھ بیٹھا تھا۔ دو فرشتے آسمان سے اترے ایک کے ہاتھ میں آفتابہ تھا اور دوسرے کے ہاتھ میں طشت! حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے دست ہائے اقدس دھوئے پھر تمام درویشوں نے اس کے بعد میرے سامنے بھی طشت رکھا گیا تاکہ میں بھی ہاتھ دھو لوں ان درویشوں میں سے ایک نے کہا کہ اس کے ہاتھ پر پانی نہ ڈالو کہ یہ ان درویشوں میں سے نہیں ہے۔ یہ سن کر میں نے کہا کہ یا رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) آپ کا ارشاد ہے کہ جو کوئی جس قوم کو دوست رکھتا ہے۔ وہ ان ہی میں شمار ہوتا ہے۔ اور میں ان درویشوں اور صوفیوں کو دوست رکھتا ہوں یہ سن کر

رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کے ہاتھ بھی دھلاؤ یہ بھی ان میں سے ہے۔ شیخ مجمع رح کو خواب میں دیکھا تو دریافت کیا کہ کیا معاملہ پیش آیا، ان کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا گیا تو شیخ مجمع رح نے کہا کہ دنیا اور آخرت کی زیادہ بھلائی ان کے حصہ میں آتی۔

حضرت زرارہ رح ابن ابی اوفی کو خواب میں کسی نے دیکھا تو ان سے دریافت کیا کہ آپ نے اعمال میں سب سے بڑھ کر کس چیز کو پایا۔ انہوں نے جواب دیا "در رضا بحکم خدا" سب سے بہتر عمل اور کوتاہی اَمَل"

یزید بن مذعور کہتے ہیں کہ میں نے امام اوزاعی کو خواب میں دیکھا تو میں نے ان سے دریافت کیا کہ مجھے بہترین عمل سے آگاہ فرمایئے تاکہ میں اس کے حصول کی کوشش کروں۔ انہوں نے کہا کہ میں نے عالموں کے درجہ سے بلند کوئی درجہ نہیں دیکھا لیکن اس سے بھی ایک بلند درجہ ہے۔ اور وہ غمگین رہنے والوں کا ہے (جو دنیا کا غم واندوہ کرتے رہتے ہیں)

ابن یزید رح ایک بوڑھے شخص تھے اس خواب کے بعد سے انہیں ہمیشہ روتا پایا گیا جب تک وہ زندہ رہے یہاں تک کہ رونے روتے ان کی بصارت ختم ہوگئی (تا دم مرگ روتے ہی رہے)

امام ابن عیینہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے بھائی کو خواب میں دیکھا میں نے دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے ہر اس گناہ کو بخش دیا جس پر میں نے استغفار کر لی تھی۔ لیکن جس گناہ پر استغفار نہیں کی تھی اس کو معاف نہیں فرمایا۔

زبیدہ خاتون رح (زوجہ ہارون الرشید) کو خواب میں دیکھا دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے ایک قدم پل صراط پر رکھا تو دوسرا قدم میرا بہشت میں تھا۔ شیخ احمد رح بن الحواری فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی بیوی کو خواب میں دیکھا اس کی ایسی حسین شکل تھی کہ کسی نے بھی ایسی حسین شکل نہیں دیکھی ہوگی اس کے چہرہ پر ایک نور چمک رہا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تیرے چہرہ کا یہ نور اور یہ تابانی کس سبب سے ہے؟ اس نے جواب دیا تم کو یاد ہوگا کہ فلاں رات تم اللہ تعالیٰ کی یاد میں خوب گریہ وزاری کر رہے تھے میں نے کہا ہاں مجھے یاد ہے میری بیوی نے کہا تمہارے وہی آنسو میں نے اپنے منہ پر مل لئے تھے یہ اسی کا نور ہے۔ شیخ کنعانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ میں نے شیخ جنید قدس سرہٗ کو خواب میں دیکھا تو میں نے دریافت کیا کہ خداوند تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا۔ فرمایا کہ مجھ پر رحمت فرمائی اور میرے وہ تمام ریاضت وعبادات برباد گئیں۔ ان سے مجھے کچھ بھی حاصل نہ ہوا۔ بس نماز کی وہ دو رکعتیں کام آئیں جو میں رات میں پڑھتا تھا۔

کسی شخص نے زبیدہ خاتون کو خواب میں دیکھا اور دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو کیا جزا دی انہوں

نے کہا کہ ان چار کلمات کے پڑھنے کے باعث مجھ پر رحمت فرمائی لا الہ الا اللہ افنی بہا عمری (۲) لا الہ الا اللہ ادخل بہا قبری (۳) لا الہ الا اللہ اخلو بہا وحدی (۴) لا الہ الا اللہ القی بہا ربی"

حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کو کسی نے خواب میں دیکھ کر ان سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا۔ انہوں نے فرمایا مجھ پر رحمت فرمائی اور فرمایا کہ مجھ سے اس قدر ترساں اور خوف زدہ رہتے ہوئے تجھے شرم نہیں آتی تھی۔ شیخ ابو سلیمان دارانیؒ کو خواب میں دیکھا اور دریافت کیا۔ کہ کیسی گذری فرمایا اللہ نے مجھ پر رحمت فرمائی اور کسی چیز نے مجھے اتنا نقصان نہیں پہوچایا جتنا اہل دین میں انگشت نما بنے رہنے سے (لوگ مجھ پر انگشت نمائی کرتے اور کہتے کہ یہ صاحبِ ایمان ہے) شیخ ابو سعید خرازؒ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابلیس کو خواب میں دیکھا میں نے اپنا عصا اٹھایا کہ اسے ماروں لیکن اس نے کچھ بھی پروا نہیں کی (ذرا بھی نہ ڈرا) ہاتف غیبی نے اس وقت آواز دی کہ شیطان ایسے ڈنڈوں سے نہیں ڈرتا ہے یہ تو اس نور (ایمان) سے ڈرتا ہے جو دل میں ہوتا ہے۔

شیخ مسوجیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے شیطان کو خواب میں دیکھا تو میں نے کہا کہ تجھے مردوں سے شرم نہیں آتی۔ اس نے کہا کہ یہ جوانمرد کہاں ہیں اگر یہ مرد ہوتے تو میں ان کے ساتھ اس طرح نہ کھیلتا جس طرح بچے بچوں کے ساتھ گیند کھیلتے ہیں۔ جواں مرد تو وہ لوگ ہیں۔ جنہوں نے مجھے کمزور و ناتواں کر دیا ہے۔ یعنی حضرات صوفیہ! شیخ ابو سعید خراز فرماتے ہیں کہ میں دمشق میں تھا میں۔ نے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ حضرت والا تشریف لا رہے ہیں اور ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما پر سہارا لئے ہوتے ہیں۔ میں ایک شعر پڑھ رہا تھا اور سینہ پر انگلی مارتا جاتا تھا۔ یہ دیکھ کر حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کا شر اس کے خیر سے زیادہ ہے۔

حضرت شبلیؒ کو کسی نے خواب میں دیکھا ابھی ان کے انتقال کو صرف تین دن ہوئے تھے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا۔ تو انہوں نے فرمایا کہ میرا بہت سخت حساب لیا گیا۔ میں تو نا امید ہو گیا تھا کہ میری نا امیدی دیکھ کر مجھ پر رحمت نازل فرمادی۔ حضرت سفیان ثوری قدس سرہ کو خواب میں دیکھا تو پوچھا کیسی گذری انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر رحم فرمایا ان سے پوچھا گیا کہ عبداللہ کس حال میں ہیں انہوں نے کہا کہ ان کو دو مرتبہ روزانہ دیدار الٰہی سے نوازا جاتا ہے مالک بن انس رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا کیا انہوں نے فرمایا کہ محض اس کلمہ کی بدولت مجھ پر رحمت فرمائی جو میں نے حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ سے سنا تھا کہ جب وہ کوئی جنازہ دیکھتے تو فرماتے: سُبْحَانَ الْحَيِّ لَا يَمُوتُ (پاک ہے وہ اللہ جو زندہ ہے اور جس کے لئے موت نہیں ہے) جس رات میں شیخ حسن بصریؒ

کا انتقال ہوا اسی شب خواب میں دیکھا گیا کہ آسمان کے دروازے کھول دیے گئے اور یہ منادی کی جارہی تھی کہ حسن بصری نے اللہ کا دیدار کیا اور شادماں ہوئے۔

شیخ جنیدؒ نے ابلیس کو خواب میں دیکھا تو کہا تجھے مردوں کا مقابلہ کرنے) سے شرم نہیں آتی تو اس نے کہا یہ مرد کب ہیں۔ مرد تو وہ ہیں جو شونیزیہ میں ہیں جنہوں نے مجھے اتنا لاغر کر رکھا ہے۔ شیخ جنید نے فرمایا کہ صبح کو میں جامع شونیزیہ جانے کے لئے گھر سے نکلا تو میں نے ان لوگوں کو دیکھا کہ سر بزانو بیٹھے ہوئے ہیں اور مجھ سے فرمایا کہ اس ملعون ابلیس کے قول پر غرور نہ کرنا۔

عتبۃ الغلام نے ایک حور بہشتی کو خواب میں دیکھا بہت ہی حسن وجمال کے ساتھ، اس حور نے کہا۔ اے عتبہ میں تم پر عاشق ہوں دیکھو ایسا کوئی کام نہ کرنا جس کے باعث میں تم کو نہ مل سکوں۔ عتبہ نے کہا کہ میں تو دنیا کو تین طلاقیں دے چکا ہوں اب میں اس کے پاس نہ پھٹکوں گا۔ کہ پھر اس میں مصروف رہ کر تم کو حاصل کرنے کی کوشش کروں!!

شیخ ابو ایوبؒ سجستانی نے ایک مفسد شخص کا جنازہ دیکھا یہ اپنے بالاخانہ پر چڑھ گئے تاکہ اس کی نماز جنازہ نہ پڑھیں۔ اسی رات انہوں نے اس مردہ کو خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے ساتھ کیا کیا اس نے کہا کہ رحمت فرمائی اور کہا کہ ابو ایوب سے کہہ دو۔ قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّیْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ ط (یعنی رحمت الٰہی کے خزانے اگر تمہارے ہاتھ میں ہوتے تو تم بربنائے بخل اس میں سے کچھ خرچ نہ کرتے)۔

جس رات شیخ داؤد طائی قدس سرہٗ نے وفات پائی اسی رات کسی نے ان کو خواب میں دیکھا کہ فرشتے آجا رہے ہیں پوچھا آج یہ کیسی رات ہے فرشتوں نے کہا کہ آج رات داؤد طائی کا انتقال ہوا ہے۔ بہشت کو اس کے لئے سجایا جارہا ہے۔ شیخ ابو سعید شحامؒ نے کہا کہ شیخ سہل معاءؒ کی کو میں نے خواب میں دیکھا تو میں نے انہیں پکارا کہ اے خواجہ! انہوں نے جواب دیا کہ مجھے خواجہ نہ کہو۔ میں نے پوچھا کہ آپ کے وہ سب اعمال کیا ہوئے! انہوں نے کہا کہ مجھے ان سے کچھ نے فائدہ پہونچایا جو بوڑھی عورتیں مجھ سے دریافت کرتی تھیں۔

ربیع بن سلیمان نے کہا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو میں نے خواب میں دیکھا میں نے پوچھا کہ حق تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ فرمایا کہ مجھے سنہری کرسی پر بٹھایا گیا اور آب دار موتی مجھ پر نچھاور کئے گئے۔ امام شافعی نے پھر فرمایا کہ مجھے ایک مشکل پیش ہوئی جس کے بارے میں مجھے بڑی فکر تھی خواب میں ایک شخص آیا اور اس نے مجھ سے کہا اے محمد ادریس تم یہ دعا پڑھو۔ اللھم انی لا املک لنفسی ضراً ولا نفعاً ولا موتاً ولا حیوٰۃ ولا نشورا ولا استطیع ان اٰخذ الا ما اعطیتنی ولا اتقی الا ما وقیتنی اللھم وفقنی لما تحب وترضی من القول والعمل

فی عافیۃ صبح کو جب میں اٹھا اور میں نے یہ دعا پڑھی تو دن چڑھے وہ مشکل حل ہو گئی۔ تم اس دعا کو کبھی فراموش نہ کرنا

شیخ عتبۃ الغلام کو کسی نے خواب میں دیکھا پوچھا کہ حق تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا تو انہوں نے کہا کہ تمہارے گھر کی دیوار پر جو یہ دعا لکھی ہوئی تھی اس دعا کے پڑھنے کے صلہ میں مجھے بخش دیا۔ خواب میں کہنے والا شخص کہتا ہے۔ کہ جب صبح کو میں بیدار ہوا تو میں نے اپنے گھر کی دیوار پر عتبۃ الغلام کے خط میں یہ دعا لکھی ہوئی تھی۔

یا ھادی المضلین ویا راحم المذنبین ویا مقیل عثرات العاثرین ارحم عبدک ذا الخطر العظیم والمسلمین کلھم اجمعین واجعلنا مع الاحیاء المرزوقین الذین انعمت علیھم من النبیّن والصدّیقین والشھداء والصالحین امین یا رب العلمین ٥

موت کے ذکر کا اس قدر بیان یہاں کافی ہے۔ ہم نے کتاب کیمیائے سعادت کو اس پر ختم کیا اور ایسے نیک بندوں سے جو اس کا مطالعہ کریں اور اس سے نفع پذیر ہوں ہم کو امید ہے کہ مصنف کو دعائے خیر سے یاد کریں گے (دعائے خیر میں فراموش نہیں کریں گے) اور حق تعالیٰ سے مصنف کی مغفرت کی دعا مانگیں گے تاکہ اگر بیان میں کچھ تقصیر ہوئی ہو یا تکلف اور ریا کا خیال اس کے دل میں آیا ہو تو حق تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اور ان (مطالعہ کرنے والے حضرات) کی دعا کی برکت سے اس کو بخش دے اور اس کتاب (کی تالیف) کے ثواب سے اس کو محروم نہ کرے کہ کوئی نقصان اس سے عظیم تر نہ ہوگا کہ کوئی شخص مخلوق کو خدا کی طرف بلائے اور خود ریا اور اغراض نفسانی کی وجہ سے حق تعالیٰ کی درگاہ سے دور رہے۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَعُوْذُ بِعَفْوِکَ مِنْ عِقَابِکَ وَنَعُوْذُ بِرِضَاکَ مِنْ سَخَطِکَ وَنَعُوْذُ بِکَ مِنْکَ لَا نُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْکَ اَنْتَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہٗ

تمّت

اردو ترجمہ کیمیائے سعادت بعونہ تعالیٰ